إِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْقَصَصُ الْحَقُّ ۚ

56

تاریخ مسلمانانِ عالم

جلد سوم

تاریخ خلفائے راشدین رضوان اللہ علیہم

از

مولانا قاری احمد

ناشر

قرآن محل

مقابل مولوی مسافر خانہ، کراچی

باہتمام

محمد سعید اینڈ سنز تاجران کتب

ناشر

قرآن محل مقابل مولوی مسافرخانہ کراچی

طابع

عارف سعید

مطبوعہ

مطبع سعیدی کراچی

فون نمبر: ـــــ ۷۵۱۱۷

قیمت ـــــ ۶/-

فرمان باری تعالیٰ جل شانہٗ

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا ۭ يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْـــًٔا ۭ وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝

”وعدہ دیا اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو جو ایمان لا چکے تم میں سے اور نیک کام کر چکے کہ ضرور بالضرور خلیفہ بنائیگا انہیں زمین میں جیسے خلیفہ بنایا تھا ان لوگوں کو جو ان سے پہلے تھے۔ اور ضرور بالضرور مضبوط و پائیدار کر دیگا ان کے لئے دین کو وہ دین جس کو پسند کیا اللہ نے انکے لئے اور ضرور بالضرور بدل دے گا ان کے خوف کو امن سے، وہ لوگ ہمیشہ میری پرستش کرتے رہیں گے اور شریک نہ بنائیں گے میرے ساتھ کسی چیز کو، اور جو کوئی ناشکری کرے گا بعد اس کے تو وہی لوگ فاسق ہیں۔“

(سورۂ نور پ ۱۸)

ارشادِ مصطفیٰ ؐ

آخری خلیفہ راشد حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ یا رسول اللہ ؐ! ہم آپؐ کے بعد کسے سردار بنائیں؟

آپؐ نے جواب میں ارشاد فرمایا۔ اگر تم ابوبکرؓ کو سردار بناؤ گے تو تم ان کو ہدایت کرنے والا، امانت دار، دنیا سے بے پرواہ اور آخرت کی جانب رغبت کرنے والا پاؤ گے۔

اور اگر تم عمرؓ کو سردار بناؤ گے تو تم ان کو ایک ایسا قوی و امانت دار پاؤ گے جو اللہ کے حقوق بجا لانے میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہیں ڈرتا۔ اور اگر تم علیؓ کو سردار بناؤ گے اور میں نہیں جانتا کہ تم ان دونوں کی موجودگی میں ایسا کرو گے تو ان کو بھی ایک ہدایت کرنے والا اور ہدایت یافتہ پاؤ گے وہ تم سب کو راہ مستقیم پر چلائیں گے۔"

(حاکم بروایت ابواسحق و زید بن صبیع عن حضرت علیؓ)

کلامِ سعید

تمام تعریفوں کی مستحق اس اللہ کی ذات ہے جس نے آخری نبی حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے بندوں کی ہدایت کے لئے مبعوث فرمایا ــــ اور صحابہ کرامؓ میں خلفائے راشدینؓ کو یہ شرف و اعزاز بخشا کہ وہ اسلام کی روشنی اور اس کی پاکیزہ تعلیمات ونظام سے دنیا کے ایک بڑے حصہ کو روشناس کرانے میں حسب منشائے رسولؐ کامیاب ہوئے

رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمْ وَرَضُوا عَنْہُ

زبان اس لائق نہیں کہ اس کی بندہ نوازیوں کا شکریہ ادا کروں، ضعیف ہماری ناتمام کوششیں! بس اس رب حقیقی کا کرم ہے جو میں تاریخ مسلمانان عالم کی اس تیسری کڑی کو شائع کرنے اور شائقین کے ہاتھوں تک پہنچانے میں کامیاب ہو سکا۔

اے اللہ! میری مدد فرما اور اپنی اعانتیں میرے شامل حال رکھ تاکہ میں تاریخ مسلمانان عالم جیسے قدیم ومستند سلسلہ کی دسوں جلدیں چھاپنے میں کامیاب ہو سکوں!

مولانا قاری احمد صاحب کی علمی ونظری صلاحیتیں اور قلمی کاوشیں لائق تحسین ہیں۔ اللہ تعالیٰ انکے علم وقلم کی قوتوں کو مزید قوت عطا فرمائے ــــ بلاشبہ اس مبارک سلسلہ کی تالیف وطباعت ان کے اور میرے لئے ذریعہ نجات ثابت ہوگی، انشاء اللہ العزیز۔

بندۂ ناچیز: ــ محمد سعید عفی عنہ

*

خلفائے اربعہ رض

(کلمات قاری)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات و تبلیغ، ارشادات و ہدایت اور ثبات و قیام کی سب سے زیادہ روشن اور نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ آپ نے ۲۳ سال کی قلیل مدت میں عربی قوم کے مختلف و متضاد عناصر کو آپس میں اس طرح مربوط و منظم کر دیا کہ وہ حق کی محبت و حمایت میں سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی طرح مرصوص و مضبوط ہو گئے یہ اتحاد، یہ تنظیم اور یہ اصلاح ان کے ظاہری اجسام و اعمال تک ہی محدود نہیں تھی بلکہ ان کے قلب کی گہرائیوں اور سینہ کی پہنائیوں میں صدیوں سے جو خیالات و عقائد پرورش پا رہے تھے اس طرح رخصت ہوئے کہ پھر ان کے تصور سے ہی کلیجہ کانپ جاتا تھا ایام جاہلیت کی کوئی ادا ایسی نہیں تھی جسے وہ نفرت و حقارت کی نظر سے نہ دیکھنے لگے ہوں اور جس کی جڑوں کو انھوں نے اپنے ہاتھوں سے کھود کر نہ پھینک دیا ہو۔

وہ قوم جس کے سامنے وحدت و مرکزیت کا کوئی تصور نہیں تھا جس کی ساکھ پورے عرب میں صرف اس لئے قائم تھی کہ وہ جنگ جو اور فسادی تھے۔ عدل و انصاف سے دور اور فساد و انتشار کے دلدادہ تھے، جس کی تمام تر قوتیں لوٹ مار، قتل و قتال اور آپس کے مقابلوں میں صرف ہو رہی تھیں، وہ قوم جس کو قرآن کریم نے جھگڑالو کہا اور جن کی تنظیم و ترتیب کے سلسلہ میں مسلمانوں کو یاد دہانی کراتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ

"اگر تم زمین کے تمام خزانے بھی ان کے دلوں کو ملانے اور جوڑنے کے لئے خرچ ڈالتے جب بھی کامیاب نہیں ہوتے"۔

اس عربی قوم کی تنظیم میں جو نمایاں خصوصیت کارفرما نظر آتی ہے وہ یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے سیاسی محرکات کو قریب نہیں آنے دیا۔ قبیلوں کی باہمی رقابت اور ان کے آپس کے جھگڑوں سے کوئی فائدہ نہیں اٹھایا۔ نہ انہیں کسی خوفناک طاقت سے ڈرایا، نہ دنیا مفادات کے لالچ دلاتے اور نہ ہی ان کے سامنے مال و زر کے انبار لگاتے بلکہ دنیا کے تمام سیاسی ہتھکنڈوں کو ٹھکراتے ہوئے صرف ان کے سامنے اللہ کے وجود اور اس کی عظمتیں نیز خوف آخرت کے تصورات کو پیش کیا۔۔ یہ سب چیزیں قوم کے مزاج کے خلاف تھیں اس لئے انتہائی مخالفت کی گئی، زر و مال اور تخت و تاج کی پیش کشیں کی گئیں کام نہیں چلا تو بائیکاٹ کیا گیا، ترک تعلق کی بھیانک اور تکلیف دہ صورتیں سامنے لائی گئیں، مگر آپؐ نے اپنی دعوت و تبلیغ کے سلسلہ میں نہ کوئی لچک قبول کی اور نہ کسی سمجھوتہ اور مفاہمت کو گوارا فرمایا۔

تاریخ شاہد ہے اور اس پر عبور رکھنے والے جانتے ہیں کہ اس دنیا میں کوئی مدبر اور حکمراں ایسا نہیں گذرا جو اپنے اصولوں پر اتنی سختی سے قائم رہا ہو اور اسے قوم کے سامنے جھکنے، لچکنے اور اپنے اصولوں کو بدلنے کی نوبت نہ آئی ہو۔ ——— یہ خصوصیت صرف رحمت دو عالم محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی تھی کہ آپؐ نے مذہبی اخلاقی اور سیاسی انقلاب برپا کرنے کے بعد اخلاق و اعمال کے جس نظام کو قائم کیا وہ آج بھی اسی طرح قائم و دائم ہے ——— حالانکہ جو چیز پیش کی گئی تھی وہ قوم کے عقائد، خیالات، مذاق اور رجحان کے اس حد تک خلاف تھی کہ لوگ آپؐ کو

دیوانہ کہنے لگے تھے مگر آپؐ کے عزم و ثبات اور صحت دعوت و ہدایت کی اس سے بڑی اور کیا دلیل ہو سکتی ہے کہ خود رب العالمین نے خاتم النبیینؐ کے لئے ارشاد فرمایا:۔

"جو تمہیں دیوانہ کہتے ہیں وہ خود دیوانے ہیں"۔

مختصر یہ کہ آنحضرتؐ نے پاکیزہ تعلیمات و مساعی سے عربی قوم کے مختلف و منتشر عناصر کو اس طرح متحد و منظم کیا کہ جو امت وجود میں آئی اللہ تعالیٰ نے اس کے لئے ارشاد فرمایا:۔

کنتم خیر امۃ اخرجت للناس تامرون بالمعروف و تنھون عن المنکر

"تم ہی بہترین امت ہو جو لوگوں کو نیکی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے روکنے کے لئے وجود میں لائے گئے ہو"۔

ایمان لانے والوں میں اور صحبت رسولؐ کا شرف حاصل کرنے والوں میں تو سبھی آپؐ کی تعلیمات کا پاکیزہ نمونہ تھے مگر کچھ حضرات ایسے تھے جن کو دیکھ کر اسوۂ رسولؐ کی، تصویر نگاہوں کے سامنے پھر جاتی تھی بالخصوص خلفائے اربعہ یعنی سیدنا ابو بکر صدیقؓ، سیدنا فاروق اعظمؓ، سیدنا عثمان غنیؓ اور سیدنا مولیٰ علیؓ آنحضرتؐ کے مزاج، طرز زندگی اور ان کی نیابت و خلافت کے مظہر کامل تھے۔

آنحضرتؐ کی تعلیمات و سیرت کی وہ خصوصیات جن میں ایمان بالغیب کی قوت، اطاعت الٰہی کا جذبۂ صادق، غیب پر شہود، مال و زر پر فقر و زہد کو ترجیح، صبر و قناعت مگر دوسروں کو فائدہ پہنچانے کی کوشش و خیال، احکام الٰہی کے مقابل ہر مصلحت کو قربان کرنا، دنیا پر آخرت کو ترجیح اور توجہ الی اللہ اور خشیت الٰہی کو حقیقی و بنیادی حیثیت حاصل ہے۔

خلفائے راشدین نے یہ پاکیزہ اوصاف اپنی زندگی میں اس طرح سموئے تھے

کہ دیکھنے والے انہیں آنحضرت ؐ کے مخصوص کردار کا حقیقی نمائندہ محسوس کرتے تھے۔ یہی وہ حضرات تھے جن کے ایک ہاتھ میں قرآن اور دوسرے ہاتھ میں تلوار رہا کرتی تھی، قرآن اگر ذریعہ ہدایت تھا تو تلوار قیام امن اور انقطاع فساد کے لئے کام کیا کرتی تھی

آنحضرت ؐ کی وفات شریف کے بعد مسلمانوں کو جس پر آشوب دور سے گذرنا پڑا وہ کسی سے پوشیدہ نہیں لیکن حضرت ابوبکر صدیق ؓ کا وہ استقلال وثبات کہ فتنۂ ارتداد کو ختم کرنے کے لئے پورے عرب سے ٹکر لینے کا عزم مصمم کر لیا اور جب دنیا کی عظیم سلطنتوں سے سلسلۂ جنگ چھڑا تو حضرت فاروق اعظم ؓ کا اللہ کی ذات اور اسکی فتح ونصرت پر اس درجہ بھروسہ اور یقین کہ نازک حالات میں اسلامی افواج کے محبوب ترین سپہ سالار خالد بن ولید کو معزول کرتے وقت ایک آن کے لئے بھی یہ نہیں سوچا کہ اس غیر معمولی بہادر اور فاتح کی معزولی سے حالات پر کیسا اور کتنا اثر پڑے گا۔

مدینہ میں سبائیوں، باغیوں اور فسادیوں کی شورش عظیم، کاشانۂ عثمانی کو دشمنوں نے ہر طرف سے گھیر لیا، نہ کسی سے مل سکتے اور نہ کوئی مدد کو جا سکتا۔ کھانا پینا کیسا ایک ایک گھونٹ پانی کو ترس گئے مگر کیسا ثبات! کیسا یقین اور کیسی استقامت کہ جان دیدی مگر اس خلعت خلافت کو گلے سے نہیں اتارا جو آنحضرت ؐ نے ان کو پہنائی تھی۔ یہی حال فقر و زہد کے تاجدار، ذات رسالت ؐ کے مزاج شناس و راز دار حضرت علی ابن ابی طالب ؓ کا تھا کہ مسند خلافت پر آئے تو مخالفت کے سیاہ بادل منڈلا رہے تھے، غلط فہمیوں نے ام المومنین حضرت عائشہ ؓ تک کو میدان میں لا کھڑا کیا، جمل سے فارغ ہوئے تو معرکہ صفین میں جانا پڑا۔ مگر حال یہ کہ نہ جمل میں ام المومنین کے احترام میں فرق آنے دیا اور نہ صفین میں مخالفین کے پانی لینے پر کوئی

پابندی لگائی۔ یہ تھے وہ خلفائے راشدین جن کا دور رسالت کا ترجمان تھا اور جن کی پوری زندگی آنحضرتؐ کے فکر و طرز اور مزاج نبوت کی آئینہ دار تھی یہ سمجھ لینا کہ خلفائے اربعہ کے نظریات و مقاصد مختلف تھے، بڑی غلطی اور بے بصیرتی ہے اور اسی بنیاد پر بعض لوگوں نے اس مکمل و مربوط نظام کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا ہے۔ صدیقؓ و فاروقؓ کے دور کو ترقی کا دور اور عثمانؓ و علیؓ کے دور کو تنزل کا دور کہتے ہیں ـــــ اور یہی خیال اس گروہ کی پیدائش اور موجودگی کا سبب اولین ہے جو خود کو صرف علیؓ سے وابستہ کئے ہوئے ہے۔

میرے خیال میں یہ تقسیم و تفریق کسی طرح مناسب نہیں ہے کیونکہ انسانی زندگی کو مختلف ادوار، حالات اور ماحول سے گزرنا پڑتا ہے۔ ترقی کے سامنے تنزل۔ اتحاد کے سامنے انتشار، محبت کے مقابل عداوت و اختلاف لازمی و ضروری سی چیزیں ہیں خلافت راشدہ میں ترقی و تنزل کے نظائر کی وجہ یہ نہیں ہے کہ خلفائے اربعہ مختلف نظریات کے حامل تھے یا وہ گروہوں میں تقسیم ہو گئے تھے ـــــ نہیں نہیں بلکہ اس کی ایک ہی وجہ تھی اور وہ خالق کائنات کی جانب سے ظہور میں آئی تھی تاکہ مسلمان سیاسی اعتبار سے مختلف حالات کو سمجھیں اور ان کے سامنے مقابلہ کے لئے کچھ نظائر بھی ہوں۔

صدیق اکبرؓ نے جن حالات میں مسند خلافت کو سنبھالا، فاروق اعظمؓ جس نوعیت سے نظام کو چلانے میں کامیاب ہوئے، حضرت عثمانؓ کو جیسے کچھ حالات سے گذرنا پڑا اور حضرت علیؓ کے سامنے جو مشکلات آئیں ـــــ یہ سب قدرت کی طرف سے مسلمانوں کے سامنے بطور لائحہ عمل کے پیش کیا گیا تھا تاکہ ان کو دینی اور

سیاسی اعتبار سے کسی وقت تشویش نہ ہو اور وہ خلافت راشدہ کے نظام اور حالات کو سامنے رکھتے ہوئے مختلف حالات پر قابو پانے میں کامیاب ہو سکیں۔

کوئی ملنے یا نہ ملنے مگر میرا عقیدہ یہ ہے کہ خلافتِ راشدہ ایک قدرتی نظام تھا جسے حضرت علیؓ تک پہونچ کر مسلمانوں کے لئے مختلف راہیں کھولنا تھیں اور ان کو یہ سکھانا مقصود تھا کہ موافق و مخالف حالات کا مقابلہ کرنے میں کن چیزوں کو سامنے رکھنے کی ضرورت ہے۔

بہت سے لوگ خلافت راشدہ سے وہ وسیع و عریض حکومت مراد لیتے ہیں جو افغانستان، ایران، شام مصر عراق اور نجد و حجاز و یمن کو اپنے دامن میں لئے ہوئے تھی ——— یہ بھی صحیح نہیں ہے بلکہ خلافتِ راشدہ کے صحیح معنیٰ یہ ہیں کہ وہ مملکتِ اسلامیہ جس کے گوشہ گوشہ میں اللہ کا قانون جاری و حاوی تھا اور جس کے ارکان آنحضرتؐ کے مزاج اور ان کی پاکیزہ زندگی کے مظہر کامل تھے، ان کا سب سے بڑا کارنامہ قرآنِ کریم کا اتباع اور اس کے اصولوں کو زندگی کے مختلف شعبوں میں عملاً جاری و نافذ کرنا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ ان میں کا ہر فرد خلافت نبویؐ کا مظہر اتم تھا۔

جو حضرات خلفائے ثلاثہؓ کی خلافت کو تسلیم نہیں کرتے اور حضرت علیؓ کی فضیلت اسی میں سمجھتے ہیں کہ ان کو خلیفہ بلافصل ماننا چاہیئے، ان کو یہ حقیقت نظر انداز نہیں کرنا چاہیئے کہ حضرت علیؓ کی فضیلت و مرتبت قدرت نے اسی میں رکھی تھی کہ وہ خلافتِ راشدہ کی آخری کڑی بنتے اور انہیں آنحضرتؐ کی خلافت کے ساتھ خلفائے ثلاثہؓ کی جانشینی کا شرف حاصل ہوتا۔

اگر واقعات وحقائق پر دیانتدارانہ نظر ڈالی جائے تو حضرت علیؓ کے طرز عمل سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ وہ اپنا فائدہ اسی میں دیکھ رہے تھے کہ حضرات شیخین کے بعد ہی خلافت کی ذمہ داریاں انکے ہاتھ میں آئیں ـــــــ البتہ حضرت عمرؓ کے بعد ان کی خواہش تھی کہ وہ مسند خلافت پر آئیں اور اسی لئے انھوں نے خود کو بحیثیت امیدوار پیش بھی کیا تھا ـــــــ حضرت عثمانؓ کے بعد حالات اس درجہ بگڑ چکے تھے کہ امیدواری تو درکنار وہ انتہائی اصرار کے بعد خلیفہ ہونے پر رضامند ہوئے ہر چند کہ خلافت راشدہ کا دور تاریخ کی گوناگوں روایات کی موجودگی میں الجھا ہوا اور پیچیدہ معلوم ہوتا ہے مگر اہل بصیرت وانصاف کے لئے خلفائے اربعہ کے مراتب، فضائل اور ان کی عظمتوں کو برقرار رکھتے ہوئے کسی نتیجہ پر پہنچ جانا مشکل نہیں ہے۔

زیر نظر کتاب " تاریخ خلفائے راشدین " جو تاریخ مسلمانان عالم کی تیسری جلد ہے اسی نقطۂ نظر کو ملحوظ رکھتے ہوئے لکھی گئی ہے۔ قدیم وجدید عربی اور اردو کتابوں کے گہرے مطالعہ کے بعد واقعات سپرد قلم کئے گئے ہیں۔

مجھے اپنی علمی کوتاہیوں کا اعتراف ہے مگر ساتھ ہی یہ خوشی بھی ہے کہ اللہ تعالےٰ نے توفیق وامداد سے نوازا اور میں اس نازک ترین پلصراط سے گذرنے میں کامیاب ہوسکا۔

بزرگ محترم الحاج محمد سعید اینڈ سنز کا میں ممنون ہوں کہ موصوف میری قلمی کاوشوں کو قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور زر کثیر صرف کرکے اسکی طباعت واشاعت سے قارئین وشائقین کے لئے علمی سرمایہ فراہم کرتے ہیں۔

خواجہ عبدالوحید صاحب مدیر اعلیٰ ماہنامہ پیامِ حق کراچی، مولوی سید شاہد علی صاحب سنبھلی اور حبیب عثمان خاں صاحب بیلی بھیتی کا مشکور ہوں کہ ہر سہ حضرات دورانِ تالیف میں میری اعانت و امداد فرماتے رہے۔

مخدوم و محترم حضرت ماناّمیاں صاحب سجادہ نشین حضرت محدث سورتیؒ اس سلسلہ کے قدیم کرم فرما ہیں' امید ہے کہ ان کی اعانتوں سے میں کبھی محروم نہیں رہوں گا ـــــ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ اَوَّلاً وَّاٰخِراً۔

کمترین

قاری احمد بیلی بھیتی

بیلی بھیت ہاوس ڈی ۱۷ ناظم آباد ۲ کراچی ۱۸

فہرست مضامین

تاریخ خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ

پیدائش

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی پیدائش مکہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت شریف کے ۲ دو سال ۳ ماہ کے بعد ہوئی۔ واقعہ فیل کو دو سال اور چار مہینے سے کچھ کم دن گزر چکے تھے۔ آنحضرت کی ولادت واقعہ فیل کے ۵۰ دن بعد ہوئی تھی۔ گویا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ آنحضرت صلعم سے تقریباً دو سال ڈھائی ماہ چھوٹے تھے۔

نام و نسب

عبداللہ نام رکھا گیا۔ ابوبکر کنیت اختیار کی۔ اسلام آیا تو پیغمبر اسلام نے بربنائے خدمت و خلوص صدیق و عتیق لقب عطا فرمائے۔ والد کا نام عثمان بن عامر تھا۔ ابو قحافہ کی کنیت سے مشہور تھے۔ ماں کا نام سلمیٰ تھا جن کو سب ام الخیر کہتے تھے۔ والد اور والدہ دونوں کی طرف سے آپ کا سلسلہ نسب چھٹی پشت میں مرۃ بن کعب پر پہنچ کر آنحضرت صلعم سے مل جاتا ہے۔ یعنی والد کی طرف سے عبداللہ بن عثمان بن عامر بن عمرو بن کعب بن سعد بن تیم بن مرۃ بن کعب اور والدہ کی طرف سے سلمیٰ بنت صخر بن عامر بن کعب بن سعد بن تیم بن مرۃ بن کعب ہے۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے والد ابو قحافہ کو قریش میں کافی عزت حاصل تھی۔ وہ عمر رسیدہ

بھی تھے اور خوشحال بھی تھے ان کا گھر نہ صرف تجارت میں مشہور تھا بلکہ قومی کاموں میں ان کی رائے اور مشورہ کو بھی بڑی اہمیت دی جاتی تھی۔ اسلام سے ان کو فتح مکہ تک کوئی رغبت پیدا نہیں ہوئی مگر اس کے باوجود بیٹے کو اسلام سے باز رکھنے کی بھی کوشش نہیں کی۔ البتہ حضرت علیؓ کو دیکھ کر کہتے تھے کہ "میاں ان بچوں نے میرے لڑکے کو بھی بہکا دیا۔"

فتح مکہ کے دن اسلام لائے۔ کافی بوڑھے ہو چکے تھے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے سہارے خدمتِ رسولؐ میں حاضر ہوئے آنحضرتؐ نے دیکھ کر فرمایا: "کاہے کو تکلیف دی میں خود ہی ان کے پاس چلا جاتا۔" پھر کلمۂ طیبہ کی تلقین فرما کر داخل اسلام کیا۔ حضرت ابوقحافہؓ کی عمر سو برس کے قریب ہوئی۔ بیٹے کا اسلام بھی دیکھا۔ اسلام کی کامیابی بھی دیکھی۔ فتح مکہ کا نظارہ بھی کیا۔ اسلام کی دولت حاصل کی۔ اکلوتے فرزند کو مسندِ رسولؐ پر بھی دیکھا۔ اور پھر ان کی وفات بھی دیکھی۔ خدا نے لمبی عمر بخشی تھی۔ آخر موت کا پیغام آ ہی گیا اور حضرت عمرؓ کی خلافت کے پہلے سال ۱۴ھ میں اسلام کی بے کسی اور فتح مندی کے دور کو دیکھنے کے بعد اس دنیا سے رخصت ہو گئے۔ آخر عمر میں بینائی جاتی رہی تھی۔

اُمّ الخیرؓ

یہ حضرت ابوبکرؓ کی والدہ ہیں۔ نام کی طرح اپنی ذات میں بھی نیک تھیں شوہر سے بہت پہلے اس وقت حلقۂ اسلام میں داخل ہوئیں جبکہ انتالیس آدمی اسلام لا چکے تھے۔ ماں کا اسلام بیٹے کی تبلیغی کوششوں کا نتیجہ تھا۔ آنحضرتؐ دارارقمؓ میں اسلام کی تبلیغ سے لوگوں کو سرفراز کر رہے تھے اور علانیہ دعوت کا حکم نازل نہیں ہوا تھا

ایک دن حضرت ابوبکرؓ صبح صبح حاضر خدمت ہوئے اور عرض کیا۔ یارسول اللہؐ! میری ماں آئی ہیں۔ ان کو مسلمان کر لیجئے۔ آنحضرتؐ نے محبت بھری نظریں ڈالیں اور ام الخیر دولت اسلام سے سرفراز ہو کر پھر لوٹ گئیں۔ شوہر کی طرح ان کو بھی قدرت نے لمبی عمر بخشی تھی۔ نوے برس کی عمر میں ۲۵ سال اسلام کی آغوش میں گذارے اور بیٹے کو مسند رسولؐ پر بیٹھا چھوڑ کر اس دنیا سے تشریف لے گئیں۔

(ابن سعد، اصابہ، تاریخ الخلفاء)

حالات قبل اسلام

حضرت ابوبکر صدیقؓ اپنے والد کے اکلوتے بیٹے تھے۔ بڑے ناز و نعم میں پرورش پائی تھی۔ پورے خاندان کے لئے ان کی ذات محبت کا مرکز تھی۔ قدرت نے فطرت سلیمہ پر پیدا کیا تھا جیسے جیسے بڑھتے جاتے تھے عقل و فراست اور کاروباری سوجھ بوجھ میں اضافہ ہوتا جاتا تھا۔ بچپن اور عہد شباب والد کے ساتھ گذارا۔ بیس سال کے ہوئے تو تمام کاروبار خود سنبھال لیا۔ نیک چلنی، عام اخلاق و ہمدردی اور کاروباری لیاقت کا پورے مکہ پر اثر تھا۔ ہر شخص ان کو عزت و احترام کی نظر سے دیکھتا تھا۔ تجارت میں ان کی دیانت، راست بازی اور معاملہ فہمی نے ایسے چار چاند لگائے کہ ابو قحافہ کی شہرت و ساکھ بھی ماند پڑ گئی۔ پورے قبیلے پر چھا گئے ہر گھر میں ابوبکرؓ کی تجارت، تمول اور کردار و اخلاق کے چرچے ہونے لگے، قریش میں اگرچہ اور بھی لوگ تھے جو تجارت اور ذاتی شہرت میں دور دور مشہور تھے مگر حضرت ابوبکرؓ نے کچھ ایسا اثر قائم کیا کہ معزز بن قریش بھی ان کو عزت کی نظروں سے دیکھنے لگے۔ قومی کاموں میں ان کی شرکت ضروری سمجھی جانے لگی۔ ان کی رائے کو ٹھوس اور

قابل عمل تسلیم کیا جانے لگا، یہاں تک کہ خون بہا کی بڑی بڑی رقمیں ان ہی کے پاس جمع ہونے لگیں۔ لوگ اپنے معاملات میں مشورہ لینے لگے اور اپنی امانتیں ان کے پاس رکھنے لگے۔

ایام جاہلیت کا یہ زمانہ یقیناً ہر قسم کی برائیوں سے بھرا ہوا تھا۔ وہ کونسا گناہ تھا جو مکہ والوں میں نہ ہوتا ہو؟ اس خطہ کی معصیت کاریوں کو اگر تفصیل سے پیش کیا جائے تو دفتر کے دفتر سیاہ ہو سکتے ہیں۔ ہاشمی خاندان کے افراد اور چند قریش ایسے تھے جن کے دلوں میں برائیوں سے نفرت کا جذبہ پایا جاتا تھا۔ حضرت ابوبکرؓ بھی انہیں لوگوں میں تھے جن کا دامن معصیت سے پاک تھا اور فطری نیکی و خدا ترسی ان میں کارفرما تھی سبے حیائی، فحش گوئی اور شراب نوشی سے ان کی نفرت کا یہ عالم تھا کہ جب کوئی ان کو دعوت دیتا تھا تو جواب میں کہتے تھے کہ "میں ان کاموں کو اپنی عزت و آبرو کے لئے تباہ کن خیال کرتا ہوں ان خرافات میں مجھ سے شرکت کی کوئی اُمید نہیں رکھنا چاہیے۔"

قریش میں حضرت ابوبکرؓ کی راستبازی اس درجہ مسلم ہو چکی تھی کہ وہ بہت کم کسی دوسرے پر اعتماد کرتے تھے، تاوان اور خون بہا کی رقم اگر کسی دوسرے کے پاس جمع کرنے کی تجویز پیش کی جاتی تھی تو لوگ ابوبکرؓ کے سوا کسی کے نام پر اتفاق نہیں کرتے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جن کو قدرت نے پیدائشی معصوم بنایا تھا ایسے لوگوں کی تلاش میں رہتے تھے چنانچہ حضرت ابوبکرؓ کو آپؐ نے بچپن ہی سے دوستی کے لئے چن لیا تھا۔ مکہ میں ہاشمی نوجوانوں کے علاوہ اگر آنحضرتؐ کا کوئی مخصوص دوست اور رفیق تھا تو وہ حضرت ابوبکرؓ تھے۔ یہ تعلقات اتنے زیادہ تھے کہ تجارتی معاملات اور باہر کی آمد و رفت میں بھی حضرت ابوبکرؓ آنحضرتؐ کے ساتھ رہتے تھے۔ ایک

مرتبہ آنحضرتؐ اپنے چچا ابوطالب کے ساتھ تجارت کے سلسلہ میں ملک شام جانے لگے تو حضرت ابوبکرؓ نے بر بنائے محبت ایک غلام خدمت کے لئے ساتھ کر دیا تھا، بعض مورخین نے غلام کا نام بلالؓ بیان کیا ہے مگر یہ صحیح نہیں ہو سکتا۔ حضرت بلال ظہور اسلام کے بعد خدمت رسول میں آئے جن کو کافر آقا کی اذیت سے بچانے کے لئے حضرت ابوبکرؓ نے خرید کر خدمت رسولؐ میں پیش کر دیا تھا۔ بہر حال حضرت ابوبکرؓ کو بچپن سے آنحضرتؐ کے ساتھ گہرا انس تھا اور وہ مکہ میں اگر کسی کو سب سے زیادہ سچا۔ شریف اور نیک سیرت انسان سمجھتے تھے تو صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو' دونوں دوستوں کا زیادہ وقت ایک دوسرے کے ساتھ گذرتا تھا۔ آنحضرتؐ بھی انکے گھر جایا کرتے تھے اور وہ بھی بار بار آنحضرتؐ کے پاس آیا کرتے تھے۔ گھر میں جب کبھی کوئی اچھی چیز پکتی تھی تو حضرت ابوبکرؓ آنحضرتؐ کے لئے خاص طور پر لے کر آتے تھے۔ اکثر ناشتے کے لئے روغن زیتون سے پکی ہوئی روٹی جس کو اہل مکہ ایک قسم کی لذیذ اور مقوی غذا سمجھتے تھے۔ آنحضرتؐ کے لئے اپنے گھر سے لے کر آتے تھے۔ ایک مرتبہ اس طرح کا بہت سا ناشتہ تیار کرا کر آنحضرتؐ کے ساتھ اس وقت کر دیا تھا جب کہ آپؐ اپنے چچا کے ساتھ ملک شام جا رہے تھے۔ غرض حضرت ابوبکرؓ اگرچہ بُت پرستوں کی آغوش میں بڑھے پلے اور جوان ہوئے مگر وہ بُت پرستی سے ان کو نفرت تھی اور برائیاں ان کے ضمیر کے خلاف تھیں' وہ ایک ایسے دولت مند تاجر تھے جو نیک چلن بھی تھے، فیاض اور مہمان نواز بھی تھے۔ غریبوں کے ہمدرد اور دوستوں کے وفادار بھی تھے۔ ان کی طبیعت میں انسانی ہمدردی اتنی زیادہ تھی کہ وہ دوستوں کے علاوہ دشمنوں کی امداد سے بھی گریز نہیں کیا کرتے تھے، مزاج میں زہد اس درجہ موجود تھا

کردہ ان مجالس میں شریک ہونے کو بھی برا سمجھتے تھے جہاں گناہوں کا ارتکاب کیا جاتا تھا یہی وہ خصوصیات تھیں جن کو دیکھتے ہوئے آنحضرتؐ نے قریش میں سے ابوبکرؓ کو اپنی دوستی اور رفاقت کے لئے پسند کیا تھا۔ (اصابہ، کنز العمال، ابن سعد، طبرانی)

قبول اسلام

مسلمانوں میں یہ بحث شروع سے چلی آرہی ہے کہ سب سے پہلے کون ایمان لایا، اور کس نے رسالت کی تائید کی، مختلف روایتیں ہیں جن میں چار آدمیوں کے نام لئے جاتے ہیں۔ ام المومنین حضرت خدیجہؓ الکبریٰؓ، حضرت علی ابن ابی طالبؓ، حضرت زید بن حارثہؓ اور حضرت ابوبکر ابن ابو قحافہؓ، محققین ان چاروں ناموں میں اس طرح تطبیق دیتے ہیں کہ عورتوں میں حضرت خدیجہؓ، بچوں میں حضرت علیؓ، غلاموں میں حضرت زیدؓ، اور عام مردوں میں حضرت ابوبکرؓ۔ اگر اس تطبیق سے ہٹ کر تصدیق وایمان کے سلسلہ کو بیان کیا جائے تو یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ تصدیق نبوت کے سلسلہ میں اولیت کا شرف حضرت خدیجہؓ کو حاصل ہے۔ اس کے بعد حضرت علیؓ کو۔ پھر زید بن حارثہؓ کو اور ان تینوں بزرگوں کے بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ کو۔ چونکہ اول الذکر تینوں حضرات گھر کے آدمی تھے اس لئے عقل بھی قبول کرتی ہے حضرت خدیجہؓ آنحضرتؐ کی رفیقۂ حیات تھیں اور پندرہ برس سے شرف صحبت سے مستفیض ہو رہی تھیں۔ حضرت علیؓ حضرت ابوطالبؓ جیسے شفیق چچا کے بیٹے تھے اور بچپن ہی سے آغوش رسالت میں پرورش پا رہے تھے۔ حضرت زیدؓ غلام تھے اور ہمہ وقت ساتھ رہتے تھے اور حضرت ابوبکر صدیقؓ آنحضرتؐ کے دیرینہ اور مخلص دوست تھے۔ بس اسے اس طرح سمجھنے کہ اسلام کی ابتداء حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہ سے ہوئی۔ گھر والوں نے

ان کی تصدیق کی تائید کی اور گھر کے باہر مکہ والوں میں اولیت کا شرف حضرت ابوبکر صدیق رضؓ نے حاصل کیا۔

حضرت امام حسنؓ بیان کرتے ہیں کہ میرے والد حضرت علیؓ فرمایا کرتے تھے کہ حضرت ابوبکرؓ چار باتوں میں مجھ سے سبقت لے گئے ایک یہ کہ انھوں نے اسلام کا اظہار کیا۔ دوسرے انھوں نے مجھ سے پہلے ہجرت کی تیسرے ہجرت کے وقت وہ رسول اللہؐ کے رفیق غار بنے چوتھے انھوں نے اسلام لانے کے بعد علانیہ نماز پڑھی۔ (مدارج النبوت)

اس روایت سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ قریش میں سب سے پہلے حضرت ابوبکر صدیقؓ ایمان لائے اور ابن عبدالبر کا بیان بھی یہی ہے کہ اگرچہ تقدم ایمانی کا شرف حضرت علیؓ کو حاصل ہے مگر حضرت ابوبکر صدیقؓ قریش میں پہلے شخص ہیں جو مسلمان ہوئے اور اپنے اسلام کو ظاہر کیا۔ اس سلسلہ میں خود آنحضرتؐ ارشاد فرماتے ہیں کہ میں نے جس کسی کے سامنے اسلام کو پیش کیا وہ رکا اور متردد ہوا مگر ابوبکرؓ نے کوئی تامل نہیں کیا وہ سنتے ہی ایمان لے آئے۔ علامہ بیہقی فرماتے ہیں کہ حضرت ابوبکرؓ پہلے سے آثار نبوت دیکھ رہے تھے اس لئے ان کو دعوت اسلام قبول کرنے میں دیر نہیں لگی۔ وہ سنتے ہی ایمان لے آئے۔ اس روایت سے جہاں یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ قریش میں پہلے مسلمان ہیں جنھوں نے آنحضرتؐ کی دعوت کو قبول کرلیا اور اس قبول میں نہ تردد تھا اور نہ تامل۔ وہاں یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ آنحضرتؐ نے حضرت ابوبکرؓ سے پہلے کچھ دوسرے قریشیوں کو بھی دعوت اسلام دی تھی مگر وہ سوچتے ہی رہے اور حضرت ابوبکرؓ ایمان لے آئے۔ (تاریخ الخلفاء سیوطیؒ)

انتظار و یقین

حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کے اتنی جلدی ایمان لے آنے کے سلسلہ میں مورخین نے بہت سے ایسے واقعات بیان کئے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ آنحضرتؐ کی بعثت سے بہت پہلے ایسے آثار و علامات دیکھ چکے تھے جن سے ان کو اس بات کا پورا یقین ہو گیا تھا کہ وہ وقت جلد ہی آنے والا ہے جب کہ اللہ اپنے بندوں کی ہدایت کے لئے کسی رسولؐ کو قریش میں مبعوث فرمائے گا۔ چنانچہ ایک مرتبہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کعبہ کے صحن میں کھڑے ہوئے تھے کہ مشہور نظم گو شاعر امیہ بن صلت ان کے پاس آیا اور کہنے لگا۔ ابوبکر! جس نبی کی بعثت کا انتظار ہے وہ ہم طائف والوں میں مبعوث ہو گا یا تم مکہ والوں میں۔ آپ نے جواب میں کہا کہ مجھے نہیں معلوم کہ وہ کہاں مبعوث ہو گا۔ امیہ تو خاموش ہو گیا مگر حضرت ابوبکرؓ کا اشتیاق اور بڑھ گیا۔ وہ حرم سے سیدھے ورقہ بن نوفل کے پاس پہنچے۔ ورقہ مکہ میں آسمانی کتابوں کے عالم اور بڑے گوشہ نشین زاہد تھے۔ حضرت ابوبکرؓ نے امیہ بن صلت کی باتیں ان سے بیان کیں اور کہا کہ آپ ہم کو بتائیں کہ جس نبی کی آمد کا انتظار ہے وہ کہاں مبعوث ہو گا۔ ورقہ نے جواب دیا کہ میں نے اس معاملہ پر جس قدر غور کیا ہے میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ وہ وسط عرب کے کسی خاندان میں آئیں گے اور میرے علم و حساب سے وسط عرب قوم قریش ہے لہٰذا وہ تمہارے ہی قبیلہ میں ظاہر ہوں گے ورقہ کی اطلاعات نے حضرت ابوبکرؓ کو ہمہ تن انتظار بنا دیا۔

اسی طرح ایک مرتبہ حضرت ابوبکرؓ نے خواب میں دیکھا کہ مکہ میں ایک ایسا چاند نکلا ہے جس کی روشنی ہر گھر میں داخل ہو گئی ہے اور اس کے اجزاء دور دور پھیل گئے

ہیں۔ پھر انھوں نے دیکھا کہ وہ اجزا سمٹ کر ان کی گود میں آگئے ہیں۔ صبح کو حضرت ابوبکرؓ نے ایک نامور معبر سے خواب بیان کیا اور اس کی تعبیر پوچھی تو معبر نے بتایا کہ عنقریب نبی آخرالزماں مبعوث ہونے والے ہیں اور تم کو ان کی پیروی واطاعت کا شرف حاصل ہوگا۔

حضرت کعبؓ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے اتنی جلدی ایمان لانے کی وجہ ان کا وہ خواب تھا جو انھوں نے ملک شام میں دیکھا تھا اور پھر وہ اس کی تعبیر پوچھنے کے لیے بحیرا راہب کے پاس گئے۔ جس نے خواب کو سن کر ان سے نام، نشان اور پتہ و پیشہ دریافت کیا اور کہا۔ تم کو خوش ہونا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے خواب میں ایک سچے واقعہ کو ظاہر کر دیا ہے یعنی وہ نبی آخرالزماں جن کے بعد کوئی دوسرا نبی آنے والا نہیں ہے عنقریب تمہارے شہر اور تمہاری قوم قریش میں مبعوث ہونے والے ہیں سا اے ابوبکرؓ! تم ان کی اطاعت کروگے اور پھر ان کے بعد ان کے جانشین بھی بنوگے۔ حضرت ابوبکرؓ اس تعبیر کو سن کر بہت مسرور ہوئے اور بڑی خاموشی کے ساتھ اس وقت کے آنے کا انتظار کرنے لگے۔ (روض الانف، اصابہ، ابن عساکر)

(حضرت ابوبکر صدیقؓ خود بھی بڑے دانا، عالم انساب اور ذی فہم تھے خوابوں کی تعبیریں اور آنحضرتؐ کی قبل بعثت کی پاکیزہ زندگی کو دیکھتے ہوئے انہیں اکثر و بیشتر یہ خیال ہوا کرتا تھا کہ میرے رفیق محمدؐ ابن عبداللہ میں وہ تمام اوصاف پائے جاتے ہیں جو آنے والے نبی میں ہونے چاہئیں، وہ اکثر آنحضرتؐ کے چمکتے ہوئے چہرے کو غور سے دیکھتے رہتے اور دل ہی دل میں آثار و علامات کا یقین کرتے رہتے یہی وجہ تھی کہ آنحضرتؐ نے جیسے ہی ان کے سامنے اپنی رسالت کو پیش کیا تو وہ

بلا کسی پس و پیش کے ایمان لے آئے، نہ کوئی سوال کیا، نہ رسالت کی تفصیلات پوچھیں اور نہ کسی تردد کا اظہار کیا۔

نماز میں شرکت

اگرچہ نماز ہجرت سے کچھ پہلے شب معراج میں فرض ہوئی مگر مستند روایتوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ بعثت کے ساتھ ہی حضرت جبریلؑ نے آپ کے سامنے طہارت و نماز کے طریقہ کو پیش کیا آپ نے وضو کیا اور حضرت جبریلؑ نے امامت کی، آپ نماز پڑھ کر گھر میں آئے اور حضرت خدیجہؓ سے ذکر کیا پھر ان کو وضو کر کے بتایا اور نماز پڑھائی۔ یہ اسی دن کا واقعہ ہے جس دن کے شروع حصہ میں وحی الٰہی آپؐ پر نازل ہوئی تھی۔ آنحضرتؐ ارشاد فرماتے ہیں کہ میں دوشنبہ کے دن مبعوث ہوا اور اسی دن کے آخری حصہ میں حضرت خدیجہؓ نے نماز پڑھی۔ دوسرے دن سہ شنبہ کو حضرت علیؓ نے نماز ادا کی اس کے بعد حضرت ابوبکرؓ اور زید بن حارثہؓ نماز میں شریک ہوئے

(تاریخ الخمیس)

معراج سے قبل اور بعثت کے بعد جو نماز پڑھی جاتی تھی اس میں علماء کا اختلاف ہے۔ چنانچہ بعض علماء کا کہنا ہے کہ صرف دو۲ رکعت پڑھی جاتی تھی اور کوئی وقت معین نہیں تھا جب بھی موقعہ ملتا تھا پڑھ لی جاتی تھی ایک بیان یہ ہے کہ صرف نماز عشاء پڑھی جاتی تھی اور اس کے لئے بھی وقت مقرر نہیں تھا۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ شروع زمانہ میں نماز عشاء فرض تھی مگر جب یہ آیت نازل ہوئی فاقرءوا ما تیسر منہ تو وہ بھی منسوخ ہو گئی اور صرف رات کے بعض حصہ کا قیام فرض ہوا اور اس کے بعد نماز پنجگانہ جب فرض ہوئی تو یہ حکم بھی منسوخ کر دیا گیا حسن بصریؒ

تاریخ خلفائے راشدین۔

اور علامہ حربیؒ کا بیان ہے کہ معراج سے قبل دو نمازیں پڑھی جاتی تھیں، دو رکعت صبح کے وقت اور دو رکعت دن کے پچھلے حصہ میں۔ یہی مضمون زیر تفسیر آیت وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ بِالْعَشِيِّ وَالْإِبْكَارِ روح المعانی اور فتح الباری میں بھی موجود ہے۔

زیادہ تر محققین اسی طرف گئے ہیں کہ مکہ معظمہ میں دو دو رکعت نماز دو وقت پڑھی جاتی تھی ایک صبح کے وقت اور دوسری دن ڈھلے کسی بھی وقت۔ علامہ علی قاریؒ نے بھی یہی بیان کیا ہے کہ صرف دو نمازیں تھیں ایک صبح طلوع آفتاب سے پہلے اور دوسری غروب سے پہلے (شرح نقایہ، ابن جریر، ابن ہشام، تاریخ الخمیس)

نماز کا ایک منظر

بعثت نبوی ؐ کے ابتدائی ایام میں آنحضرتؐ کی نماز کے ایک منظر کو عفیف کندیؓ اس طرح بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں اپنے گاؤں سے مکہ آیا اور عباس ابن عبدالمطلبؓ کا مہمان ہوا۔ صبح کو ان ہی کے ساتھ حرم محترم میں داخل ہوا، اسی وقت ایک باوقار ہستی حرم میں داخل ہوئی، آسمان کی طرف دیکھا اور عبادت شروع کردی، چند ہی لمحوں کے بعد ایک نوجوان آئے اور اس بزرگ کے داہنی جانب کھڑے ہوگئے پھر ایک خاتون آئیں اور ان دونوں کے پیچھے کھڑی ہوگئیں، اس کے بعد یہ تینوں نماز پڑھ کر واپس چلے گئے۔ عفیفؓ کہتے ہیں کہ میں بڑے غور سے اس منظر کو دیکھ رہا تھا اور دل ہی دل میں کہہ رہا تھا کہ یہ حالات کسی آنے والے عظیم انقلاب کا پتہ دے رہے ہیں۔ حضرت عباسؓ نے میرے تعجب کو دیکھ کر کہا، جانتے ہو یہ کون لوگ ہیں؟ میں نے کہا نہیں کہنے لگے یہ معزز بزرگ میرے بھائی کے بیٹے محمدؐ ابن عبداللہ ہیں۔ نوجوان میرے بھتیجے علی ابن ابوطالبؓ ہیں اور یہ محترم خاتون محمدؐ ابن عبداللہ کی بیوی ہیں۔ محمدؐ کا بیان

۳: تاریخ خلفائے راشدین

ہے کہ میرے پاس خدا کا مقرب فرشتہ آتا ہے اور یہ میرا مذہب آسمانی والہامی ہے، میں جو کچھ کرتا ہوں وہ اللہ کے حکم کے مطابق کرتا ہوں اس کے بعد حضرت عباس ؓ نے فرمایا میرے خیال میں اس وقت روئے زمین پر ان تینوں کے سوا کوئی ان کا پیرو نہیں ہے۔ حضرت عفیف ؓ کہتے ہیں کہ حضرت عباس ؓ کے بیان کو سن کر میرے دل میں یہ خیال آنے لگا کہ کاش! ان تینوں کا چوتھا ساتھی میں ہوتا۔ (سیرت ابن ہشام)

یہ واقعہ اس زمانے کا ہے جب کہ علانیہ تبلیغ کا سلسلہ نہیں شروع ہوا تھا اور کسی کو مخالفت کا کوئی خیال نہیں آیا تھا۔ علانیہ تبلیغ کے بعد حرم میں نماز کے سلسلہ کو بربنائے مخالفت وایذائے مخالفین ترک کر دیا گیا تھا اور پھر نماز کی ادائیگی گھروں میں ہوتی تھی یا پہاڑوں کے دروں میں۔ اس روایت میں حضرت ابوبکر ؓ کا ذکر نہیں ہے۔ ہو سکتا ہے کہ وہ اس واقعہ کے بعد ایمان لائے ہوں یا یہ کہ حضرت عباس ؓ کو ان کے مسلمان ہونے کا علم نہ ہو۔ آنحضرت ؐ کے ارشاد سے بھی یہ واضح نہیں ہوتا کہ حضرت ابوبکر ؓ کب شریک نماز ہوئے، بہرحال یہ مسلّم ہے کہ گھر والوں کو چھوڑ کر حضرت ابوبکر صدیق ؓ مکہ والوں میں پہلے شخص ہیں جو مسلمان ہوئے۔ اسلام کا اظہار کیا اور شریکِ نماز ہوئے۔

عمرو بن عبسہ ؓ

ابتدائی ایام میں جو لوگ ایمان لائے ان میں عمرو بن عبسہ ؓ اور عمرو بن مُرّہ کے نام بھی مورخین نے ذکر کئے ہیں۔ عمرو بن عبسہ ؓ کے متعلق بیان کیا گیا ہے کہ وہ قبیلہ بنو سُلَم کے رئیس اور حضرت ابوذر غفاری کے ماموں تھے۔ ذی فہم اور حق کے متلاشی تھے۔ بتوں سے ان کو نفرت تھی اور وہ اکثر سوچا کرتے تھے کہ پتھروں کو معبود بنا کر

پوچھنا کہاں کی عقلمندی ہے۔ اسی دوران میں ایک یہودی عالم نے ان سے ملاقات کے وقت کہا کہ مکہ میں ایک عظیم المرتبت نبی ظاہر ہونے والے ہیں، جو اپنی قوم کو بتوں سے ہٹا کر اللہ کی پرستش و عبادت کی طرف بلائیں گے۔ جب تم ان کو پاؤ تو ان کی اطاعت کرنا۔ عمرو کہتے ہیں کہ یہودی عالم کی باتیں سن کر میری نظر مکہ کی طرف اٹھنے لگی اور میں ہر آنے والے سے پوچھا کرتا تھا کہ تم مکہ سے کوئی نئی بات تو سن کر نہیں آئے آخر ایک دن میں نے سنا کہ لوگ بیان کر رہے ہیں کہ مکہ میں ایک شخص محمد ابن عبداللہ ظاہر ہوئے ہیں جو خود کو اللہ کا نبی کہتے ہیں اور قوم کو بتوں سے ہٹا کر اللہ کی طرف آنے کی دعوت دیتے ہیں۔ عمروؓ کہتے ہیں کہ میں ان خبروں کو سن کر فوراً مکہ پہنچا۔ واقعی خبر صحیح تھی اور یہودی عالم کی پیشن گوئی کے مطابق آنحضرتؐ لوگوں کو خاموشی اور رازداری کے ساتھ اللہ کی طرف بلا رہے تھے۔ میں نے خدمت مبارک میں پہنچ کر پوچھا، آپ کون ہیں اور آپ کا پیغام کیا ہے؟ ارشاد فرمایا۔ میں اللہ کی طرف سے نبی بنا کر بھیجا گیا ہوں، مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں کو بتوں سے ہٹا کر اللہ کی عبادت کی طرف بلاؤں، رشتہ داروں سے اچھے سلوک کا حکم کروں اور لوگوں کو بتاؤں کہ اللہ ایک ہے اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرنا چاہیے۔ اس کے بعد میں نے پوچھا کہ اب تک کس نے آپ کی پیروی کی؟ ارشاد فرمایا۔ ایک آزاد اور ایک غلام نے یعنی حضرت ابوبکرؓ اور حضرت بلالؓ ایمان لا چکے ہیں۔ اسے سن کر میں بھی مسلمان ہو گیا اور عرض کیا آپ مجھے بھی اپنے ساتھ رہنے کی اجازت دیجئے۔ ارشاد فرمایا۔ اس وقت وطن چلے جاؤ اور جب اسلام کو غلبہ حاصل ہو تو واپس چلے آنا اس واقعہ کے بعد عمرو بن عبسہؓ اپنے گھر چلے گئے۔ دوبارہ مدینہ منورہ میں اس

وقت حاضر خدمت ہوئے جب کہ اسلام نرغۂ کفار سے آزاد ہو چکا تھا۔ خدمت رسالت میں پہونچ کر سلام عرض کیا اور کہا۔ یا رسول اللہؐ! کیا آپ مجھے پہچانتے ہیں؟ فرمایا۔ ہاں تم وہی ہو جو مکہ میں ملے تھے اور ایمان لائے تھے۔ حضرت ابن علسہؓ نے دوبارہ بیعت اسلام کی اور آنحضرتؐ سے نماز کا طریقہ سیکھا۔ اس کے تھوڑے عرصہ بعد غزوۂ بدر واقع ہوا۔ حضرت عمرؓ و شریک تھے۔ خیبر کے بعد وہ مستقل مدینہ آ گئے تھے، دور خلافت عثمانیؓ میں وفات پائی (ابن سعد، اصابہ، مسلم)

تبلیغ اسلام

حضرت ابوبکر صدیقؓ ایمان لائے تو پورے مکہ میں آنحضرتؐ کی نبوت کے چرچے ہونے لگے اور حضرت ابوبکرؓ کا ایمان و اسلام زیر بحث آنے لگا مکہ والوں کے لئے یہ بات غیر متوقع تھی۔ کیونکہ کہ [redacted] آپ کو خاندان کا ہمدرد اور بہت ذی ہوش آدمی خیال کرتے تھے اس لئے حضرت ابوبکر صدیقؓ نے جیسے ہی اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کیا تو ہر طرف سے لوگ آپ کے پاس آنے لگے اور اپنے تعجب اور افسوس کا اظہار کرنے لگے۔ کچھ لوگ آپ کے والد ابو قحافہؓ کے پاس گئے اور ان سے بھی بہت کچھ کہا سنا مگر وہ کچھ ایسے خاموش ہوئے کہ اس معاملہ میں ایک لفظ بھی منہ سے نہ نکالا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ ایمان لانے کے ساتھ ہی دوست احباب کو اسلام قبول کرنے کی طرف توجہ دلانے میں مصروف ہو گئے۔ آبا و اجداد کے طریقہ اور دلوں میں بیٹھے ہوئے عقائد سے ہٹا کر اسلام کی طرف مائل کرنا آسان کام نہیں تھا مگر حضرت ابوبکرؓ نے کچھ اس طرح خاموش اور موثر تبلیغ کا سلسلہ شروع کیا کہ ان کے چند وہ دوست جو مکہ میں بڑی حیثیت اور اثر کے مالک تھے، اس درجہ متاثر ہوئے کہ نعمت ایمان

ٹھکرائے نہ بن پڑی۔ سب سے پہلے آپ اپنے مخصوص دوست حضرت عثمان ابن عفانؓ کے پاس گئے، دیر تک باتیں کیں وہ اس قدر متاثر ہوئے کہ اسی وقت آنحضرتؐ کی خدمت مبارک میں حاضر ہوئے اور اسلام لاکر دائمی سرفرازی حاصل کی۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کو حضرت عثمانؓ کے مسلمان ہونے کی بہت خوشی ہوئی اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ ان کے نہ صرف ہم عصر رئیس اور تاجر تھے بلکہ گہرے دوست اور رازدار بھی تھے اگرچہ وہ خاندانی بت پرست تھے مگر طبیعت میں نیکی کو قبول کرنے کی ویسی ہی صلاحیت پائی جاتی تھی جیسی حضرت ابوبکر صدیقؓ میں تھی بہرحال حضرت عثمانؓ کے ایمان لانے سے حضرت ابوبکر صدیقؓ بڑی تقویت محسوس کرنے لگے اور اس کے بعد وہ اپنے دوسرے دوستوں کی طرف متوجہ ہوئے۔ حضرت زبیر بن عوامؓ کے پاس گئے اور اسلام کی دعوت دی۔ سعد ابن ابی وقاصؓ سے ملے اور نعمت اسلام کو پیش کیا۔ پھر حضرت عبدالرحمٰن ابن عوفؓ سے ملاقات کی اور حصول ایمان کی ترغیب دلائی۔ یہ سب حضرات مخلصانہ مشورہ سے اس قدر متاثر ہوئے کہ اسی دم بارگاہِ مصطفیٰؐ میں حاضر ہو کر شمع رسالت کے پروانوں میں اپنا نام لکھالیا۔ مکہ والوں میں یہ وہ ابتدائی مسلمان ہیں جو اپنی اپنی قوم میں ہر اعتبار سے ذی اثر تھے۔ اسلام لانے کے بعد ان کے خلوص اور ثبات ایمان کا اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ مدینہ میں آنحضرتؐ نے جن دس مسلمانوں کو جنتی ہونے کی بشارت سنائی تھی اس میں یہ چاروں حضرات بھی شامل تھے۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ کی تبلیغی کوششوں میں یہ چاروں حضرات بھی شریک ہوگئے اور اس کے بعد جو لوگ ایمان لائے ان میں حضرت ابو عبیدۃ بن جراح، حضرت اسماء بنت ابوبکر صدیقؓ، حضرت ابوسلمۃ بن عبدالاسدؓ، حضرت ارقم بن ابی الارقمؓ

حضرت عثمان بن مظعونؓ۔ ان کے بھائی قدامہ بن مظعونؓ۔ اور عبداللہ بن مظعون کے نام بہت نمایاں ہیں۔

بعض مورخین نے اول الذکر حضرات میں حضرت طلحہ بن عبید اللہؓ کا نام بھی بیان کیا ہے بہرحال تبلیغ کا سلسلہ رکا نہیں اور یہ سب حضرات بڑی ہوشیاری سے مسلمانوں کی تعداد بڑھانے میں مصروف رہے یہاں تک کہ حضرت عبیدہ بن حرثؓ، حضرت سعید بن زیدؓ حضرت خباب بن ارثؓ، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور حضرت عمیر بن ابی وقاصؓ جیسے نامور حضرات بھی دین اسلام سے وابستہ ہو گئے۔ (ابن ہشام، اصابہ)

اسلام کے ساتھ ساتھ عبادت و تلاوت بھی حضرت ابوبکر صدیقؓ کے حصہ میں آئی تھی چنانچہ اسی ابتدائی زمانہ میں آپ نے اپنے گھر میں عبادت کے لئے ایک جگہ مخصوص کر لی تھی اور وہیں آنحضرتؐ کے بتائے اور سکھائے ہوئے طریقہ پر نماز پڑھ لیا کرتے تھے، قرآن کریم کی جو آیات اور سورتیں نازل ہوتی تھیں وہ آپ آنحضرتؐ سے سن کر یاد کر لیا کرتے تھے اور ہر روز اسی گھر میں بنائی ہوئی مسجد میں بیٹھ کر بلند آواز سے تلاوت کرتے تھے۔ کچھ لوگ اس آواز کو سن کر گھر کے باہر جمع ہو جاتے تھے۔ یہ سلسلہ اس وقت تک جاری رہا جب تک آنحضرتؐ نے دار ارقم کو مرکز تبلیغ نہیں بنایا تھا۔ بخاری کی روایت سے پتہ چلتا ہے کہ گھر میں حضرت ابوبکر صدیقؓ کی نماز و تلاوت کا سلسلہ ہجرت سے کچھ پہلے تک جاری رہا چونکہ آپ فطرتاً رقیق القلب واقع ہوئے تھے اس لئے تلاوت کے وقت آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے تھے، آواز میں رقت پیدا ہو جاتی تھی اور اہل مکہ اس منظر سے متاثر ہو کر دروازہ پر جمع ہو جاتے تھے۔

غلامانِ اسلام

مکہ میں اسلام قبول کرنے والوں میں با اثر اور سالداروں کے علاوہ کچھ ایسے بھی حضرات تھے جو غریب، مسکین اور غلام تھے۔ اسلام نے ان کے دل میں بھی گھر کر لیا اور وہ بھی دامن اسلام سے وابستہ ہو گئے، مخالفین کا ان پر سب سے زیادہ ظلم و ستم تھا اور یہ غریب بُری طرح دشمنوں کے ہاتھوں تکلیف اٹھا رہے تھے۔ ان حضرات میں حضرت بلالؓ، حضرت عامرؓ بن فہیرہؓ۔ حضرت نذیرہؓ۔ حضرت ہندیہؓ، حضرت جاریہؓ اور بنت جاریہؓ وہ غربائے اسلام ہیں جن کو حضرت ابو بکرؓ نے انکے مالکوں سے خرید کر آزاد کیا اور وہ دشمنوں سے بچ کر اسلام کی پناہ میں آ گئے۔

حضرت بلالؓ مکہ میں ایک غیر مسلم سرمایہ دار امیہ بن خلف کے غلام تھے، جب اس کو ان کے اسلام لانے کی خبر ہوئی تو سخت اذیت دینا شروع کر دی۔ گرم زمین پر لٹا نا، لوہے کی گرم سلاخوں سے جسم کو داغنا، گلے میں رسی ڈال کر مکہ کی گلیوں میں گھسیٹنا اور اپنے دوسرے غلاموں سے حضرت بلالؓ کو پٹوانا ایک معمولی سی بات تھی۔ مگر شدید ظلم اور مصائب کے بعد بھی نشۂ توحید کا متوالا لات و عزیٰ سے منہ موڑ کر احد احد کے نعرے لگاتا رہا۔

ایک مرتبہ حضرت ابو بکر صدیقؓ اُمیہ کے دروازہ سے گزرے تو بلال پر ظلم ڈھائے جا رہے تھے۔ آپ اس دردناک منظر کو دیکھ کر تڑپ اٹھے۔ اُمیہ کو سمجھایا مگر وہ کہاں ماننے والا تھا کہنے لگا، اگر اسلام کا درد رکھتے ہو تو پھر خرید کر آزاد کر دو۔ آپ واپس آئے اور دوسرے دن صبح کو پھر اس کے پاس پہنچے۔ قیمت پوچھی اور رقم فوراً ادا کر کے بلالؓ کو خرید کر آنحضرتؐ کی خدمت میں لائے اور واقعات سنا کر عرض

کیا۔ یارسول اللہؐ! میں بلال کو آزاد کرتا ہوں، آنحضرتؐ بہت خوش ہوئے، دعائے خیر فرمائی اور بلالؓ کا شانۂ نبوت میں ایک باعزت خادم کی حیثیت سے زندگی گزارنے لگے

عامر بن فہیرہؓ کو چالیس تولہ سونے کے عوض بنو جدعان سے خرید کر آزاد کیا۔ یہ ہجرت کے وقت آنحضرتؐ کے ساتھ تھے اور پھر بیر معونہ کے واقعہ میں شہید ہوئے

دو لونڈیوں کو جن کے نام ہندیہؓ، جاریہؓ تھے ان کو بنو عبدالدار کی ایک عورت سے خرید کر آزاد کیا، پھر ان دو لونڈیوں کے پاس آئے اور فرمایا۔ چلو میں نے تم کو خرید کر آزاد کر دیا ہے یہ اس وقت اپنے مالک کا غلہ پیس رہی تھیں۔ کہنے لگیں اچھا نہیں معلوم ہوتا کہ کام نامکمل چھوڑ دیا جائے۔ حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا۔ اچھا کام پورا کرلو جب دونوں فارغ ہو چکیں تو آپ نے ان کو رخصت کر دیا اور انکے اخلاق و مروت کی تعریف فرمائی۔

دو لونڈیوں کے نام اور بھی ملتے ہیں جن کو آپ نے خرید کر آزاد کیا ایک حضرت زنیرہؓ اور دوسری حضرت ام عبسؓ۔ غرض اپنے مال کا بہت بڑا حصہ آپ نے غلاموں اور لونڈیوں کی خریداری پر خرچ کر دیا۔ آپ کے والد ابو قحافہ کو یہ بات بہت ناگوار تھی اور وہ اکثر کہا کرتے تھے کہ آخر اس سے کیا فائدہ ہے جو تم مال کو ان نکمے اور کمزور غلاموں کے خریدنے پر پانی کی طرح بہا رہے ہو مگر آپ فرماتے 'اباجان! اس تجارت کے نفع کو آپ نہیں سمجھتے ہیں۔ (ابن ماجہ، ابن سعد، اصابہ، مدارج النبوۃ)

ارادۂ ہجرت

حضرت ابوبکرؓ اگرچہ مکہ کے بہت بااثر، مالدار اور صاحب ثروت بزرگ تھے اور اس وجہ سے کسی کی ہمت نہیں ہوتی تھی کہ وہ آپ پر ہاتھ ڈالے مگر دلوں میں سخت

غم و غصہ پایا جاتا تھا اور چاہتے تھے کہ کوئی موقعہ ہاتھ آئے اور ان کو نشانہ ستم بنایا جائے بہت سے مسلمان اہل کفر کے مصائب کا شکار ہو رہے تھے اور یہ سلسلۂ ظلم و ستم روز بروز بڑھتا ہی جا رہا تھا کہ اس عرصہ میں حضرت ابوبکرؓ کی تحریک پر حضرت طلحہ بن عبیداللہ بھی اسلام لے آئے، طلحہؓ کے چچا نوفل بن خویلد کو سخت ناگوار ہوا اور اس نے طلحہؓ اور حضرت ابوبکرؓ دونوں کو رسیوں سے جکڑوا کر خوب پٹوایا۔ دونوں نے بڑے صبر سے مار کھائی اور ہر تکلیف کو برداشت کیا مگر حضرت ابوبکرؓ کے خاندان نے نوفل سے کوئی باز پرس نہیں کی اور خاموش رہ کر یہ ظاہر کر دیا کہ ابوبکرؓ کا مسلمان ہونا گھر والوں کو سخت ناگوار ہوا ہے۔ حضرت ابوبکرؓ نے بھی اپنے خاندان سے فریاد نہیں کی اور سب کچھ اپنی ذات پر ہی جھیلتے رہے، کفار کے مظالم اس قدر بڑھ چکے تھے کہ آنحضرتؐ کو بھی بڑی بے چینی ہو رہی تھی کہ کسی طرح ان مظلومان اسلام کو ان بدبختوں کے ہاتھ سے نجات ملے۔ آخر آپؐ نے مظلوم مسلمانوں کو اجازت دی کہ وہ مکہ سے حبشہ کی طرف ہجرت کر جائیں، حضرت ابوبکرؓ نے بھی عرض کیا کہ یا رسول اللہؐ! مجھے بھی اجازت دیجئے کہ میں بھی ان کے ساتھ حبش چلا جاؤں، آپؐ نے اجازت دیدی اور مظلوم مسلمانوں کا یہ قافلہ مع حضرت ابوبکرؓ مکہ سے حبش کی طرف روانہ ہو گیا۔ حضرت ابوبکرؓ جب مقام برک الغماد پہنچے جو مکہ سے یمن کی طرف چار منزل کے فاصلہ پر ہے تو سامنے سے ایک شخص ابن الدغنہ رئیس قارہ سے آتے ہوئے ملاقات ہوئی۔ ابن الدغنہ نے پوچھا، ابوبکرؓ! کہاں جا رہے ہو؟ آپ نے فرمایا۔ حبش کا قصد ہے، قوم مکہ میں رہنے نہیں دیتی ہے، جا رہا ہوں کہیں اور زندگی گذار لوں گا اور خدا کی عبادت کر لوں گا۔ ابن الدغنہ نے کہا کہ میں کبھی ہرگز نہیں جانے دوں گا۔ آپ جیسا آدمی

جو غرباء و مساکین سے محبت کرتا ہو قوم کا باا ثر اور معزز ہو کبھی وطن سے باہر نہیں جا سکتا ہے اور یہ کہہ کر ابن الدغنہ آپ کو اپنے ہمراہ مکہ واپس لے آیا اور مکہ میں پہونچ کر اعلان کر دیا کہ ابوبکر ابن ابی قحافہ میری امان میں ہیں کوئی شخص ان سے کسی قسم کی مزاحمت نہ کرے، اہل مکہ نے ابن الدغنہ سے کہا کہ آپ کی امان ہمیں منظور ہے مگر ان کو بھی سمجھا دو کہ یہ علانیہ اور بلند آواز سے قرآن نہ پڑھیں، ابن الدغنہ نے حضرت ابوبکرؓ کو سمجھا دیا اور آپ کچھ عرصہ تک اپنے گھر کی مسجد میں خاموشی سے تلاوت و عبادت کرتے رہے لیکن یہ خاموشی کا سلسلہ زیادہ عرصہ قائم نہیں رہا اور آپ مثل سابق بلند آواز سے قرآن کی تلاوت کرنے لگے جس کی وجہ سے آپ کے دروازہ پر لوگوں کا ہجوم ہونے لگا اور اسلام دلوں میں گھر کرنے لگا۔

معترضین نے ابن الدغنہ سے شکایت کی کہ ہم نے تمہاری ذمہ داری پر تمہاری امان کو تسلیم کیا تھا مگر یہ اپنے عہد کو توڑ چکے ہیں اس لئے ہم بھی اپنے عہد کو توڑتے ہیں۔ ابن الدغنہ نے آپ کو پھر سمجھا دیا اور کہا کہ میری امان اسی حد تک ہے جب تک آپ خاموشی سے عبادت کریں حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا، مجھے اب تمہاری امان کی ضرورت نہیں ہے اللہ اور اس کا رسولؐ میرا معین و محافظ ہے۔ ابن الدغنہ نے اپنی امان اٹھا لی اور آپ نے مصائب و آلام کا خوف دل سے نکال دیا۔ مکہ میں سب سے پہلی مسجد وہ تھی جو حضرت ابوبکرؓ نے اپنے گھر کے صحن میں بنائی تھی اور جس میں آپ کی تلاوت کی آواز سن کر عورتیں۔ مرد اور غلام گھر کے باہر جمع ہو جاتے تھے اور ان کے دل اپنے آبائی مذہب سے نفرت کرنے لگتے تھے

(عینی شرح بخاری، ابن سعد)

حضرت ابوبکرؓ کی ہجرت کا یہ واقعہ دوسری ہجرت سے تعلق رکھتا ہے۔ اس سے قبل ایک مرتبہ مسلمان اور بھی مکہ سے حبشہ کی طرف ہجرت کر چکے تھے جس میں ۱۲ مرد اور چار عورتیں تھیں مگر ۳ ماہ کے بعد ان کو معلوم ہوا کہ قریش نے آنحضرتؐ کی مخالفت ترک کردی ہے تو وہ واپس آ گئے مگر یہاں آکر دیکھا تو ظلم وستم بدستور جاری تھا اس لئے دوبارہ ہجرت کا قصد کیا، اس دوسری ہجرت میں سو سے زیادہ مرد وعورت اور بچے شامل تھے۔ ابن کثیر نے ان تمام حضرات کے نام تفصیل سے بیان کئے ہیں اور لکھا ہے کہ ان جانے والوں میں بنو عدی، بنو عامر، بنو حرث، بنو ہاشم، بنو امیہ، بنو اسد، بنو عبد شمس، بنو نوفل بنو عبد بن قصی، بنو عبد الدار، بنو زہرہ، بنو ہذیل، بنو تمیم، بنو مخزوم اور بنو سہم وغیرہ قبائل کے لوگ شامل تھے۔ ان حضرات میں ۱۲ مرد اور چار عورتیں وہ تھیں جن کو دو مرتبہ ہجرت حبش کا شرف حاصل ہوا جن میں حضرت عثمان ابن عفانؓ عثمان بن مظعونؓ۔ حضرت رقیہ بنت رسول اللہؐ، عبد الرحمٰن ابن عوفؓ، مصعب بن عمیرؓ کے نام بہت ممتاز ہیں۔ طبری نے عبد اللہ ابن مسعودؓ کا نام بھی تحریر کیا ہے، اس مختصر سے قافلے کے قافلہ سالار حضرت عثمان بن مظعونؓ تھے۔ یہ حضرات ایک ایک کرکے مکہ سے رات کی تاریکی میں نکلے تھے۔ سب سے پہلے حضرت عثمان ابن عفانؓ نے اپنی بیوی حضرت رقیہ کو ساتھ لے کر گھر سے قدم نکالا۔ ایک روایت میں ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ لوط علیہ السلام کے بعد عثمان پہلے شخص ہیں جو اپنی بیوی کے ساتھ اللہ کے راستہ میں ہجرت کے لئے نکلے (مستدرک حاکم)

ہجرت سے قبل

حبشہ کی طرف ارادہ ہجرت اور مدینہ کی ہجرت کے درمیانی عرصہ میں حضرت

ابو بکرؓ کو دشمنوں کے ہاتھوں بڑی تکلیفیں اٹھانا پڑیں اور ساتھ ہی آنحضرتؐ کو جو تکالیف کافروں کی طرف سے پہنچ رہی تھیں ان کو روکنے میں بھی آپ کو ایسی جانبازی کے جوہر دکھانا پڑے، آپ ہر موقعہ پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کافروں کے نرغے سے بچانے کے لئے آگے بڑھے اور شدید مصائب کو بخوشی گوارہ کیا ایک مرتبہ کعبہ کے قریب کفار مکہ آنحضرتؐ کا ذکر اور ان کی مذمت کر رہے تھے کہ اتنے میں رسول اکرمؐ حرم میں داخل ہوئے۔ کافروں نے ہر طرف سے گھیر لیا گلے میں چادر ڈال دی اور فرش حرم پر گھسیٹنا شروع کیا۔ کسی نے حضرت ابو بکرؓ کو خبر کر دی، آپ فوراً آئے اور کافروں کے درمیان میں گھس کر آنحضرتؐ کو ان کے پنجۂ ظلم سے چھڑایا اور فرمایا۔ کیا تم ایک ایسے شخص کو مار ڈالنا چاہتے ہو جو کہتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے اور جو تمہارے پاس اللہ کی نشانیاں لے کر آیا ہے؟ کافروں کی آتش غضب اس تقریر کو سن کر اور بھی بھڑک اٹھی۔ انھوں نے آنحضرتؐ کو تو چھوڑ دیا اور حضرت ابو بکرؓ پر پل پڑے۔ اس قدر مارا کہ بے ہوش ہو گئے، لوگوں نے اٹھا کر گھر پہنچایا کئی دن تک بے ہوش رہے اور جب ہوش آیا تو پوچھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اچھے ہیں؟ پھر فرمایا۔ مجھے آنحضرتؐ کی خدمت میں لے چلو۔ گھر والوں نے ہر چند سمجھایا کہ تم ان کا خیال دل سے نکال دو اور اپنی جان کو نقصان مت پہنچاؤ۔ اس کے بعد کھانے کے لئے پیش کیا مگر انھوں نے نہ کوئی بات سنی اور نہ کچھ کھایا۔ آخر ماں کو بیٹے کی حالت زار پر رحم آیا اور وہ ایک آدمی کی مدد سے ان کو لے کر آنحضرتؐ کی خدمت میں آئیں سرکار دو عالمؐ نے دیکھا تو فرط محبت سے گلے لگا لیا جب ذرا سکون ہوا تو کہنے لگے یا رسول اللہؐ! آپ دعا فرمائیں کہ میری والدہ کو اسلام کی سعادت نصیب ہو۔

آنحضرتؐ نے دعا فرمائی اور اللہ تعالیٰ نے مادرِ صدیق کا سینہ نورِ اسلام سے منور کر دیا اور وہ اسی وقت کلمہ پڑھ کر مشرف باسلام ہو گئیں۔ آپ کی والدہ کا نام سلمیٰ بنت صخر تھا وہ بنی تمیم کے قبیلہ سے تھیں۔ ام الخیر ان کی کنیت تھی۔ طبرانی نے ہشیم بن عدی سے روایت کی ہے کہ حضرت ابوبکرؓ کی وفات کے وقت ام الخیرؓ اور ابو قحافہ دونوں موجود تھے اور اپنے نامور بیٹے کی میراث سے دونوں نے حصہ پایا تھا۔

(ابن ہشام، اصابہ، ریاض النضرہ)

نبوت کے ساتویں برس قریش نے ہاشمیوں کا مقاطعہ کیا اور تمام سرداران قریش نے ایک معاہدہ مرتب کیا جس میں لکھا گیا کہ ہاشمیوں سے ہر قسم کا لین دین، شادی بیاہ، ملنا جلنا اور خرید و فروخت ممنوع ہے کوئی شخص اس معاہدہ کی خلاف ورزی نہیں کرے گا۔ پھر اس معاہدہ کو کعبہ میں لٹکا دیا گیا تاکہ کوئی شخص کسی وقت اس کی اہمیت کو بھلا نہ سکے۔

حضرت ابوطالب اس معاہدہ کے بعد اس قدر مجبور ہوئے کہ آنحضرتؐ اور ہاشمیوں کو ساتھ لے کر شعب ابی طالب میں محصور ہو گئے۔ تین سال تک شدید مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ بے شمار فاقے ہوئے اور درختوں کی پتیاں کھا کھا کر دن گزارے۔ حضرت ابوبکرؓ اگرچہ ہاشمی نہیں تھے اور ان پر اس معاہدہ کا کوئی اثر نہیں پڑتا تھا مگر پھر بھی الفت رسولؐ اس درجہ غالب تھی کہ آپ خود بخود ہاشمیوں کے ساتھ محصور ہو گئے اور مصائب میں ان کے شریک رہے (ابن ہشام)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جہاں بھی تبلیغ کے لئے تشریف لے جاتے تھے تو حضرت ابوبکرؓ اور حضرت علیؓ ضرور ساتھ ہوتے تھے۔ مکہ میں موسم حج میں آنحضرتؐ جب

قبائل عرب کے پاس تشریف لے گئے تو حضرت ابوبکرؓ آپ کے ہمراہ گئے اور اس سلسلہ میں جب بھی کوئی پریشانی پیش آتی آپ اس کو رفع کرنے کی ہر ممکن کوشش کرتے اور اپنی ذات پر پہنچنے والی تکلیفوں کو بخوشی برداشت کرتے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی وفاداری، محبت اور رفاقت پر پورا بھروسہ تھا آپ ہر معاملہ میں ان سے مشورہ فرماتے تھے اور ان کی رائے کی قدر کرتے تھے۔ آنحضرتؐ کا دستور تھا کہ روزانہ ایک مرتبہ ضرور حضرت ابوبکرؓ کے گھر جایا کرتے تھے، ابوقحافہ باوجود کافر ہونے کے کوئی مزاحمت نہیں کرتے تھے۔

حضرت خدیجہؓ کی وفات کے بعد آپ نے اپنی صاحبزادی حضرت عائشہؓ کا نکاح آنحضرتؐ کے ساتھ کر دیا تاکہ آنحضرتؐ کو حضرت خدیجہؓ کی جدائی کا جو غم ہے وہ دور ہو جائے۔ روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ درمیانی بات چیت خولہ بنت حکیمؓ نے انجام کو پہنچائی تھی اور جب سب باتیں طے ہو گئیں تو حضرت ابوبکرؓ نے آنحضرتؐ کو اپنے گھر پر بلایا اور نکاح کر دیا۔ (مسند امام احمد)

ہجرت سے ایک سال قبل آنحضرتؐ معراج شریف کو تشریف لے گئے کفار مکہ کے سامنے جب اس کا ذکر آیا تو وہ مذاق اڑانے لگے، ابوجہل اور دوسرے کفار حضرت ابوبکرؓ کے پاس آئے اور کہنے لگے۔ ابوبکرؓ! تم کو اپنے دوست کا بھی کچھ حال معلوم ہے؟ آج تو وہ ایک نیا شگوفہ چھوڑ رہے ہیں اور کہتے ہیں کہ میں رات کو مکہ سے بیت المقدس گیا اور وہاں سے آسمانوں کی سیر کو گیا۔ جنت و دوزخ کو دیکھا اور اپنے رب سے ملتا ہوا رات ہی میں مکہ واپس آ گیا۔ حضرت ابوبکرؓ نے ابوجہل وغیرہ کی باتیں سنیں اور فرمایا۔ اگر محمدؐ ایسا کہتے ہیں تو وہ ٹھیک کہتے

ہیں۔ میں ان کے بیان کی تصدیق کرتا ہوں بلکہ اس سے بھی دور کی مسافتوں کے طے ہونے اور غیبی و آسمانی خبروں کے آنے اور حالات کے معلوم ہونے کا یقین کرتا ہوں۔
آنحضرت ؐ کو معلوم ہوا تو آپ نے ابوبکر ؓ کو صدیق ؓ کے لقب سے سرفراز فرمایا اور پھر اس دن سے آپ ابوبکر صدیق ؓ اور صدیق اکبر ؓ کے نام و لقب سے پکارے جانے لگے۔
(مستدرک حاکم)

ہجرت مدینہ

یہ ایک نمایاں حقیقت ہے کہ انبیائے کرام کو وطن کی فضا کبھی موافق نہیں آئی اور ان کو وطن سے دور کسی دوسرے مقام میں پناہ لینے پر مجبور ہونا پڑا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بابل چھوڑ کر کنعان جانا پڑا۔ حضرت یوسف ؑ کنعان سے مصر گئے۔ حضرت موسیٰ ؑ نے مصر کو خیرباد کہا اور مدین کا رخ کیا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی اس درجہ مخالفت کی گئی کہ ان کو دشمنوں نے اپنے خیال میں پھانسی پر لٹکا دیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو وطن کی زمین سے آسمان کی طرف بلا لیا اور وہ اپنے مخلص ماننے والوں کو دعا دیتے ہوئے آسمانوں کی آزاد فضا میں مصروف عبادت ہو گئے۔

۱۳ سال کی مدت میں کوئی ایسا ستم باقی نہیں رہا جو مسلمانوں پر اور ان کے آقا رحمت اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم پر ڈھایا نہ گیا ہو۔ کفار مکہ کی چیرہ دستیاں اور ان کے ظلم و ستم ہر روز بڑھتے جا رہے تھے اور نئی نئی شکلیں اختیار کرتے جا رہے تھے۔ بوڑھے، کمزور اور لاچار مسلمانوں کے علاوہ قریب قریب تمام مسلمان حبشہ اور مدینہ کی طرف ہجرت کر چکے تھے۔ حضرت علی ؓ، حضرت صدیق ؓ اور آنحضرت ؐ مکہ میں تھے اور ظلم و ستم برداشت کرتے ہوئے حکم خدا کا انتظار کر رہے تھے۔

مدینہ میں مسلمانوں کو بڑی محبت سے لبیک کہا جا رہا تھا اور روز بروز اسلام کی روشنی دلوں کو منور کرتی جا رہی تھی۔ مدینہ کے مسلمان اور وہ مہاجر مسلمان جو مکہ سے مدینہ گئے تھے چاہتے تھے کہ مکہ سے آنحضرتؐ اور ان کے رفقاء بھی مدینہ آجائیں۔ مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے حکم کا انتظار کر رہے تھے، حضرت ابوبکر صدیقؓ نے عرض بھی کیا کہ مجھے اجازت دیدیجئے تاکہ میں مدینہ کو اپنی منزل مقصود بناؤں تیاریاں بھی کر لیں مگر آنحضرتؐ نے ارشاد فرمایا۔ جلدی مت کرو مجھے بھی ہجرت کا حکم ملنے والا ہے، حضرت ابوبکرؓ نے عرض کیا، یا رسول اللہؐ! تو پھر مجھے آپ اپنے ساتھ ہی رکھئے گا، آپ نے فرمایا۔ اچھا میں تم کو ساتھ لے چلوں گا۔ اس کے بعد آپ چار ماہ تک مکہ میں ہجرت کے حکم کا انتظار کرتے رہے۔

کفار مکہ دیکھ رہے تھے کہ مسلمان آہستہ آہستہ مدینہ اور حبشہ کو اپنا مرکز بناتے جا رہے ہیں۔ انھوں نے کئی مرتبہ کوششیں کیں کہ حبشہ کی حکومت مسلمانوں کو نکال دے اور ان کے حوالے کر دے۔ اسی طرح وہ مدینہ کے یہود و مشرکین کو بھی ان مسلمانوں کے خلاف اکساتے اور بھڑکاتے رہے جو مکہ سے مدینہ جا کر مقیم ہو چکے تھے مگر ان کو اپنی ان کوششوں میں کوئی کامیابی نہیں ہوئی چنانچہ وہ ادھر سے مایوس ہو کر آنحضرتؐ کی طرف متوجہ ہو گئے اور مصمم ارادہ کر لیا کہ جس طرح ہو ذات رسالتؐ کو ختم کر دیا جائے تاکہ وابستگان اسلام کا شیرازہ بکھر جائے اور پھر ان کیلئے کوئی مرکزیت باقی نہ رہے، یہ خیال تو پہلے بھی کئی مرتبہ ان کو آیا مگر ابوطالبؓ کی حیات اور ہاشمیوں کے خوف سے باز رہے لیکن اب ابوطالب وفات پا چکے تھے۔ مسلمانوں سے مکہ خالی ہو چکا تھا۔ ہاشمی بھی حبشہ اور مدینہ ہجرت کر کے جا چکے تھے میدان صاف

تھا اور کوئی چیز مانع نہیں تھی اس کے ساتھ ہی قریش کو یہ خیال بھی شدت سے بے چین کر رہا تھا کہ اسلام کا حلقۂ اثر دن بدن وسیع ہوتا جا رہا ہے، مکہ تو مکہ اب تو وہ دوسرے ملکوں اور شہروں میں بھی اپنے اثر و رسوخ کو پھیلا رہا ہے اس لئے اس وقت کے آنے سے پہلے جب کہ محمدؐ بھی مکہ سے روانہ ہوں اور مدینہ پہنچ کر مسلمانوں کی قیادت کریں جس طرح بھی ہو سکے ان کی زندگی کے چراغ کو گل کر دیا جائے

یہ قریش کے صرف خیالات اور وسوسے ہی نہیں تھے بلکہ وہ چاہتے تھے کہ جلد سے جلد ان خیالات کو عملی شکل دی جائے چنانچہ تمام نامورانِ قریش اور مخالفین اسلام دارالندوہ میں جمع ہوئے اور نہایت راز داری کے ساتھ اپنے فاسد خیالات کو عملی شکل دینے کی تدابیر پر غور کرنے لگے۔

ابوسفیان، عتبہ، شیبہ، ابوجہل، ابولہب، امیہ، نضر، حارث اور زمعہ سبھی شریک مجلس تھے بہت سی تدابیر پر غور کیا گیا آخر ابوجہل کی رائے سب کو پسند آئی اور اس کی تجویز کے مطابق طے ہوا کہ تمام قبائل قریش میں سے ایک ایک جوان لے لیا جائے اور پھر سب مسلح ہو کر رات کے وقت جبکہ محمدؐ گھر میں سو رہے ہوں اچانک حملہ کر کے ان کے قصہ کو ختم کر دیا جائے اور چونکہ اس طرح تمام قبائل انکے مارنے میں شریک ہونگے لہٰذا کسی کو مقابلہ کی جراءت نہ ہو سکے گی اور اگر خون بہا لینا چاہیں گے تو وہ بھی اس صورت میں ادا کرنا آسان ہوگا۔ آخر وہ وقت آہی گیا جب کہ کفار مکہ کاشانۂ نبوتؐ کو گھیرنے کی تیاریاں کرنے لگے۔ رفیقہ بنت صیفیؓ جو عبدالمطلب کی بھتیجی تھیں ان تمام حالات سے آگاہ ہو گئیں۔ فوراً خدمت رسالت میں آئیں اور تمام خطرناک حالات سے آنحضرتؐ کو مطلع کیا مگر حضرت

حضرت جبریلؑ ان کو آنے سے قبل ہی سب کچھ بتا چکے تھے اور خدا کے اس حکم سے مطلع کر چکے تھے کہ آج ہی رات میں پچھلے پہر مکہ سے مدینہ کے لئے روانہ ہو جایئے۔

حضرت ابوبکرؓ سے آپ وعدہ کر ہی چکے تھے۔ حکم ملتے ہی آپ سر پر چادر ڈالے ان کے گھر تشریف لے گئے۔ اندر داخل ہونے کی اجازت مانگی، اندر گئے تو حضرت ابوبکرؓ نے تخت سے نیچے اتر کر استقبال کیا۔ آنحضرتؐ نے فرمایا۔ لوگوں کو ہٹا دو ضروری باتیں کرنا ہیں۔ حضرت ابوبکرؓ نے عرض کیا۔ یارسول اللہؐ یہ تو آپ کی لڑکی ہیں کوئی غیر نہیں ہے۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا۔ ابوبکرؓ! حکم ہجرت آگیا ہے۔ میں آج ہی رات کو جانے والا ہوں تم تیار ہو جاؤ میرے ساتھ چلو گے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے جیسے ہی زبان رسالت سے یہ خبر فرحت اثر سنی فرط مسرت سے آنسو بہنے لگے۔ حضرت عائشہؓ جن کی عمر اس وقت ۹ سال کے قریب تھی فرماتی ہیں کہ میں نے پہلی مرتبہ اس دن اپنے باپ کو خوشی کے وقت روتے ہوئے دیکھا اور سوچنے لگی کہ آنسو خوشی کے وقت بھی نکل آتے ہیں۔

آنحضرتؐ یہ خبر سنا کر گھر واپس آئے۔ ابوبکر صدیقؓ کی بیٹیاں عائشہؓ اور اسماؓ راستہ کے لئے ناشتہ تیار کرنے میں لگ گئیں اور حضرت صدیقؓ نے ان اونٹوں کو ایک نظر بھر کر دیکھا جو ہجرت کے خیال سے پرورش پا رہے تھے۔ اپنے بیٹے عبداللہ سے فرمایا کہ شہر کے حالات سے ہم کو غار ثور میں مطلع کرنا۔ عامر بن فہیرہ کو حکم دیا کہ بکریاں حسب دستور جنگل میں لے جایا کرنا اور شام کو ان کا دودھ ہم کو پہونچانا ایک غیر مسلم عبداللہ بن اریقط جو آپ کا معتمد اور راستہ کے حالات سے واقف تھا اس سے فرمایا کہ یہ اونٹنیاں اپنے قبضہ میں رکھو اور وقت مقررہ پر ہمارے پاس

غار ثور میں لے آنا۔

ادھر آنحضرت ﷺ نے جناب علیؓ کو متوجہ کرتے ہوئے تمام امانتیں ان کے حوالہ کیں اور فرمایا۔ میرے جانے کے بعد ان امانتوں کو ان کے مالکوں کے سپرد کر دینا اور جب اس کام سے فارغ ہو جاؤ تو پھر مدینہ چلے آنا۔ عشاء کے بعد حضرت جبریلؑ آستانۂ نبوت پر حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! آپ علیؓ کو اپنے بستر پر سلا دیجئے۔ چنانچہ حضرت علیؓ آپ کی چادر اوڑھ کر لیٹ گئے۔ مکان کے چاروں طرف ابوجہل اور اس کی ٹولی محاصرہ کئے ہوئے تھی۔ آدھی رات کے بعد آنحضرت ﷺ سورۂ یٰسین کی ابتدائی آیات کی تلاوت کرتے ہوئے باہر نکلے اور ایک مٹھی خاک زمین سے اٹھا کر ان کی طرف پھینکتے ہوئے چلے گئے۔

دشمن اندھے ہو گئے اور آنحضرت ﷺ گھر سے سیدھے حضرت ابوبکر صدیقؓ کے یہاں گئے اور ان کو لئے ہوئے غار ثور پر پہنچ گئے۔ ادھر دشمنوں کی ٹولیاں گھر کو گھیرے ہوئے انتظار کر رہی تھیں کہ محمد ﷺ صبح کے وقت جب گھر سے نماز کے لئے نکلیں گے تو ان کا فیصلہ کر دیا جائے گا۔ مگر ان کی یہ آرزو پوری نہ ہو سکی اور صبح کے قریب ایک شخص نے پکار کر کہا۔ محمد ﷺ تو چلے بھی گئے اور تم انتظار ہی کر رہے ہو۔ ابوجہل نے گھر کے اندر نظر ڈالی تو علیؓ لیٹے ہوئے تھے اور آنحضرت ﷺ جا چکے تھے۔ قریش بدحواس ہو گئے، حضرت علیؓ پر خوب سختیاں کیں، حرم میں لے گئے اور پھر تھوڑی دیر کے بعد مجبور ہو کر چھوڑ دیا۔

غار ثور

قریش اپنی ناکامی پر شرمندہ و بدحواس اِدھر اُدھر بھاگ رہے تھے، ایک شخص

اعلان کر رہا تھا کہ اگر محمدؐ کو کوئی گرفتار کر کے لائے گا تو اسے سو اونٹ انعام میں دیئے جائیں گے کئی انعام کے لالچی اپنی سواریوں پر مکہ اور اس کے اطراف میں پھیل گئے، کوئی جگہ نہیں چھوڑی جہاں تلاش نہ کیا ہو۔ آنحضرتؐ صدیق اکبرؓ کے ساتھ غار ثور پر تشریف لے گئے، حضرت ابوبکرؓ نے پہلے غار میں داخل ہو کر اسے صاف کیا۔ سوراخوں کو اپنی چادر کے ٹکڑے کر کے بند کیا پھر آنحضرتؐ کو اندر بلایا۔ آپؐ داخل ہوئے اور رفیق سفر کی درخواست پر اپنا سر انکی ران پر رکھ کر آرام فرمانے لگے۔

ابوجہل چند ساتھیوں کو لئے حضرت ابوبکرؓ کے مکان پر آیا۔ آواز دی تو حضرت اسماء دروازہ پر آئیں پوچھا تمہارا باپ کہاں ہے؟ کہنے لگیں کہیں گئے ہیں مگر یہ نہیں معلوم کہ کہاں گئے ہیں، ــــ ابوجہل طیش میں آگیا اور حضرت اسماء کے اس زور سے طمانچہ مارا کہ چکر کھا کر رہ گئیں۔

لالچ کے بندے اور اسلام کے بدترین دشمن بڑی سرگردانی اور حیرانی کے عالم میں ہر طرف ڈھونڈتے پھر رہے تھے، قیافہ شناس آئے اور نشان قدم تلاش کرنے لگے اور پھر جب نشان قدم ملے تو انہی کے سہارے بڑھتے بڑھتے غار ثور تک پہونچ گئے اور یہاں کھڑے ہو کر کہنے لگے کہ اس سے آگے کوئی نشان نہیں ملتا ہے۔ حضرت ابوبکرؓ غار کے اندر سے ان کے قدموں کو دیکھ رہے تھے گھبرا کر کہنے لگے یا رسول اللہؐ! دشمن سر پر کھڑے ہیں اگر ذرا بھی جھکے تو ہم کو دیکھ لیں گے، آپؐ نے بڑے استقلال کے ساتھ فرمایا "گھبرانے اور پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے، ہم صرف دو ہی نہیں ہیں بلکہ تیسرا ہمارے ساتھ اللہ بھی ہے"۔ اس تشفی آمیز جملہ نے حضرت ابوبکرؓ کی گھبراہٹ کو سکون سے بدلدیا اور ان کا مضطرب دل یقین میں ڈوب گیا۔ دشمن

تھوڑی دیر ہر طرف تلاش کرتے اور ڈھونڈتے رہے اور جب مایوس ہو گئے تو ناشاد و نامراد واپس چلے گئے۔

مورخین کی تفصیلات اور احادیث کے ارشادات سے معلوم ہوتا ہے کہ جونہی آں حضرتؐ غار کے اندر اپنے رفیق کے ساتھ داخل ہوئے اللہ تعالیٰ کی قدرت سے مکڑی نے غار کے منہ پر جالا پور دیا اور ساتھ ہی کبوتر کے ایک جوڑے نے جالے سے باہر غار کے داخل ہونے کے عین راستہ میں تنکوں سے گھونسلہ بنا دیا اور کبوتری انڈے سینے لگی۔ مشکوٰۃ کی ایک روایت سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ غار میں جن سوراخوں کو حضرت ابوبکرؓ نے بند کیا تھا ان میں ایک کھلا رہ گیا تھا اور اس سے ایک سانپ نے نکل کر آپ کے پیر کے انگوٹھے میں کاٹ لیا، زہر کے اثر سے آپ اس قدر بے چین ہوئے کہ آنسو ٹپک کر آنحضرتؐ کے چہرے پر گرے۔ آپؐ نے حال پوچھا اور پھر لعاب دہن لگا دیا جس سے فی الفور صحت یاب ہو گئے، کہا گیا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ کی وفات کے وقت اس زہر کے اثرات بہت بڑھ گئے تھے۔

حضرت ابوبکرؓ کی زندگی کی وہ ساعتیں جو انھوں نے آنحضرتؐ کے ساتھ غار ثور میں گذار دیں اللہ تعالیٰ نے اس درجہ پسند فرمائیں کہ قرآن کریم میں اس واقعہ کے متعلق اس طرح ارشاد فرمایا گیا ہے۔

ثَانِيَ اثْنَيْنِ إِذْ هُمَا فِي الْغَارِ إِذْ يَقُولُ لِصَاحِبِهِ لَا تَحْزَنْ إِنَّ اللَّهَ مَعَنَا فَأَنزَلَ اللَّهُ سَكِينَتَهُ عَلَيْهِ۔

"اس وقت جب کہ یہ دونوں غار میں تھے اور نبیؐ اپنے رفیق سے فرما رہے تھے کہ غم مت کرو اللہ ہمارے ساتھ ہے پھر اللہ نے ان پر اپنی تسکین

نازل فرما دی۔

حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کاش! میری زندگی کی تمام نیکیاں اس رات و دن کے برابر ہو جائیں جو ابو بکرؓ نے آنحضرتؐ کے ساتھ غار ثور میں گذارے۔

ایک روایت ہے کہ آنحضرتؐ نے حضرت حسان شاعر اسلام سے فرمایا کہ تم نے کچھ میرے رفیق غار کے لئے بھی کہا ہے۔ عرض کیا جی ہاں، فرمایا سناؤ۔ حضرت حسانؓ نے جو اشعار پڑھے ان کا ترجمہ یہ ہے :۔

"غار میں رفاقت کرنے والے ان دو میں سے دوسرے تھے، ایسے وقت میں جب کہ دشمن پہاڑ پر پہنچ کر تلاش کر رہے تھے۔ سب جانتے ہیں کہ وہ رسول اللہؐ کے دوست ہیں اور اللہ کی مخلوق میں اپنا ثانی نہیں رکھتے ہیں۔"

فتح الباری میں ہے کہ جس وقت حضرت ابو بکرؓ نے آنحضرتؐ سے کہا کہ یا رسول اللہؐ ایک دشمن ہماری طرف بڑے غور سے دیکھ رہا ہے تو آپؐ نے فرمایا۔ وہ ہمیں ہرگز نہیں دیکھ سکتا کیونکہ اللہ تعالیٰ کے فرشتوں نے ہم کو اپنے پروں میں چھپا رکھا ہے۔

(بخاری۔ مستدرک حاکم، طبری، ابن ہشام و سعد)

حالات سفر

آنحضرتؐ تین دن غار ثور میں مقیم رہ کر چوتھے روز حضرت ابو بکرؓ کو لئے ہوئے مدینہ کی جانب روانہ ہوئے۔ حضرت ابو بکرؓ نے اپنے غلام عامر بن فہیرہ کو اپنے پیچھے سواری پر بٹھا لیا تھا۔ عبداللہ بن اریقط راستہ بتاتا جا رہا تھا۔ راستہ میں حضرت ابو بکرؓ اپنی سواری کو کبھی آنحضرتؐ کے آگے اور کبھی پیچھے کر لیا کرتے تھے تاکہ حفاظت

کے فرائض پورے طور پر انجام دے سکیں۔

عبداللہ نے سیدھے راستے کو چھوڑ کر ایسا راستہ اختیار کیا جو دشمنوں سے محفوظ رکھ سکے۔ حضرت ابوبکرؓ فرماتے ہیں کہ ایک رات دن چلنے کے بعد ہم دوپہر کو ایک بڑے پتھر کے سایہ میں ٹھیرے اور آنحضرتؐ کے لئے اس جگہ آرام کا بندوبست کیا اور آپ تھوڑی دیر سوئے۔ میں نے گھوم پھر کر وضو کے لئے پانی تلاش کیا اور ایک چرواہے سے دودھ حاصل کیا۔ آنحضرتؐ جاگے تو دودھ پیا اور وضو کیا۔ پھر زوال کے بعد روانہ ہوئے۔ دشمنوں نے کئی آدمیوں کو انعام کا لالچ دے کر متعین کیا تھا کہ وہ آنحضرتؐ کو تلاش کریں چنانچہ سب جستجو کر رہے تھے۔ ایک شخص سراقہ بن مالک جو قبیلہ بنو مدلج کا نامور شہسوار تھا اپنا گھوڑا دوڑاتا ہوا آنحضرتؐ کے قریب پہنچ گیا۔ حضرت ابوبکرؓ نے گھبرا کر آنحضرتؐ سے عرض کیا۔ یا رسول اللہؐ! سراقہ ہمارے قریب آگیا ہے۔ آپ نے فرمایا فکر مت کرو اللہ ہمارا محافظ ہے۔ سراقہ قریب ہوا تو آپ نے خدا سے دعا کی اور سراقہ کا گھوڑا گرا، وہ پھر اٹھا آپ نے پھر دعا کی اور گھوڑا زمین میں دھنسا۔ اس نے معافی مانگی اور واپس جانے کا وعدہ کیا آپ نے دعا فرمائی گھوڑے کو نجات ملی اور سراقہ نے جاتے ہوئے عرض کیا۔ اپنی کوئی نشانی دیدیجئے۔ آپ نے ایک تیر دیدیا۔ تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ سراقہ واپس چلا گیا اور فتح مکہ کے دن آنحضرتؐ کے سامنے آیا اور نشانی کا تیر دکھا کر مسلمان ہو گیا، آپؐ نے فرمایا سراقہ تم کسریٰ کے کنگن اپنے ہاتھ میں پہنو گے چنانچہ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں جب کسریٰ کا ملک فتح ہوا تو سراقہ کو سونے کے کنگن پہنائے گئے۔

راستے میں کئی آدمی ملے جو حضرت ابوبکرؓ کو پہچانتے تھے، انھوں نے آپ سے

پوچھا کہ یہ تمہارے ساتھ کون ہیں؟ آپ نے سب سے فرمایا کہ یہ ہمارے رہنما ہیں حضرت عائشہؓ اور اسماءؓ نے راستہ کے لئے جو کھانے کا بندوبست کر دیا تھا وہ ختم ہوگیا حضرت ابوبکرؓ تلاش کرنے نکلے اور ایک غریب عورت ام معبد کے گھر پر پہنچے۔ دودھ کی فرمائش کی مگر ام معبد نے ایک لاغر بکری کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ اس کے سوا کوئی جانور نہیں ہے اور یہ بیماری کی وجہ سے دودھ دینے سے قاصر ہے۔ آپ نے آنحضرتؐ سے عرض کیا۔ آپؐ بھی گئے اور اجازت لے کر تھنوں کو ہاتھ لگایا تو دودھ سے بھر گئے۔ سب نے پیا اور پھر ام معبد کے برتن بھی بھر دیئے۔ شام کے وقت ام معبد کے شوہر نے گھر میں دودھ کو دیکھا تو حیران ہو کر پوچھا کہ یہ کہاں سے آیا۔ ام معبد نے واقعہ سنایا تو شوہر نے کہا یہ وہی بزرگ معلوم ہوتے ہیں جن کی قریش کو تلاش ہے کچھ عرصہ کے بعد ام معبد اور شوہر دونوں مدینہ جا کر مسلمان ہو گئے۔

آنحضرتؐ اور آپ کے رفیق سفر چلے جا رہے تھے کہ سامنے سے حضرت زبیر بن عوام اور حضرت طلحہؓ آتے ہوئے ملے۔ زبیرؓ حضرت اسماء کے شوہر تھے۔ یہ دونوں حضرات ملک شام سے آ رہے تھے۔ اس ملاقات نے سب کو خوش کر دیا۔ حضرت زبیرؓ نے شام کے سفید کپڑے آنحضرتؐ کی خدمت میں پیش کئے اور عرض کیا ہم مدینہ سے ہو کر آ رہے ہیں مسلمانوں کو وہاں آپ کے جانے کی اطلاع مل چکی ہے اور وہ سب انتظار کر رہے ہیں اس کے بعد آنحضرتؐ آگے بڑھ گئے اور طلحہ و زبیر مکہ کی سمت چل دیئے۔ مگر یہ دونوں مکہ سے جلدی فارغ ہو کر مدینہ آ گئے اور مہاجرین میں شامل ہو گئے۔

اللہ والوں کا یہ قافلہ دشمنوں سے نظر بچاتا اور گھاٹیوں سے گذرتا ہوا ۱۲ ربیع الاول کو نبوت کے چودھویں سال قبا کے قریب پہونچا مسلمان انتظار کر رہے

تھے۔ دیکھتے ہی استقبال کے لئے آگے بڑھے اور اپنے حلقہ میں لے لیا۔ قبا میں داخل ہوئے اور قبیلہ بنی عمرو بن عوف کے یہاں قیام فرمایا۔ مدینہ اور قبا کے باشندے انصار ہر طرف سے آقائے دو عالم کی زیارت کے لئے ٹوٹے پڑ رہے تھے۔ آنحضرت خاموش بیٹھے تھے اور حضرت ابوبکرؓ زائرین کا استقبال کر رہے تھے۔ حضرت ابوبکرؓ چونکہ شکیل و وجیہہ بھی تھے اس لئے بہت سے انصار ان ہی کو آنحضرت سمجھ کر دست بوس ہونے لگے آخر حضرت ابوبکرؓ نے ایک کپڑا آنحضرت کے سر پر دھوپ سے حفاظت کے خیال سے تان لیا اس وقت لوگ سمجھے کہ یہ رسول اللہ نہیں بلکہ خادم رسول اللہ ہیں۔ آنحضرت نے چند روز قبا میں قیام فرمایا۔ ایک مسجد کی بنیاد رکھی اور اس کے بعد مدینہ طیبہ میں تشریف لائے اور حضرت ابوایوب انصاریؓ کے دولت کدہ پر قیام پذیر ہوئے

حضرت ابوبکرؓ نے خارجہ بن زید ابی زہیرؓ کے مکان میں قیام کیا۔ تھوڑے ہی دن کے بعد حضرت طلحہؓ اور زبیرؓ بھی مکہ سے مدینہ آگئے اور ان کے ہمراہ آپ کے بیوی بچے بھی آگئے۔

پورے عرب میں مدینہ کی آب و ہوا کو بہت خراب سمجھا جاتا تھا چنانچہ ہوا بھی یہی کہ مہاجرین کو مدینہ کی آب و ہوا راست نہیں آئی۔ اکثر لوگ بیمار ہو گئے حضرت ابوبکرؓ ایسے بیمار ہوئے کہ جان کے لالے پڑ گئے آنحضرت عیادت کے لئے تشریف لائے۔ صحت کی دعا فرمائی اور ساتھ ہی مدینہ کی آب و ہوا کے لئے بھی آپ نے دعا کی اللہ تعالیٰ نے ابوبکرؓ کو بھی تندرست کر دیا اور مدینہ کی آب و ہوا بھی مہاجرین کو راس آگئی

مواخات اور مسجد نبوی

مدینہ طیبہ پہنچ کر آنحضرت نے سب سے پہلے اس بات پر توجہ فرمائی کہ مہاجرین

وانصار میں جو بیگانگی ہے اسے دور کیا جائے۔ چنانچہ آپؐ نے تمام مہاجرین کو انکی حیثیت کے لحاظ سے انصار کے ساتھ بھائی بھائی بنا دیا۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ کو مدینہ کے نامور شخص خارجہ بن زیدؓ کا دینی بھائی بنایا گیا۔ ابن ہشام نے حضرت ابو بکرؓ کے دینی بھائی کا نام خارجہ بن زہیر لکھا ہے اور ابن خلدون خارجہ بن زید بیان کرتے ہیں اس اختلاف کی وجہ یہ پیدا ہوئی کہ خارجہ کے والد کا نام زید اور دادا کی کنیت ابو زہیر تھی۔ لہٰذا صحیح نام خارجہ ابن زید بن ابو زہیر ہوتا ہے، یہ بزرگ خزرجی خاندان کے ذی عزت اور صاحب ثروت لوگوں میں شمار کئے جاتے تھے۔ آنحضرتؐ کے اس طریقے سے نہ صرف مہاجرین کے دل مدینہ میں لگ گئے بلکہ مہاجرین کی صحبت اور ان سے دینی مواخات نے انصار کو ایک دوسرے کا مزاج شناس بنا دیا اور ساتھ ہی انصار کو اسلامی طرز زندگی کے جاننے اور اپنانے کا بہت ہی مفید موقعہ ہاتھ آگیا

انہی ایام میں آنحضرتؐ نے مدینہ میں مسجد کی تعمیر کا ارادہ کیا، جس زمین کا آپ نے انتخاب کیا وہ دو یتیم بچوں کی ملکیت تھی، آپ نے ان دونوں کو بلایا، انکے نام سہل اور سہیل تھے، قیمت کی بات چیت کی وہ قیمت لینے پر رضا مند نہ ہوتے تھے، آنحضرتؐ نے مجبور کیا تو دس مثقال سونا لینے پر رضا مند ہو گئے حضرت ابو بکرؓ نے جو مکہ سے اپنا کل اندوختہ ساتھ لائے تھے اس میں سے دس مثقال سونا دے کر زمین کو خرید لیا۔ اس کے بعد زمین ہموار کی گئی۔ مہاجر وانصار آنحضرتؐ کی معیت میں مسجد کی تعمیر میں مصروف ہو گئے۔ مسجد کے ساتھ چند حجرے بھی تعمیر کئے گئے چونکہ حضرت عائشہؓ اور حضرت سودہؓ آپکی بیویاں تھیں اس لئے ایک حجرہ ان میں سے حضرت عائشہؓ کے لئے بھی مخصوص کیا گیا۔ (بخاری، ابن ہشام، طبری، فتح الباری، مسلم)

غزوۂ بدر

کفار مکہ سے مسلمانوں کا پہلا جہاد تھا جو ۲ھ کے رمضان المبارک میں واقع ہوا
مسلمان مکہ میں جو مصائب برداشت کر رہے تھے وہ اب ختم ہو چکے تھے۔ مدنی زندگی
میں سوائے اس کے کہ وہ دشمن سے مقابلہ کی تیاریوں میں مصروف رہیں کوئی دوسری
فکر ان کے لئے پریشانی کا سبب نہیں تھی۔ چنانچہ تین سو مسلمانوں نے ہزاروں کافروں کا
منہ پھیر دیا۔ آنحضرتؐ اپنے جاں نثاروں کے ساتھ ۱۷ رمضان کو میدان بدر میں پہنچے
حضرت ابوبکرؓ نے رحمت دو عالم کے لئے ایک سائبان تیار کیا اور خود اس کے دروازہ پر
پہرہ دیتے رہے اور برہنہ تلوار لئے عریش یعنی سائبان کے گرد گھومتے رہے۔

دشمنوں کی کثرت اور ان کی ہر طرف سے مسلمانوں پر یلغار کو آنحضرتؐ نے دیکھا
تو بڑی بے قراری کے ساتھ سر کو سجدے میں رکھ کر دعا میں مصروف ہو گئے گریہ وزاری
کی کیفیت دیر تک جاری رہی آخر حضرت صدیقؓ سے ضبط نہیں ہو سکا اور عریش
میں آ کر آنحضرتؐ کی چادر مبارک تھام کر کہنے لگے۔ یا رسول اللہ اپنے سر کو سجدے سے
اٹھائیے۔ ہم مجبوروں کے دل کو زیادہ رنجیدہ نہ کیجئے۔ بس یہ دعا آپ کے لئے کافی
ہے۔ آنحضرتؐ نے سر اٹھایا تو حضرت جبریلؑ نے یہ وحی سنائی۔ سَیُھْزَمُ الْجَمْعُ
وَیُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ۔ یعنی ان دشمنان اسلام کو عنقریب شکست ہو گی اور یہ پیٹھ دکھا کر
بھاگیں گے۔ حق و باطل کے اس معرکہ میں صدیق اکبرؓ نے خدمت گزاری اتنی
مستعدی سے کی کہ میدان جنگ سے کبھی منہ نہیں موڑا اور خدمت رسولؐ سے کبھی غافل
نہ رہے۔

ایک مرتبہ آنحضرتؐ کے کاندھے سے چادر سرک کر زمین پر لٹک گئی آپ نے

جلدی سے بڑھ کر چادر کا پلو اٹھا کر کاندھے پر ڈال دیا اور پھر صف اعدا میں رجز پڑھتے ہوئے گھس گئے۔ ایک مرتبہ آپ کے صاحبزادے عبدالرحمٰن جو اس وقت تک ایمان نہیں لائے تھے سامنے آئے مگر تلوار سمیٹ کر دوسری طرف چل دیئے۔ پھر کچھ عرصہ کے بعد مسلمان ہوئے تو کہنے لگے۔ ابا جی! بدر میں آپ میری زد پر آگئے تھے مگر میں نے ہاتھ روک لیا۔ آپ نے فرمایا۔ میں نے نہیں دیکھا ورنہ زندہ نہ جانے دیتا آنحضرتؐ نے لشکر اسلام کا میمنہ آپ کے حوالہ کیا تھا۔ جسے بڑی خوبی سے آپ نے دشمنوں سے لڑایا۔ حضرت علیؓ فرماتے تھے کہ سب سے بہادر ابوبکرؓ ہیں جو عریش رسولؐ کا پہرہ بدر کے دن دیتے رہے تھے اور کسی دشمن کی ادھر بڑھنے کو ہمت نہ ہوتی تھی

ایک روایت یہ بھی ہے کہ عبدالرحمٰن بن ابوبکرؓ نے میدانِ جنگ میں آ کر هَلْ مِنْ مُبَارِزٍ کا نعرہ لگاتے ہوئے مقابل طلب کیا۔ حضرت ابوبکرؓ بیٹے کی آواز پر دوڑے مگر آنحضرتؐ نے باپ بیٹے کی جنگ اور مقابلہ کا منظر دیکھنا پسند نہ کیا اور حضرت ابوبکرؓ کو مقابلہ سے روک دیا۔ فتح مسلمانوں کے حق میں ہوئی۔ ستر قیدی بنائے گئے اور بہت سے کافر مقتول ہوئے بے شمار مال غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ آیا جس میں جانور، غلہ اور دوسرا سامان بھی تھا۔

آنحضرتؐ نے صحابہ سے قیدیوں کے متعلق مشورہ کیا۔ حضرت ابوبکرؓ نے عرض کیا۔ یارسول اللہؐ یہ سب آپ کے قوم کے لوگ ہیں۔ کوئی بعید نہیں کہ ان کو اسلام لانے کی توفیق ہو جائے لہٰذا میرے خیال میں فدیہ لے کر رہا کر دیا جائے۔ چنانچہ اسی پر عمل کیا گیا اور فدیہ لے کر قیدیوں کو چھوڑ دیا گیا۔ مگر اخذ فدیہ سے متعلق جو روایات ملتی ہیں ان سے پتہ چلتا ہے کہ فدیہ لینا مرضیِ الٰہی کے مطابق

نہیں تھا چنانچہ احد میں اس کا انجام خطرناک ثابت ہوا۔

(مسلم، زرقانی، فتح الباری، مستدرک حاکم۔ طبری)

غزوۂ احد

بدر کی شکست نے اگرچہ مکہ والوں کو اسلام کے غلبہ کا یقین دلا دیا تھا مگر وہ عداوت کی آگ اور جوش انتقام سے اندھے ہو رہے تھے، بدر سے گئے اور دوسری جنگ کے انتظام میں لگ گئے۔ سال بھر تیاریاں کرتے رہے، کثرت سے اسلحہ، خوراک اور دوسرے سامان جمع کئے اور پورا ایک سال گذرنے کے بعد شوال ۳ھ میں مکہ سے مدینہ پر حملہ کرنے چل دیئے۔ کئی ہزار جوان، بہت سے شعرا جو دلوں کو گرماتے رہیں، خدمت کے لئے عورتیں اور غلام غرض بہت بڑی تیاریوں کے بعد کفار مکہ نے مدینہ کی سمت کوچ کیا اور احد کی پہاڑی کو فوجی مرکز قرار دیا۔

مسلمانوں کی تعداد اگرچہ ۷۰۰ تھی مگر ان کی ہمتیں بڑھی ہوئی تھیں اور وہ دشمن کی کثرت کو اپنی قلت کے باوجود حقیر سمجھ رہے تھے۔

آنحضرتؐ نے مسلمانوں کی فوج کو مدینہ میں ترتیب دیا اور اس کے بعد احد میں تشریف لائے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ اول سے آخر تک میدانِ جنگ میں موجود رہے اور ہر موقع پر آنحضرتؐ کے ساتھ حفاظت و خدمت کے فرائض انجام دیتے رہے۔

مسلمان کچھ اس شان سے میدان میں اترے کہ پہلے ہی حملہ میں دشمنوں کے اوسان خطا اور دانت کھٹے ہو گئے ان کی جمعیت منتشر ہو گئی اور ان کی ہمتیں

ٹوٹ گئیں، وہ شکست کھا کر بھاگے اور مسلمانوں نے یہ خیال کر کے کہ فتح ہماری ہو چکی ہے مالِ غنیمت لوٹنا شروع کر دیا اور ایسے غافل ہوئے کہ بھاگتے ہوئے دشمنوں نے اس موقعہ کو غنیمت جانتے ہوئے پوری قوت سے دوبارہ حملہ کر دیا۔ مسلمان بالکل مطمئن ہو چکے تھے لہٰذا اس اچانک حملے نے ان کے پائے ثبات میں تزلزل پیدا کر دیا۔ کیسا لوٹنا اور کیسا لڑنا بس جان بچانے کی فکر میں بھاگنا شروع کر دیا۔ اس کے ساتھ ہی خالد بن ولید نے عقب سے ایسی تیر اندازی کی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی مجروح کر دیا۔ مزید یہ کہ ابن قمۂ ایک کافر نے ایک بلند ٹیلہ پر چڑھ کر اعلان کر دیا کہ آنحضرتؐ شہید ہو گئے اس اعلان نے کافروں کی ہمتیں بڑھا دیں اور مسلمان اور بھی بدحواس ہو گئے۔

ابو سفیان نے زور سے پکار کر پوچھا۔ کیا تم میں محمدؐ ہیں؟ جواب نہیں ملا تو پھر پوچھا کہ کیا ابو بکرؓ اور عمرؓ ہیں؟ مگر کسی نے کسی بات کا جواب نہیں دیا۔

آنحضرتؐ نے مسلمانوں کی ایک جماعت کو حکم دیا کہ وہ کافروں کا پتہ لگائیں کہ وہ کس طرف جاتے ہیں۔ چنانچہ ایک جماعت حضرت علیؓ اور حضرت ابو بکرؓ کی معیت میں ان کا تعاقب کرنے آگے بڑھ گئی، واپس آکر حضرت علیؓ نے عرض کیا کہ وہ مکہ کی طرف گئے ہیں۔

اس غزوہ کے سلسلہ میں حضرت ابو بکرؓ کے متعلق مختلف روایات پائی جاتی ہیں۔ ثابت اور قائم رہنے والوں میں بلاشبہ ان کا نام سرفہرست ہے۔ وہ بھاگنے والوں میں نہیں تھے البتہ تھوڑی دیر کے لئے نظروں سے اوجھل ہو گئے تھے جیسا کہ خود ان کے بیان سے ظاہر ہوتا ہے اور جس کو صاحب مدارج النبوۃ نے بیان کیا ہے۔

خندق کا واقعہ اس موقعہ پر بھی حضرت ابو بکرؓ نے بڑی بہادری

اور جانبازی کا ثبوت پیش کیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو غزوہ خندق میں ایک خاص سمت پر متعین فرمایا تھا۔ چنانچہ آپ مسلمانوں کے ایک دستے کے ساتھ بڑی مستعدی سے حفاظت کے فرائض انجام دیتے رہے، کسی دشمن کی ہمت نہ ہوئی کہ وہ آپ کی طرف سے خندق کو عبور کر سکے۔

جنگ احد سے فارغ ہو کر یہود بنی نضیر کی جلاوطنی کے سلسلہ میں بھی آنحضرت ﷺ نے آپ سے خاص طور پر مشورے لئے اور وہ سب سیاسی اعتبار سے مفید ثابت ہوئے۔

واقعہ افک

یہ ۵ھ کا واقعہ ہے، غزوہ بنی مصطلق جو کفار مکہ اور یہود کی متحدہ کوششوں کا نتیجہ تھا۔ حضرت ابوبکرؓ اس معرکہ میں اول سے آخر تک شریک رہے، واپس آتے ہوئے افک کا قصہ پیش آیا۔ ہوا یہ کہ اس مہم سے واپس آتے ہوئے مسلمانوں نے مدینہ کے قریب ایک رات قیام کیا۔ شب کے پچھلے پہر حضرت عائشہؓ رفع حاجت کے لئے گئیں، واپس آئیں تو دیکھا کہ گلے کا ہار کہیں گر گیا ہے، واپس تلاش کرنے گئیں اور دوبارہ جب لوٹیں تو قافلہ کوچ کر چکا تھا، سخت پریشان ہوئیں اور پھر اسی جگہ یہ خیال کر کے بیٹھ گئیں کہ کوئی تلاش کرتا ہوا ضرور آئے گا۔ اتفاق سے حضرت صفوانؓ جو لشکر گاہ اسلامی میں اس بات پر مقرر تھے کہ وہ آخر میں چلیں اور گری پڑی چیزیں اٹھاتے لائیں اس طرف آئے اور حضرت عائشہؓ کو اپنے اونٹ پر بٹھا کر قافلہ میں لے آئے۔

منافقین کی وہ جماعت جو موقعہ کی منتظر رہا کرتی تھی اس نے اس موقعہ کو

غنیمت جانتے ہوئے حضرت عائشہؓ کو بدنام کرنا شروع کر دیا۔ حضرت ابو بکرؓ کے لئے یہ بڑی آزمائش اور پریشانی کا وقت تھا۔ سب سے زیادہ پریشان کن یہ بات تھی کہ حضرت ابو بکرؓ کا اپنا آدمی مسطح جو رشتہ دار بھی تھا اور ان کا پروردہ بھی تھا منافقین کا ہمنوا تھا اور اس الزام تراشی میں پیش پیش نظر آرہا تھا۔ حضرت ابو بکرؓ نے اس نازک موقعہ پر بڑے استقلال کا ثبوت دیا اور خاموشی کے ساتھ حالات کو دیکھتے رہے

اللہ تعالیٰ نے منافقوں کی شرارت کا راز فاش کر دیا۔ وحیٔ الٰہی نازل ہوئی اور حضرت عائشہؓ کو بے گناہ قرار دیا گیا۔ حضرت ابو بکرؓ کو اپنے رشتہ دار مسطح کی یہ حرکت اتنی ناگوار ہوئی کہ آپ نے اس کی کفالت سے ہاتھ روک لیا اور قسم کھا کر کہا کہ آج سے میں اس کی کوئی مدد نہیں کرونگا۔ مگر پھر وحیٔ الٰہی آئی اور فرمایا گیا صاحب مقدرت لوگوں کو غریب رشتہ داروں کی کفالت سے ہاتھ نہیں روکنا چاہیے اور ان کے قصور کو معاف کر دینا چاہیے۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے پہلی قسم توڑ دی اور دوبارہ قسم کھائی کہ میں کبھی اس کی امداد اور کفالت سے دستبردار نہیں ہوں گا۔ غزوۂ بنی مصطلق اور واقعہ افک کو بعض مورخین نے جمادی الاول ۵ھ میں بیان کیا ہے۔

واقعۂ حدیبیہ

اسلامی تاریخ کا بہت ہی اہم واقعہ ہے اور جسے مکہ کی فتح کا مقدمہ کہا گیا ہے ہجرت کے چھٹے سال آنحضرتؐ نے اپنے ایک خواب کی بنا پر کعبہ کی زیارت اور عمرہ کی نیت سے مکہ جانے کا قصد کیا۔ چنانچہ آپ ذیقعدہ ۶ھ میں ۱۴ سو صحابہ کے ساتھ مدینہ سے مکہ کی جانب روانہ ہوتے قربانی کے جانور ساتھ لئے اور احرام

باندھ لیا۔ مکہ کے قریب حدیبیہ میں پہنچے تو معلوم ہوا کہ قریش نے فیصلہ کیا ہے کہ مسلمانوں کو ہرگز مکہ میں داخل نہ ہونے دیا جائے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ سے مشورہ کیا۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے عرض کیا۔ یارسول اللہؐ! آپ کی نیت قتل و خونریزی اور لڑائی کی نہیں ہے لہٰذا آپ تشریف لے چلیں، اگر کسی نے ہمارے راستہ کو روکا اور مداخلت کی تو پھر ہم بھی اس کا جواب دیں گے۔ آنحضرتؐ نے آپ کی رائے سے اتفاق کیا۔ آگے بڑھنا ہی چاہتے تھے کہ قریش کی طرف سے صلح کی بات چیت شروع ہو گئی۔ حضرت عثمانؓ کو آنحضرتؐ نے مکہ بھیجا تاکہ وہ گفتگو کریں۔ پھر خبر آئی کہ حضرت عثمانؓ کو مکہ میں شہید کر دیا گیا مسلمانوں میں بے پناہ اضطراب اور جوش پیدا ہو گیا۔ آنحضرتؐ کو بھی سخت ملال ہوا اور آپ نے مسلمانوں سے جہاد کی بیعت لی جسے بیعت رضوان کہا جاتا ہے۔

اہل مکہ پر اس بیعت اور مسلمانوں کی جاں بازی اور جذبۂ سرفروشی کا اتنا اثر پڑا کہ ان کے حوصلے پست ہو گئے مگر پھر بھی انکے سفیر عروہ بن مسعود نے آنحضرتؐ سے گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ "محمدؐ! میں تمہارے ساتھ کچھ ایسے لوگ بھی دیکھتا ہوں جو وقت آنے پر ساتھ چھوڑ دیں گے اور ہمت ہار کر بھاگ جائیں گے ——

مسلمان اس بات کو سن کر تڑپ اٹھے اور جواب دینا ہی چاہتے تھے کہ حضرت ابو بکرؓ نے فرمایا۔ کیا کہا۔ کیا ہم رسول اللہؐ کا ساتھ چھوڑ کر بھاگ جائیں گے؟ عروہ نے پوچھا یہ کون بول رہے ہیں؟ بتایا گیا کہ یہ حضرت ابو بکر صدیقؓ ہیں۔ عروہؓ نے کہا قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے میں تمہارے احسانوں سے دبا ہوا ہوں ورنہ ضرور میں تم کو جواب دیتا —— غرض صلح ہو گئی اور معاہدہ تحریر میں آ گیا۔

حضرت عمرؓ کو اس سے سخت اختلاف تھا اور اس صلح کو مسلمانوں کی شکست خیال کرتے تھے مگر حضرت ابو بکرؓ نے ان کو سمجھا دیا اور وہ بھی اس صلح سے مطمئن ہو گئے۔

(بخاری، ابن سعد، مدارج، اصابہ)

واقعات خیبر وغیرہ

غزوۂ خیبر ۷ھ میں واقع ہوا۔ آنحضرتؐ نے ایک دن حضرت ابو بکرؓ کو سردار لشکر مقرر فرمایا۔ دن بھر آپ بڑی بہادری سے لڑے اور مسلمانوں کو کافروں کے خلاف لڑاتے رہے، اگرچہ سب سے بڑا قلعہ آپ فتح نہیں کر سکے مگر یہود کی ہمتیں پست کر دیں اور ان کو یقین ہو گیا کہ مسلمانوں کے مقابلہ پر کامیاب ہونا مشکل ہے۔ آخر یہ اعزاز حضرت علیؓ کے حصہ میں آیا۔ اسی سال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو بکرؓ کو بنی کلاب کی سرکوبی کے لئے مسلمانوں کے لشکر کا سردار بنا کر روانہ کیا بہت کامیاب اور فتح مند ہو کر واپس آئے۔

اس کے بعد بنو فزارہ کی طرف بھیجے گئے اور بہت سے قیدی اور مال غنیمت کے ساتھ مکہ واپس آئے۔

فتح مکہ

حدیبیہ میں جو معاہدہ کفار مکہ سے ہوا تھا اسے انہوں نے توڑ دیا۔ رسول اکرمؐ دس ہزار صحابہ کے ہمراہ رمضان ۸ھ میں مدینہ سے مکہ کی طرف روانہ ہوئے حضرت ابو بکر صدیقؓ اول سے آخر تک آنحضرتؐ کے ساتھ شریک رہے۔ مکہ فتح ہو گیا تو حضرت ابو بکر صدیقؓ اپنے گھر گئے اور اپنے بوڑھے باپ ابو قحافہ کو ساتھ لے کر آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے، آنحضرتؐ نے دیکھا تو بڑی محبت سے

پیش آئے ان کے سینے پر ہاتھ رکھا اور دولت ایمان سے سرفراز فرمایا۔ پھر حضرت ابوبکرؓ سے ارشاد ہوا کہ تم نے ان کو اس بڑھاپے میں کیوں تکلیف دی میں خود ان کے پاس چلا جاتا۔

مکہ سے واپسی پر حنین اور طائف کے معرکے پیش آئے۔ ہر جگہ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ ثابت قدم اور جان نثار رہے۔

سنہ ۹ھ

اس سال قیصر روم کے حملہ کی خبر آنحضرتؐ کو ہوئی تو آپ نے مسلمانوں سے فرمایا کہ جہاد کے لئے سامان درست کرو اور جس سے جو کچھ ہو سکتا ہے وہ حاضر کرو سب نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا مگر حضرت ابوبکرؓ اس شان سے آئے کہ گھر میں جو کچھ تھا وہ سب حاضر دربار رسالت کر دیا۔

آپؐ نے انفاق فی سبیل اللہ کے اس انوکھے انداز پر نظر ڈالی اور گھر کے ساز و سامان کو دیکھ کر فرمایا۔ کچھ گھر والوں کے لئے بھی چھوڑ کر آئے ہو یا سب ہی لے آئے؟ عرض پیرا ہوئے یا رسول اللہؐ! ان کے لئے اللہ تعالیٰ اور اس کا محبوب رسولؐ کافی ہے۔

اسی سال اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر حج فرض فرمایا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بعض سیاسی مصالح کی بنا پر نہیں جا سکے اور حضرت ابوبکرؓ کو امیر الحج بنا کر روانہ فرمایا۔ جب چلے گئے تو سورۂ برأت نازل ہوئی۔ آنحضرتؐ نے حضرت علیؓ کو یہ آیات دے کر فرمایا۔ جاؤ اور منیٰ کے عظیم الشان اجتماع میں اعلان کر دو کہ آئندہ نہ تو کوئی مشرک حج کر سکے گا اور نہ برہنہ ہو کر کعبہ کا طواف کر سکے گا (بخاری، احمد، ابوداؤد)

تاریخ خلفاء ترجمہ راشد بین

حجۃ الوداع

سنہ ۱۰ھ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حجۃ الوداع کے لئے تشریف لے گئے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضؓ ساتھ تھے۔ راستہ میں واپسی کے وقت آنحضرتؐ نے ایک تقریر میں ارشاد فرمایا۔

"اے لوگو! اللہ تعالیٰ نے اپنے ایک بندے کو اختیار دیا تھا کہ وہ دنیا اور عقبیٰ میں سے کسی ایک چیز کو پسند کر لے۔ چنانچہ اس بندے نے دنیا کو چھوڑ کر عقبیٰ کو پسند کر لیا ہے"

حضرت ابوبکرؓ کے لئے یہ جملے تیر و نشتر سے زیادہ ثابت ہوئے۔ سنتے ہی رونے لگے۔ لوگوں نے بڑا تعجب کیا کہ یہ رونے کا کیا موقع ہے مگر وہ اس راز کو نہیں سمجھے انہیں کیا معلوم تھا کہ آنحضرتؐ اپنے ان جملوں کے ذریعہ آفتاب نبوتؐ کے غروب ہونے کی طرف اشارہ کر رہے ہیں۔ آخر مسلمانوں کو معلوم ہو گیا کہ اس واقعے کے تھوڑے ہی دن بعد آنحضرتؐ کی علالت کا سلسلہ شروع ہوا اور آپ اپنے رب کے پاس تشریف لے گئے

وفاتِ رسولؐ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ذی الحجہ سنہ ۱۰ھ کے آخری عشرہ میں مکہ سے مدینہ طیبہ واپس تشریف لائے۔ اس زمانہ میں آپؐ مسجد نبوی میں خطبہ دے رہے تھے کہ کسی نے اعلان کیا کہ ملک شام سے بہت سے اونٹ اناج سے لدے ہوئے آئے ہیں اور وہ اپنا اناج فروخت کرنا چاہتے ہیں، چونکہ مدینہ میں قحط کی وجہ سے اناج کی سخت قلت ہو رہی تھی لہٰذا سب لوگ اناج خریدنے چل دیئے صرف ۱۲ آدمی رہ گئے جن میں ایک حضرت ابوبکر صدیقؓ بھی تھے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی علالت کا سلسلہ صفر ۱۱ھ سے شروع ہوا، آپ جب زیادہ کمزور ہو گئے تو ارشاد فرمایا کہ ابو بکرؓ نماز پڑھائیں۔ حضرت عائشہؓ اور حضرت حفصہؓ نے عرض خدمت کیا کہ ابو بکرؓ بہت رقیق القلب ہیں۔ لہٰذا یہ منصب کسی دوسرے کو عطا کیا جائے۔ مگر آنحضرتؐ نے زور دے کر اور قدرے برہم ہو کر فرمایا نہیں ابو بکرؓ امامت کریں گے۔ پھر حضرت عائشہؓ اور حفصہؓ کی طرف متوجہ ہو کر ارشاد ہوا:۔

"تم وہی ہو جنھوں نے یوسفؑ کو دھوکہ دینے کی کوشش کی تھی۔"

حضرت ابو بکرؓ خود بھی اچھا نہیں سمجھتے تھے کہ رسول اکرمؐ کے مصلے پر کھڑے ہوں۔ انکے خیال میں یہ سوئے ادب تھا مگر حکم رسولؐ کے سامنے کیا کر سکتے تھے۔ امامت کے فرائض انجام دینے لگے۔

ایک دن نماز پڑھا رہے تھے کہ آنحضرتؐ کی طبیعت کچھ ٹھیک تھی اور آپ حجرہ مبارکہ سے مسجد میں آگئے تا کہ شریکِ نماز ہوں۔ حضرت ابو بکرؓ کو معلوم ہو گیا اور مصلے سے ہٹنا چاہا مگر آنحضرتؐ نے روک دیا اور داہنے طرف بیٹھ کر نماز ادا فرمائی۔

ایک دن جب کہ آنحضرتؐ کے مزاج میں کچھ افاقہ معلوم ہو رہا تھا حضرت ابو بکرؓ اجازت لے کر سنخ تشریف لے گئے، یہاں آپ کی بیوی خارجہ بنت زہیر مقیم تھیں۔ سنخ سے واپس آئے تو مکہ میں رنج وغم کے بادل چھائے ہوئے تھے، آہ وبکا سے کان پڑی آواز نہیں سنی جا رہی تھی۔ حضرت ابو بکرؓ نے یہ قیامت خیز منظر دیکھا تو گھبرا کر پوچھا کیا ہوا؟ اور پھر سیدھے حضرت عائشہؓ کے حجرے میں تشریف لے گئے، آنحضرتؐ سفید چادر اوڑھے لیٹے تھے، روح مبارک پرواز کر چکی تھی۔ حضرت ابو بکرؓ اپنے آقا پر جھک گئے۔ پیشانی چومی اور روتے ہوئے زبان سے یہ الفاظ کہے:۔

"میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، اللہ کی قسم! آپ پر دو موتیں
جمع نہیں ہوں گی، وہ موت جو مقدر تھی آج آپ نے اس کا ذائقہ
چکھ لیا، اب اس کے بعد آپ کو کبھی موت نہیں آئے گی"۔

اس کے بعد چادر اڑھادی، آنسو گراتے ہوئے باہر آئے تو مسجد نبوی پروانوں سے بھری ہوئی تھی، حضرت عمرؓ جوش کے عالم میں چلا چلا کر کہہ رہے تھے کہ لوگو! رسول اللہ نے انتقال نہیں کیا ہے۔ حضرت ابوبکرؓ نے ان کو خاموش کرنا چاہا مگر وہ نہیں مانے آخر آپ نے بھی تقریر شروع کر دی۔ سب لوگ آپ کی طرف متوجہ ہو گئے اور حضرت عمرؓ بھی خاموش ہو گئے۔

آپ نے اجتماع کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا۔

"اے لوگو! اگر تم محمدؐ کی عبادت کرتے تھے تو سن لو کہ ان کا انتقال ہو گیا
اور اگر تم اللہ کی عبادت و پرستش کرتے تھے تو بے شک وہ زندہ ہے
اور کبھی نہیں فوت ہو گا"۔

اس کے بعد قرآنِ کریم کی یہ آیت تلاوت فرمائی۔

وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ

"یعنی محمدؐ ایک رسولؐ ہیں جن سے پہلے بہت سے رسول گزر چکے ہیں"

یہ تقریر اتنی مؤثر ہوئی کہ مسلمان رنج و غم کے خاموش دریا میں ڈوب گئے۔

وفات کے بعد

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات شریف کی خبر ایک آن واحد میں تمام مدینہ اور اس کے اطراف میں پھیل گئی۔ مسلمانوں کے قلوب رنج و غم میں ڈوب گئے، دیر تک

کسی کو کسی بات کا خیال نہیں آیا۔ مسجد نبوی میں مسلمانوں کا اژدھام تھا اور باوجود اعلان کے بہت لوگ یقین ہی نہیں کرتے تھے اور ان کا خیال تھا کہ آنحضرتؐ وفات نہیں پا سکتے ہیں۔ حضرت عمرؓ بھی ایسے ہی لوگوں میں تھے بلکہ ان ہی کی آواز پر لوگوں میں اس خیال کی تخلیق ہوئی تھی۔ بلاشبہ حضرت ابوبکر صدیقؓ اس اہم مسئلہ پر روشنی نہ ڈالتے تو بہت سے لوگوں کے لئے یہ یقین کرنا مشکل ہوتا کہ آنحضرتؐ بھی وفات پا سکتے ہیں۔ درحقیقت اس سے مسلمانوں کے اس جذبہ عشق و محبت کا پتہ چلتا ہے جو ان کو اپنے آقاؐ کے ساتھ تھا۔ وہ جانتے اور یقین رکھتے تھے کہ موت کا آنا قانون قدرت کے موافق ہے اور سب کو آئے گی اور ہر چیز فنا ہو جائے گی مگر ان کی آنکھیں اس منظر کو دیکھنا پسند نہیں کرتی تھیں کہ عام لوگوں کی طرح آنحضرتؐ کو بھی دنیا سے آخری دیدار کے بعد رخصت کر دیا جائے آخر یقین آ ہی گیا اور صبر کرنا ہی پڑا۔ غم کے بادل چھٹنے کے بعد ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ وصیت رسولؐ کے مطابق تجہیز و تکفین کی طرف توجہ کی جاتی مگر قدرتی طور پر اس سے پہلے ہی مسئلہ خلافت اور جانشین رسولؐ کی بحث چھڑ گئی جس کی وجہ سے دو دن کی تاخیر کے بعد سپرد خاک کیا گیا۔ اور اس درمیانی عرصہ میں مسئلہ خلافت کا فیصلہ کیا گیا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دوشنبہ کے دن ۱۲ ربیع الاول ۱۱ھ کو دوپہر کے قریب اپنے رب کے پاس تشریف لے گئے اور دوسرے دن ۱۳ ربیع الاول کو منگل کے دن کونین کے اس خزانہ کو حضرت عائشہؓ کے حجرہ کی پاک زمین میں سپرد خاک کر دیا گیا۔ حضرت ابوطلحہؓ نے قبر کھودی اور حضرت بلالؓ قبر شریف پر پانی چھڑکنے کی سعادت سے بہرہ اندوز ہوئے۔ بعض روایتوں میں تدفین بدھ کے

دن ۱۲ ربیع الاول کو بیان کی گئی ہے۔

عام طور پر انتخاب خلیفہ کے سلسلہ میں بیان کیا جاتا ہے کہ منافقین کی شرارت سے قبل تدفین مسئلہ خلافت کو اٹھایا گیا تاکہ مسلمانوں میں انتشار پیدا ہو ممکن ہے کہ انصار کا جوش خروش کسی کے بہکانے کا نتیجہ ہو مگر میرا خیال ہے کہ یہ ایک قدرتی چیز تھی اور خلافت کے نظام کو اس وقت منظم کرنا تھا جب کہ آنحضرت کا جسم شریف مسلمانوں کے درمیان موجود تھا۔ یہی وجہ تھی کہ اتنا اہم مسئلہ اتنی جلدی طے ہو گیا ورنہ تدفین کے بعد اس سلسلہ میں زیادہ پیچیدگیاں پیدا ہوتیں، لوگ بہت حد تک مطمئن ہوتے اور مخالفین کو بھی فریقین میں کام کرنے کا زیادہ موقعہ ملتا

بعض مورخین نے یہاں تک لکھا ہے کہ آنحضرت کی وفات ہوتے ہی "خلافت کا فتنہ اُٹھ کھڑا ہوا اور فریقین میں تلواریں کھینچنے کی نوبت آگئی اور اسلام کی جو شمع آنحضرت نے روشن کی تھی اس کے گل ہونے کے امکانات پیدا ہو گئے"

درحقیقت انتخاب خلیفہ کا "مسئلہ" خلافت کا فتنہ" نہیں تھا بلکہ ایک خدائی نظام تھا جس کو اس شکل میں سامنے لایا گیا تاکہ لوگوں کو کھل کر تبادلہ خیال کا موقعہ ملے اور وہ یہ جان سکیں کہ صحیح معنی میں رسول اکرم کا جانشین کس کو ہونا چاہیئے۔

حضرت ابوبکرؓ مسندِ خلافت پر!

انتخاب

مسجد نبویؐ مسلمانوں سے بھری ہوئی تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہؓ کے حجرہ میں سو رہے تھے۔ حضرت علیؓ۔ جناب فاطمہؓ، حضرت عباسؓ اور انکے صاحبزادے ان کی چارپائی کے گرد بیٹھے ہوتے تھے۔ اسی عالم میں یہ اطلاع موصول ہوئی کہ سقیفہ بنی ساعدہ میں انصار جمع ہو کر مسئلہ خلافت پر غور کر رہے ہیں۔

حضرت ابوبکرؓ نے جیسے ہی یہ بات سُنی اسی وقت عمرؓ کو ساتھ لئے ہوئے سقیفہ بنی ساعدہ گئے۔ واقعی انصار انتخاب خلیفہ پر بات چیت کر رہے تھے، حضرت ابوبکرؓ حضرت عمرؓ اور حضرت ابوعبیدہؓ جیسے ہی اندر داخل ہوئے تو یہ چرچے اور بڑھ گئے حضرت ابوبکر صدیقؓ نے جب یہ کیفیت دیکھی تو کھڑے ہو کر مجمع کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا۔

"بھائیو! آپ کو معلوم ہو کہ آنحضرتؐ اپنے رب کے پاس تشریف لے جا چکے ہیں اگر ہم نے اس نازک مسئلہ پر سنجیدگی سے غور نہیں کیا تو دین میں فتور پیدا ہوگا اس سے بہتر ہے کہ پُرامن طریقہ سے کسی ایک کو اپنا سردار بنالیں۔"

انصار کے نامور صحابی حضرت سعد بن عبادہؓ نے جواب دیتے ہوئے کہا۔

"اللہ تعالیٰ نے انصار کو جو عزت و بزرگی عطا فرمائی ہے وہ کسی دوسرے کو حاصل نہیں ہے، کون نہیں جانتا کہ انصار ہی نے آنحضرتؐ اور ان کے ساتھیوں کو مدینہ میں بلایا، پناہ دی اور ان کی حمایت میں دشمنوں سے مقابلہ کیا اور جان و مال سے کبھی دریغ نہیں کیا، انصار کی اس قربانی اور حمایت سے اسلام کو جو ترقی حاصل ہوئی ہے وہ کسی سے پوشیدہ نہیں ہے۔"

حضرت ابوبکر صدیقؓ نے کھڑے ہو کر حضرت سعدؓ کی تقریر کا جواب دیتے ہوئے فرمایا

"بے شک انصار کی بزرگی اور انکے احسانات مسلّم ہیں مگر آپ جانتے ہیں کہ قریش رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قوم سے تعلق رکھتے ہیں اور عرب میں اس قوم کو اللہ نے بزرگی اور فضیلت عطا فرمائی ہے پھر اس قوم کو تقدم ایمانی کا شرف بھی حاصل ہے۔ جب تک ان میں کوئی، امیدوار خلافت ہے کسی دوسرے کو سردار قوم ہونا مناسب نہیں۔"

بشیر بن نعمان انصاریؓ نے کھڑے ہو کر کہا:۔

"بے شک آنحضرتؐ قبیلۂ قریش سے تھے، لہٰذا ان کی قوم خلافت کی زیادہ حقدار ہے، بلاشبہ ہم لوگوں نے دین اسلام کی خدمت کی ہے اسلام لائے اور اسلام کو پھیلانے میں کوشاں رہے مگر یہ سب کچھ ہم نے کسی دنیاوی جاہ و جلال کے لئے نہیں کیا تھا بلکہ ہماری غرض اللہ کی رضامندی تھی لہٰذا حضرت ابوبکرؓ جو کچھ فرماتے ہیں وہ درست ہے

اور ہم خلافت کے معاملہ میں مہاجرین سے کسی تنازعہ کو پسند نہیں کرتے ہیں۔"

حضرت بشیرؓ نے دوبارہ اپنی قوم کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا۔

"اے میری قوم! میں حق کے کہنے سے رُکنا نہیں چاہتا۔ میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ خلافت کے لئے کوئی جھگڑا کرنا ہمارے لئے مناسب نہیں ہے، قریش واقعی خلافت کے مستحق ہیں، کیا آپ لوگوں نے نہیں سنا ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ الائمۃ من القریش یعنی امام قریش سے ہوگا۔"

حضرت بشیر بن نعمانؓ کی تقریر نے انصار کے جذبۂ عشق رسولؐ کو تازہ کر دیا۔ ان کی گردنیں بار احسان سے جھک گئیں اور وہ اپنے دعوے کو قبول کر کے خاموش ہو گئے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اٹھے اور انصار کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا۔

"بھائیو! یہ دیکھو قریش کے سرداروں میں سے حضرت ابوعبیدہؓ .... اور حضرت عمر ابن الخطابؓ دونوں یہاں موجود ہیں۔ آپ ان دونوں حضرات میں سے جسے بھی چاہیں، خلافت کے لئے منتخب کر لیں۔"

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جواباً فرمایا۔

"ہم لوگوں میں آپ سے افضل کوئی نہیں ہو سکتا ہے، آپ سب سے بہتر ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کو بہت عزیز رکھتے تھے لہٰذا آپ کے ہوتے ہوئے کوئی دوسرا خلافت کا مستحق نہیں ہو سکتا ہے

یہ کہنے کے بعد حضرت عمرؓ نے اپنا ہاتھ حضرت ابوبکرؓ کے ہاتھ میں دیدیا اور کہا، ہم آپ کے ہاتھ پر بیعت کرتے ہیں اور آپ کو رسولِ اکرمؐ کا خلیفہ منتخب کرتے ہیں حضرت ابوعبیدہؓ اور پھر بشیر بن نعمانؓ بڑھے اور انھوں نے بھی بیعت کے لئے ہاتھ بڑھا دیا۔ پھر کیا تھا ہر طرف سے لوگ ٹوٹ پڑے اور ابوبکر صدیقؓ کے ہاتھ پر بیعت کرنے لگے۔ وہ مسئلہ خلافت جسے مورخین "فتنہ خلافت" لکھتے آئے ہیں، آنِ واحد میں ختم ہوگیا اور تمام مہاجرین و انصار نے بالاتفاق حضرت ابوبکر صدیقؓ کو خلیفہ رسولؐ تسلیم کرلیا۔ سب لوگ منتشر ہوگئے اور مسجد نبویؐ میں جمع ہوکر آنحضرتؐ کی تجہیز و تکفین میں حصہ لینے کی سعادت کا انتظار کرنے لگے۔

حضرت ابوبکرؓ نے ان اختلافات کو بھی ختم کردیا جو آنحضرتؐ کو دفن کرنے اور نماز وغیرہ پڑھنے کے سلسلے میں پیدا ہورہے تھے۔ کچھ لوگوں کا خیال تھا کہ آپ کو مکہ میں دفن کیا جائے کچھ کہتے تھے کہ جنت البقیع میں رکھا جائے، کچھ کا خیال تھا کہ نماز جنازہ حجرہ کے باہر کھلے میدان میں پڑھی جائے، بعض لوگ یہ بھی کہتے تھے کہ آنحضرتؐ کو ملک شام میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قریب سپرد خاک کیا جائے حضرت ابوبکر صدیقؓ نے سب کے خیالات سنے اور پھر بحیثیت جانشین اور خلیفہ رسولؐ ارشاد فرمایا۔

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی جگہ دفن کیا جائے گا جہاں آپ نے وفات پائی ہے کیونکہ آنحضرتؐ کا ارشاد بھی ہے کہ انبیائے کرام جہاں وفات پاتے ہیں، وہیں دفن ہوتے ہیں، نماز حجرے کے اندر ہوگی اور دس دس آدمی اندر جائیں گے اور نماز پڑھیں گے، کوئی

امام نہیں ہوگا کیونکہ آنحضرتؐ خود امام تھے۔"

اس کے بعد کوئی اختلاف نہیں رہا اور تمام مسلمانوں کی موجودگی میں حضرت علی رضؓ اور حضرت عباسؓ کے دونوں صاحبزادوں نے مل کر آنحضرتؐ کے جسم اقدس کو قبر میں اتارا۔ حضرت علیؓ بغلی قبر میں لٹا کر آخری دیدار کے بعد باہر آگئے۔ پتھر درست کئے گئے اور تمام مسلمانوں نے مٹی دے کر اس آخری سعادت کا شرف حاصل کیا (بخاری، ابن سعد، ج)

پہلی تقریر

مسند خلافت پر رونق افروز ہونے اور آنحضرتؐ کے دفن سے فارغ ہونے کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضؓ نے مسجد نبوی میں منبر رسولؐ پر بیٹھ کر حسب ذیل تقریر فرمائی، مسجد اندر و باہر ہزاروں مسلمانوں سے بھری ہوئی تھی اور بڑے بڑے صحابہ کرامؓ جو انصار و مہاجرین کے گروہ سے تعلق رکھتے تھے اجتماع میں موجود تھے حضرت ابوبکر صدیق رضؓ منبر پر بیٹھے اور اپنے انتخاب اور آئندہ کے طرز عمل پر روشنی ڈالتے ہوئے فرمایا:۔

"اے لوگو! مجھے تم پر حاکم مقرر کیا گیا ہے حالانکہ میں تم لوگوں میں سب سے بہتر اور افضل نہیں ہوں۔ خیر اگر میں اچھا کام کروں تو تم میری امداد کرتے رہنا اور اگر برائی کا راستہ اختیار کروں تو پھر مجھے سیدھا کر دینا یاد رکھو سچائی امانت ہے اور کذب خیانت ہے۔

انشاء اللہ تمہارے کمزور بھی میرے نزدیک قوی رہیں گے یہاں تک کہ میں ان کا حق ان کو دلا دوں۔ اور تمہارے قوی بھی میرے لئے کمزور ہیں جب تک کہ میں ان سے دوسروں کا حق نہ لے لوں۔ اے لوگو جہاد

سے غافل مت ہونا، جو قوم جہاد فی سبیل اللہ ترک کر دیتی ہے اللہ تعالیٰ اس کو ذلیل و رسوا کر دیتا ہے اور جس قوم میں بدکاری عام ہو جاتی ہے پھر اللہ تعالیٰ ان میں مصیبتیں بھی عام کر دیتا ہے۔

جب تک میں اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتا رہوں تم بھی میری اطاعت کرتے رہنا اور جب میں اللہ اور رسول کی اطاعت سے منہ موڑ لوں تو پھر تم مجھ سے اپنا منہ موڑ لینا کیونکہ پھر تمہارے اوپر میری اطاعت فرض نہیں رہتی ہے"

آخر میں ارشاد فرمایا۔

قُومُوا الیٰ صلوٰتکم یرحمکم اللہ تعالیٰ۔

"اچھا اب نماز کے لئے کھڑے ہو جاؤ اللہ تعالیٰ تم پر رحم فرمائے" (ابن سعد جلد ۳)

بیعت عام

نماز سے فارغ ہوئے تو بیعت کرنے والوں کا ایک انبوہ کثیر تھا جو پروانہ وار ٹوٹا پڑ رہا تھا۔ لوگ گروہ در گروہ آتے جا رہے تھے اور بیعت کرتے جا رہے تھے ہلتیں ہزار سے زائد مسلمانوں نے تقریباً ۲۰ گھنٹے کے اندر آپ کے ہاتھ پر بیعت کی۔

بعض مورخین کے بیانات اور ان کی نقل کردہ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علیؓ، حضرت طلحہؓ، حضرت زبیرؓ نے چالیس دن تک حضرت صدیقؓ کے ہاتھ پر بیعت نہیں کی۔ اور اس کی وجہ یہ تھی کہ حضرت علیؓ خود خلیفہ ہونے کی خواہش رکھتے تھے نیز ان کو شکایت تھی کہ سقیفہ بنی ساعدہ میں جاتے وقت ان کو کیوں نہیں بلایا گیا۔ رہے طلحہؓ و زبیرؓ یہ دونوں اول تو حالات کا اندازہ کر رہے تھے

دوسرے خود بھی خلافت کے متمنی تھے۔

درحقیقت یہ سب روایتی باتیں ہیں۔ حضرت علیؓ کے آئندہ حالات کو دیکھتے ہوئے یہ ہرگز نہیں کہا جا سکتا کہ وہ حضرت ابوبکرؓ کی خلافت کو ناپسند کرتے تھے۔ اگر ان کو اختلاف ہوتا اور اپنی خلافت کے خواہاں ہوتے تو ابوسفیان کی پیش کش کو کبھی نہیں ٹھکراتے۔ اپنی خلافت کو منوانے کے لئے اس سے بہتر اور کیا صورت ہو سکتی تھی کہ ابوسفیان نے آپ سے کہا کہ آپ کے ہوتے ہوئے ابوبکرؓ کو خلیفہ ہونے کا کوئی حق نہیں تھا، میں آپ کی بیعت کرنے کو تیار ہوں اور اگر آپ کہیں تو ابوبکرؓ کے خلاف اس سارے میدان کو لشکر سے بھر دوں۔ ابوسفیان کے ان الفاظ نے پیکر اخلاص و صداقت کے چہرہ پر ناگواری کے آثار پیدا کر دیئے اور تیور بدل کر ارشاد فرمایا۔

"ابوسفیان! اسلام لانے کے بعد بھی تمہارے دل سے منافقت اور فساد کا خیال نہیں نکلا ہے، مجھے تمہاری یہ پیش کش ہرگز پسند نہیں ہے۔"

ابوسفیان کا چہرہ پھیکا پڑ گیا اور وہ ندامت کے ساتھ اپنا منہ لئے ہوئے واپس چلا گیا۔ حضرت علیؓ کی خلافت کے معاملہ میں کیا خواہش تھی۔ وہ خلفائے ثلاثہ سے کتنا انس رکھتے تھے اور انھوں نے بیعت میں تاخیر کن وجوہات کی بنا پر کی؟ ان تمام باتوں پر تفصیلی تذکرہ آئندہ صفحات میں پیش کیا جائے گا۔

پہلا کام

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی علالت کے آخری ایام میں حضرت اسامہ بن زیدؓ کی ماتحتی میں شام پر حملہ کرنے کا حکم دیا تھا۔ یہ حکم کسی کو دبانے اور چڑھائی

کرنے کی غرض سے نہیں تھا بلکہ بات یہ تھی کہ آنحضرتؐ کی حیات شریف کے آخری ایام میں غزوۂ موتہ کے نتیجہ میں شرجیل کی طرف سے شرارتیں ہو رہی تھیں اس لئے آپ نے اس کی سرکوبی کے لئے جو بیّا اسامہؓ کے لشکر کو حکم دیا تھا کہ شام کی طرف پیش قدمی کی جائے اور موتہ میں مسلمانوں کو جو نقصان اٹھانا پڑا ہے اس کی تلافی کی جائے۔ یہ لشکر روانہ ہوا مگر ابھی مدینہ چھوڑنے بھی نہ پایا تھا کہ آنحضرتؐ رحلت فرما گئے

حضرت ابوبکر صدیقؓ بیعت سے فارغ ہوئے تو سب سے پہلے آپ نے اسی کام کو کرنا چاہا۔ صحابۂ کرامؓ کی اکثریت اس بات کی مخالف تھی کہ اسامہؓ کے لشکر کو وطن سے دور ایسے موقعہ پر بھیجدیا جائے جب کہ آنحضرتؐ کی وفات سے فائدہ اٹھاتے ہوئے بہت سے منافقین اسلام کے احکام کو توڑنے اور نظام اسلام کو برباد کرنے پر کمربستہ ہو چکے ہیں، متعدد قبائل بغاوت پر آمادہ ہیں، سب سے زیادہ آنحضرتؐ کے حکم کی تعمیل حضرت علیؓ اور حضرت عمرؓ کرنا چاہتے تھے مگر حالات کی نزاکت نے ان حضرات کو احساس دلا دیا تھا کہ لشکر اسامہؓ کی روانگی فی الحال ملتوی کر دی جائے۔ حضرت عمرؓ نے کہا۔ اے اللہ کے رسولؐ کے خلیفہ یہ وقت شدت کا نہیں ہے، نرمی سے کام لینا چاہیے اور تالیف قلوب کی کوشش کرنی چاہیے۔ حضرت عمرؓ کے ان الفاظ پر حضرت صدیقؓ کو غصہ آگیا اور آپ نے بڑے جوش کے ساتھ فرمایا۔

اے عمرؓ! تم جاہلیت میں تو بڑے تیز طرار تھے اور اسلام میں آکر اتنے نرم پڑ گئے دین کامل ہو چکا ہے۔ وحیٔ الٰہی بند ہو چکی ہے۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ میری زندگی میں دین ناقص ہو جائے، خدا کی قسم اگر پرندے میرے گوشت کو بھی نوچ کر لیجائیں تب بھی میں

اس لشکر کو ضرور روانہ کروں گا جس کی روانگی کا حکم آنحضرتؐ دے چکے ہیں"۔
اس تقریر کے بعد سب خاموش ہو گئے۔ لشکر اسامہؓ کو روانگی کا حکم دیا گیا۔ حضرت ابوبکرؓ اسامہؓ کے گھوڑے کے ساتھ پیدل چل رہے تھے۔ حضرت اسامہؓ نے عرض کیا اے خلیفۂ رسولؐ! آپ پیدل چل کر شرمندہ نہ کریں، سوار ہو جائیے ورنہ میں بھی گھوڑے سے نیچے اترتا ہوں، آپ نے ان کو بیٹھے رہنے کا حکم دیا اور فرمایا، تھوڑی دور راہِ خدا میں میرے پیروں کو بھی غبار آلودہ ہونے دو۔ کیونکہ غازی کے ہر قدم پر سات سو نیکیاں لکھی جاتی ہیں۔

حضرت علیؓ نے جناب ابوبکر صدیقؓ سے فرمایا۔ اے خلیفۂ رسولؐ! ہماری غرض آنحضرتؐ کے حکم کو معرضِ التوا میں ڈالنا نہیں تھی بلکہ حالات کے اعتبار سے مشورتاً عرض کیا گیا تھا، ہم آپ کے ہر حکم کی تعمیل کو ضروری سمجھتے ہیں۔

یہ واقعہ خلافت صدیقؓ کے پہلے عشرہ میں پیش آیا۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت علیؓ اور حضرت صدیقؓ کے تعلقات میں جس طویل کشیدگی کو بیان کیا جاتا ہے، وہ ایک ہفتہ کے اندر ختم ہو گئی تھی اور کوئی ایسی بات باقی نہیں رہی تھی جس سے انکے مابین کسی اختلاف کو ذہنوں میں جگہ دی جائے۔

غرض صحابہ کرامؓ کی معیت میں حضرت اسامہؓ کے لشکر کو روانہ کیا گیا۔ یہ مہم حدودِ شام میں داخل ہوئی اور صرف چالیس دن کے بعد بڑی کامیابی کے ساتھ واپس آئی۔ خلیفۂ رسول اللہؐ اور تمام مسلمانوں نے مدینہ سے باہر نکل کر لشکر کا پرجوش استقبال کیا۔

جیش حضرت اسامہؓ کو رخصت کرتے ہوئے آپ نے اسلامی فوج کو جو نصیحتیں

فرمائی تھیں وہ یہ ہیں :۔

"کسی سے خیانت اور کسی سے بدعہدی نہیں کرنا، دلوں کو بغض و کینے سے پاک رکھنا، مقتولین کے اعضاء وغیرہ کو مت بگاڑنا۔ بچوں بوڑھوں اور عورتوں کو قتل مت کرنا۔ میوہ دار اور سایہ دار درختوں کو نہ اکھاڑنا نہ کاٹنا نہ جلانا، کسی کے جانوروں کو مت ستانا، راستہ میں جو خانقاہ نشین لوگ ملیں ان کو انکے حال پر چھوڑ دینا۔ اور روم کے فوجی ملیں تو تلوار کے ذریعہ موت کے گھاٹ اتار دینا۔ بس جاؤ میں خدا کے حوالہ کرتا ہوں"

حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ اس موقعہ پر میں نے محسوس کیا کہ صدیق ؓ کا سینہ کھول دیا گیا ہے۔ (تاریخ الخلفاء، طبری)

جھوٹے نبی

آنحضرتؐ کی وفات کے فوراً بعد ان شرارت پسندوں کو جو اسلام کیخلاف بہت سے منصوبے اپنے دلوں میں بسائے ہوئے تھے ابھرنے اور شرارت کرنے کا موقعہ مل گیا۔ ان کا خیال تھا کہ اسلام کا نظام رسول اکرمؐ کی ذات تک ہے اور ان کے بعد یہ جمعیت، پریشان ہو جائے گی۔ مگر ان کو بہت جلد ہی معلوم ہو گیا کہ رسولؐ نے جس مذہب کی بنیادوں کو استوار کیا تھا وہ ان کا اپنا ذاتی مذہب و نظام نہیں تھا بلکہ وحی الہٰی کے اشاروں پر اس کی تاسیس و تنظیم ہوئی تھی اور جس کی حفاظت و قیام کے لئے صحابہ کرامؓ میں آنحضرتؐ نے جو غیر معمولی جذبہ پیدا کیا تھا وہ بھی ایسا ہی غیر فانی تھا جیسے مذہب اور اس کی بنیادیں۔ پھر یہ کیسے ہو سکتا تھا کہ آنحضرتؐ

کی وفات شریف کے بعد یہ نظام درہم برہم ہو جائے۔ چنانچہ تاریخ شاہد ہے کہ دشمنان اسلام نے ہر طرف سے سر اٹھانا شروع کر دیا مگر خلیفہ اول نے اپنے استقلال سے ان کو ابھرنے اور پھیلنے سے پہلے ہی پامال و برباد کر دیا۔

مسیلمہ کذاب پہلا مدعی نبوت تھا جو ۱۰ھ سے حیات رسولؐ ہی میں نبوت کا دعوے دار چلا آرہا تھا۔ ایک مرتبہ اس نے آنحضرت کو لکھا کہ میں بھی نبی ہوں اور تم بھی نبی ہو لہٰذا یہ دنیا نصف نصف بانٹ لینی چاہئیے۔ آپؐ نے جواب میں فرمایا۔

> اللہ کے رسول محمدؐ کی طرف سے مسیلمہ کذاب کو معلوم ہونا چاہئیے کہ یہ دنیا اللہ کی ہے وہ جسے چاہے گا۔ اس کو اس کا وارث بنائے گا۔ اور انجام کی خیریت متقیوں کے لئے ہے۔

مسیلمہ کے علاوہ طلیحہ بن خویلد نے بھی نبی ہونے کا دعویٰ کیا۔ بنو غطفان اس کے پیرو ہو گئے اور عینیہ بن حصن فزاری اس کا وزیر بن گیا۔ اسود عنسی یمن میں اٹھا۔ ایک عورت سجاح بنت حارثہ بڑے بلند دعوے لے کر اٹھی نبوت کا دعویٰ کیا اور اشعث بن قیس کو اپنا وزیر اور ترجمان بنایا اور پھر اسلام کے خلاف اپنی جھوٹی قوتوں کو متحد اور مضبوط کرنے کے لئے سجاح نے مسیلمہ سے شادی کر لی اور قیس منہ دیکھتا رہ گیا۔ غرض یہ دیار مردوں اور عورتوں دونوں میں پھوٹی۔ آپس میں ایک دوسرے نے شادی بھی کی۔ قبائل اور عوام کو ساتھ بھی ملایا مگر انکے جھوٹ ان کے لئے ذلت کا طوق بن گئے۔

ان جھوٹے نبیوں کے علاوہ بہت سے عربی سردار سرکش اور اسلام سے باغی ہو گئے۔ چنانچہ نعمان بن منذر بحرین کا بادشاہ بن بیٹھا۔ لقیط بن مالک نے

عمان میں اپنا جھنڈا لہرانے کی کوشش کی، کندہ کے علاقہ میں بہت سے لوگوں نے اسلام سے انحراف کیا اور اپنے اپنے حلقوں میں اپنی بادشاہت قائم کرکے بیٹھ گئے

حضرت ابوبکر صدیقؓ کے لئے ابتدائی ایام میں یہ دونوں باتیں بڑی اہمیت رکھتی تھیں، ایک طرف جھوٹے نبیوں کی سرگرمیاں دوسری طرف اسلام سے پھرنے والے اور اس کے احکام سے روگردانی کرنے والے مرتدین کی شورشیں، بلاشبہ اسلام اگر کوئی انسانی نظام ہوتا تو یہ مخالفتیں اس کے ختم کردینے کے لئے بہت کافی تھیں مگر اللہ تعالیٰ اس دین کا حامی و حافظ تھا اس نے اپنے رسولؐ کے خلیفہ کی مدد فرمائی، صحابہ میں استقلال اور قربانی کا جذبہ پیدا فرمایا اور خلیفۂ رسولؐ نے بہت جلدی ان حالات پر قابو پالیا۔

حضرت صدیقؓ نے پہلے مسیلمہ کذاب کی طرف توجہ کی۔ صحابہ سے مشورہ کیا خالد بن ولید کے نام اسلامی فوج کی رہنمائی اور مسیلمہ کی سرکوبی کا قرعہ نکلا چنانچہ وہ مہاجرین و انصار کی ایک سرفروش جماعت کو لے کر جھوٹے نبیوں کی سرکوبی کے لئے روانہ ہوگئے، اس موقعہ پر ثابت بن قیسؓ حضرت خالد کے دست راست تھے۔

مسیلمہ کا اصل نام مسیلمہ بن حبیب تھا۔ جھوٹے دعوے کی وجہ سے یہ عام طور پر مسیلمہ کذاب کے نام سے مشہور ہوا۔ یہ یمامہ کے قبیلے بنو حنیفہ کا سردار تھا آنحضرتؐ کی وفات کے بعد اس نے میدان خالی پاتے ہوئے اپنے جھوٹے مذہب کی تبلیغ شروع کردی۔ ہزارہا آدمی اس کے ساتھ ہوگئے جو لوگ اسلامی احکام سے منحرف ہوکر مدینہ پر حملہ کرنا چاہتے تھے یہ ان کا ساتھی اور معاون بن گیا۔

اور اس طرح سب نے یہ ارادہ کیا کہ مدینہ پر حملہ کر کے اسلام کے نظام کو پامال کر دیا جائے حضرت ابو بکرؓ نے خالد بن ولید کو مقابلہ کے لئے روانہ کیا۔

۱۳ ہزار مسلمان اور چالیس ہزار مسیلمہ کذاب کی فوج کے درمیان یمامہ کے قریب مڈبھیڑ ہوئی، دشمن کی کثرت کو دیکھتے ہوئے مسلمان کمزور نظر آ رہے تھے مگر اللہ نے مدد فرمائی اور خالد بن ولیدؓ نے ایسے پینترے بدلے کہ پہلے ہی حملہ میں مسلمان غالب آئے، مسیلمہ کذاب مارا گیا۔ اس کی فوج کے پیر اکھڑ گئے اور مسلمانوں نے چن چن کر انہیں موت کے گھاٹ اتارنا شروع کیا۔ سترہ ہزار دشمنوں کو زمین کا پیوند بنا دیا، ۱۲ سو مسلمان مقابلہ کرتے ہوئے شہید ہوئے اور بہت سے زخمی ہو کر انتقال کر گئے۔

(خالد بن ولید کے دوسرے معاون شرجیل بن حسنہ تھے جو پہلے ہی مسیلمہ کے مقابلہ کے لئے مدینہ سے نکل چکے تھے۔ خالد بن ولیدؓ نے تیز قدمی کی اور ان کے ساتھ مل گئے۔ یہ امر قابل ذکر ہے کہ مسیلمہ کو وحشی نے قتل کیا جو احد میں حضرت امیر حمزہؓ کو شہید کر چکا تھا اور پھر فتح مکہ کے وقت مسلمان ہوا تھا۔ مسیلمہ کی بیوی سجاح بھی میدان جنگ میں تھی مگر شوہر کی موت کو دیکھ کر بصرے کی طرف بھاگ گئی اور تھوڑے دن کے بعد ہی مر گئی، اور میاں بیوی دونوں جھوٹے نبیوں کا خاتمہ ہو گیا) وحشی مسیلمہ کے قتل کا ذکر کرتے ہوئے کہا کرتے تھے کہ مجھے امید ہے امیر حمزہؓ کے قتل کا جو گناہ میرے اعمال نامہ میں پایا جاتا ہے وہ مسیلمہ کے قتل سے ہلکا ہو جائے گا۔ مسلمان ہونے کے بعد آنحضرتؐ نے وحشی سے فرمایا تھا کہ تم میرے سامنے مت آیا کرو کیوں کہ تم کو دیکھتا ہوں تو مجھے چچا یاد آ جاتے ہیں۔

دوسرا جھوٹا نبی طلیحہ بن خویلد اسدی تھا۔ یہ بڑا فتنہ باز اور ابن الوقت تھا

خالد بن ولید نے اس کا بھی ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ یہ دیر تک اسلامی لشکر کا مقابلہ کرتا رہا خالد بن ولید نے بڑی ہوشیاری سے ایک موقعہ پر اچانک حملہ کر دیا۔ بے شمار ساتھی مارے گئے اور بہت سے فرار ہو گئے۔ کچھ لوگوں نے اسلام قبول کر لیا طلیحہ شام کی طرف بھاگا اور جب مسلمانوں کی نظروں سے بچ کر رہنا دشوار ہو گیا تو حضرت عمرؓ کے زمانہ میں حاضر خدمت ہو کر مسلمان ہو گیا۔

تیسرا جھوٹا مدعی نبوت لقیط بن مالک تھا جو عمان کے علاقہ میں یہ مشہور کر رہا تھا کہ رسول اللہؐ کے بعد خدا نے اسے نبوت عطا کی ہے۔ بہت سے مرتدین اور اسلام کے دشمن اس کے ساتھ ہو گئے۔ حضرت ابوبکرؓ نے اس کے استیصال کے لئے بھی اسلامی لشکر کو روانہ فرمایا۔ لقیط کی فوج بڑی طاقت ور اور تجربہ کار تھی۔ زبردست مقابلہ ہوا مسلمانوں کی حالت بظاہر بہت کمزور نظر آ رہی تھی مگر اسلام کے شیدائی کچھ اس طرح دشمنوں پر ٹوٹے کہ ان کو شکست کا منہ دیکھنا پڑا۔ مسلمانوں نے تعاقب کیا، جو جہاں ملا اسے قتل کیا اور پھر اندرونی علاقہ میں گھس کر مہرہ کے مرتدین اور لقیط کے حامیوں کا خاتمہ کیا کچھ لوگوں نے دوبارہ اسلام قبول کر لیا۔

اسود عنسی بھی نبوت کا دعوے دار تھا۔ اس نے آنحضرتؐ کے زمانہ میں بھی سر اٹھایا تھا مگر وفات رسولؐ کے بعد اس نے اپنی نبوت کو بہت ہوا دی، خلیفۂ اول نے اسلامی لشکر کو اس کی طرف بھی روانہ فرمایا مگر اس سے پہلے ہی اس کے اپنے آدمیوں نے جن کے نام قیس اور فیروز تھے اس کو ایک دن نشہ کی حالت میں قتل کر دیا۔ مگر یہ فتنہ پھر بھی ٹھنڈا نہیں پڑا، اس کی لاش کو اس کے ماننے والوں نے اپنے کاندھوں پر اٹھایا، شہید مذہب کا لقب دیا اور اس کے جھوٹے مذہب کا چرچا کیا چھپ کیا مگر مسلمانوں نے اپنی

تاریخ خلفائے راشدین

روایتی بہادری کا یہاں بھی مظاہرہ کیا اور بہت جلدی اس کے ماننے والوں کو موت کا تلخ جام پینا پڑا۔ (تاریخ طبری، تاریخ الخلفا)

مرتدین کی سرکوبی

جھوٹے نبیوں کے خاتمہ کے ساتھ ساتھ مرتدین اسلام کی سرکوبی کا بھی سلسلہ جاری تھا۔ باغی قبائل ہر طرف سر اٹھا رہے تھے۔ مرتدین میں ایک گروہ ایسا بھی تھا جو آنحضرت ؐ کی رسالت کا تو اقرار کرتا تھا مگر اس کا مطالبہ یہ تھا کہ ارکان اسلام سے زکوٰۃ کو خارج کردیا جائے ہم نماز، روزہ اور حج سب کچھ کرتے رہیں گے مگر زکوٰۃ کی رقم نہیں دے سکتے ہیں، اس گروہ کے کچھ لوگوں نے حضرت ابوبکرؓ کے سامنے مدینہ میں اپنے مطالبہ کو پیش کیا تو آپ کو سخت ناگوار ہوا اور بڑے جوش اور طیش کے ساتھ آپ نے جواب دیتے ہوئے فرمایا۔

"دنیا کے کسی انسان میں یہ طاقت نہیں ہے کہ وہ ارکان اسلام میں ذرہ برابر تبدیلی کرسکے۔ خدا کی قسم رسول اللہ ؐ کے زمانے میں اگر ایک تسمہ یا بکری کا بچہ بھی کوئی شخص دیتا تھا اور وہ آج انکار کرے گا تو میں اس سے جہاد کروں گا۔"

مرتدین کے نمائندے واپس گئے اور انھوں نے حضرت ابوبکرؓ کے جواب کو جب قبائل کے سامنے بیان کیا تو وہ سخت مشتعل ہوکر مدینہ پر حملہ کی تیاریاں کرنے لگے ان کا خیال تھا کہ مسلمانوں کی بڑی تعداد جھوٹے نبیوں کے مقابلہ پر گئی ہوئی ہے۔ مدینہ میں بہت تھوڑے مسلمان موجود ہیں ایسے وقت میں مدینہ پر حملہ کرکے اسلامی مرکز کا نظام جلدی برباد کیا جاسکتا ہے مگر صدیق اکبرؓ جواب دینے سے پہلے ہی اس

خطرہ کو محسوس کر رہے تھے۔ چنانچہ قاصدین کے جاتے ہی آپ نے انصار و مہاجر کے ایک بڑے لشکر کو مرتب فرمایا۔ حضرت علیؓ، حضرت طلحہؓ، حضرت زبیرؓ اور حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کو اس لشکر کی مختلف ٹولیوں پر افسر مقرر فرما کر مدینہ کی حفاظت پر مامور کر دیا۔

اس کے علاوہ آپ نے مدینہ کے تمام باشندوں کو حکم دیا کہ وہ ہمہ وقت مدینہ میں اور خاص طور پر مسجد نبویؐ میں موجود رہا کریں تاکہ ہنگامی حالات کا آسانی سے مقابلہ کیا جائے۔ حضرت ابوبکرؓ کا اندیشہ صحیح ثابت ہوا اور تیسرے ہی دن رات کے وقت مرتدین کا گروہ مدینہ پر ٹوٹ پڑا، حضرت علیؓ اور دیگر صحابہؓ نے اپنی فوج کی مدد سے ان کو مدینہ میں داخل نہیں ہونے دیا۔ حضرت ابوبکرؓ کو معلوم ہوا تو آپ بھی مسلمانوں کو لے کر مقابلہ پر پہونچ گئے۔ مرتدین نے آس پاس کے لوگوں کو بھی اپنے ساتھ ملا لیا، رات بھر جنگ ہوتی رہی اور مسلمانوں نے ایسا مقابلہ کیا کہ دشمنوں کے دانت کھٹے ہو گئے، صبح کو بھاگتے ہوئے دشمنوں کا مقام ذی القصہ تک تعاقب کیا جو جہاں تھے آ گیا دہیں، واصل جہنم کر دیا گیا۔ آنحضرتؐ کی وفات کے بعد یہ پہلا معرکہ تھا جس میں مسلمانوں کو دشمنوں کی یلغار پر اپنے زبردست جوش اور ثبات کا ثبوت دینا پڑا۔

مدینہ پر مرتدین کے حملے نے خلافت اسلامیہ کے اراکین کو دشمنوں کے خلاف ہمہ گیر پیمانہ پر تدابیر اختیار کرنے اور ان کی سرگرمیوں کا خاتمہ کرنے پر مجبور کر دیا۔ اگرچہ بعض صحابہ کرامؓ اس ابتدائی دور میں یہ نہیں چاہتے تھے کہ مسلمانوں کو امور خلافت سے ہٹ کر کچھ اور کرنا پڑے مگر اب سوائے اس کے کوئی چارہ نہیں تھا کہ مسلمانوں کی جمعیت کو متحد و منظم کیا جائے۔ چنانچہ مجاہدین اسلام کے گیارہ لشکر تیار کئے

گئے، جن کو عرب کے مختلف علاقوں میں دشمنوں کی سرکوبی کے لئے روانہ کر دیا گیا اور ان کو ہدایت کی گئی کہ فتنہ پردازوں کو عرب سے صاف کر دیں اور ایسی سزائیں دیں کہ وہ دوبارہ سر اٹھانے کے قابل نہ رہیں۔

خالد بن ولید جھوٹے نبیوں سے فارغ ہو کر قبیلہ بنو تمیم کے سردار مالک بن نویرہ کی طرف بڑھے۔ مالک نے آنحضرتؐ کے زمانہ میں اطاعت قبول کر لی تھی مگر وفات حضورؐ کے بعد باغی ہو گیا۔ مسلمانوں نے بڑی بہادری سے مقابلہ کیا، گھمسان کی جنگ ہوئی، دشمن شکست کھا کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ مالک کو گرفتار کر لیا گیا۔ خالد بن ولید نے اس سے جب گفتگو کی تو کہنے لگا کہ جب نماز وغیرہ عبادتیں بلا خرچ کے ادا ہو سکتی ہیں تو پھر مال کے خرچ کرنے کی اور زکوٰۃ دینے کی کیا ضرورت ہے۔ خالد بن ولید کو اس کی باتیں ناگوار ہوئیں اور ضرار بن ازور نے اشارہ پاتے ہی ایک وار میں اس کا کام تمام کر دیا۔ مالک بن نویرہ کی بیوی بھی گرفتار ہوئی تھی جو نہایت حسین و جمیل تھی۔ خالد بن ولید کے سامنے یہ بھی لائی گئی، آپ نے اس کو چھوڑ دیا اور پھر اس کے ساتھ نکاح کر لیا۔ مگر یہ نکاح حضرت خالد کو پھلا نہیں۔ ان کے بعض مخالفین نے اس واقعہ کو بڑی رنگ آمیزی کے ساتھ دربار خلافت میں بیان کیا۔ حضرت عمرؓ بہت بگڑے اور پھر دوسرے صحابہؓ بھی ناراض ہوئے اور یہ مطالبہ کیا جانے لگا کہ خالد کو معزول کر دیا جائے آخر خالد بن ولید طلب کئے گئے۔ تحقیقات ہوئی تو پتہ چلا کہ جو الزام لگایا گیا ہے یعنی یہ کہ مالک مسلمان تھا مگر بیوی پر قبضہ کرنے کے لئے اسے قتل کیا گیا ہے وہ غلط ہے مالک ملحد تھا اور اسلام کا سخت مخالف تھا۔ لیکن حضرت عمرؓ کے دل سے یہ بات نہیں نکلی اور وہ خالد بن ولید کو برابر شبہ کی نظر سے دیکھتے رہے آخر وہ جب مسند خلافت

پر آئے تو خالد بن ولید کو معزول کر دیا۔

جھنڈوں کی تقسیم

سرکشوں، جھوٹے نبیوں اور مرتدین کی سرکوبی کے لئے جو گیارہ اسلامی دستے تیار کئے گئے تھے انکے جھنڈوں کو بعض مورخین کے بیان کے مطابق اس طرح تقسیم کیا گیا تھا۔

پہلا جھنڈا خالد بن ولیدؓ کے حوالے کیا گیا۔ دوسرا عکرمہؓ بن ابوجہل کے سپرد کیا گیا تیسرا مہاجر بن ابی امیہ کو دیا گیا اور کہا گیا کہ اسود عنسی سے فارغ ہو کر بنو کندہ کی طرف رخ کرنا۔ چوتھا علم خالد بن سعید کو دیا گیا اور فرمایا گیا کہ تم شام کے سرحدی علاقے کی طرف جاؤ اور سرکش قبائل کو انکے اعمال کی سزا دو اور راہ راست پر لاؤ۔ پانچواں جھنڈا عمرو بن عاصؓ کو دے کر بنی قضاعہ کی طرف بھیجا گیا۔ چھٹا جھنڈا حضرت حذیفہ بن محصن غطفانی کو دیا گیا جو اہل دبا کی طرف روانہ کئے گئے۔

ساتواں جھنڈا حضرت عرفجہ بن ہرثمہ کے سپرد کیا گیا اور ان کو قبائل مہرہ کی سرکوبی پر متعین کیا گیا اور ہدایت کی گئی کہ آگے بڑھ کر حذیفہؓ کے ساتھ شامل ہو جانا آٹھواں جھنڈا حضرت شرجیلؓ کو دیتے ہوئے ہدایت کی گئی کہ عکرمہؓ کے پیچھے رہو، اور جب مسیلمہ کذاب سے فارغ ہو جاؤ تو بنی قضاعہ کی طرف رخ کر دینا۔ نواں جھنڈا حضرت معن بن حاجز کو دیا گیا اور ان سے کہا گیا کہ بنی سلیم اور بنی ہوازن کی طرف جاؤ۔ دسواں جھنڈا سوید بن مقرن کو دے کر ہدایت کی گئی کہ یمن کی طرف جاؤ اور تہامہ میں سرکشوں کو راہِ راست پر لاؤ۔ گیارہواں جھنڈا حضرت علاء بن حضرمی کے حوالے کیا گیا اور بحرین کے علاقہ میں ان کو شرارت پسندوں کی سرکوبی پر متعین کیا گیا

جن علاقوں میں اسلامی لشکر بھیجے گئے پہلے ان کے پاس حضرت ابوبکر صدیقؓ نے قاصد بھیجے تھے اور ان کے ذریعہ پیغام دیا گیا تھا کہ اپنی شرارت سے باز آجاؤ، دین اسلام سے سرکشی اور بغاوت چھوڑ دو، اسلام لاؤ ورنہ ارتداد کی سزا بھگتنے کے لئے تیار رہو۔

اسلامی فوجیں اپنے اپنے سرداروں کی معیت میں مدینہ سے چل کر مقام ذی القصہ میں جمع ہوئیں اور پھر وہاں سے اپنے اپنے مقررہ مقام کی طرف روانہ ہو گئیں۔

جھوٹے نبیوں کی شکست اور ذلت نے مرتدین کی ہمتیں پست کر دیں اور وہ مقابلہ سے گریز کرنے لگے مگر اسلامی دستوں نے خلیفہ کی ہدایت کو پیش نظر رکھا اور بڑی بہادری سے ان علاقوں میں مصروف پیکار ہو گئے جہاں کی ان کو ہدایت ملی تھی۔

فتوحات

اسلامی فوجیں اپنے خلیفہ کی ہدایت کے مطابق عرب اور اس کے باہر دوسرے علاقوں میں پھیل گئیں۔ آنحضرتؐ کی وفات کے بعد یہ پہلا موقع تھا کہ اسلامی فوجوں نے عرب کے باہر شام، عراق اور بصرے وغیرہ پر چڑھائی کی، بحرین میں بنو عبدالقیس اور بنو بکر بن وائل دو بڑے قبیلے تھے اور ان کی شاخیں ہر طرف پھیلی ہوئی تھیں، یہ سب آنحضرتؐ کی رسالت سے انکار کر رہے تھے حطم ان کا سردار تھا اور مسلمانوں سے مقابلہ کی تیاریاں زور شور سے کر رہا تھا، علاء بن حضرمیؓ نے زبردست مقابلہ کیا حطم مارا گیا۔ مرتدین قتل کئے گئے۔ قبیلہ بنو قیس کے لوگ دوبارہ اسلام لے آئے اور بحرین کا علاقہ سرکشوں سے صاف ہو گیا۔

عمان کے لقیط بن مالک کی سرکوبی سے جب مجاہدین اسلام فارغ ہوئے

تو انھوں نے اپنا رخ مہرہ کی طرف کر دیا سب بے شمار قبائل اس علاقہ میں آباد تھے اور اسلام کا انکار کر رہے تھے، مسلمانوں نے پہلے ان کو ہدایت کی طرف بلایا۔ بعض نے توبہ کر لی اور بعض آمادۂ جنگ ہو گئے۔ آخر اسلامی لشکر نے مہرہ کے مرتدین سے خوب قتال کیا۔ بڑی دلیری سے لڑے اور اس علاقہ کے مرتدین کو ایسی سزا دی کہ پھر دوبارہ وہ سر اٹھانے کے قابل نہ رہے۔

یمن کے مرتدین اور اسود عنسی کو اسلامی فوجوں نے خوب روندا اور پھر ان کو زیر کرنے کے بعد بنو کندہ کی طرف توجہ کی۔ اس قبیلہ نے مسلمانوں کے خلاف بڑی تیاریاں کر رکھی تھیں، اسلامی لشکر ہر طرف گھوم رہے تھے اور جب ان کو ان کی سرگرمیوں کی اطلاع ہوئی تو اچانک حملہ کر دیا اور آن واحد میں ان کی عظیم طاقتوں کو اتنا پامال و خوار کیا کہ قبیلے کے سردار اور بے شمار لوگوں کو زندہ گرفتار کر لیا چنانچہ قبیلہ کے سردار اشعث کو مع مرتدین کی بڑی تعداد کے حضرت ابوبکرؓ کے سامنے لیجایا گیا۔ اشعث فوراً مسلمان ہو گیا، خلیفۂ اسلام نے بہت نرمی کا برتاؤ کیا۔ بنو کندہ اس برتاؤ سے بہت متاثر ہوئے اور سب کے سب توبہ کر کے اسلام کے دامن سے وابستہ ہو گئے

شام اور اس کی سرحدات کی طرف حضرت اسامہ بن زید مجاہدین کو لئے اپنی سرگرمیوں میں مصروف تھے رومیوں نے بہت پہلے سے مسلمانوں کے خلاف بلقاء کی وادیوں میں فوجیں جمع کر رکھی تھیں، مگر مسلمانوں نے اس بے جگری اور جرأت کا مظاہرہ کیا کہ شام کی سرحدوں میں دلیرانہ گھستے چلے گئے اور رومیوں کو سنبھلنے کا موقعہ بھی نہیں دیا۔ سخت معرکہ آرائی ہوئی اور بے شمار رومیوں کو مسلمانوں کے مقابلہ میں شکست کا منہ دیکھنا پڑا، چالیس دن کے عرصہ میں اسامہ بن زیدؓ نے رومیوں کا تختہ الٹ دیا اور بے پناہ

مالِ غنیمت اور قیدی ساتھ لے کر مدینہ واپس آئے۔

شام پر مسلمانوں کا یہ پہلا حملہ ایسے زمانہ میں ہوا جب کہ پورے عرب میں ہر طرف بغاوتوں کا زور تھا اور دشمنانِ اسلام یہ سمجھ رہے تھے کہ اب اسلام کی بنیادیں ہل چکی ہیں اور اسلام عنقریب رخصت ہوا چاہتا ہے مگر رومیوں کی شکست فاش اور ان کی ذلت نے حوصلے پست کر دیئے، ہر طرف مسلمانوں کی دھاک بیٹھ گئی اور مرتدین اپنے منصوبے بھول گئے۔

حضرت اسامہ بن زیدؓ کے لشکر کی عظیم کامیابی نے رومیوں اور ایرانیوں کے حواس باختہ کر دیئے اور یہ دونوں حکومتیں اس فکر میں لگ گئیں کہ مسلمانوں سے کس طرح اپنے ممالک بچائے جائیں۔ یہ دونوں سلطنتیں اس زمانہ کی سب سے بڑی طاقتور حکومتیں سمجھی جاتی تھیں، اکثر ممالک انہی کے زیرِ اقتدار تھے۔ یہ سمجھئے کہ آدھی آدھی دنیا پر دونوں قابض تھیں مگر ان کے آپس میں بھی ملک گیری کے لئے رسہ کشی کا سلسلہ جاری تھا اور ایک دوسرے پر غالب آنے کے لئے ہر ممکن کوشش جاری رہتی تھی لیکن اسلام کے نام پر جب ایک نئی اور تیسری حکومت کی بنیاد پڑی تو یہ دونوں آپس کے اختلافات ختم کر کے اسلامی حکومت کے خلاف صف آرا ہو گئے۔ حضرت اسامہ بن زیدؓ کے علاوہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے مثنیٰ بن حارث کو دوراندیشی کے خیال سے ایک فوجی دستہ دے کر عراق کی طرف روانہ کر دیا اور ساتھ ہی یہ ہدایت کر دی کہ ایرانیوں اور رومیوں سے کہیں بھی جم کر مقابلہ مت کرنا بلکہ گوریلا جنگ کے ذریعہ ان کو الجھائے رکھنا تاکہ عرب کے اندرونی جھگڑے اور بغاوتیں ختم ہو سکیں۔ اس طریقہ سے مسلمانوں کو بڑا فائدہ پہونچا اول یہ کہ ایرانی اور رومی جو آپس میں متحد ہو کر

عرب پر حملہ کی اسکیم بنا رہے تھے وہ ناکامیاب ہو گئی دوسرے عرب کی اندرونی بغاوتوں کو مسلمانوں نے بڑے اطمینان کے ساتھ کچل دیا اور بیرونی حملہ کے مقابلے کے لئے پورے طور پر تیار ہو گئے۔

خلیفہ اول نے اس حسن تدبیر سے بہت جلدی اندرونی بغاوتوں کو ٹھنڈا کر دیا اور اس کے بعد تمام عربی سرداروں کو حکم دیا کہ وہ مدینہ کے باہر جمع ہو جائیں تاکہ شام و عراق پر پوری قوت کے ساتھ حملہ کیا جائے اور رومی و ایرانی خطروں کا ہمیشہ کے لئے دروازہ بند کر دیا جائے۔

خلیفہ اسلام کے اس اعلان کے بعد عربی فوجیں مدینہ کے باہر دور دور تک جمع ہو گئیں اور حد نظر تک فوجی خیمے ہی خیمے نظر آنے لگے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے سب کا جائزہ لیا اور پھر یزید بن ابوسفیان کو ایک لشکر دے کر قیصر روم کے مقابلہ کے لئے شام کی طرف روانہ کر دیا گیا۔ اس اسلامی لشکر نے شام کی سرحد پر قیصر روم کی فوج کے ایک بڑے دستے سے مقابلہ کیا۔ فوجی سردار مارا گیا اور ۱۲ سو سے زائد رومی سپاہی موت کا شکار بنائے گئے۔ کثرت سے مال غنیمت ہاتھ آیا جسے مدینہ روانہ کر دیا گیا۔

اس کے بعد ہی عمرو بن عاص کو مزید فوج کے ساتھ شام کی طرف روانہ کر دیا گیا۔ حضرت ابوعبیدہ کو حمص اور شام کا گورنر مقرر کیا گیا اور تمام سپہ سالاروں کو ان کے ماتحت رہ کر کام کرنے کا حکم دیا گیا۔ عمرو بن عاص نے فلسطین کو نشانہ بنایا یزید بن ابی سفیان نے دمشق کا رخ کیا۔ شرجیل دریائے یردون کی طرف بڑھے مثنیٰ ابن حارثہ جو عراق کی سرحدوں پر چھاپے مار رہے تھے اور اس تدبیر سے اسں

علاقہ کو سانس لینے کا موقعہ نہیں دے رہے تھے انھوں نے دیکھا کہ خالد بن ولید ایک عظیم لشکر لئے ہوتے آ گئے اور پھر ان کے آتے ہی عراقیوں سے باقاعدہ جنگ شروع ہو گئی۔

خالد بن ولید نے حکم کے مطابق حیرہ اور ایلہ کا بھی رُخ کیا۔ اس علاقہ کا حاکم کسریٰ کا باجگذار تھا، حضرت خالد نے دس ہزار کے لشکر کے ساتھ پہلے شہر کا محاصرہ کیا۔ پھر اندر گھسے، حیرہ مارا گیا، فوج کے بے شمار جوان مارے گئے، بہت سے بھاگ گئے اور بہتوں نے اسلام قبول کر لیا اور کچھ سرداروں نے صلح کر لی جن سے ستر ہزار سالانہ خراج لینا طے کیا گیا۔ مورخین نے بیان کیا ہے کہ یہ پہلا خراج تھا جو کسی غیر ملک سے لیا گیا۔ خالد بن ولید نے فوراً ہی ایلہ پر دھاوا بول دیا۔ ہرمز حاکم اپنی فوجوں کو لئے سامنے آیا، خالد بن ولید دیر تک تنہا اس سے لڑتے رہے۔ یہ بڑا نامور اور بہادر سردار تھا مگر خالد بن ولید کی زد سے بچ نہ سکا، مارا گیا، خالد بن ولید نے اس کا تاج جس کی قیمت ایک لاکھ تھی اٹھا کر قبضہ میں کر لیا ـــــــ خالد بن ولید ابھی میدان سے ہٹنے بھی نہ پائے تھے کہ کسرائے ایران کی بھیجی ہوئی ایک اور فوج قاران کی سرکردگی میں پہونچ گئی۔ خالد بن ولید نے آتے ہی گھیر لیا اور ایسی زبردست جنگ کی کہ تیس ہزار ایرانی مارے گئے۔ قاران اور دوسرے سرداروں کو اسلامی فوج نے میدان جنگ میں روند ڈالا، کسریٰ کو اس کی اطلاع ملی تو اس نے مشہور فوجی سردار بہمن جادویہ کو عظیم لشکر کے ساتھ بھیجا مگر اسے بھی ذلت اور شکست کا منہ دیکھنا پڑا۔

ان عظیم معرکوں سے فارغ ہو کر اسلامی فوجیں دجلہ، فرات، ہمغیشیا، انبار، عین التمر، دومتہ الجندل، اور تمام دوسرے شہروں کو روندتی اور فتح کرتی ہوئی

کسریٰ کی طرف بڑھیں، خالد بن ولید نے کسریٰ کو پیغام بھیجا کہ اسلام لاؤ ورنہ تباہی و ذلت کے لئے تیار ہو جاؤ۔ اس کے بعد ہی فارس پر مسلمانوں نے حملے شروع کئے۔

اسی دوران میں حضرت ابو عبیدہؓ شام میں اور شرجیلؓ بصرے میں رومیوں سے جنگ آزما ہو رہے تھے مگر حالات ایسے ناموافق ہوئے کہ ان دونوں اسلامی لشکروں کو سخت پریشانی کا سامنا کرنا پڑا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کو حالات معلوم ہوئے تو آپ نے خالد بن ولید کو حکم بھیجا کہ وہ فوراً اس جانب متوجہ ہوں چنانچہ خالد بن ولید حکم ملتے ہی آگے بڑھے، عین اس وقت جب کہ ابو عبیدہؓ اور شرجیلؓ سخت پریشانی میں پھنسے ہوئے تھے خالد بن ولید پہنچے۔ نعرۂ تکبیر کی گونج نے رومیوں کے اوسان خطا کر دیئے بڑی معرکہ آرائی ہوئی۔ رومیوں نے بھاگ کر قلعہ میں جان بچائی۔

بصرے کا حاکم رومانوس جو قلعہ میں بند تھا، اس نے سب کو مشورہ دیا کہ موقعہ نازک ہے اطاعت اور صلح کر لو۔ رومانوس کی اس آواز پر سب اس کے دشمن ہو گئے اور اس کو پکڑ کر ایک مکان میں بند کر دیا اور اس کی جگہ دوسرا سردار منتخب کر لیا، یہ بڑا جوشیلا سردار تھا اس نے کمان ہاتھ میں لیتے ہی قلعہ سے باہر آ کر زبردست مقابلہ کیا مگر عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ مسلمانوں کو لئے ہوئے لشکر میں گھس گئے۔ گھمسان کی جنگ ہوئی۔ ادھر خالد بن ولید نے رومیوں کو کاٹنا شروع کیا۔ پورا بصرہ قیامت گاہ بن گیا۔ گرجوں میں گھنٹے بجنے لگے، عورتیں۔ بچے اور بوڑھے سب نے رونا شروع کر دیا۔ رومیوں نے پھر بھاگنا شروع کر دیا اور بری طرح گرتے پڑتے اور کٹتے مرتے قلعہ میں دوبارہ بند ہو گئے۔ مسلمانوں نے قلعہ کے دروازہ پر اسلامی پرچم گاڑ دیا اور فوجی دستے متعین کر دیئے

بصرہ کی فتح ۔ رومانوس جس کو رومیوں نے قلعہ کی دیوار سے متصل ایک

مکان میں قید کر رکھا تھا اس نے رات کے وقت دیوار میں نقب لگایا اور رات کی تاریکی میں خالد بن ولید کے پاس آکر کہا کہ کچھ مسلمانوں کو میرے ساتھ کر دیجئے تاکہ یہ قلعے کے اندر داخل ہو کر قلعہ کا دروازہ کھول دیں۔ عبدالرحمٰن ابن ابو بکرؓ نے مسلمانوں کے مختصر دستہ کو ساتھ لیا۔ رومانوس کے ہمراہ اندر گئے، جاتے ہی نعرے بلند کئے اور دروازہ کھول دیا، مسلمان فوجی قلعہ میں گھس گئے۔ معمولی سی جنگ کے بعد رومیوں نے ہتھیار ڈال دیئے، رومانوس نے اسلام قبول کر لیا اور خالد بن ولید نے شہر کو مسلمانوں کے حوالہ کر دیا۔ بہت سے عیسائی رومانوس کو دیکھ کر اسلام لے آئے بصرہ پر مسلمانوں کا مکمل قبضہ ہو گیا۔ خالد بن ولید نے رومیوں کے ساتھ بڑا اچھا سلوک کیا اور ان کو معاف کر دیا، اسلامی سپہ سالار کے اس نیک برتاؤ نے رومیوں کے دل موہ لئے اور وہ بڑی تعداد میں اسلام کے گرویدہ بن گئے نیز یہ کہ رومانوس کو بھی اس کے عہدہ کے لحاظ سے محکمہ مال کا افسر اعلیٰ بنا دیا۔

دمشق کی فتح

۱۳ھ میں بصرے کی فتح کے بعد خالد بن ولید اپنی چالیس ہزار فوج کو لئے ہوئے دمشق کی طرف بڑھے، یہ بہت سرسبز اور شاداب تھا، باغیچوں کی کثرت لہلہاتی کھیتی اور نہروں کی بہتات نے اس علاقہ کو جنت نما بنا دیا تھا۔ اسلامی فوج کو یہ پہلا اتفاق تھا کہ اس نے ایسے شاداب اور زرخیز علاقہ میں قدم رکھا، اسلامی فوج بڑی تیزی سے دمشق کی طرف بڑھی چلی جا رہی تھی کہ انھوں نے دیکھا کہ ۲ رومی سردار بہت بڑی فوج کو لئے روکنے کے لئے بڑھتے چلے آرہے ہیں، قریب آتے ہی جنگ چھڑ گئی، موت کو خوش آمدید کہنے والے مسلمانوں نے ایسی جنگ کی کہ ٹیلے توں

تاریخ خلفائے راشدین۔

کے لئے اس سیلاب عظیم کو روکنا مشکل ہوگیا۔ دونوں سردار عزرائیل اور کیلوس زندہ گرفتار کر لئے گئے۔ اور رومی کچھ مارے گئے اور کچھ منتشر ہو گئے۔ خالد بن ولید نے دونوں سرداروں کو اسلام کی دعوت دی اور جب انھوں نے انکار کیا تو پھر تہ تیغ کر دیئے گئے، اسلامی سپہ سالار نے حکم دیا کہ ان کے سروں کو کاٹ کر شہر پناہ کی دیوار پر لٹکا دیا جائے۔ اور اس کے بعد آگے بڑھ کر پورے دمشق کو اسلامی فوج نے اپنے گھیرے میں لے لیا۔

دمشق کے محاصرہ نے عیسائیوں کو بڑی گھبراہٹ میں مبتلا کر دیا۔ محاصرہ کی طوالت، سامان خوراک کی قلت اور بکثرت عیسائیوں کے مارے جانے سے وہ اپنی موت کا یقین کرنے لگے۔ چند عیسائیوں نے شہر پناہ کی دیوار سے خالد ابن ولید کے سامنے یہ پیش کش رکھی کہ ہم سے سونے کے سکے اور ریشم کے تھان لے کر محاصرہ اٹھا لیجیے مگر اسلامی سپہ سالار نے ان کی پیش کش کو ٹھکراتے ہوئے کہا کہ مال دے کر ہمیں خریدا نہیں جا سکتا صرف ایک ہی بات ہے "اسلام یا جزیہ" عیسائی خاموش ہو گئے مگر ان کے لئے صبر کرنا اب دشوار ہو چکا تھا اور وہ موت کے سوا کوئی تصور نہیں کر سکتے تھے۔

اسی زمانہ میں عیسائیوں کی شکست اور ان کی پریشانی سے متاثر ہو کر قیصر روم نے دمشق کو مسلمانوں سے بچانے کے لئے ایک لاکھ رومیوں کے لشکر کو حمص کے حاکم کی ماتحتی میں دمشق کی طرف روانہ کیا۔ حضرت خالدؓ کو جیسے ہی اطلاع ملی آپ نے اپنے بھائی ضرار کو ایک مختصر فوج دے کر آگے بھیج دیا تاکہ رومیوں کے اس عظیم لشکر کو الجھانے کی کوشش کی جائے اور ادھر مسلمانوں کو ان سے باقاعدہ جنگ کرنے کی

پوری تیاریاں کرنے کا موقع مل جائے۔ ضرار بڑے جوشیلے اور بہادر نوجوان تھے وہ اپنے ایک ہزار لشکر کو لے کر آگے بڑھے مگر جوش جہاد میں ایسے ڈوبے کہ الجھنے کے بجائے باقاعدہ رومیوں سے گتھ گئے۔ بڑی بے جگری سے قلب میں گھس کر لڑے رومی سردار کے ہاتھ سے جھنڈا چھین لیا۔ عیسائی آگ بگولا ہو گئے اور ایسے ٹوٹے کہ مٹھی بھر مسلمان اگرچہ جان پر کھیل کر لڑے مگر کہاں تک آخر ضرار کا نیزہ ٹوٹ گیا اور وہ گرفتار کر لئے گئے۔ عیسائیوں نے ضرار کو جکڑ کر حمص کی طرف روانہ کر دیا۔ ضرار کے ساتھی رفیع سے ضبط نہ ہو سکا۔ پہلے مسلمانوں کو ابھارا پھر سر ہتھیلی پر لے کر بھڑ گئے ادھر خالد بن ولید نے آگے بڑھ کر حملہ کیا بیس ہزار آدمیوں کی فوج نے نقشہ بدل دیا۔ عیسائی مسلمانوں کی زد سے بچنے کی کوشش کر رہے تھے کہ رفیع نے آگے جا کر ضرار کو دشمنوں کے ہاتھ سے چھڑا لیا۔

خالد بن ولید، ضرار اور رفیع نے حالات کا جائزہ لیا اور پھر تین سمتوں سے ایسا حملہ کیا کہ عیسائی سردار وردان بھاگ کھڑا ہوا، پچاس ہزار عیسائی مارے گئے۔ میدان صاف ہو گیا اور خالد بن ولید بے شمار سامان جنگ اور مال غنیمت کے ساتھ دمشق کے مسلمان محاصرین میں واپس آ گئے۔

میدان جنگ سے بھاگا ہوا وردان جب قیصر روم کے پاس پہونچا تو اسے عیسائیوں کی شکست کا بہت غم ہوا مگر اس نے ہمت نہیں ہاری اور ایک ستر ہزار کا تازہ دم لشکر پھر وردان کو دے کر دمشق کی طرف روانہ کر دیا۔

مسلمانوں کو اس نئے لشکر کے آنے کی خبر ہوئی تو خالد ابن ولید اور حضرت ابو عبیدہؓ نے مشورہ کیا کہ تازہ دم لشکر سے مقابلہ اور دمشق کا محاصرہ دونوں ایک

دقت میں بہت دشوار میں۔ چنانچہ محاصرہ اٹھا کر مسلمان اس نئے لشکر سے مقابلہ میں لگ گئے مگر قلعہ والوں نے اس موقعہ کو غنیمت جانتے ہوئے باہر نکل کر ان عورتوں اور مسلمانوں کو مارنا شروع کر دیا جو تھوڑی تعداد میں قلعہ کے پاس رہ گئے تھے، بہت سے مسلمان شہید کر دیئے گئے۔ سامان لوٹ لیا گیا۔ عورتیں گرفتار کر لی گئیں، گرفتار شدہ عورتوں میں ضرار کی بہن خولہ بھی تھیں۔ یہ بھی اپنے بھائی کی طرح بہادر تھیں، تمام عورتوں سے کہنے لگیں رومیوں سے عزت بچانے کے لئے جان کی بازی لگا دی جائے خولہ کے اس جملے نے عورتوں میں جوش پیدا کر دیا، سب نے لکڑیوں، لاٹھیوں اور اینٹ پتھر سے لیس ہو کر رومیوں پر حملہ کر دیا۔ ایک رومی سردار نے حکم دیا کہ سب کو تلوار سے تہ تیغ کر دیا جائے، رومی بڑھے تھے کہ عبدالرحمٰن اور رفیع فوجی دستے لئے ہوئے آگئے۔ عورتوں کی ہمتیں بڑھ گئیں اور ساتھ ہی مسلمانوں نے رومیوں کو دبا لیا اور قلعہ سے باہر آکر لڑنے والے چھ ہزار آدمی موت کے گھاٹ اتار دیئے۔ بہت سے رومی بھاگ کر قلعہ میں گھس گئے اور مسلمانوں نے اس کے دروازہ پر پہرہ بٹھایا

جنگ اجنادین

رومیوں کے ستر ہزار تازہ دم لشکر نے اجنادین میں اپنا پڑاؤ ڈالا۔ دو مرتبہ کی شکست نے ان کو بے حد مشتعل کر دیا تھا اور وہ اس مرتبہ پورے جوش کے ساتھ آمادہ جنگ تھے۔ خالد بن ولید نے بھی مسلمانوں کو مقابلہ کے لئے ابھارا ضرار اور ان کی بہن خولہ اور ایک دوسری مسلم خاتون عفیرہ بھی میدان میں آگئیں تھیں۔ سب سے پہلے ضرار اسلامی فوج کو لے کر آگے بڑھے۔ دیر تک جنگ ہوتی رہی، مسلمان اس جوش سے دشمنوں پر ٹوٹے کہ رومیوں کو اپنی شکست کا یقین ہونے لگا

حوملہ اور مغیرہ اس سمت پر کھڑی تھیں جدھر سے رومیوں کے بھاگنے کا اندیشہ تھا، ان کا خیال تھا کہ بھاگتے ہوئے رومیوں کو موت کا شکار بنایا جائیگا۔

ضرار کے حملہ نے رومیوں کے حوصلے پست کر دیئے اور وہ اپنی شکست کو دیکھ کر مسلمانوں کو دھوکہ دینے کی سوچنے لگے چنانچہ وردان نے خالد بن ولید کے پاس قاصد بھیجا اور یہ پیغام سنایا کہ جنگ کل تک کے لئے بند کر دی جائے اور صلح کی گفتگو چھیڑی جائے، اسلامی سپہ سالار نے جواب دیا کہ ہمکو صلح منظور ہے، جنگ روک دی گئی اور بات چیت کا سلسلہ شروع ہوا ——— وردان نے جس کی نیت میں فساد تھا اور جو مسلمانوں کو دھوکہ دینا چاہتا تھا اس نے شام کو دس سپاہی اپنے خیمہ کے گرد متعین کر دیئے تاکہ خالد بن ولید جب گفتگو کرنے آئیں تو ان کو قتل کر دیا جائے وردان کی چال تو ٹھیک تھی اور وہ اپنے خیال میں اپنی چال پر بہت پھولا ہوا تھا۔ مگر خالد بن ولید اس کے سارے منصوبے پہچان گئے اور ان کو اپنے جاسوسوں کے ذریعہ سب کچھ معلوم ہو گیا، رات ہوتے ہی خالد بن ولید نے وردان کے خیمہ کے گرد جو سپاہی متعین تھے ان کو قتل کرا دیا اور مسلمان سپاہیوں سے فرمایا کہ تم ان کی وردیاں پہن کر کھڑے ہو جاؤ۔

صبح کو خالد بن ولید وردان کے خیمہ میں گئے، وردان نے بڑے اطمینان کے ساتھ اسلامی سپہ سالار کو دیکھتے ہی مسلمانوں کو برا بھلا کہنا شروع کر دیا۔ ضرار جو موقعہ پر موجود تھے چاہتے تھے کہ قتل کریں مگر اس سے پہلے خالد بن ولید نے بڑھ کر اس کا گلا پکڑ لیا، وردان نے شور کیا مگر

اندر آنے والے پہرہ دار سب مسلمان تھے، یہ دیکھ کر اس کے طوطے ہرن ہو گئے اور رحم کی درخواست کرنے لگا۔ مگر ضرار نے ایک ہی وار میں سر تن سے کاٹ لیا، خیمہ کے باہر آئے اور وردان کے سر کو رومیوں کے سامنے پھینکتے ہوئے حملہ کر دیا۔ وردان کے قتل نے رومیوں کے حواس باختہ کر دیئے تھوڑی دیر لڑے اور پھر بھاگنا شروع کر دیا۔ خولہ اور عفیرہ بھی خاموش نہیں رہیں اور انہوں نے بھاگتے ہوئے رومیوں کو خوب کاٹا اور مارا۔ زیادہ تر آدمی مارے گئے۔ کچھ دمشق کی طرف بھاگے اور کچھ نے قیصریہ کا رخ کیا اور تھوڑی دیر میں رومیوں کی چال ان کے لئے ذلت کا ہار بن گئی۔

جنگ دمشق ــــــ اسلامی لشکر اجنادین میں رومیوں کو شکست دینے کے بعد دمشق کی طرف پلٹا۔ چونکہ اس عرصہ میں قلعہ کے رومیوں کو سانس لینے اور تیار ہونے کا موقعہ مل گیا تھا اس لئے جیسے ہی مسلمان پلٹ کر آئے رومیوں نے قلعہ کی دیواروں سے پتھر مشینوں سے برسانا شروع کر دیئے اور پھر اس قدر جوش میں آئے کہ قیصر روم کا داماد ٹامس ایک بڑی فوج لئے ہوئے قلعہ کا دروازہ کھول کر میدان میں آ گیا۔ یہ آخری اور خون ریز جنگ تھی۔ ہر طرف لاشوں کے ڈھیر لگ گئے، ٹامس کے ایک تیر نے ابان بن زید کو بھی شہید کر دیا ابان کی بیوی نے دیکھا تو ٹامس کے ایسا تیر مارا کہ اس کی آنکھ میں پیوست ہو گیا اور وہ بھاگ کر قلعہ میں بند ہو گیا اور اس کے بعد جب بھی موقعہ ملتا قلعہ سے نکل کر مسلمانوں پر حملہ کرتے اور تیر برساتے۔ یہ سلسلہ دو مہینہ سے زائد چلتا رہا مگر رومیوں کے

حوصلے ٹوٹ گئے اور وہ صلح کی تدابیر پر غور کرنے لگے پہلے خالد بن ولید سے صلح کی درخواست کی اور جب وہاں سے کورا جواب ملا تو حضرت ابو عبیدہؓ کی طرف متوجہ ہوئے، نیک دل ابو عبیدہؓ نے یہ خیال کرتے ہوئے کہ سلسلہ بہت طویل ہو چکا ہے اور اسلامی لشکر بھی بہت تھک چکا ہے صلح کی پیش کش قبول کر لی اور اتنے نرم پڑے کہ سپہ سالار اسلام خالد بن ولید کو بھی اطلاع نہیں کی حضرت ابو عبیدہؓ نے جو صلح نامہ تحریر کیا تھا اس کی عبارت یہ تھی۔

"دمشق مسلمانوں کے قبضہ میں دیدیا جائے، مخالفانہ سرگرمیاں بند کر دی جائیں، جو اپنی خوشی سے اسلام لائے گا وہ ہمارا بھائی ہے اور جو اسلام نہیں لائیں گے ان کو جزیہ دینا ہوگا، جو لوگ جانا چاہتے ہیں وہ جا سکتے ہیں اور اپنا سامان بھی ساتھ لے جا سکتے ہیں۔"

معاہدہ پر دستخط نہیں ہوئے اور حضرت ابو عبیدہؓ تھوڑے سے مسلمانوں کو ساتھ لیکر خوش خوش شہر کے اندر گئے تاکہ رومیوں سے شہر کا قبضہ حاصل کریں ـــــ مگر اس کے ساتھ ہی خالد بن ولید نے جو پہلے سے قبضہ کرنے کی اسکیمیں بنا رہے تھے اور جن کو اس صلح کی بات چیت کا علم نہیں تھا ایک پادری یسوع کی مدد سے ایک پوشیدہ راستہ سے چند مسلمانوں کو اندر داخل کر دیا، یہ مسلمان اندر گئے اور مشرقی سمت کے دروازہ کو کھول دیا، پھر کیا تھا خالد بن ولید اسلامی لشکر کو لئے اندر پہنچے اور عیسائیوں پر

ایسے ٹوٹے کہ ان کے ہوش اڑ گئے، مگر مارتے کاٹتے آگے بڑھے تو یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ ابو عبیدہؓ کھڑے ہیں اور ان کے گرد عورتیں بچے اور بوڑھے موجود ہیں تلوار نیام میں ہے اور سب سے بڑی نرمی سے پیش آ رہے ہیں۔ حضرت ابو عبیدہؓ بھی حیران تھے کہ یہ کیا ہوا آخر انہوں نے ہمت کی اور آگے بڑھ کر غصہ میں بھرے ہوئے خالد کی تلوار پکڑ لی اور کہنے لگے، قتل بند کر دو، اللہ نے یہ شہر ہم کو صلح کے ذریعہ عطا کیا ہے، خالد ابن ولید کو چونکہ معاہدہ کا کوئی علم نہیں تھا دیر تک وہ بحث کرتے رہے اور جب انہوں نے دیکھا کہ ابو عبیدہؓ نے جو کچھ کیا ہے وہ نیک نیتی سے کیا ہے تو وہ بھی صلح پر راضی ہو گئے اور پھر دونوں نے اعلان کر دیا کہ جو اسلام نہیں لاتا ہے یا جزیہ نہیں دینا چاہتا ہے وہ ۳ دن کے اندر چلا جائے۔ اس اعلان کے بعد ٹامس اس کی بیوی اور بہت سے سردار اپنی بہت سی فوجوں کو لیکر دمشق سے انطاکیہ کی طرف چل دیئے اور مسلمانوں نے دمشق کو اپنے قبضہ میں لے لیا۔

خالد بن ولید، رفیع، عبدالرحمٰن بن ابو بکر اور ضرار سب کو یہ بات بڑی ناگوار تھی کہ قلعہ میں داخل ہونے کے بعد بھی رومیوں کو بچ کر جانے اور تمام قیمتی سامان اپنے ساتھ لیجانے کا موقعہ مل گیا مگر وہ حضرت ابو عبیدہؓ کی صلح کے پابند تھے کیا کرتے لیکن انہوں نے کیا یہ کہ ۳ دن گذرنے کے بعد رومیوں کا تعاقب کیا اور راستہ میں پکڑ لیا، ٹامس کے ساتھ پانچ ہزار سے زائد رومی تھے وہ فوراً پلٹ پڑا اور شدید جنگ شروع ہو گئی، مسلمان بڑی دلیری سے لڑے، ٹامس اور دوسرے سردار مارے گئے، اور ٹامس کی بیوی جو قیصر

کی بیٹی تھی اسے زندہ گرفتار کر لیا گیا مگر ایک سن رسیدہ پادری نے التجا کی کہ لڑکی کو چھوڑ دیا جائے چنانچہ اس کو رہا کر دیا گیا۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ نے جو گیارہ دستے اسلامی فوج کے مقرر کئے تھے ان کی مجموعی تعداد چالیس ہزار کے قریب تھی سب نے اپنے اپنے مقررہ علاقوں میں اسلام کے پرچم بلند کئے اور کہیں ضرورت پڑی تو باہم مل کر بھی دشمنوں کا مقابلہ کیا اور اس طرح وسط جمادی الآخر ۱۳ھ تک ان تمام شورشوں کا خاتمہ کر دیا جو آنحضرتؐ کی وفات کے بعد بلند ہوئی تھیں اور دشمن یہ یقین کر چکے تھے کہ اب اسلام ختم ہو جائے گا۔ (ابن سعد، طبری، یعقوبی، فتوح الشام)

ہدایات و خطوط:۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی اس عادت میں کبھی فرق نہیں آیا کہ آپ نے ہمیشہ مقرر کردہ حکام اور فوجی سپہ سالاروں کو رخصت ہوتے وقت اور پھر ان کے چلے جانے کے بعد نصائح اور ہدایات فرمائیں سپہ سالاروں کو بذریعہ قاصد خطوط لکھے جن میں ان کو سب سے زیادہ اس بات کی طرف توجہ دلائی کہ وہ جو کچھ بھی کریں اس میں اللہ کے تصور اور اس کے خوف کو کبھی نظر انداز نہ ہونے دیں۔

ایک مرتبہ عمرو بن عاصؓ اور ولید بن عقبہؓ کو قبیلۂ قضاعہ کے پاس صدقات و زکوٰۃ کی وصول یابی کے لئے روانہ کیا تو مندرجہ ذیل ہدایات دیں:

"تم جہاں بھی ہو تنہائی میں یا مجمع عام میں اللہ سے ڈرتے رہو، جو اللہ سے ڈرتا ہے اللہ اس کے لئے رزق کا ایک ایسا سبب پیدا کر دیتا ہے جو کسی کے خیال میں بھی نہیں ہوتا ہے۔ اللہ سے

ڈرنے والوں کے گناہ بخشے جاتے ہیں اور ان کے اجر میں زیادتی کی جاتی ہے اللہ کے بندوں کی خیر خواہی بہترین تقویٰ ہے تم اللہ کے ایک ایسے راستہ میں ہو جہاں افراط و تفریط کی مطلق گنجائش نہیں ہے اور اس میں مذہب کی مضبوطی اور خلافت کی حفاظت پوشیدہ ہے لہذا غفلت و سستی کسی طرح تمہارے قریب نہ آنے پائے۔"

یزید بن سفیان جب شام کی مہم پر مامور ہو کر چلے تو آپ نے ان سے ارشاد فرمایا۔

"اے یزید! مجھے اس بات کا بڑا ڈر اور خطرہ ہے کہ کہیں تم اپنی امارت کے ذریعہ اپنے رشتہ داروں اور قرابت والوں کو فائدہ نہ پہونچاؤ۔ یہی وہ چیز ہے جس سے میں ڈرتا ہوں۔ رسول اکرمؐ کا ارشاد ہے کہ جو مسلمانوں کا حاکم مقرر ہوا اور وہ پھر کسی کو رعایتاً بلا استحقاق کسی عہدہ پر مامور کردے تو اس پر اللہ تعالےٰ لعنت فرماتا ہے اور اللہ تعالےٰ اس کے کسی فدیہ اور عذر کو قبول نہ فرمائے گا اور اسے دوزخ میں داخل فرمائے گا۔"

خالد بن ولید نے مالک بن نویرہ کو قتل کر کے اس کی حسین بیوی سے نکاح کر لیا۔ نیز یہ کہ یمامہ کی جنگ میں وہ مجاعہ کے دھوکہ میں آگئے اور مسیلمہ کذاب کی فوجیں بچ کر نکل گئیں، حضرت ابو بکرؓ کو جب ان حالات کی اطلاع ملی تو آپ نے خالد بن ولید کو ان الفاظ میں تہدیدی خط لکھا۔

یہ کس قدر افسوس ناک بات ہے کہ تمہارے خیموں کی طنابوں کے
پاس مسلمانوں کا خون بہ رہا ہے اور تم عورتوں کے ساتھ عیش و
عشرت میں مصروف ہو۔"

ایک مرتبہ خالد بن ولیدؓ نے شام کی سرحد پر رومی اور ایرانی فوجوں کو شکست دیکر آس پاس کے تمام علاقہ پر قبضہ کر لیا اور جب اطمینان ہو گیا تو حج کے شوق میں چپکے سے مکہ چل دیئے، اگرچہ بھیس بدل کر حج کیا مگر پھر بھی پہچان لئے گئے کسی نے دربار خلافت میں خبر کر دی۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ کو سخت ناگوار ہوا اور پھر اس زمانہ میں محاذ یرموک سے عربی سالاروں نے آپ کو لکھا کہ "ہم سب یرموک میں جمع ہو گئے ہیں مگر ہمارے سامنے دشمن کی فوجیں کثیر تعداد میں پڑی ہوئی ہیں، ہمارا خیال ہے کہ اسلامی فوجوں میں اگر کچھ اضافہ ہو جاتا تو زیادہ اچھا تھا" حضرت ابو بکر صدیقؓ نے اس اطلاع ملنے پر خالد بن ولید کے نام جو خط لکھا اس کا خلاصہ یہ ہے۔

تم فوراً یرموک میں اسلامی فوج سے جا ملو، رومیوں کی کثرت نے ان کو پریشان کر رکھا ہے مگر یاد رکھو وہ حرکت اب مت کرنا جو تم کر چکے ہو، خدا کے فضل سے تم جتنا دشمن کو نقصان پہونچا سکتے ہو کوئی دوسرا نہیں پہونچا سکتا ہے، اور مسلمانوں کے دل جس قدر تم خوش کر سکتے ہو کوئی اور نہیں کر سکتا ہے۔ میں دعا کرتا ہوں کہ شوق جہاد کبھی تمہارے دل سے نہ نکلے اور تم بارگاہ الٰہی سے انعام پاتے رہو، جذبہ جہاد بڑھاتے

رہو اور اللہ سے بھرپور انعام لیتے رہو، دیکھو غرور کو قریب
مت آنے دینا ورنہ تمام محنت اکارت جائے گی اور اللہ
تعالیٰ مدد سے ہاتھ روک لے گا اور اپنے کاموں پر بھروسہ
بھی مت کرو کیونکہ کامیابی اللہ کے لطف و کرم پر موقوف ہے
اور نیک و بد اعمال کی جزا بھی اس کے ہاتھ میں ہے۔"

بعض مورخوں نے چھپ کر حج کرنے کی روایت کو قبول نہیں کیا ہے اور بعض نے لکھا ہے کہ حج تو ضرور کیا تھا اور خلیفۂ اسلام کو ناگوار بھی ہوا مگر نازک موقعوں پر خالد بن ولیدؓ سے زیادہ جیتنے والا اور دشمن کے مقابل داد شجاعت دینے والا کوئی خلیفہ کی نظر میں تھا بھی نہیں اس لئے وہ ان کی ہر خطا کو نظر انداز کرتے رہے اور اس میں سوائے اسلام کی خیر خواہی کے اور کوئی جذبہ نہیں تھا۔

مہم شام کے سلسلہ میں حضرت ابوبکر صدیقؓ نے شرجیل بن حسنہ، عبیدہ بن جراح اور دوسرے دو ایک اسلامی سپہ سالاروں کو حکم دیا کہ لوگوں کو فوج میں بھرتی کرو، چنانچہ بھرتی کے لئے کیمپ کھولے گئے۔ کوشش کی گئی مگر خاطر خواہ تعداد بھرتی نہ ہو سکی تو آپ نے یمن کے مسلمانوں کو جہاد شام میں شریک ہونے کے لئے ایک مراسلہ روانہ فرمایا جس کا مضمون یہ تھا۔

"اللہ کے نام کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ کی طرف سے ان مومنین اور مسلمانوں کے نام جن کو یہ خط سنایا جائے سلام کے بعد معلوم ہونا چاہئے کہ جہاد فریضۂ الٰہی ہے۔

اللہ کی خاطر اپنے مال اور اپنی جان سے جہاد کرو۔ میں نے یہاں کے مسلمانوں کو رومیوں سے جہاد کی دعوت دی ہے وہ سب آمادۂ جہاد ہیں اور جا چکے ہیں، ان کے دلوں میں شوق جہاد موجیں مار رہا ہے۔ اے اللہ کے بندو! تم بھی ان کے ساتھ شریک ہو جاؤ، دو نعمتوں میں سے ایک ضرور ملے گی، شہادت یا غنیمت، اللہ تعالیٰ صرف زبانی اقرار سے خوش نہیں ہوتا بلکہ عملی اطاعت کو پسند کرتا ہے، وہ دشمنوں کو اس وقت تک نہیں بخشے گا جب تک وہ دین حق کو اختیار نہ کر لیں یا مسلمانوں کے ماتحت رہ کر جزیہ دینا قبول نہ کر لیں۔ اللہ دین کی حفاظت فرمائے..... آپ کے دلوں کو ہدایت عطا فرمائے اور برائیوں سے پاک فرمائے اور آپ سب کو مجاہدین صابرین کا اجر عطا فرمائے فقط والسلام۔"

مندرجہ بالا خط آپ نے ۱۲ھ کے حج سے واپس آکر ۱۳ھ میں لکھا تھا، شام پر چڑھائی اور اس کی فتح کا آپ کو پورا یقین تھا اور آپ کے سامنے آنحضرتؐ کے وہ ارشادات تھے جو عبداللہ بن حوالہؓ اور دوسرے صحابۂ کرام کی اس شکایت کے جواب میں فرمائے تھے کہ "ناداری، مفلسی اور غربت ہمارے لئے پریشانی کا سبب بنی ہوئی ہے۔" آپؐ نے صحابۂ کرام کو جواب دیتے ہوئے فرمایا تھا۔

تم کو خوش ہونا چاہئے، میں تمہاری ناداری و غربت سے زیادہ آنے والی خوش حالی سے فکر مند ہوں۔ واللہ یہ اسلام اس وقت تک قائم رہے گا جب تک رومیوں حمیریوں

اور فارسیوں کے ملک نہ فتح ہو جائیں گے اور تمہاری زمین بڑی
چھاؤنیاں نہ قائم ہو جائیں گی ایک شام میں دوسری عراق میں
تیسری یمن میں اور تمہاری مالی حالت اتنی اچھی ہو جائے گی
کہ ایک آدمی سو دینار بھی لیتے ہوئے خوش نہ ہوگا۔"

حضرت ابو بکر صدیقؓ کے لئے شام پر چڑھائی کے سلسلہ میں آنحضرتؐ کے یہ ارشادات بنیادی محرک کی حیثیت رکھتے تھے، بعض مورخین نے کچھ دوسری وجوہات بھی بیان کی ہیں مگر وہ قرین قیاس نہیں ہیں۔

خالد بن سعید جو عمرو بن عاص کے بھتیجے تھے اور جن کو آپ نے تیماء میں شام کے لئے فوجیں بھرتی کرنے پر متعین کیا تھا وہ ایک مرتبہ جوش جہاد میں اپنی حدود سے آگے بڑھ گئے، ایک رومی سپہ سالار نے موقعہ کو غنیمت دیکھتے ہوئے گھیر لیا، خالد بن سعید کے ساتھی بھاگ کھڑے ہوئے، خالد کے بیٹے شہید ہوئے اور بہت سے مسلمان فوجی کام آئے، خلیفۂ اسلام کو اطلاع ہوئی تو آپ نے یہ خط تحریر فرمایا۔

خالد بن سعید! تم جہاں اور جس جگہ ہو وہیں ٹھہرے رہو۔ مدینہ
آکر اپنی شکست کی خبر سے مسلمانوں کے حوصلے پست مت
کرو، مجھے معلوم ہے کہ تم بہادر بھی ہو اور بزدل بھی ہو۔ تم
مصائب کے مقابلہ سے بھاگ نکلتے ہو اور فتح یا شہادت
تک دشمن کا جم کر مقابلہ نہیں کرتے ہو۔"

خالد بن سعید کی شکست نے آپ کے حوصلے پست نہیں کئے۔ بلکہ

ارادوں میں اور زیادہ استحکام پیدا ہوگیا۔ فوج کی بھرتی زیادہ تیز کردی اور جہاں سے بھی مدد مل سکتی تھی وہاں خطوط لکھنا شروع کردیئے۔ اس کے ساتھ ہی آپ نے عمرو بن عاص کو جو تحصیل زکوٰۃ کی خدمات انجام دے رہے تھے لکھا کہ "اے ابو عبداللہ! میں چاہتا ہوں کہ تم کو ایک ایسے کام پر لگا دوں جو موجودہ کام کی نسبت تمہارے لئے دین اور آخرت دونوں میں زیادہ فائدہ مند ہو۔" اس کے بعد آپ نے شام کے مختلف محاذوں پر کام کرنے والے سپہ سالاروں کے نام مندرجہ ذیل مراسلہ روانہ فرمایا۔

"آپ سب حضرات جمع ہوکر ایک لشکر بن جایئے اور پھر مشرکوں کی بڑی فوجوں کا اپنی متحدہ طاقت سے مقابلہ کیجئے۔ آپ لوگ اللہ کے جاں نثار ہیں اور اللہ اپنے جاں نثاروں کی مدد فرماتا ہے اور باغیوں سے بیزار ہے، قلتِ تعداد کی وجہ سے آپ کبھی نہیں ہار سکتے ہیں، دس ہزار فوجوں کا دس ہزار یا زیادہ سے شکست کھانا ان کی بداعمالی پر منحصر ہے، لہٰذا اعمالِ صالح سے غافل نہیں ہونا چاہیئے اور ہر ایک سپہ سالار اپنی فوج کے ساتھ الگ الگ نماز ادا کرتا رہے۔"

یزید بن ابی سفیان جو دریائے اردن کے علاقوں کی تسخیر میں مصروف تھے اور انہوں نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ "شاہ روم کے دِل میں اللہ نے ایسا خوف ڈالا کہ وہ فلسطین چھوڑ کر انطاکیہ چلا گیا

مگر شام کے ان رئیسوں نے جن سے ہمارا معاہدہ ہو چکا ہے اطلاع دی ہے کہ ہرقل نے بیرون شام سے فوجوں کو طلب کیا ہے اور بڑے سامان کے ساتھ حملہ کی تیاریاں ہو رہی ہیں۔ آپ فرمائیں کہ اب ہم کو کیا کرنا چاہئے"۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے جواب میں تحریر فرمایا۔

جس دین کے قیام کے لئے کل اللہ دشمنوں کے دلوں میں رعب ڈال چکا ہے اور ہماری مدد فرما چکا ہے آج بھی ہم اسی دین کی دعوت دے رہے ہیں! قسم ہے تمہارے رب کی جو لوگ اللہ کو ایک مانتے ہیں ان کا انجام ان لوگوں کا سا نہیں ہوگا جو کئی خداؤں کے قائل ہیں، جب مقابلہ ہو تو ٹوٹ پڑنا اور خوب لڑنا، اللہ ہرگز تمہاری مدد سے ہاتھ نہیں روکے گا، اس نے فرمایا ہے کہ قلت اس کے کرم سے کثرت پر غالب آجاتی ہے، میں انشاءاللہ پے در پے تمہاری مدد کے لئے فوجیں روانہ کرتا رہوں گا"۔

حضرت ابوعبیدہؓ نے اپنے محاذ سے خلیفۂ اسلام کی خدمت میں لکھا کہ "میرے جاسوسوں نے اطلاع دی ہے کہ بیرون شام سے امدادی فوج کے دستے شاہ روم کے پاس پہونچ چکے ہیں اور اس نے اپنے سالاروں کو لکھا ہے کہ تمہارے ایک بڑے شہر کی آبادی تمام عرب فوجوں سے زیادہ ہے، ڈرنا نہیں، لڑو میں امدادی دستے برابر روانہ کرتا رہوں گا جو

تمہارے پیچھے لگے رہیں گے اور مجھے یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ مسلمان گھبرا رہے ہیں۔"

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان کو جواب میں تحریر فرمایا۔

"تمہارا خط ملا۔ خدا کی قسم زمین اپنی تمام وسعتوں کے باوجود تمہاری موجودگی کی وجہ سے ان پر تنگ ہو جائے گی، خدا کی قسم مجھے امید ہے کہ تم شاہ روم کو انطاکیہ سے نکالنے میں کامیاب ہو جاؤ گے تم اپنی فوجوں کو کھیتوں اور دیہاتوں میں پھیلا دو اور ان کو اناج اور چارہ سے محروم کر دو، بڑے شہروں کا محاصرہ بحکم ثانی تک مت کرنا، اگر دشمن لڑنے بڑھے تو تم بھی بڑھو خدا سے دعا کرو غلبہ حاصل ہو گا، خدا کے فضل سے نہ تو تمہاری تعداد کم ہے اور نہ تم کمزور ہو پھر لڑنے سے گھبرانا کیا معنی رکھتا ہے، اللہ فتح دے گا اور دشمن پر غالب کرے گا۔"

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے خطوط ایک بڑے دفتر کی حیثیت رکھتے ہیں۔ قدیم مورخین نے پوری تفصیل سے ان کو حوالہ قلم کیا ہے۔ مندرجہ بالا خطوط ایک مختصر اقتباس ہے جسے گنجائش کے پیش نظر اختیار کیا گیا ہے۔ بہرحال ان چند خطوط سے یہ اندازہ لگانا بہت آسان ہو جاتا ہے کہ دور فاروقی رضی اللہ عنہ میں مسلمانوں کو جس قدر فتوحات ہوئیں ان کی ابتداء حضرت ابو بکر صدیق کے ہاتھوں ہوئیں اور جو راستے انہوں نے قائم کئے اس پر چل کر

مگر ان لوگوں نے شاہان شام وعراق اور ایران کے تختے الٹنے میں کامیابی حاصل کی۔ (فتوح الشام، طبری، ابن سعد، تاریخ اسلام ذوق)

خدمت قرآن ● مرتدین کی سرکوبی اور جھوٹے نبیوں کے استیصال کے ساتھ حضرت ابو بکر صدیقؓ کے زمانہ خلافت کی ایک شدید ضرورت یہ بھی تھی کہ قرآن کریم پر پوری توجہ دی جائے اور ہمیشہ کے لئے جمع و ترتیب کا سلسلہ قائم کیا جائے تاکہ پڑھنے والوں میں کسی وقت کوئی اختلاف نہ پیدا ہو سکے، یہ کام بھی دوسرے کاموں سے کم اہم نہیں تھا اور ایسے حالات میں جبکہ بہت سے قراء وحفاظ آنحضرت کی حیات میں اور بہت سے یمامہ کی خوں ریزی میں جام شہادت نوش کر چکے تھے، یہ وہ حضرات تھے جن کو قرآن کریم موجودہ ترتیب کے ساتھ الحمد سے والناس تک حفظ یاد تھا۔ بہت سے صحابہ ایسے بھی تھے جن کے پاس اس کے متفرق ٹکڑے لکھے ہوئے تھے، خلافت صدیق کے قیام تک کسی کو اس کا خیال نہیں تھا کہ قرآن کریم جمع کیا جائے اس کی وجہ یہ بھی کہ خود آنحضرتؐ نے کبھی اس کی ضرورت ظاہر نہیں کی پھر مسلمانوں کو کیسے خیال پیدا ہوتا مگر حضرت ابو بکر صدیق کی خلافت کے زمانہ میں جنگ یمامہ میں صحابہ کرام کی شہادت نے یہ احساس پیدا کیا، حضرت عمر بن خطابؓ نے سب سے پہلے خلیفۂ اسلام کی خدمت میں یہ درخواست کی کہ قرآن کریم کو محفوظ کر لیا جائے کیونکہ حفاظ قرآن کی شہادت کے بعد یہ اندیشہ پیدا ہو گیا ہے کہ کہیں قرآن کریم کا کوئی حصہ ذہنوں سے محو نہ ہو جائے،

ضائع ہونے کا تو خیال ہی نہیں کر سکتے تھے جبکہ اللہ تعالیٰ نے اس کی حفاظت کا خود وعدہ کر لیا تھا۔ حضرت صدیقؓ نے جواب میں فرمایا کہ جو کام آنحضرتؐ نے نہیں کیا میں اسے کس طرح کر سکتا ہوں مگر حالات پر غور کرنے کے بعد وہ بھی اس کی ضرورت کو محسوس کرنے لگے اور اللہ تعالیٰ نے ان کے سینہ کو کھول دیا اور آپ پوری توجہ سے اس اہم کام کی تکمیل میں لگ گئے۔ حضرت ابو بکرؓ نے زید بن ثابت انصاریؓ سے فرمایا کہ تم اس خدمت کو اپنے ذمہ لے لو۔ شروع میں ان کو بھی یہی عذر ہوا کہ آنحضرتؐ نے نہیں کیا تو پھر میں کیسے کروں مگر خلیفۂ اسلام کے اصرار سے ان کی سمجھ میں بھی آگیا اور وہ اس خدمت کی انجام دہی میں مصروف ہو گئے۔

امام بخاری کا بیان ہے کہ زید بن ثابتؓ نے فرمایا کہ "اگر میرے اوپر پہاڑ کو بھی لاد دیا جاتا تو میں اس کے بوجھ کو اٹھا لیتا مگر یہ بوجھ بہت سخت تھا اس لئے میں نے دونوں حضرات کی خدمت میں عرض کیا کہ آپ صاحبان مجھے وہ کام کرنے کا حکم دے رہے ہیں جو خود آنحضرتؐ نے نہیں کیا"۔ بہر حال حضرت زیدؓ خلیفۃ المسلمین کے اصرار اور ارشاد سے راضی ہو گئے اور اس کام کو اپنے ذمہ لینے کے بعد قرآن کریم کے متفرق اجزاء کو ایک کتاب کی شکل دینے میں مصروف ہو گئے۔

قرآن کریم کی ترتیب اور اس کے جمع کرنے کے سلسلہ میں بعض لوگ یہ خیال کرتے ہیں اور اس غلط فہمی میں پڑے ہوئے ہیں کہ آنحضرتؐ کی

حیات میں قرآن کریم کی آیتوں، سورتوں اور عبارتوں میں کوئی ترتیب نہیں تھی مگر یہ غلط ہے اور بہت بڑی غلط فہمی پر مبنی ہے اگر اس خیال کو صحیح مان لیا جائے اور اس غلط فہمی کو دور نہ کیا جائے تو قرآن کریم ایک منتشر مجموعہ بن کر رہ جاتا ہے اور منتشر آیات سے نہ تو کوئی واقعہ سمجھ میں آسکتا ہے اور نہ احکام الٰہی پر عمل کیا جا سکتا ہے، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ جس طرح قرآن کریم کے الفاظ، آیات اور سورتیں الہامی ہیں اسی طرح اس کی موجودہ ترتیب اور سورتوں کے نام بھی الہامی ہیں۔ متعدد احادیث سے واضح ہوتا ہے کہ قرآن کریم کی جس قدر آیات نازل ہوتی جاتی تھیں آنحضرتؐ کے حکم سے صحابۂ کرام ان کو آنحضرت کی بتائی ہوئی ترتیب کے مطابق پتھروں اور چمڑے وغیرہ کے ٹکڑوں پر لکھتے جاتے تھے، ایک سورت جب پوری ہو جاتی تھی تو وہ آپ کے حکم سے ایک علیحدہ نام سے موسوم ہو جاتی تھی اس کے بعد دوسری اور تیسری اور اسی طرح پورا قرآن اور اس کی ترتیب آنحضرت کے زمانہ مبارکہ میں مدون ہو چکی تھی، اگر اس سے انکار کر دیا جائے تو پھر وہ احادیث کس طرح صحیح ہو سکتی ہیں جن میں کہا گیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فلاں فلاں نمازوں میں فلاں فلاں سورتیں پڑھا کرتے تھے مثلاً بخاری و مسلم کی یہ حدیث کہ آنحضرتؐ مغرب کی نماز میں سورۂ طور پڑھا کرتے تھے، یا یہ کہ عشاء میں سورہ والتین پڑھا کرتے تھے یا فجر میں سورۂ ق پڑھا کرتے تھے یا جمعہ کے دن فجر کی دوسری رکعت میں سورۂ دہر کی قرأت فرمایا کرتے تھے اور اسی قسم کی احادیث صحاح کی کتابوں میں کثرت سے

پائی جاتی ہیں جن سے واضح ہوتا ہے کہ قرآن کریم کی ترتیب اور سورتوں کے نام وہی ہیں جو آنحضرت کو بذریعہ وحی بتائے گئے تھے اور پھر آپ نے صحابۂ کرامؓ کو لکھوائے تھے۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ کے حکم سے حضرت زید بن ثابتؓ نے صرف یہ کیا کہ متفرق اجزاء کو مدون کر کے ایک کتابی شکل دے دی جیسا کہ علامہ ابن حجر عسقلانیؒ فتح الباری کی نویں جلد کے شروع میں لکھتے ہیں۔

"اللہ تعالےٰ نے قرآن کریم میں اپنے اس ارشاد یَتْلُوْا صُحُفًا مُّطَهَّرَةً" میں واضح کر دیا ہے کہ قرآن شریف صحیفوں میں جمع ہے، واقعی قرآن کریم صحیفوں میں لکھا ہوا تھا مگر اس کے اجزا متفرق اور منتشر تھے، حضرت ابوبکر صدیقؓ نے ان کو ایک جگہ جمع کر دیا اور پھر ان کے بعد یہ محفوظ رہا۔ یہاں تک کہ حضرت عثمانؓ نے اسی کے مطابق بہت سے نسخے نقل کرا کر مختلف شہروں میں بھیج دیئے۔"

غرض وہ کتاب عظیم جسے ہم قرآن کریم کہتے ہیں اور جو آج ہمارے ہاتھوں میں موجود ہے اس کی موجودہ ترتیب یعنی کتابی شکل حضرت ابوبکر صدیقؓ کے حکم، فاروق اعظمؓ کی تحریک اور حضرت زید بن ثابت انصاریؓ کی کوششوں کا نتیجہ ہے، حضرت زیدؓ ان خوش قسمت صحابہ میں سے ایک ہیں جن کو آنحضرتؐ کی حیات میں کاتب وحی رہنے کا شرف حاصل ہوا اور جن کے لئے آنحضرتؐ نے ارشاد فرمایا کہ میرے بعد ان سے

قرآن حاصل کرنا۔ (احمد بن حنبل)

حضرت زیدؓ نے بڑی ذمہ داری اور احتیاط سے اس خدمت جلیلہ کو پایۂ تکمیل تک پہونچایا۔ آپ نے ان تمام صحابہ سے مدد لی جن کو قرآن کریم حفظ تھا، ہر نماز کے بعد مسجد نبوی میں اس کام کو انجام دیا جاتا، جن حضرات کو زبانی یاد تھا یا جن کے پاس لکھے ہوئے اجزا موجود تھے سب کو ایک جگہ ترتیب وار جمع کرنے کی کوشش شروع کر دی گئی۔ اور جب یہ متفرق اجزا جمع ہو کر کتابی شکل میں آ گئے تو پھر اس کتاب (نسخۂ قرآن) کو خلافت اسلامیہ کے خزانہ میں حضرت ابوبکر صدیقؓ نے محفوظ کر دیا جو آپ کی وفات کے بعد حضرت عمرؓ کے قبضہ میں آیا۔ قرآن کریم کے متعلق بعض اہم تفصیلات کا ذکر آئندہ صفحات میں انشاءاللہ سپرد قلم کیا جائے گا۔

وفات واستخلاف ◆ مرتدین کی شرارتوں سے فارغ ہونے کے بعد آپ نے شام کی مہم پر جو اسلامی فوجیں بھیجی تھیں وہ کئی محاذوں پر فتح حاصل کرنے کے بعد اجنادین، کے مقام پر رومیوں سے قوت آزمائی کر رہی تھیں، یہ دونوں فوجوں کا مرکزی محاذ تھا، اگر رومیوں نے اپنی بہترین فوج ایک لاکھ کے قریب اس محاذ پر لگا دی تھی تو مسلمانوں کے بھی تمام نامور سپہ سالار اپنی اپنی فوجوں کو لئے ان کے مدمقابل داد شجاعت دے رہے تھے ابھی اس عظیم مورچہ پر مسلمان فتح کا پرچم بلند بھی نہیں کرنے پائے تھے کہ مدینہ میں خلیفۂ رسول اللہ حضرت ابوبکر صدیقؓ بیمار ہو گئے۔

اچانک بخار آیا اور چند ہی روز میں اتنے کمزور ہو گئے کہ مسجد جانے

سے بھی رہ گئے، حضرت عمرؓ سے فرمایا، تم امامت کرو، بعض مؤرخین جیسے الفداء وغیرہ کا بیان ہے کہ وفات کی وجہ اس زہر کا اثر تھا جو آپ کو ایک یہودی نے گوشت میں ملا کر کھلایا تھا اور اسے آپ نے حارث بن کلاہ کے ساتھ مل کر کھایا تھا اور جس کے کھاتے ہی دونوں کی صحتیں گرنے لگی تھیں اور پھر ایک سال کے اندر ہی دونوں اس جہان سے رخصت ہو گئے غرض وجہ کوئی بھی ہو بیماری نے شدت اختیار کر لی، حالات بگڑتے گئے اور زندگی سے مایوسی بڑھتی گئی۔ اسی حالت میں آپ کو یہ فکر بھی دامن گیر ہوئی کہ میرے بعد کہیں مسئلہ خلافت میں پھر کوئی باہمی نزاع نہ پیدا ہو۔ یہ خیال کچھ ایسا دل نشین ہوا کہ آپ نے کئی مقتدر صحابہ کو اپنے پاس بلا کر اس سلسلہ میں مشورہ کیا، حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ، حضرت طلحہؓ، حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ سبھی تشریف لائے اور سب نے حضرت عمرؓ کے خلیفہ بنائے جانے کی تائید کی۔ البتہ ان کے مزاج کی سختی پر بعض حضرات نے تشویش کا اظہار کیا، حضرت عثمانؓ نے فرمایا، میرے خیال میں عمرؓ کے ظاہر سے باطن اچھا ہے، حضرت طلحہؓ کو بھی یہی شکایت تھی مگر آپ نے فرمایا، خلافت کا بوجھ مزاج کی شدت کو نرمی سے بدل دے گا۔ ایک اور صاحب فرمانے لگے آپ عمر کے تشدد سے خوب واقف ہونے کے باوجود ان کو اپنا جانشین بنا رہے ہیں، ذرا سوچ لیجئے یہ نازک وقت ہے اور آپ خدا کے پاس جا رہے ہیں، پوچھا گیا تو کیا جواب دیں گے؟ بڑے اطمینان سے جواب دیا اور فرمایا۔ میں کہدونگا کہ مولیٰ تیرے

بندوں میں سے جسے سب سے بہتر دیکھا اسے چن لیا ـــــ سبھی کی تسلی ہو گئی اور آپ نے حضرت عثمان ابن عفانؓ سے فرمایا، خلافت نامہ تحریر کرو حضرت عثمانؓ لکھنے لگے، چند سطریں لکھی گئی تھیں کہ ضعف میں ڈوب گئے، ہوش آنے میں ذرا دیر لگی تو حضرت عثمانؓ نے حضرت عمرؓ کا نام خود ہی لکھدیا غش سے چونکے تو فرمایا سناؤ کیا لکھا ہے؟ حضرت عثمانؓ نے وہ بھی سنا دیا جو اپنی طرف سے لکھا تھا، حضرت عمرؓ کا نام سن کر اللہ اکبر کہہ اٹھے اور بولے، اللہ تعالیٰ تم کو جزائے خیر عطا فرمائے تم نے تو میرے دل کی بات لکھدی' ابن سعد نے طبقات کی تیسری جلد میں وصیت نامہ کا تفصیل سے ذکر کیا ہے جس کا اقتباس یہ ہے۔

"یہ وصیت نامہ ابو بکر ابن قحافہ کی طرف سے ہے جو عہد دنیا کے آخر اور عہد آخرت کی ابتداء کے وقت لکھوایا گیا ہے (یعنی زمانہ علالت اور آخری وقت میں) اور یہ وہ وقت ہے جبکہ کافر بھی ایمان لے آتا ہے اور جھوٹا بھی سچ بولنے لگتا ہے، میں نے مسلمانوں پر عمر بن خطاب کو اپنا جانشین اور خلیفہ مقرر کیا ہے اور اسی میں مجھے مسلمانوں کی بھلائی اور خیر خواہی معلوم ہوئی ہے، اگر عمر ابن خطاب نے صبر و عدل سے کام لیا تو میرا خیال درست ہے اور اگر ان سے کسی طرح کی برائی ظاہر ہو تو مجھے علم غیب نہیں تھا، میں نے جو کچھ کیا ہے وہ محض مسلمانو کی بھلائی کے پیش نظر کیا ہے"۔

وصیت نامہ جب مرتب ہو چکا تو اس پر مُہر لگا دی گئی اور پھر آپ نے فرمایا کہ مجمع عام میں اس وصیت نامہ کو پڑھ کر سنا دو، پھر خود بھی مسلمانوں کے اجتماع میں تشریف لائے اور فرمایا "میں نے اپنے کسی رشتہ دار یا بھائی وغیرہ کو خلیفہ نہیں بنایا ہے بلکہ ایسے شخص کو بنایا ہے جو مسلمانوں میں بہتر مرتبہ کا مالک ہے اور میں نے یہ انتخاب صرف اپنی ذاتی رائے سے نہیں کیا ہے بلکہ جلیل القدر اصحاب رسول ؐ کا مشورہ بھی اس میں شامل ہے، مجھے امید ہے کہ آپ سب حضرات بھی اس انتخاب کو پسند فرمائیں گے"۔ تمام مسلمانوں نے آپ کی رائے کی تائید کی، آپ نے مسلمانوں کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا۔ بس آپ سب کا فرض ہے کہ عمر ابن خطاب کی اطاعت کریں"۔

مجمع عام سے گھر میں تشریف لے گئے، حضرت عمرؓ کو پاس بلایا اور چند مفید ہدایتیں دیں، وہ کہنے لگے آپ میرے اوپر بہت بڑا بوجھ ڈال رہے ہیں، حضرت ابو بکرؓ نے فرمایا۔ میں جانتا ہوں کہ تم خلافت کے خواہاں نہیں ہو مگر حالات کا اقتضاء ہے کہ یہ ذمہ داری تمہارے ہی کاندھوں پر رکھی جائے"۔

اسی عالم میں جبکہ آپ وصیت کر رہے تھے اور بیماری اپنے آخری نکتہ پر پہونچ چکی تھی ایک اسلامی سپہ سالار مثنیٰ بن حارثہ نے حاضر ہو کر عرض کیا کہ" ایرانی مسلمانوں پر حملہ کی بے پناہ تیاریوں میں مصروف ہیں اور انکی یہ کوشش مسلمانوں کے لئے ایک شدید خطرہ کی حیثیت رکھتی ہے"۔ حالت اگرچہ نازک ہو رہی تھی مگر آپ اس تشویش ناک خبر کو سنتے ہی سنبھل

گئے اور حضرت عمرؓ کو بلا کر فرمایا: ایران کی طرف سے کسی وقت غفلت مت کرنا اور مثنیٰ بن حارث کی مدد کے لئے تازہ دم لشکر عراق کی جانب روانہ کر دینا تا کہ ایرانیوں کو عرب و عراق کی طرف رخ کرنے کی ہمت نہ ہو سکے۔ ان ضروری امور سے فارغ ہو کر آپ گھریلو معاملات کی طرف متوجہ ہوئے اور حضرت عائشہؓ سے فرمایا کہ میں نے مدینہ اور بحرین میں جو جاگیر تم کو دی ہے کیا تم اس میں اپنے دوسرے بھائی بہنوں کو بھی شریک کر لو گی؟ حضرت عائشہؓ نے عرض کیا جی ہاں میں ان کو بھی شریک کر دوں گی، پھر فرمایا۔ عائشہ! میرے پاس بیت المال کی ایک لونڈی اور دو اونٹنیاں ہیں ان کو میرے بعد حضرت عمرؓ کے پاس بھیج دینا اور بھی کوئی چیز اگر گھر میں نظر آئے تو اسے بھی ان ہی کے سپرد کر دینا، پھر فرمایا۔ جو کپڑے میں پہنے ہوئے ہوں ان ہی کو دھو کر کفن میں استعمال کر لینا، حضرت عائشہؓ نے کہا یہ تو پرانے ہیں فرمایا کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ نئے کپڑوں کی ضرورت مردوں سے زیادہ زندوں کو ہے میرے لئے یہی ٹھیک ہیں ——— اس کے بعد حالت زیادہ بگڑ گئی، آپ نے پوچھا آج کیا دن ہے، کہا گیا دوشنبہ ہے، پوچھا آنحضرتؐ نے کس دن وفات پائی تھی، سب نے کہا دوشنبہ کے دن، فرمایا بس میری بھی یہی آرزو ہے کہ آج شام تک اس جہاں سے رخصت ہو جاؤں، چنانچہ یہ آخری تمنا بھی خدا نے پوری کر دی اور آپ پیر کے دن منگل کی شب کے ابتدائی حصہ میں ۲۲ جمادی الآخر ۱۳ھ میں اپنے رب کے پاس تشریف لے گئے۔ وصیت کے مطابق رات ہی کو آپ کی بیوی حضرت اسماء بنت عمیسؓ نے غسل

دیا۔ پرانے کپڑوں کے کفن میں لپیٹے گئے، حضرت عمرؓ نے جنازہ کی نماز پڑھائی حضرت عثمانؓ، حضرت طلحہؓ، حضرت عبدالرحمٰن بن ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ نے مل کر قبر میں اتارا مسلمانوں نے مٹی دی اور وہ جس نے قریش میں سب سے پہلے دعوت اسلام کو قبول کیا جو غار میں رسول پروردگار کا رفیق رہا جس کی زندگی کا ہر لمحہ اسلام کے لئے وقف رہا اپنے پیارے رسولؐ کی آغوش میں دائمی نیند سو گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

انتقال کے وقت ۶۳ سال کی عمر تھی، آپ کے والد حضرت ابو قحافہ زندہ تھے اور ان کی عمر ۹۷ برس کی تھی، لائق بیٹے کی جوانی، خدمت اسلام اور منصب خلافت دیکھنے والے بوڑھے ابو قحافہ کو بہت غم ہوا اور اسی غم میں چند روز زندہ رہ کر سفر آخرت اختیار کیا۔ (طبقات ابن سعد)

نظام خلافت ● اگر غور سے دیکھا جائے تو عہد صدیقی کے سوا دو برس ان کے عظیم کارناموں کے لحاظ سے سوا دو سو برس پر بھاری معلوم ہوتے ہیں، بلاشبہ حضرت عمر ابن خطابؓ نے روم و ایران کے دفتر الٹ دیئے مگر ان کی کامیابیاں کس کے قائم کردہ نظام کی بدولت تھیں؟ مختصر وقفہ میں جو دستور العمل خلافت اسلامیہ کے لئے آپ نے قائم کر دیا تھا وہ آخر تک سب کے لئے نشان راہ ثابت ہوا، کون نہیں جانتا کہ آنحضرت کی وفات کے بعد عرب کی سرزمین ایک دفعہ پھر گمراہی کا گہوارہ بن گئی تھی، مدعیان نبوت اور مرتدین اسلام اس کثرت سے سر اٹھا رہے تھے کہ لوگوں کو یہ یقین ہو چلا تھا کہ اسلام کی جو شمع رسالت ۔ ۔ ۔ مآب نے جلائی

تھی اب زیادہ دیر روشن نہ رہ سکے گی مگر حضرت ابوبکر صدیق کے عزم و استقلال نے مسلمانوں کے حوصلے کچھ اس طرح بلند کئے کہ جھوٹی نبوت اور ارتداد کا سیلاب عظیم خس و خاشاک کی طرح بہ گیا، کفر و الحاد کے جو بادل پورے زور شور سے اٹھے تھے ایسے چھٹے کہ پھر کبھی منڈلا نہ سکے۔

سرکشوں کی سرکوبی سے فارغ ہوئے اور فتوحات کی طرف توجہ کی تو خلافت اسلامیہ کی حدود کو عراق، ایران اور شام سے ملا دیا، یہ قدم ایسے اخلاص اور جذبۂ اعلامی سے سرشار ہو کر اٹھایا کہ آپ کے بعد آنے والے خلفاء کے قدم بھی اٹھتے اور بڑھتے ہی چلے گئے۔

درحقیقت آنحضرت ؐ کی وفات شریف کے بعد خلیفۂ اسلام اور جانشین رسول ؐ کی حیثیت سے جو حکومت آپ کے ہاتھ میں آئی وہ خالص اسلامی اور دینی حکومت تھی، ہر شعبۂ زندگی سے متعلق مذہبی، سیاسی اور اخلاقی احکامات موجود تھے مگر کوئی باقاعدہ نظام نہیں تھا اور نہ کوئی بنا بنایا دستور العمل تھا جس کو آپ تخت خلافت پر بیٹھتے ہی چلانے لگتے، آپ نے اس نئی اور ابتدائی حکومت کو ہاتھ میں لیتے ہی بہت سی ضرورتیں محسوس کیں اور اس بات کی سخت کوشش کی کہ جلد سے جلد قرآن کریم اور سنت رسول ؐ کی روشنی میں ایک ایسا نظام حکومت اور دستور العمل مرتب ہو جائے جو نہ صرف پائیدار ہو بلکہ غیر فانی ہو تا کہ مسلمانوں کے قدم کسی جگہ رک نہ سکیں اور وہ اس نظام کے تحت برابر آگے بڑھتے اور مضبوط ہوتے رہیں، یہ کام جتنا ضروری تھا اس سے کہیں زیادہ مشکل بھی

تھا۔ آپ چاہتے تو اپنی تنہا رائے سے بھی بہت کچھ کر سکتے تھے قرآن و سنت کا کوئی گوشہ ایسا نہیں تھا جو آپ کی نظروں سے اوجھل ہو مگر آپ نے خلافت کو جمہوری حکومت کی حیثیت سے مضبوط کیا گویا جمہوری حکومت کی بنیاد ڈالی اور ہر موقعہ پر اس بات کی پوری کوشش کی کہ تمام اہم امور میں ممتاز صحابہ کرامؓ سے مشورہ کیا جائے، ان کی رائے معلوم کی جائے اور اس کے بعد کوئی قدم اٹھایا جائے یہی وجہ تھی کہ آپ اہل الرائے صحابہ کرامؓ کو مدینہ سے غیر حاضر نہیں رہنے دیتے تھے، حضرت عمرؓ نے جب حضرت اسامہؓ کے ساتھ جانے کی تیاریاں کیں تو آپ نے حضرت اسامہؓ سے کہا کہ حضرت عمرؓ کو مدینہ میں چھوڑ دو تاکہ میں ضرورت کے وقت ان سے اہم امور میں مشورہ لے کر سکوں۔ ابن سعد کا بیان ہے کہ

> "حضرت ابوبکر صدیقؓ کو جب کوئی کام درپیش ہوتا تو آپ صحابہؓ کرام کو اپنے پاس بلاتے تھے۔ ان میں مہاجرین و انصار کے اہل الرائے اور فقہاء ہوتے تھے جیسے حضرت عمرؓ حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ، حضرت عبدالرحمٰن ابن عوفؓ، حضرت معاذ بن جبلؓ حضرت ابی ابن کعبؓ اور حضرت زید بن ثابتؓ وغیرہ —— یہ سب وہ حضرات تھے جو عہد صدیقؓ میں فتویٰ دیا کرتے تھے۔"

حضرت صدیق اکبرؓ نے ملک کے نظم و نسق کو چلانے کے لئے عرب کو متعدد صوبوں میں تقسیم کر دیا تاکہ کام کرنے میں آسانی ہو اور نظام حکومت

کی پورے طور پر نگرانی کی جا سکے۔ مدینہ، مکہ، طائف، صنعاء، نجران، بحرین، حضرموت اور دومۃ الجندل یہ سب آپ کے قائم کردہ صوبے تھے، آپ نے اس امر کی پوری کوشش کی کہ تمام صوبوں میں ایسے حضرات کو عامل یا گورنر مقرر کیا جائے جو آنحضرتؐ کی حیات میں کسی عہدہ پر مامور رہ چکے ہوں اور جن کی دیانت، تجربہ اور عقل و دانش مسلم ہو چنانچہ اسی بنیاد پر آپ نے حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ، حضرت ابوعبیدہؓ، حضرت خالد بن ولید، حضرت عتاب بن اسیدؓ، حضرت عثمان بن ابی العاصؓ، حضرت مہاجر بن امیہؓ، حضرت زیاد بن لبیدؓ اور علاء بن الحضرمی کا انتخاب کیا اور اس کے ساتھ ہی یہ کوشش بھی کی کہ جو شخص آنحضرتؐ کی حیات میں جس قسم کی خدمات انجام دے رہا تھا اسے اس خدمت پر قائم رکھا جائے۔

حضرت صدیقؓ اکبر کی عادت تھی کہ آپ جس کو بھی کسی خدمت پر مامور فرماتے اس کی طرف سے کبھی غافل نہیں رہتے اس کے کاموں کی تفصیلات لوگوں سے پوچھتے رہتے اور اگر کوئی بات قابل اعتراض نظر آتی تو اس کی فوراً اصلاح فرماتے، یہ بات آپ ہرگز پسند نہیں کرتے تھے کہ کوئی با اختیار شخص اپنے اختیارات کو غلط استعمال کرے چنانچہ یزید بن ابی سفیان کو امارت سپرد کرتے وقت آپ نے صاف طور پر کہدیا تھا کہ مجھے تمہاری طرف سے اندیشہ ہے کہ تم اپنے رشتہ داروں کو فائدہ پہونچاؤ گے، باوجود اس کے کہ آپ

انتہائی نرم مزاج اور چشم پوش واقع ہوئے تھے لیکن عہدہ داروں کی نگرانی اور ان کی خطاؤں پر سخت گرفت فرماتے تھے، خالد بن ولید جیسے سپہ سالار کو ان کی غلطی پر اس شدت سے ٹوکا کہ اگر محاذ جنگ پر ان کی ضرورت محسوس نہ ہوتی تو اس عہدہ پر وہ کبھی ہرگز برقرار نہیں رہ سکتے تھے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں فوج کا کوئی باقاعدہ نظام قائم نہیں تھا بلکہ آپؐ کی عادت تھی کہ جب ضرورت ہوتی تھی مسلمانوں کو جہاد کے لئے جمع ہونے کا حکم فرما دیتے تھے۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ کچھ عرصہ تک اس اصول پر چلتے رہے مگر جب آپ نے دیکھا کہ شام و عراق کی مہم میں اس بات کی ضرورت ہے کہ مدینہ میں بھی کچھ فوج موجود رہے تاکہ بروقت فوجی دستے ان کی امداد کے لئے روانہ کئے جائیں تو آپ نے مدینہ کے باہر فوجی کیمپ قائم کر دیئے، چنانچہ جب بھی کسی مہم سے فوج کی مانگ آتی آپ ان ہی کیمپوں سے امدادی دستے روانہ فرمایا کرتے تھے۔ ہر دستہ پر ایک افسر مقرر ہوتا تھا۔ تمام اسلامی فوجوں پر ایک سپہ سالار اعظم سب سے پہلے آپ ہی نے مقرر کیا۔

اسی طرح آپ کو سامان جنگ کی بھی بڑی فکر رہا کرتی تھی، خلافت اسلامیہ کی آمدنی کے ایک بڑے حصہ سے آپ سامان جنگ کی خریداری فرمایا کرتے تھے، مال غنیمت کا وہ حصہ جو اللہ اور رسول کا حق تھا اسے آپ نے فوجی مصارف کے لئے وقف کر دیا تھا، بیشمار جانور مثلاً گھوڑے،

اونٹ وغیرہ مدینہ کے باہر کئی چراگاہوں میں صرف اس لئے پرورش پایا کرتے تھے کہ اسلامی فوج کی ضرورت کے وقت کام آئیں۔

فوجی نظام کی مضبوطی کے علاوہ آپ کی نظر فوجیوں کے کردار پر بھی رہا کرتی تھی، آپ کبھی کبھی محض اس لئے فوجی چھاؤنیوں کا معائنہ فرمایا کرتے تھے کہ فوجیوں کی اخلاقی حالت کا اندازہ لگائیں، آپ نے اس بات کی ہمیشہ کوشش کی کہ اسلامی فوج جس طرح اپنی قوت سے دشمنوں کو مرعوب کر سکے اسی طرح وہ اپنی اخلاقی صفات سے بھی غیر مسلموں کے دلوں میں اسلامی خصوصیات کے نقش بٹھا سکے۔ چنانچہ جب بھی کوئی فوجی دستہ آپ سے رخصت ہوتا تو آپ تھوڑی دور اس کے ہمراہ جاتے اور بہترین نصیحتیں فرما کر واپس آتے تھے۔

ملک میں قیام امن کی ضرورت کو آپ نے کبھی نظر انداز نہیں کیا، اس بات کا بہت خیال رکھتے تھے کہ آنے جانے والے راستے میں جان و مال سے محفوظ رہیں، ایک مرتبہ عبداللہ بن ویاس نے رہزنی شروع کر دی اور اسقدر شہرت حاصل کی کہ لوگ آنے جانے سے گھبرانے لگے، شاہراہیں سنسان رہنے لگیں۔ حضرت ابو بکر صدیق نے طریفہ بن حاجز کو اس کی گرفتاری پر مقرر فرمایا۔ طریفہ نے بڑی محنت اور دوڑ دھوپ کے بعد اسے گرفتار کر کے بارگاہ صدیقی میں پیش کیا عبداللہ کے مظالم اتنے زیادہ تھے اور اس کے جرائم اس قدر بڑھ چکے تھے کہ آپ اس کی صورت دیکھ کر اپنے غصہ کو ضبط نہیں کر سکے اور فرمایا، اسے آگ میں جلا دو۔"

آپ نے اپنے آخر عہد میں مالی مشکلات پر قابو پانے کے لئے ایک بیت المال کی بنیاد ڈالی، اس سے قبل آپ کا وہی دستور تھا جو آنحضرت کا تھا کہ جو کچھ آیا اسی وقت مستحقین میں تقسیم کر دیا گیا اور جب ضرورت ہوئی مسلمانوں سے لے لیا گیا، مگر آپ اپنی زندگی میں کوئی لمبی رقم یا زیادہ سامان بیت المال میں جمع نہیں کر سکے اسی لئے کسی کو محافظ مال بنانے کی نوبت نہیں آئی البتہ ایک صحابی آمد و خرچ کی نگرانی پر متعین تھے۔

تاریخ طبری کا بیان ہے کہ آپ کی وفات کے بعد حضرت عمرؓ نے بحیثیت خلیفہ چند صحابہ کی موجودگی میں بیت المال کا جائزہ لیا تو صرف ایک دینار باقی تھا، خزانچی سے پوچھا گیا کہ شروع سے اب تک کتنا مال آیا ہوگا؟ جواب ملا "دو لاکھ" درحقیقت آپ جمع کرنے سے خرچ کرنے کو زیادہ پسند کرتے تھے، یہی وجہ تھی کہ اگر مال زیادہ آجاتا تھا تو زیادہ تقسیم فرما دیتے تھے چنانچہ ابن سعد کی روایت ہے کہ خلافت کے پہلے سال میں آپ نے بلا تفریق سب کو دس دس درہم تقسیم کئے، دوسرے برس مال زیادہ آگیا تو آپ نے بیس بیس درہم تقسیم کر دیئے، کسی نے کہا کہ سب کو ایک برابر یعنی آزاد غلام، مرد اور عورت یہ کیسی مساوات ہے، جواب میں فرمایا، مال کی کمی و زیادتی سے مقام و مرتبہ پر کوئی اثر نہیں پڑتا ہے۔

امور خلافت کی انجام دہی اور نظام خلافت کو بنیادی استحکام دینے کے ساتھ آپ کو اس بات کا بھی پورا خیال تھا کہ آنحضرت نے لوگوں سے جو وعدے وقتاً فوقتاً کئے ہیں وہ جلد سے جلد پورے ہونے چاہئیں

یا کسی کا اگر کوئی قرض آنحضرتؐ کے ذمہ باقی ہے تو اسے ادا کرنا چاہیئے۔ چنانچہ منصب خلافت پر فائز ہوتے ہی آپ نے سب سے پہلے قرضوں اور وعدوں کی طرف توجہ کی، بحرین کی فتوحات کے بعد پہلی مرتبہ جو مال غنیمت آپ کے پاس آیا تو آپ نے اس وقت اعلان کرا دیا کہ جس کسی کا کوئی قرض آنحضرتؐ کے ذمہ باقی ہو یا آنحضرتؐ نے کسی سے کچھ دینے کا وعدہ کیا ہو اسے چاہیئے کہ وہ میرے پاس آئے، حضرت جابرؓ اس اعلان کو سنکر حاضر ہوئے اور کہنے لگے مجھ سے آنحضرتؐ نے وعدہ کیا تھا کہ میں تم کو تین مرتبہ دونوں ہاتھوں سے بھر بھر کر مال عطا کروں گا حضرت صدیقؓ نے آنحضرت کے اس وعدہ کو اسی وقت پورا کیا اور جو مال حضرت جابرؓ کو دیا وہ ڈیڑھ ہزار درہم کے قریب ہوا۔ ایک دوسرے صحابی حضرت ابوبشیر مازنیؓ نے بھی اسی قسم کا ایک وعدہ بیان کیا، آپ نے ان کو بھی ۱۴ سو درہم کے قریب عنایت کیئے۔ (بخاری، ابن سعد)

مذہبی خدمات • حضرت ابوبکر صدیقؓ کو اسلام سے جو والہانہ لگاؤ تھا، وہ محتاج بیان نہیں، جس نے اہل مکہ میں بلا کسی حیل و حجت کے سب سے پہلے اسلام قبول کرنے کی سعادت حاصل کی ہو، جس نے ہر نو وقعہ پر ہر بات کی بے چون وچرا تصدیق کی ہو اور جو ۶۳ برس کی طویل زندگی میں بچپن سے لیکر بڑھاپے تک دامن مصطفےؐ سے کبھی علیحدہ نہ ہوا ہو، مذہب سے اس کے عشق و لگاؤ کا کیا بیان ہو سکتا ہے۔ درحقیقت عشق رسولؐ و عشق مذہب ان کی زندگی کا مقصد اولین بن گیا تھا۔

مکہ میں اسلام پر یلغار کے زمانہ میں آپ نے بڑی سے بڑی صعوبتوں کی پروا نہیں کی وہ مال جو جوانی کی محنتوں اور کاروبار کی دوڑ دھوپ کا نتیجہ تھا اور جس کی تعداد چالیس ہزار سے زیادہ تھی، آپ نے پانی کی طرح اسلامی ضروریات پر بہا دیا، اس محنت کی کمائی سے اسلام لانے والے غلاموں کو خریدنے میں دل پر میل لانا کسے کہتے ہیں بلکہ خریدنے اور خرچ کرنے کے بعد خوشی سے جھومنے لگتے تھے۔

یہ عشق اسلام اور جوش مذہب ہی تو تھا کہ بیوی بچے اور گھربار سب مخالفین کے ہاتھوں میں چھوڑ کر آنحضرتؐ کے رفیق ہجرت بن گئے اور اس ترک اولاد و وطن کے باوجود اتنے خوش تھے گویا دو جہان کی نعمتیں مل گئی ہوں۔ بدر، احد، خندق، خیبر، حدیبیہ، فتح مکہ اور حنین و طائف وہ کونسا معرکہ ہے جہاں آپ نہ نظر آتے ہوں؟

انتخاب خلیفہ کے سلسلہ میں جو پیچیدگیاں پیدا ہو چکی تھیں وہ آپ کی ایک مختصر تقریر سے اس طرح کھل گئیں کہ پھر کبھی الجھ نہ سکیں۔ آنحضرتؐ کے دفن کے سلسلہ میں بات کہاں سے کہاں پہونچ چکی تھی، جنت البقیع میں دفنایا جائے، مکہ لیجایا جائے، ملک شام میں حضرت ابراہیمؑ کے قرب میں سپرد زمین کیا جائے، کتنے خیالات تھے جو مختلف لوگوں کی طرف سے سامنے آرہے تھے مگر آپ نے یہ فرما کر کہ "انبیائے کرام کی روح جہاں قبض کی جاتی ہے وہی جگہ ان کے مزار کے لئے ہوتی ہے" اس بحث کو منٹوں میں ختم کر دیا اور صحابہ کرام مطمئن ہو کر آخری مراسم کی انجام دہی

میں مصروف ہو گئے۔

جھوٹے نبیوں اور سرکشوں کی طرف آپ نے اولین فرصت میں توجہ کی اور اس طوفان کفر و الحاد کو جس ہمت و عزم سے دبایا اور ختم کیا وہ سچ پوچھا جائے تو حضرت عمرؓ کے بس سے بھی باہر نظر آرہا تھا، زکوٰۃ نہ دینے والوں کے مطالبات معمولی نہیں تھے، ارکان اسلام کو توڑنے کے لئے کتنے مقابل اٹھ کھڑے ہوتے تھے، حضرت عمر یہ کہتے ہی رہ گئے کہ ابتدائے خلافت ہے نرمی سے کام لیجئے مگر آپ نے ایک نہیں سنی اور بڑی ہی جرأت و صفائی سے کہدیا کہ لمبی رقمیں تو درکنار میں ایک معمولی تسمے کے لئے بھی جہاد کرونگا" غرض ہر فتنہ کو دبا دیا اور اسلام کی بنیادیں ایسی مستحکم کردیں کہ پھر قیصر و کسریٰ بھی اس کے مٹانے کا خیال دل میں نہ لا سکے۔

منافقین نے حضرت علیؓ کی آڑ میں قصر اسلام کو ڈھانے کی کوئی تدبیر اٹھا نہیں رکھی مگر خلیفۂ رسولؐ نے ان کی خدمت میں پہونچ کر انتہائی انکسار و احترام سے حالات پیش کردیئے اور وہ تمام غلط فہمیاں بڑی جلدی دور ہوگئیں جو آتش فشاں بننے کی تیاریاں کررہی تھیں۔ اسی طرح دختر رسولؐ کو میراث رسولؐ کے سلسلہ میں ابھارا جارہا تھا، آپ نے ان کی خدمت میں پہونچ کر فدک اور خمس کے معاملہ کو بھی طے کردیا اور جناب فاطمہؓ کے دل سے شکوک رفع ہوگئے۔

مذہب کی محبت اور اسلام کی اشاعت آپ کے لئے مقصد زندگی

بن گیا تھا، ہر معاملہ میں آپ چاہتے تھے کہ اسلام کو فروغ حاصل ہو اور دین متین کی زیادہ سے زیادہ اشاعت کی جائے۔ رومیوں اور ایرانیوں کے مقابلہ کے لئے جو فوجیں مدینہ سے روانہ کی جاتی تھیں ان کو سب سے زیادہ تاکید اس بات کی کی جاتی تھی کہ جب مخالفین کے سامنے پہنچو تو سب سے پہلے ان کو اسلام کی طرف بلاؤ، اپنے اخلاق و اعمال سے ان کے دلوں پر اثرات ڈالو اور اس بات کی کوشش کرو کہ ایمان لانے والوں کو قبائل میں بھیج کر اسلام کی تبلیغ کراؤ۔ ان ہدایات کا یہ اثر ہوا کہ خالد بن ولیدؓ اور مثنیٰ بن حارثؓ کی کوششوں سے بنی وائل کے بت پرست اور عیسائی اور عراق و عرب اور شام کے حدود میں بسنے والے بے شمار قبائل اسلام کے دامن سے وابستہ ہو گئے۔ حیرہ کے عیسائی راہب اور یمن کے اشعث نے خود بخود اسلام قبول کر لیا، مدعی نبوت طلیحہ اپنے کئے پر پچھتایا، میدان جنگ سے بھاگا اور اپنا توبہ نامہ خدمت صدیقؓ میں بایں الفاظ بھیج دیا کہ "کیا جناب صدیقؓ اس بات کو قبول کریں گے کہ میں اسلام میں واپس آجاؤں اور جو گناہ مجھ سے ہوا ہے اس کی تلافی کردوں، میں گمراہ ہونے کے بعد توبہ کرتا ہوں اور گواہی دیتا ہوں کہ اب کبھی اسلام سے نہ پھرونگا نہ ہٹونگا۔" حضرت صدیق اکبرؓ نے اس کی غلطی کو معاف کر دیا اور مدینہ میں داخل ہونے کی اجازت مرحمت فرما دی، وہ آیا مگر خلیفۂ رسولؐ دنیا سے جا چکے تھے۔

ذمیوں سے برتاؤ ● حضرت ابو بکر صدیقؓ کو ذمی رعایا کے حقوق کا

بہت خیال رہا کرتا تھا، چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مذاہب غیر کے لوگوں سے معاہدے کیئے تھے، ان کو پناہ دی تھی اور ان کے ساتھ اچھے برتاؤ کا حکم فرماتے تھے اس لئے حضرت صدیق نے بھی ذمیوں کے ساتھ مراعات کو کبھی نظرانداز نہیں کیا، ان کے لئے حقوق متعین کئے مفتوح ممالک میں ذمیوں اور مسلمانوں کے درمیان کوئی ایسا فرق قائم نہیں رکھا جو ان کے دلوں میں اسلام کے متعلق بدگمانیاں پیدا کرنے کا سبب بنے، حیرہ کے باشندوں سے جو معاہدہ کیا گیا اور جو مراعات ان کو دی گئیں اس کا اقتباس درج ذیل ہے جسے پڑھنے سے خلیفۂ اسلام کی رواداریاں آفتاب سے زیادہ روشن ہو جاتی ہیں۔

"معاہدین کی خانقاہیں اور ان کی عبادت گاہیں یعنی گرجا وغیرہ برباد اور تباہ نہ کیئے جائیں اور ان کے قلعہ وغیرہ بھی نہ ڈھائے جائیں جس میں وہ اپنے دشمنوں سے بچنے کے لیئے پناہ لیتے ہیں، ان کے مذہبی رواج کے مطابق ان کو ناقوس وغیرہ بجانے کی اجازت ہو گی، انہیں بس اس بات کی اجازت ہے کہ وہ اپنے مذہبی ایام میں صلیب لیکر نکل سکیں اور اس سلسلہ میں کسی کو انہیں روکنے اور پابندی لگانے کی اجازت نہیں ہو گی۔"

ذمیوں کے ساتھ حضرت صدیق کی رواداری کا اندازہ اس بات سے اور بھی لگایا جا سکتا ہے کہ آپ نے معاہدین پر جو جزیہ وغیرہ لگایا تھا

وہ بہت کم مقدار میں تھا اور صرف ایسے لوگوں پر لگایا گیا تھا جو اس کے ادا کرنے کی استطاعت رکھتے ہوں، حیرہ کے صرف ۶ ہزار باشندوں پر دس دس درہم سالانہ جزیہ عائد کیا گیا تھا اور ہزاروں ایسے تھے جن کو اس ٹیکس کی ادائیگی سے مستثنیٰ کر دیا گیا تھا، جن میں بیمار، معذور، بوڑھے اور غریب لوگ شامل تھے اور صرف یہی نہیں بلکہ خلافت اسلامیہ کی طرف سے یہ بھی اعلان کیا گیا تھا کہ جن لوگوں کو جزیہ کی ادائیگی سے مستثنیٰ کیا گیا ہے ان کی کفالت بیت المال سے کی جائے گی، غرض خلیفۂ اول نے ذمیوں کے ساتھ جو برتاؤ کیا، ان کے حقوق قائم کئے، ان کے تحفظ کا پورا انتظام کیا اور جزیہ کی جو قلیل رقم مقرر کی ان سب باتوں کو دیکھ کر کوئی شخص یہ نہیں کہہ سکتا تھا کہ مسلمانوں اور معاہدین میں کوئی کسی امتیاز قائم رکھا گیا ہے۔) (کتاب الخراج)

علم و فضل • کلام الٰہی اور ارشادات رسولؐ اسلامیات کا سرچشمہ ہیں، امور دین ہوں یا معاملات دنیا دونوں کی کامیابی کا انحصار قرآن کریم اور ارشاد رسولؐ سے وابستہ ہے، حضرت ابو بکر صدیقؓ کو قرآن وحدیث دونوں سے گہرا لگاؤ اور پوری واقفیت تھی اور کیوں نہ ہوتی جبکہ زندگی کا بڑا حصہ آنحضرتؐ کی خدمت میں گذرا اور ہر جگہ و ہر وقت ان کی صحبت سے مستفیض ہونے کا موقعہ ملا ہو۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم کی کوئی آیت حضرت ابو بکرؓ سے پوشیدہ نہیں تھی، وہ ہر آیت کے شان نزول اور اس کی تفصیلات سے پورے طور پر واقف تھے اور جہاں بھی

اور جب بھی ان کو موقعہ ملتا یا ان کی سمجھ سے کوئی بات باہر ہوتی تو وہ اس کے متعلق آنحضرتؐ سے دریافت کیا کرتے تھے، نزول قرآن کی ابتدا اور انتہا دونوں ان کے سامنے تھیں، وہ قرآن کے حقیقی مفہوم کو اتنا زیادہ سمجھتے تھے کہ ضرورت کے وقت استنباط مسائل میں کوئی دشواری نہیں پیدا ہوتی تھی، ہر معاملہ میں قرآنی آیات آپ کے پیش نظر ہوتی تھیں۔

وفات رسولؐ کی خبر نے اہل ایمان کے اوسان خطا کر دیئے تھے۔ بہت سے لوگوں کو یقین ہی نہیں آتا تھا کہ آنحضرتؐ بھی وفات پا سکتے ہیں حتی کہ حضرت عمرؓ بھی یہ سننے کے لئے تیار نہ تھے کہ آنحضرتؐ وفات فرما گئے، ایسے نازک موقعہ پر بھی حضرت صدیقؓ کی نظریں قرآن پر لگی ہوئی تھیں فوراً مجمع عام میں کھڑے ہو کر بلند آواز سے یہ آیت پڑھی۔

وما محمد الا رسول قد خلت من قبله الرسل افائن مات او قتل انقلبتم علی اعقابکم۔ (آل عمران)	محمدؐ صرف ایک رسول ہیں جن سے پہلے بہت سے رسول گزر چکے ہیں کیا اگر وہ وفات کر جائیں یا شہید ہو جائیں تو تم الٹے پاؤں اسلام سے پھر جاؤ گے۔

اس آیت کو سنتے ہی تڑپتے ہوئے دلوں کو سکون حاصل ہو گیا اور وفات کا شدت سے انکار کرنے والے خاموشی سے آنسو بہانے لگے، بخاری کی روایت ہے کہ اس موقعہ پر ایک صحابی حضرت عبداللہؓ نے کہا کہ واللہ اس آیت کو زبان صدیقؓ سے سنکر یہ معلوم ہوا کہ ابھی نازل ہوئی ہے، گویا ان کے ذہن اس آیت سے خالی تھے۔

جس طرح حضرت ابوبکر صدیقؓ دوسروں کو قرآن کریم کے نکات سے آگاہ فرمایا کرتے تھے اسی طرح خود بھی حیات رسولؐ میں معمولی اشتباہ کو آنحضرتؐ سے حل کرلیا کرتے تھے، ان کی بڑی کوشش یہ رہتی تھی کہ قرآن کریم کا کوئی گوشہ نظر سے اوجھل نہ رہنے پائے چنانچہ ایک دفعہ جب یہ آیت نازل ہوئی۔

لیس بامانیکم ولا امانی اھل الکتاب من یعمل سوءً یجزبہ (سورۂ نساء)	یعنی نجات وفلاح کسی کی آرزو پر موقوف نہیں ہے چاہے مسلمان ہوں یا اہل کتاب جو بھی برا کام کرے گا جزا پائے گا۔

حضرت صدیقؓ بارگاہ رسالت میں عرض پیرا ہوئے، یارسول اللہ! کیا برے کام کا بھی بدلہ ملتا ہے، ارشاد ہوا، اے ابوبکرؓ! اللہ تمہاری مغفرت فرمائے کیا تم کو کبھی کوئی بیماری نہیں ستاتی؟ کیا کوئی صدمہ اور مصیبت نہیں پہنچتی کہنے لگے۔ بیشک، فرمایا بس یہ سب برائیوں کا نتیجہ ہے۔

ایک مرتبہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے مسلمانوں سے پوچھا، کیا آپ لوگ قرآن کریم میں اس آیت کو پڑھتے ہیں۔

یاایھا الذین امنو علیکم انفسکم لا یضرکم من ضل اذا اھتدیتم۔ (سورۂ مائدہ)	اے لوگو جو ایمان لائے تمہارے اپنے نفسوں کی ذمہ داری ہے، جو گمراہ ہوگیا وہ تمہیں نقصان نہیں پہونچا سکتا، جب تک تم ہدایت پر قائم ہو۔

اے ایمان والو! میں نے آنحضرتؐ کو فرماتے سنا ہے کہ جب لوگ برائیوں

کو دیکھتے ہیں اور پھر ان کی اصلاح کی کوئی فکر نہیں کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کا عذاب سب کے لئے عام ہو جاتا ہے ــــــ یعنی آپ اس آیت کے ذریعہ اس نکتہ کو حل کرنا چاہتے تھے کہ اپنے اچھے اعمال کے ساتھ دوسروں میں جو برائیاں پیدا ہوں ان کے دور کرنے کی طرف سے غافل نہیں ہونا چاہیئے، نیکوں پر برے لوگوں کی وجہ سے بھی عذاب آسکتا ہے۔

ایک مرتبہ بیماری کی حالت میں کسی نے کہا کہ علاج کے لئے کسی طبیب کو بلانا چاہیئے، فرمانے لگے میرے طبیب نے مجھے دیکھ کر فرمایا ہے انی فعال لما یرید۔ یعنی اللہ کے ارادہ کو کوئی بدل نہیں سکتا۔ گویا مسئلہ تقدیر کی اہمیت کو آپ نے اس آیت سے بڑے عمدہ انداز میں واضح کر دیا۔

ایک مرتبہ حضرت صدیقؓ بارگاہ رسالتؐ میں حاضر تھے، حضرت جبریلؑ یہ آیت لیکر آئے۔ وَمَنْ یَّعْمَلْ سُوْٓءًا یُّجْزَ بِهٖ وَلَا یَجِدْ لَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِیًّا وَّلَا نَصِیْرًا۔ آنحضرتؐ نے یہ آیت ابو بکرؓ کو پڑھ کر سنائی تو کہنے لگے یا رسول اللہ اس آیت کو سنکر ایسا معلوم ہوا کہ میری کمر ٹوٹ گئی۔ آنحضرتؐ نے ارشاد فرمایا۔ اے ابو بکرؓ تم اور تمہارے بھائی اسی دنیا میں بدلہ دیئے جائیں گے اور پھر تم سب اللہ سے ملو گے اور تمہارے ذمہ کوئی گناہ نہیں ہوگا مگر دوسرے لوگوں کا حال یہ ہوگا کہ ان کے گناہ جمع کیئے جائیں گے اور قیامت کے دن ان کو بدلہ دیا جائے گا۔

(ابن جریر، ابن سعد، ازالۃ الخفا)

علم حدیث • علم حدیث کے سلسلہ میں آپ کی روایات اگرچہ بہت کم ہیں مگر صحت کے اعتبار سے ان کا درجہ بہت بلند ہے ایک روایت سے پتہ چلتا ہے کہ آپ نے پانچ سو احادیث جمع کی تھیں، بعض لوگوں نے آپ کی مرویات کی تعداد صرف ایک سو پچاس بیان کی ہے، درحقیقت قلت روایت کا پہلا سبب تو یہ ہے کہ آپ کو آنحضرتؐ کے بعد وقت ہی اتنا نہیں ملا جو آپ کثرت سے احادیث بیان کرتے اور جو تھوڑا بہت وقت ملا بھی وہ دشمنوں کی سرکوبی اور شام وعراق کی مہم کے سلسلہ میں غور وفکر میں گذر گیا۔ اس کے علاوہ ایک چیز یہ تھی کہ آپ احادیث رسولؐ کو قرآن سے کم درجہ نہیں دیتے تھے اس لئے اس کے بیان کرنے اور دوسروں سے سننے میں اتنی ہی احتیاط مدنظر رہا کرتی تھی جتنی کہ قرآن کریم کی تلاوت اور اس کے سمجھنے میں۔ آپ اس بات سے بہت گھبراتے تھے کہ کوئی ایسی بات نہ منہ سے نکل جائے جو حقیقت میں آنحضرتؐ کے ارشاد میں نہ آئی ہو اور اس طرح اس کا بوجھ گردن پر رہ جائے۔

ایک مرتبہ اسی احتیاط کے پیش نظر صحابہ کرامؓ کے اجتماع میں ارشاد فرمایا۔

> آپ لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسی احادیث روایت کرتے ہو جن میں خود تمہارے آپس میں اختلاف پایا جاتا ہے، اگر یہی صورت رہی تو پھر جو لوگ تمہارے بعد آئیں گے ان کے میں یہ اختلاف اور بھی زیادہ سخت ہو جائے گا، اس لئے میں چاہتا ہوں کہ آپ لوگ آنحضرتؐ سے کوئی ایسی

روایت نہ بیان کریں، اور اگر تم سے کسی بات کے متعلق کوئی
سوال کرے تو اس سے کہدو کہ اللہ کی کتاب ہمارے اور تمہارے
درمیان موجود ہے بس اس کے حلال کو حلال اور اس کے حرام
کو حرام سمجھو۔

آپ کے اس بیان سے واضح ہوتا ہے کہ آپ ارشادات رسولؐ کی صحت کو بڑی شدت سے برقرار رکھنا چاہتے تھے اور اس امر کو لوگوں کے ذہن نشین کر دینا چاہتے تھے کہ بکامل یقین کے بغیر کوئی روایت نہ بیان کی جائے اسی اصول پر آپ عمل پیرا تھے اور جب تک پورے طور پر صحت روایت کی تصدیق نہ ہو جاتی قبول نہ کرتے تھے۔

بعض لوگ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے متعلق یہ خیال ظاہر کرتے ہیں کہ وہ روایت کے سلسلہ کو مطلقاً بند کر دینا چاہتے تھے اور ان کے پیش نظر صرف قرآن تھا اور وہ اس سے آگے کسی بات کو قبول کرنا پسند نہیں کرتے تھے مگر یہ غلط ہے، خود ان کے اپنے طرز عمل سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ روایت حدیث کے مخالف نہیں تھے البتہ غیر معمولی احتیاط ان کے مزاج میں داخل تھی اور یہ ان کے عشق رسولؐ اور حب اسلام کا پتہ دیتی ہے۔ ان کی زندگی میں کئی ایسے موقعہ آئے کہ انہوں نے خود بھی احادیث بیان کیں اور دوسروں کی روایت کو بھی قبول کیا۔ سقیفۂ بنی ساعدہ میں یہ حدیث آپ ہی نے بیان کی تھی کہ " اَلْاَئِمَّۃُ مِنَ الْقُرَیْشِ یعنی ائمہ قریش سے ہونگے" لوگوں میں آنحضرتؐ کی تدفین کے چرچے ہوئے تو آپ ہی نے فرمایا کہ میں نے رسالت مآبؐ

کو ارشاد فرماتے سنا ہے کہ "انبیائے کرام جہاں وفات پاتے ہیں وہیں دفن ہوتے ہیں۔"

یہ حدیث بھی حضرت صدیقؓ نے روایت کی ہے کہ میں نے آنحضرتؐ سے پوچھا کہ یا رسول اللہ! آپ اتنی جلدی کیوں بوڑھے ہو گئے؟ تو آپ نے فرمایا۔ مجھے سورۂ ہود، سورۂ واقعہ، سورۂ عم یتساءلون اور اذا الشمس کورت نے بوڑھا کر دیا، اس حدیث کو ابو یعلیٰ نے روایت کیا ہے۔

حضرت فاطمہؓ رضی اللہ عنہا نے آنحضرت کی متروکہ جائداد سے اپنا حصہ طلب کیا تو آپ نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ "ہمارے مال میں وراثت جاری نہیں ہوگی اور جو کچھ ہم چھوڑینگے وہ مسلمانوں کی ضروریات پر وقف ہوگا، دارمی کی روایت ہے کہ حضرت ابو بکر صدیقؓ کے سامنے جب کوئی مقدمہ پیش کیا جاتا تو آپ اس کے حل کو تلاش کرنے کے لئے قرآن کریم کی طرف توجہ فرماتے اور جب کوئی حکم ملجاتا تو اس کے مطابق فیصلہ فرماتے ورنہ حدیث رسول کی طرف رجوع کرتے اور جب یہاں بھی کوئی جواب نہ ملتا تو پھر مسلمانوں سے پوچھتے۔

ایک مرتبہ دادی کی وراثت کا مسئلہ پیش تھا۔ قرآن مجید سے کوئی جواب نہ ملا تو آپ رسول اکرمؐ کے عمل اور ارشاد کی طرف متوجہ ہوئے۔ حضرت مغیرہ بن شعبہؓ کہنے لگے کہ آنحضرتؐ دادی کو چھٹا حصہ دیتے تھے، حضرت ابو بکر صدیقؓ نے فرمایا، کیا کوئی گواہ پیش کر سکتے ہو؟

محمد بن مسلمہؓ نے تصدیق کی آپ نے سنگر وادی کو چھٹے حصہ کے دینے کا حکم صادر فرما دیا۔ حضرت جابرؓ اور حضرت ابوبشیر مازنیؓ نے آنحضرتؐ کے وہ وعدے بیان کیے جو حضور نے ان سے مال عطا کرنے کے متعلق کیئے تھے، حضرت ابوبکر صدیقؓ نے دونوں حضرات کو مال عطا کیا۔

ایک مرتبہ حضرت عمرؓ نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا اے لوگوں میں سب سے بہتر حضرت ابوبکر صدیقؓ نے فرمایا، اے عمر! یہ تم کیا کہہ رہے ہو۔ میں نے رسول اکرمؐ کو فرماتے سنا ہے کہ عمر ابن خطابؓ سے بہتر شخص پر کبھی سورج طلوع نہیں ہوا۔

(بخاری، ترمذی، ابن سعد)

بہر حال آپ کی مرویات بہت قلیل اور نہ ہونے کے برابر ہیں مگر اس کا یہ مطلب نہیں لیا جا سکتا کہ آپ روایت کے دروازہ کو بند کرنے کے حامی تھے البتہ کثرت روایت کو آپ اس بنا پر پسند نہیں فرماتے تھے کہ اس میں آگے چل کر اختلاف کے بڑھنے کا اندیشہ تھا اور یہ اندیشہ آپ کا بہت حد تک صحیح بھی تھا جیسا کہ احادیث کا جائزہ لینے سے پتہ چلتا رہے۔

علوم و فنون • حضرت ابوبکر صدیقؓ خداداد صلاحیتوں کے حامل تھے، قرآن و حدیث سے گہرے شغف کے علاوہ آپ کو دوسرے علوم و فنون میں بھی خاصا ملکہ حاصل تھا۔ شعر و ادب، تقریر و خطابت، تعبیر خواب اور نسب دانی میں آپ کو بڑی خصوصیت حاصل تھی۔ قبل

اسلام شعر و شاعری سے زیادہ لگاؤ اور انس تھا مگر بعد اسلام آیات قرآن اور ارشادات رسولؐ نے اس رنگ کو پھیکا کر دیا۔ برائے نام دلچسپی رہ گئی تھی اور وہ بھی ایسے کلام سے جس میں اللہ و رسول کی عظمت و شان نمایاں ہوتی ہو۔

مصنف تاریخ الخلفاء کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ عرب کا مشہور شاعر لبید یہ شعر پڑھ رہا تھا۔ ے

الا کل شئی ما خلا اللہ باطل ــ وکل نعیم لا محالۃ زائل

یعنی اللہ کے سوا تمام چیزیں باطل ہیں اور بلاشبہ ہر نعمت زائل ہو جانے والی ہے" حضرت ابوبکر صدیقؓ نے سنا تو فرمایا پہلا مصرعہ ٹھیک ہے اور تمہارا خیال درست ہے مگر دوسرا مصرعہ غلط ہے کیونکہ اللہ تعالےٰ کے پاس بے شمار ایسی نعمتیں ہیں جو کبھی زائل اور برباد نہیں ہوں گی۔ باوجود ترک شاعری کبھی کبھی حقیقت شعر کی شکل اختیار کر لیتی تھی چنانچہ مسند امام احمد میں یہ واقعہ موجود ہے کہ حضرت امام حسین علیہ السلام کھیلتے ہوئے سامنے آگئے آپ نے انتہائی شفقت اور محبت سے گود میں اٹھا لیا اور بوسہ دیتے ہوئے فرمایا۔

وبابی شبہ النبی لیس شبیھا بعلی

اور میرا باپ ان پر قربان ہو یہ تو نبی سے مشابہ ہیں علی سے مشابہ نہیں ہیں۔ اس شعر سے اگر ایک طرف آپ کی ذوق شاعری کا پتہ چلتا ہے تو دوسری طرف یہ واضح ہوتا ہے کہ اہل بیت رسولؐ سے آپ کو گہرا انس تھا

اوران کے ادب واحترام کوآپ ایمان کا سہارا خیال کرتے تھے۔

زمانہ علالت میں جب آپ کی حالت متغیر ہوئی تو حضرت عائشہ صدیقہؓ آپ کے سرہانے بیٹھی ایک شعر پڑھ رہی تھیں، آپ نے فرمایا۔ یہ مت پڑھ بلکہ یہ کہو وجاءت سکرۃ الموت بالحق، ذالک ما کنت منہ تحید۔ ہاں موت کی بیہوشی کا ٹھیک وقت آ گیا اور یہ وہ بات ہے جس سے تم لوگ بھاگتے ہو۔

حضرت عائشہؓ نے ایک دوسرا شعر اور پڑھا ۔؎

وابیض یستسقی الغمام بوجھہ۔ شمال الیتٰمی عصمۃ الارامل

اور ایسا گورا کہ جس کے چہرے سے بادل بھی پانی مانگتے ہیں جو یتیموں کا ماوای اور بیواؤں کا ملجا ہے۔

حضرت صدیقؓ نے فوراً ٹوکا اور فرمایا۔ یہ بھی مت کہو کیونکہ یہ شان میری نہیں بلکہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی تھی۔ اس واقعہ کو شاہ ولی اللہ صاحب نے امام احمد اور ابویعلی کے حوالے سے اپنی کتاب ازالۃ الخفا میں بیان فرمایا ہے۔ اسی طرح کی ایک روایت اور بھی شاہ صاحب نے درج کتاب کی ہے کہ کسی نے آپ کو خلیفۃ اللہ کہہ کر مخاطب کیا تو آپ نے فرمایا، یہ مت کہو کیونکہ خلیفۃ اللہ حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم تھے، میں تو اس بات کو پسند کرتا ہوں کہ تم مجھے خلیفہ محمدؐ رسول اللہ کہو۔

حضرت ابوبکرؓ صدیق کی تقریروں میں وعظ کا رنگ بہت غالب

ہوتا تھا۔ تحریریں بھی اس رنگ سے خالی نہیں ہوتی تھیں، تقریریں مختصر ہوتی تھیں، خاص موقعوں پر کرتے تھے اور ان کا ایک ایک فقرہ موثر اور سنجیدہ ہوا کرتا تھا۔ ترہیب و ترغیب جو آنحضرتؐ کا مخصوص انداز تھا آپ نے کبھی نہیں چھوڑا، نصیحت کی مجلسیں ہوں یا فوجیوں کے اجتماعات تقریر اس رنگ سے کہیں خالی نہیں ہوتی تھی، اگرچہ تقریر برجستہ ہوتی تھی مگر زور کلام کی شہادت ایک ایک لفظ سے ملتی تھی۔۔۔۔ اثر کی یہ کیفیت ہوتی تھی کہ سننے والے آنسو بہائے بغیر نہیں رہ سکتے تھے، خود آپ پر رقت طاری ہو جاتی تھی، آواز گلے میں رک جاتی تھی اور آنکھیں آنسو بہانے لگتی تھیں، ایک مرتبہ منبر پر کھڑے ہوئے اور فرمایا: "یہ وہ جگہ ہے جہاں ایک سال پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوا کرتے تھے"۔ خود بھی دیر تک روتے رہے اور حاضرین کو بھی خوب رلایا، کبھی کبھی تقریر کرنا چاہتے تھے مگر رقت قلب ہر دفعہ مانع ہوا کرتی تھی۔ پچھلے صفحات میں کئی تقریری و تحریری نمونے پیش کئے جا چکے ہیں ایک اقتباس اور دیکھئے۔

"کہاں ہیں وہ حسین اور شباب میں ڈوبے ہوئے چہرے؟ کہاں گئے وہ بڑے بڑے شہروں کے بسانے والے؟ اور وہ بادشاہ جو اپنے قلعوں میں بند ہو کر بیٹھتے تھے، کیا ہوئے وہ غالب آنے والے مرد میدان اور بہادر؟ آہ زمانے کی رفتار نے ان کی قوتیں ختم کر دیں ان کے بازو توڑ دیئے اور ان کو قبر کی تاریکی میں سلادیا"

ایک مرتبہ ارشاد فرمایا۔

"اللہ کی کتاب تمہارے درمیان موجود ہے۔ اس کی تصدیق کرو اور اس سے نصیحت حاصل کرو اور اس دن کے لئے روشنی حاصل کرو جس دن اندھیرا ہوگا۔ اللہ نے تم کو اپنی عبادت کے لئے پیدا کیا ہے اور کراماً کاتبین کو تمہارے اعمال کی نگرانی کے لئے مقرر فرمایا ہے۔ بعض قومیں صرف اس وجہ سے تباہ ہوگئیں کہ انہوں نے اپنے نفسوں کو بھلا دیا اور اپنی موت نظر انداز کر دی۔ دیکھو تم ان کی مانند نہ ہو جانا، یاد رکھو کہ موت تمہارے پیچھے تم کو ڈھونڈتی ہوئی آرہی ہے اور وہ اچانک تمہیں پکڑ لے گی۔"

(احیاء العلوم، تاریخ الخلفاء، ازالۃ الخفاء)

غرض آپ کی تقریریں بڑی لچک ہوتی تھی، سننے والے دنیاوی لذات کو بھول کر اللہ کی طرف متوجہ ہو جاتے تھے۔ اہم معاملات کو چند تقریری جملے بڑی آسانی سے سلجھا دیا کرتے تھے، درد واثر اور فصاحت و بلاغت میں ایک ایک جملہ ڈوبا ہوا ہوتا تھا، سننے والوں کی یہ حالت ہوتی تھی کہ جیسے جان نکال لی گئی ہو۔

علم تعبیر میں بھی آپ کو غیر معمولی مہارت حاصل تھی، آنحضرتؐ کی وفات کے بعد آپ ہی کی ذات تھی جس کی طرف خواب دیکھنے والے رجوع کیا کرتے تھے، آپ اپنے خوابوں کی تعبیر آنحضرتؐ سے پوچھا کرتے تھے

مگر کبھی ایسا بھی ہوتا کہ خود ذات رسالت ؐ اپنے خواب کی تعبیر حضرت صدیق ؓ سے دریافت کیا کرتے تھے، چنانچہ محمد بن اسحاق کی روایت ہے کہ محاصرۂ ثقیف کے وقت آنحضرت ؐ نے خواب دیکھا کہ مسکہ سے بھرا ہوا ایک پیالہ آپ کی خدمت میں پیش کیا گیا کہ فوراً ہی ایک پرند نے چونچ مار کر پیالہ گرا دیا۔ آنحضرت ؐ نے جناب صدیق ؓ سے تعبیر پوچھی تو آپ نے جواب دیا کہ میرا خیال ہے کہ آج آپ بنی ثقیف پر فتح نہ پا سکیں گے۔ آنحضرت ؐ نے فرمایا، صحیح کہتے ہو میرا بھی یہی خیال ہے۔ ایک مرتبہ آنحضرت ؐ نے حضرت صدیق ؓ سے اپنا خواب بیان کرتے ہوئے کہا کہ میں نے بہت سی کالی بکریاں دیکھی ہیں اور پھر یہ بھی دیکھا کہ بہت سی سفید بکریاں آئیں اور ان کالی بکریوں میں شامل ہو گئیں، حضرت صدیق ؓ نے عرض کیا کہ عرب آپ کی اطاعت کریں گے اور عجم بھی ان کے ساتھ اس اطاعت میں شامل ہو جائیں گے۔ آنحضرت ؐ نے جواب سنکر فرمایا، اللہ کے فرشتے نے بھی یہی تعبیر دی ہے۔ اس خواب کو شاہ صاحب نے ازالۃ الخفا میں بیان کیا ہے۔ ایک اور خواب بھی آنحضرت ؐ نے دیکھا اور حضرت صدیق ؓ سے فرمایا کہ میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ تم مجھسے دو قدم آگے چل رہے ہو۔ حضرت صدیق ؓ نے تعبیر دی کہ میں آپ کے بعد دو برس زندہ رہوں گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ حضرت عائشہ صدیقہ ؓ نے وفات رسول ؐ سے پہلے خواب دیکھا کہ تین چاند ہیں جو میرے حجرے میں اتر رہے ہیں۔ آپ نے اپنے والد حضرت صدیق ؓ سے تعبیر پوچھی مگر وہ خاموش ہو گئے۔

تھوڑے دن بعد آنحضرتؐ نے وفات پائی اور حجرۂ عائشہؓ میں دفن کئے گئے تو حضرت صدیقؓ نے فرمایا۔ عائشہ! یہ تمہارے حجرے کا پہلا اور بہترین چاند ہے۔ (موطا امام مالک)

علم تعبیر کے علاوہ اللہ تعالےٰ نے آپ کو فہم و فراست اور مکاشفات رموز و بصیرت سے بھی نوازا تھا۔ حضرت ابن عباسؓ روایت کرتے ہیں کہ جب اہل مکہ نے آنحضرتؐ کو مکہ سے نکالا تو حضرت ابو بکر صدیقؓ نے فرمایا کہ ان لوگوں نے اپنے نبی کو نکالا ہے لہٰذا یہ عنقریب ہلاک و برباد ہوں گے چنانچہ تھوڑے ہی دن بعد آیت قتال اذن للذین یقاتلون نازل ہوئی — یہ واقعہ بھی آپ کے کشف و فراست کا مظہر ہے کہ آپ نے اپنی بیٹی حضرت عائشہؓ کو کچھ زمین عنایت کی اور فرمایا، اچھا ہوتا کہ تم میری زندگی میں اس پر قابض ہو جاتیں ورنہ میرے بعد وہ وارثوں میں تقسیم ہوگی اور وہ وارث تمہارے دو بھائی اور دو بہن ہیں۔ حضرت عائشہؓ نے عرض کیا، میری ایک ہی بہن اسماء تو ہیں اور دوسری کون سی ہیں؟ فرمایا دوسری بنت خارجہ کے شکم میں ہے کیونکہ میں خیال کرتا ہوں کہ ان کے شکم میں لڑکی ہے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

(امام مالک)

علم الانساب بھی عربوں کا خاص فن تھا، مگر اس فن خاص میں حضرت ابو بکر صدیقؓ کی دستگاہ کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ حضرت جبیر بن مطعمؓ جو قریشی صحابہ میں سب سے بڑے نسّاب مانے جاتے تھے۔

ان کا بیان ہے کہ میں نے اس فن کو حضرت ابوبکر صدیقؓ سے سیکھا تھا اور میرے خیال میں وہ پورے عرب میں اس فن کے واحد جاننے والے تھے۔ آپ کی نسب دانی تبلیغ اسلام کے ابتدائی ایام میں بہت کام آئی۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم جب عربوں کے مختلف قبائل میں تبلیغ کرنے تشریف لے جاتے تھے تو صدیق اکبرؓ خاص طور پر ساتھ ہوا کرتے تھے اور دوران تبلیغ میں آنحضرتؐ سے قبائل کا تعارف کراتے جاتے تھے۔ آنحضرتؐ کی نظر میں بھی ان کے اس فنی کمال کو بڑی اہمیت حاصل تھی چنانچہ آپؐ نے ایک مرتبہ حضرت حسان بن ثابتؓ سے فرمایا کہ علم انساب سیکھنا چاہتے ہو تو ابوبکرؓ کے پاس جاؤ وہ اس فن کے ماہر کامل ہیں۔ (استیعاب جلد ۱)

مقام و مرتبہ

اللہ تعالےٰ کی نظر میں • قرآن کریم میں ایسی بکثرت آیات موجود ہیں جن کا تعلق حضرت صدیق کی ذات، ان کے استقلال اور کارناموں سے پایا جاتا ہے۔ پوری تفصیلات کی گنجائش تو اس مختصر میں نہیں ہو سکتی اس لئے چند آیات پیش کی جاتی ہیں جن سے ذات صدیقؓ کی اہمیت اور اللہ کی نظر میں ان کا مقام و مرتبہ واضح ہوتا ہے۔ سورۂ والعصر مکہ میں تبلیغ اسلام کے ابتدائی ایام میں نازل ہوئی تھی۔ مفسرین کا بیان ہے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ حلقہ بگوش اسلام ہوئے تو ابوجہل نے طعنہ دیا اور کہا کہ تم جیسے صاحب بصیرت اور عقل مند انسان نے آباؤ اجداد کے دین کو چھوڑ کر

اپنا بہت نقصان کیا۔ اس وقت سورۂ والعصر نازل ہوئی۔ اللہ تعالے نے ارشاد فرمایا۔

وَالْعَصْرِ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ۝

اور قسم ہے عصر کی کہ انسان نقصان میں ہے مگر وہ لوگ جو ایمان لائے اور اچھے کام کئے اور آپس میں حق و صبر کی تلقین کرتے ہیں۔

گویا نقصان یہ ہے کہ آدمی حق کو فراموش کرتا رہے اور دین سے منہ موڑتا رہے، ایمان لانا اور نیک کام کرنا اور آپس میں حق و صبر کی تعلیم و اشاعت کرنا نقصان نہیں سراسر فائدہ ہے۔

شاہ ولی اللہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ اِھْدِنَا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیہم سے مراد شیخین کی ذات ہے جیسا کہ حدیث میں آیا کہ اقتدوا بالذین من بعدی ابی بکر و عمرؓ۔ پس ثابت ہوا کہ صراط مستقیم طریقۂ شیخین ہے اور خلیفۂ خاص وہی ہو سکتا ہے جس کا طریقہ صراط مستقیم ہو اور شریعت اسی طریقہ کی طرف توجہ دلاتی ہے۔

۸ شعبیؒ روایت کرتے ہیں کہ یہ آیت حضرت صدیقؓ کے حق میں نازل ہوئی۔

اِنْ تُبْدُوا الصَّدَقٰتِ فَنِعِمَّا ھِیَ وَاِنْ تُخْفُوْھَا وَتُؤْتُوْھَا الْفُقَرَآءَ فَھُوَ خَیْرٌ لَّکُمْ (سورۂ بقرہ)

شان نزول یہ ہے کہ آنحضرتؐ نے صحابہ کو مال خرچ کرنے کا حکم دیا حضرت عمرؓ نصف مال لیکر آئے مگر حضرت صدیقؓ گھر کا کل مال لیکر آ گئے اور چھپا

کرلائے، آنحضرتؐ نے یہ حال دیکھا تو پوچھا اے صدیق اپنے گھر میں بیوی بچوں کے لئے بھی کچھ چھوڑا، تو آپ نے عرض کیا۔ اللہ اور اس کے رسول کو چھوڑ آیا ہوں۔ حضرت عمرؓ نے کہا واللہ میں کبھی آپ پر سبقت نہیں لے جا سکتا۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ آیت سَيَجْزِي اللّٰهُ الشَّاكِرِيْنَ حضرت ابو بکر صدیقؓ کے حق میں نازل ہوئی چنانچہ حضرت علیؓ حضرت صدیقؓ کو امیر الشاکرین فرمایا کرتے تھے۔

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ سے مراد حضرت صدیقؓ اور حضرت عمرؓ ہیں۔ کیونکہ اللہ کے رسولؐ فرماتے تھے کہ جب یہ دونوں مشورہ میں جمع ہو جاتے ہیں تو میں ان کی مخالفت نہیں کر سکتا ہوں۔

حضرت عکرمہؓ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرتؐ نے حضرت صدیقؓ کو ایک یہودی کے پاس کچھ مال بطور قرض کے لینے کے لئے بھیجا حضرت ابو بکرؓ گئے تو یہودی نے کہا کہ تمہارا پروردگار محتاج ہے، حضرت صدیق اکبرؓ فرماتے ہیں کہ اس کی یہ بات سنکر میں نے چاہا کہ اسے ماروں مگر حضور نے فرما دیا تھا کہ میرے پاس واپس آئے بغیر کوئی قدم مت اٹھانا اس وجہ سے میں نے ہاتھ روک لیا۔ اسوقت یہ آیت نازل ہوئی۔

لَقَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّذِيْنَ قَالُوْا اِنَّ اللّٰهَ فَقِيْرٌ وَّنَحْنُ اَغْنِيَاءُ۔ یعنی اللہ نے ان کی بات سنی جو کہتے ہیں کہ اللہ فقیر ہے اور ہم غنی ہیں۔

حضرت قتادہؓ کہتے ہیں کہ ہم آپس میں ذکر کیا کرتے تھے کہ آیت فَسَوْفَ يَأْتِي اللَّهُ بِقَوْمٍ يُحِبُّهُمْ حضرت صدیق کی شان میں نازل ہوئی ہے۔ حضرت حسن بصری فرماتے ہیں کہ یہ آیت ان لوگوں کی شان میں نازل ہوئی جو مرتدین عرب سے لڑے اور وہ حضرت ابو بکر صدیقؓ اور ان کے ساتھی ہیں۔

حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ آیت وَالَّذِي جَاءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهِ أُولَئِكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ ٥ میں والذی جاء بالصدق سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مراد ہے اور وَصَدَّقَ بِهِ حضرت ابو بکرؓ کی شان میں ہے۔ اسی روایت کو ابن عساکر حضرت ابو ہریرہؓ کے حوالہ سے قدرے فرق کے ساتھ روایت کرتے ہیں۔

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ یہ آیت أَفَمَنْ يُلْقَى فِي النَّارِ خَيْرٌ ابو جہل کے حق میں نازل ہوئی اور اس کے بعد کا فقرہ امن یأتی امنا یوم القیامۃ حضرت ابو بکرؓ کی شان میں اتری۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ آیت حَتَّى إِذَا بَلَغَ أَشُدَّهُ وَبَلَغَ أَرْبَعِينَ یہ پوری آیت حضرت ابو بکر صدیقؓ کی شان میں نازل ہوئی، اللہ نے آپ کی دعا کو قبول فرمایا اور آپ کا تمام خاندان مسلمان ہو گیا۔

یہ بھی آپ ہی کی روایت ہے کہ فَأَمَّا مَنْ أَعْطَى وَاتَّقَى وَصَدَّقَ بِالْحُسْنَى آخر سورت تک حضرت ابو بکرؓ کی شان میں نازل ہوئی ہے۔

مفسرین فرماتے ہیں کہ ذالک مثلھم فی التوراۃ والی آیت میں

فَآزَرَهٗ سے مراد ابوبکر صدیقؓ ہیں اور فَاسْتَغْلَظَ سے حضرت عمرؓ اور فَاسْتَوٰی عَلٰی سُوْقِہٖ سے حضرت عثمانؓ اور یَغِیْظَ بِھِمُ الْکُفَّارَ سے مراد حضرت علیؓ کی ذات ہے۔

مفسرین نے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے کہ آیت مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللہ والذین معه اشداء علی الکفار والی آیت میں والذین معه سے حضرت ابوبکرؓ ہیں اور اشداء علی الکفار سے حضرت عمرؓ مراد ہیں اور رُحَمَاءُ بَیْنَھُمْ سے حضرت عثمانؓ اور تَرٰھُمْ رُکَّعًا سُجَّدًا سے مراد حضرت علیؓ کی ذات ہے۔

حضرت ابن شوذب سے روایت ہے کہ وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّہٖ جَنَّتَان حضرت ابوبکر صدیق کے بارے میں نازل ہوئی تھی۔ اس سے ملتی ہوئی روایت حضرت عطاء کی ہے کہ ایک دن حضرت ابوبکرؓ نے قیامت، میزان، جنت، دوزخ، ملائکہ، آسمان، چاند، سورج وغیرہ اور پہاڑوں کے اڑنے اور زمین کے پھٹنے اور سورج کے سیاہ ہونے کا ذکر کیا اور کہا کہ کیا اچھا ہوتا کہ میں ایک گھاس کا پتہ ہوتا اور کوئی جانور مجھے کھا لیتا مگر انسان نہ ہوتا۔ تو اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔

حضرت جابر بن عبداللہ روایت کرتے ہیں کہ ایک دن آنحضرتؐ جمعہ کا خطبہ دے رہے تھے کہ لستے میں یہ خبر اڑی کہ مدینہ میں ایک اونٹوں کا قافلہ اناج سے لدا ہوا آیا ہے، مدینہ میں چونکہ قحط پڑا ہوا تھا اس لئے بہت سے لوگ اٹھ کر چل دیئے صرف ۱۲ آدمی رہ گئے جن میں حضرت

ابوبکرؓ، عمرؓ اور حضرت علیؓ وغیرہ بھی تھے اسوقت یہ آیت نازل ہوئی۔
وَاِذَا رَاَوْا تِجَارَۃً اَوْ لَھْوَانِ انْفَضُّوْا اِلَیْھَا وَتَرَکُوْکَ قَآئِمًا آخر سورت تک

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کہتے ہیں کہ حضرت ابوبکرؓ نے جب حضرت بلال کو خرید کر آزاد کیا تو وَاللَّیْلِ اِذَا یَغْشٰی (الی قولہ) اِنَّ سَعْیَکُمْ لَشَتّٰی تک نازل ہوئی۔

حضرت عمرؓ اور حضرت سعید بن مسیبؒ کہتے ہیں کہ حضرت ابوبکرؓ نے سات غلام جو مصیبت میں مبتلا تھے خرید کر آزاد کیئے جن کے نام بلال، عامر، نہدیہ اور اس کی بیٹی اور دوسرے حضرات تھے تو اسوقت یہ آیات نازل ہوئیں وَسَیُجَنَّبُھَا الْاَتْقَی الَّذِیْ آخر سورت تک۔

عبداللہ بن زبیرؓ سے روایت ہے کہ حضرت ابوبکرؓ کے والد ابوقحافہؓ نے کہا کہ اے ابوبکرؓ! تم کمزور اور ناتوان غلاموں کو خریدتے ہو اگر طاقت ور لوگوں کو خریدو تو کچھ کام بھی آئیں؟ تو آپ نے فرمایا، میں تو ان کو اللہ کے لئے خرید کر آزاد کرتا ہوں تو اسوقت یہ آیات نازل ہوئیں فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰی آخر سورت تک۔

سورۂ توبہ میں ارشاد ہوتا ہے۔ اِلَّا تَنْصُرُوْہُ فَقَدْ نَصَرَہُ اللہُ اِذْ اَخْرَجَہُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا ثَانِیَ اثْنَیْنِ اِذْ ھُمَا فِی الْغَارِ اِذْ یَقُوْلُ لِصَاحِبِہٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللہَ مَعَنَا ۔ یعنی اگر تم رسول کی مدد نہ کرو گے تو اللہ تعالےٰ نے اس کی مدد فرمائی ہے جسوقت نکالا کافروں نے کہ وہ دوسرے تھے دو میں سے جب وہ دونوں تھے غار میں اور آپ فرمارہے تھے اپنے رفیق

سے کہ غم نہ کرو بیشک اللہ ہمارے ساتھ ہے۔

یہ بات تمام علمائے ملت اسلامیہ کے نزدیک مسلم ہے کہ ہجرت کے وقت غار میں سوائے حضرت صدیق رضؓ کے اور کوئی آنحضرت ﷺ کے ساتھ نہیں تھا۔

حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ آیت ھومولئہ وجبریل وصالح المومنین میں صالح المومنینؓ سے مراد حضرت ابوبکر صدیقؓ ہیں۔ (سورۃ تحریم)

حضرت علیؓ ابن ابی طالب فرماتے ہیں کہ آیت "رب اوزعنی ان اشکر نعمتک التی انعمت علیّ وعلی والدیّ وان اعمل صالحا ترضاہ" حضرت صدیق اکبرؓ کی شان میں نازل ہوئی ہے کیونکہ صدیق اکبرؓ کے سوا کسی کے والدین دولت اسلام سے مشرف نہیں ہوئے اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان کو والدین سے اچھے برتاؤ کا حکم دیا (سورۃ احقاف)

مندرجہ بالا آیات کے علاوہ حضرت ابوبکرؓ کی فضیلت اور بزرگی کا اندازہ اس واقعہ سے لگایا جاسکتا ہے کہ بعض منافقین نے حضرت عائشہؓ پر جب تہمت لگائی اور ان منافقین کی ہم نوائی حضرت صدیق اکبرؓ کے رشتہ دار مسطح بھی کر رہے تھے تو حضرت صدیقؓ مسطح کے ساتھ جو سلوک کر رہے تھے اور ان کو جو کچھ لیتے دیتے رہتے تھے وہ بند کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے منافقین کی تردید فرمائی، حضرت عائشہؓ کو پاک دامن قرار دیا اور ارشاد فرمایا۔

ولا یاتل اولوا الفضل منکم والسعۃ ان یوتوا اولی القربی۔

اور جو تم میں بزرگی اور وسعت والے ہیں وہ اپنے رشتہ داروں کو دینے

سے انکار نہ کریں، چنانچہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے مسطح کی جو امداد بند کر دی تھی وہ کھول دی۔

رسول اللہؐ کی نظر میں

حضرت ابوبکر صدیقؓ کی عظمت و شان کی وضاحت مندرجہ ذیل احادیث اور اقوال صحابہ سے بھی ہوتی جس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ حضرت صدیقؓ جس طرح اللہ تعالےٰ کی نظروں میں محبوب اور پسندیدہ تھے اسی طرح اللہ کے رسولؐ اور صحابہ کی نگاہوں میں بھی ان کا مقام بلند و بالا تھا۔ اگرچہ احادیث و اقوال کا سلسلہ بہت طویل ہے مگر اختصار کے مدنظر چند روایات پیش کی جارہی ہیں۔

حضرت ابوسعید خدریؓ کہتے ہیں کہ رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سب سے زیادہ اپنے مال سے جس نے مجھ پر احسان کیا وہ ابوبکر صدیقؓ ہیں۔ اگر میں اللہ تعالےٰ کے سوا کسی کو اپنا خلیل بناتا تو ابوبکرؓ کو بناتا مگر ان سے اسلام کی اخوت و محبت ہے، لہٰذا مسجد میں سوائے ابوبکر کے کسی کا دروازہ باقی نہ رکھا جائے۔

مندرجہ بالا حدیث اس طویل تقریر کا ایک حصہ ہے جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے وفات سے چند روز پیشتر فرمائی تھی اور جسے بخاری و مسلم نے روایت کیا ہے، اس حدیث کو ۱۴ صحابہ نے روایت کیا ہے جن میں ایک راوی حضرت علیؓ بھی ہیں، علامہ سیوطیؒ اس حدیث کو متواتر کہتے ہیں، ترمذی نے بھی اس حدیث کو روایت کیا ہے اور اتنا بیان کیا ہے کہ ہر ایک کے احسان کا بدلہ میں نے ادا کر دیا مگر ابوبکرؓ

کے احسان کا بدلہ اللہ دے گا۔

حضرت انس کہتے ہیں کہ آنحضرتؐ نے ارشاد فرمایا کہ میری امت میں سب سے زیادہ میری امت پر مہربان ابوبکرؓ ہیں۔ (ترمذی)

حضرت عبداللہ ابن عمرؓ آنحضرتؐ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا کہ اے ابوبکرؓ تم غار میں میرے ساتھ رہے اور حوض کوثر پر بھی میرے ساتھ رہو گے۔ (ترمذی)

حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے کہ رسول اکرمؐ نے ارشاد فرمایا، جس جماعت میں ابوبکرؓ موجود ہوں اس کے لئے مناسب نہیں کہ ابوبکرؓ کے سوا کوئی اور امامت کرے۔ (ترمذی)

بخاری و مسلم نے حضرت جبیر بن مطعمؓ کی یہ روایت نقل کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک عورت آئی اور کسی معاملہ میں آپ سے بات چیت کی، آپ نے حکم دیا کہ تم پھر کسی وقت آنا، عورت نے عرض کیا، یارسول اللہ! اگر میں آؤں اور آپ کو نہ پاؤں تو پھر کیا کروں، آپؐ نے فرمایا، تو پھر تم ابوبکرؓ کے پاس جانا۔

ایسی ہی حدیث ریاض النضرہ میں حضرت ابوہریرہؓ سے منقول ہے کہ حضور اکرمؐ نے ایک یہودی سے کچھ قرض لیا، اس نے پوچھا کہ اگر میں آؤں اور آپ نہ ملیں تو پھر کس کے پاس جاؤں، آپؐ نے فرمایا کہ پھر تم ابوبکرؓ کے پاس جانا اور ان کے بعد عمرؓ کے پاس۔

حضرت علیؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ابوبکرؓ اور عمرؓ جنت میں بڑی عمر والوں کے سردار ہیں، سوائے انبیائے کرام اور مرسلین عظام کے۔ یہ حدیث کئی سندوں سے آئی ہے جس میں حضرت علیؓ کے بیٹے امام حسنؓ اور پوتے امام زین العابدین بھی ہیں۔

(ترمذی، ابن ماجہ)

بخاری و مسلم نے حضرت عبداللہ ابن عمرؓ سے روایت کی ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ ہم لوگ آنحضرتؐ کی حیات شریف میں کہا کرتے تھے کہ آپؐ کی امت میں آپؐ کے بعد سب سے افضل ابوبکرؓ، پھر عمرؓ اور پھر حضرت عثمانؓ ہیں اس حدیث کو طبرانی نے بھی روایت کیا ہے اور یہ الفاظ زیادہ کئے ہیں کہ آنحضرتؐ اس گفتگو کو سنا کرتے تھے مگر منع نہیں فرماتے تھے۔ (فتح الباری)

حضرت حذیفہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نہیں کہہ سکتا کہ تم لوگوں میں میرا رہنا کس قدر ہے فاقتدوا من بعدی ابوبکر و عمر پس تم اقتدار کرنا ان دونوں کی جو میرے بعد ہوں گے۔ ابوبکر و عمرؓ۔ (ترمذی)

حضرت عبدالرحمٰن ابن عوفؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ دس آدمی جنتی ہیں۔ ابوبکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ، علیؓ، طلحہؓ، زبیرؓ، عبدالرحمٰن بن عوفؓ، سعد بن ابی وقاصؓ۔ سعید بن زیدؓ اور ابوعبیدہؓ بن جراحؓ

(ازالۃ الخفا)

حضرت ابن مسعودؓ کہتے ہیں کہ آنحضرتؐ نے فرمایا، لوگو! ابھی تمہارے سامنے ایک شخص اہل جنت سے آنے والا ہے چنانچہ حضرت ابو بکرؓ آئے۔ پھر فرمایا، ایک اور شخص اہل جنت سے آنے والا ہے، اس کے بعد حضرت عمرؓ آئے، اس حدیث کو ترمذی نے روایت کیا ہے۔

حضرت ابن عباسؓ آنحضرتؐ کی بیماری کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ حضرت بلالؓ آنحضرتؐ کی خدمت میں آئے اور نماز کی اطلاع دی۔ آپؐ نے فرمایا۔ ابو بکرؓ سے کہو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھادیں۔ (امام احمد)

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ایک دن حضرت ابو بکرؓ حضور کی خدمت میں آئے تو آپؐ نے فرمایا۔ اے ابو بکر! تم اللہ کے عتیق ہو یعنی آتش دوزخ سے آزاد کئے ہوئے۔ بس اسدن سے آپ کا لقب عتیق ہوگیا۔ (ترمذی)

حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ قبیلہ عبدالقیس کا ایک وفد آنحضرتؐ کی خدمت میں آیا۔ اور انہوں نے بہت اچھی تقریر کی، حضرت ابو بکرؓ نے آنحضرتؐ کے حکم سے ان کی تقریر کا جواب دیا حضورؐ اس جواب سے بہت خوش ہوئے اور فرمایا۔ ابو بکرؓ! اللہ نے تم کو رضوان اکبر عطا فرمائی ہے کسی نے کہا یہ کیا چیز ہے؟ ارشاد ہوا کہ قیامت کے دن اللہ تعالےٰ اپنے بندوں پر عام تجلی فرمائے گا اور ابو بکرؓ کے لئے خاص تجلی فرمائے گا۔ (حاکم)

حضرت عمار ابن یاسرؓ کہتے ہیں کہ میں نے آنحضرتؐ کو اسوقت دیکھا ہے جبکہ آپ کے ساتھ پانچ غلام، دو عورتیں اور حضرت ابو بکر صدیقؓ تھے۔

(بخاری)

حضرت ابوارویٰ دوسیؓ کہتے ہیں کہ میں آنحضرتؐ کی خدمت میں بیٹھا تھا کہ اتنے میں حضرت ابوبکرؓ اور عمرؓ آئے، آنحضرتؐ نے ان کو دیکھ کر فرمایا، سب تعریف اللہ کے لئے ہے جس نے مجھے ان دونوں سے قوت عطا فرمائی۔ (حاکم)

حضرت ابو درداءؓ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ آنحضرتؐ نے خطبہ پڑھا اور جب فارغ ہوئے تو حضرت ابوبکرؓ سے فرمایا، تم پڑھو۔ حضرت ابوبکرؓ نے پڑھا مگر آنحضرتؐ سے مختصر پڑھا، پھر حضرت عمرؓ نے حضور کے حکم سے پڑھا اور انہوں نے حضرت صدیقؓ سے بھی کم پڑھا۔ (حاکم)

اس روایت کو حاکم نے نقل کیا ہے کہ حضرت حسانؓ آنحضرتؐ کی خدمت میں آئے تو حضورؐ نے فرمایا۔ اے حسانؓ! تم نے ابوبکر کی تعریف میں بھی کچھ شعر کہے ہیں؟ حضرت حسانؓ نے جو شعر کہے تھے وہ سنائے۔

وثانی اثنین فی الغار المنیف وقد ۔ طاف العدو به اذ صعد الجبلا
وکان حب رسول اللہ قد علموا ۔ من الخلائق لم یعدل به بدلا

یعنی یہی وہ صدیق ہیں جو غار میں رسول اللہ کے ثانی اثنین تھے، جبکہ صدیقؓ و رسولؐ دونوں پہاڑ پر چڑھے اور غار میں پوشیدہ ہوئے تو دشمنوں نے غار کو گھیر لیا۔ سب جانتے ہیں کہ صدیق اللہ کے رسولؐ کے محبوب ہیں اور آپ ان کو مخلوق میں سب سے بہتر جانتے ہیں ـــــ آنحضرتؐ نے یہ اشعار سنے اور تبسم فرمایا۔ (ازالۃ الخفاء)

حضرت ابو عمرؓ کہتے ہیں کہ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ میری امت میں سب سے

زیادہ مہربان میری امت پر ابو بکرؓ ہیں اور اللہ کے کاموں میں سب سے زیادہ قوت والے عمرؓ ہیں اور سب سے زیادہ صاحب حیاء عثمانؓ ہیں اور سب سے زیادہ فیصلہ کرنے والے علیؓ ہیں اور سب سے زیادہ قرادت کے ماہر اُبیؓ ہیں اور سب سے زیادہ فرائض کے علم کے جاننے والے زیدؓ ہیں اور سب سے زیادہ حلال وحرام کا علم رکھنے والے معاذ ابن جبل ہیں اور ہر امت کے لئے ایک امین ہوتا ہے اور اس امت کے امین ابو عبیدہؓ ہیں۔ (ازالہ)

حاکم نے بروایت ربیعہ بن ابی عبدالرحمٰن، سعید بن مسیبؓ سے روایت کی ہے کہ وہ کہتے تھے کہ ابو بکر صدیقؓ رسول اکرمؐ کے یہاں وزیر کی حیثیت سے تھے، آپ ان سے اپنے کاموں میں مشورہ کرتے تھے۔ وہ آپکے ثانی تھے اسلام میں۔ ثانی تھے غار میں۔ ثانی تھے عریش بدر میں اور آپ کے ثانی ہیں قبر میں اور آنحضرتؐ آپ کے اوپر کسی کو مقدم نہ رکھتے تھے۔

ابو عمر حضرت صدیقؓ کے تذکرہ میں تعلیقاً لکھتے ہیں کہ رسول اکرمؐ نے ایک شخص سے جو ابو بکرؓ کے آگے چل رہا تھا فرمایا کہ تم اس سے آگے چل رہے ہو جو تم سے افضل ہے۔

عبداللہ بن حنطبؓ کہتے ہیں کہ آنحضرتؐ نے حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ کو دیکھ کر فرمایا۔ یہ دونوں جسم دین کے کان اور آنکھ ہیں۔ (ترمذی وحاکم)

خلفائے ثلاثہ کی نظر میں ● سقیفۂ بنی ساعدہ میں جب مسئلہ خلافت پر بحث ہو رہی تھی تو حضرت عمرؓ نے فرمایا۔ ہم سب ابو بکرؓ کی بیعت کرتے ہیں، کیونکہ ہمارے سردار ہیں اور ہم سب میں بہتر ہیں اور رسول اللہؐ کے نزدیک بھی وہ سب سے زیادہ محبوب ہیں، اس کے بعد حضرت عمرؓ نے اپنا ہاتھ ابو بکرؓ کے ہاتھ میں دیدیا اور اس کے بعد سب نے بیعت کر لی اور صدیق اکبرؓ خلیفۂ رسولؐ ہو گئے۔

حضرت امام بخاریؒ حضرت انسؓ سے روایت کرتے ہیں کہ سقیفہ بنی ساعدہ کی بیعت کے بعد مسجد نبوی میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تقریر کرتے ہوئے کہا کہ میری خواہش تھی کہ آنحضرتؐ ہم میں موجود رہتے اور ہم سب ان کے سامنے اس دنیا سے رخصت ہوتے مگر خیر وہ اپنے رب کے پاس تشریف لے گئے مگر وہ نور اب بھی باقی ہے جو ہدایت کا سبب ہوگا، اور پھر حضرت ابو بکرؓ جو آنحضرتؐ کے رفیق غار ہیں وہ ہم تم میں موجود ہیں اور وہ سب مسلمانوں سے زیادہ تمہارے کاموں کے حقدار ہیں لہذا اے مسلمانو! اٹھو اور ان سے بیعت کر لو۔ یہ بیعت عامہ تھی اور بیعت خاصہ دو دن قبل سقیفہ میں ہو چکی تھی۔

امام بخاریؒ کی روایت ہے کہ حضرت عمرؓ نے ایک مرتبہ ارادہ کیا کہ کعبہ سے سونا چاندی نکال دیا جائے مگر پھر کہنے لگے کہ جب رسول اللہؐ اور صدیق اکبرؓ نے ایسا نہیں کیا تو میں کیسے کروں، پھر فرمایا۔ یہی دونوں تو ہیں جن کی میں اقتداء کرتا ہوں۔

حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ میں ایک دن علی الصبح حضرت ابن مسعودؓ کے پاس ان کو ایک بشارت سنانے اور مبارک باد دینے گیا مگر میں پہونچا تو میں نے دیکھا کہ صدیق اکبرؓ پہلے ہی وہاں موجود تھے اور ان کو بشارت سنا چکے تھے۔ خدا کی قسم میں نے جب بھی کسی نیک کام میں ابو بکرؓ پر سبقت لیجانے کی کوشش کی تو ناکام ہی رہا اور ہمیشہ وہی سبقت لے گئے۔

مشکوٰۃ میں ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عمرؓ کے سامنے حضرت صدیقؓ کا ذکر کیا گیا تو حضرت عمرؓ نے روتے ہوئے کہا کہ میں چاہتا ہوں کہ میرے تمام نیک کام حضرت ابو بکرؓ کے ایک دن اور ایک رات کے مثل ہوتے، رات تو وہ جبکہ وہ غار میں آنحضرتؐ کے ہمراہ گئے اور رہے اور دن وہ جبکہ آنحضرتؐ نے وفات پائی اور عرب کے بعض قبائل نے زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا اور مرتد ہو گئے اور حضرت صدیقؓ نے فرمایا کہ زکوٰۃ کے اونٹ تو بڑی چیز ہیں اگر وہ اونٹ کے پیر کا بندھن بھی دینے سے انکار کریں گے تو میں ان سے جہاد کرونگا۔

امام احمد روایت کرتے ہیں کہ رافع طائی جو غزوہ سلاسل میں حضرت ابو بکرؓ کے رفیق تھے انہوں نے حضرت ابو بکر صدیقؓ سے سقیفہ بنی ساعدہ میں بیعت کے سلسلہ میں جو باتیں ہوئی تھیں دریافت کیں، حضرت ابو بکرؓ نے تمام باتیں بیان کیں اور کہا کہ عمرؓ نے ان کو آنحضرتؐ کے مرض وفات میں میرا امام نماز بننا یاد دلا دیا تھا، بس پھر سب نے بیعت کر لی اور میں نے ان کی بیعت کو قبول کر لیا، میں خوف کھا رہا تھا کہ اگر میں نے انکار

کیا تو کوئی دوسرا جھگڑا نہ پیدا ہو جائے۔

حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ سقیفۂ بنی ساعدہ میں بیعت صدیقؓ کے لئے میں نے اپنا ہاتھ بڑھایا مگر ایک انصاری نے اس سے بھی پہلے اپنا ہاتھ ان کے ہاتھ میں دیکر بیعت کرلی اور اس کے بعد سب نے بیعت کرلی۔

ترمذی کی ایک روایت ہے کہ حضرت عثمانؓ نے اپنے مکان کی چھت پر چڑھ کر محاصرین سے فرمایا کہ میں تم کو خدا کی قسم دے کر کہتا ہوں کہ جب کوہ اُحد کو جنبش ہوئی تو رسول اللہؐ نے اس سے فرمایا۔ اے اُحد ٹھہر جا کیونکہ تیرے اوپر ایک نبیؐ ایک صدیقؓ اور دو شہید ہیں۔

امام احمد حضرت عثمانؓ کی بیوی نائلہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا کہ حضرت عثمانؓ سو کر اٹھے اور فرمایا۔ بیشک میری قوم مجھے قتل کرے گی، میں نے کہا ایسا نہیں ہو سکتا، آپ کی رعایا آپ سے خوش ہے۔ فرمایا۔ نہیں یہ ہونا ہے کیونکہ میں نے ابھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا ہے اور حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمرؓ کو بھی دیکھا ہے اور رسول اکرمؐ نے مجھے فرمایا ہے کہ اے عثمان! آج تم ہمارے پاس روزہ افطار کرو گے۔

محمد ابن حنیفہؒ کہتے ہیں کہ میں نے اپنے والد حضرت علیؓ سے پوچھا کہ آنحضرتؐ کے بعد مسلمانوں میں کون بہتر ہے؟ آپ نے فرمایا۔ ابوبکرؓ۔ میں نے پوچھا ان کے بعد؟ فرمایا۔ عمرؓ اس کے بعد مجھے یہ خیال ہوا کہ اگر اب میں نے پوچھا تو آپ کہدیں گے کہ عثمانؓ۔ لہذا میں نے خود ہی

کہا کہ پھر آپ سب سے بہتر ہیں۔ فرمایا۔ نہیں میں تو مسلمانوں میں سے ایک شخص ہوں۔

ابن ماجہ نے عبداللہ بن سلمہؓ سے روایت کی ہے کہ وہ کہتے تھے کہ میں نے حضرت علیؓ کو فرماتے سنا کہ آنحضرتؐ کے بعد سب سے بہتر ابوبکرؓ اور ان کے بعد عمرؓ ہیں۔

امام احمد نے علقمہ بن قیسؓ کی روایت کو نقل کیا ہے کہ حضرت علیؓ نے منبر پر فرمایا۔ اے لوگو! کیا میں تمہیں اس شخص کو بتا دوں جو امت میں نبیؐ کے بعد سب سے افضل ہے؟ پھر آپ نے حضرت ابوبکرؓ کا نام لیا پھر حضرت عمرؓ کا ذکر کیا۔

امام احمد روایت کرتے ہیں کہ حضرت علیؓ نے جنگ جمل کے دن فرمایا کہ خلافت کے معاملہ میں آنحضرتؐ نے ہمیں کوئی وصیت نہیں کی جو ہم اس کے مطابق عمل کریں، بلکہ یہ ایسی بات تھی کہ ہم نے اپنے ذاتی مشورے اور خیال سے جو مناسب سمجھا وہ کیا، چنانچہ ابوبکرؓ خلیفہ ہوئے خدا ان پر اپنی رحمت نازل فرمائے انہوں نے دین کو خوب ترقی دی اور خود بھی راہ مستقیم پر قائم رہے، پھر حضرت عمرؓ خلیفہ بنائے گئے اللہ ان پر بھی رحمت نازل کرے انہوں نے بھی دین کو مستحکم کیا اور خود بھی راہ مستقیم پر قائم رہے، یہاں تک کہ دین کو پوری قوت حاصل ہو گئی۔

ابو عمرو نے استیعاب میں حسن بصریؒ سے وہ قیس بن عبادؓ سے روایت کرتے ہیں کہ مجھ سے حضرت علیؓ نے فرمایا کہ رسول اکرمؐ کے مرض وفات

ہیں کچھ دن اور راتیں ایسی تھیں کہ جب اذان ہوتی تھی تو آپ لوگوں سے فرماتے تھے کہ ابوبکرؓ سے کہدو وہ نماز پڑھا دیں۔ پھر حضور کی وفات کے بعد میں نے غور کیا کہ نماز دین کا ستون ہے اور جب ابوبکرؓ اس میں ہمارے امام ہو چکے تو پھر ہم نے ان کو دنیاوی سرداری کے لئے بھی پسند کر لیا کیونکہ آنحضرتؐ نے ان کو ہماری دینی سرداری کے لئے پسند کیا تھا، اس کے بعد ہم سب نے ان سے بیعت کر لی۔

ریاض النضرہ میں یہ روایت بیان کی گئی ہے اور اس کے راوی اسید بن صفوانؓ ہیں کہ حضرت صدیقؓ کا انتقال ہوا تو حضرت علیؓ روتے ہوئے اور انا للہ و انا الیہ راجعون پڑھتے ہوئے آئے اور حضرت ابوبکرؓ کے چہرے سے چادر ہٹا کر فرمایا —— اے رسول اللہ کے مونس وہمدم، راز دار، غمگسار، مشورہ دینے والے سب سے پہلے اسلام لانے والے، خالص الایمان، آنحضرتؐ کا حق رفاقت ادا کرنے والے، مقرب بارگاہ رسالت آپ کے مناقب بے شمار ہیں، آپ کا مرتبہ بلند ہے، معتمد رسول، باعزت باوقار! اللہ تعالےٰ آپ کو اسلام کی طرف سے اور آنحضرتؐ کی طرف سے جزائے خیر عطا فرمائے۔ اے ابوبکرؓ! آپ نے آنحضرتؐ کی اسوقت تصدیق کی جب تمام لوگ ان کی تکذیب کر رہے تھے، اللہ نے اپنی کتاب میں آپ کا نام صدیق رکھا، والذی جاء بالصدق وصدق بہٖ آپ ہی کی شان میں فرمایا۔ آپ نے اپنا مال اسوقت خرچ کیا جبکہ لوگ بخل کر رہے تھے۔ آپ صحابہ میں سب سے مکرم، مصداق ثانی اثنین غار

میں آنحضرتؐ کے رفیق، خدا کی طرف سے آپ کو تسلی دی گئی، آپ نے فرائض خلافت کو خوب ادا کیا۔

یہ ایک طویل حدیث ہے جس کا اقتباس پیش کیا گیا ہے، آخر میں راوی کہتے ہیں کہ حضرت علیؓ کی تقریر کو سب نے خاموشی سے سنا اور پھر سب لوگ بہت روئے اور کہنے لگے کہ اے دامادِ رسولؐ آپ نے سچ فرمایا۔

صحابہ کی نظر میں ● محمد ابن سیرین فرماتے ہیں کہ حضرت ابو بکرؓ کی بیعت کے وقت کچھ لوگ حضرت ابو عبیدہ بن جراحؓ کے پاس آئے اور کہا کہ ہم آپ سے بیعت کرنا چاہتے ہیں، آپ نے جواب دیا کہ تم مجھ سے بیعت کرنے آئے ہو حالانکہ تم میں ثالث ثلثہ موجود ہیں۔ پوچھا گیا کہ ثالث ثلثہ کون ہیں؟ فرمایا وہ جن کو ثانی اثنین اذھما فی الغار کہا گیا ہے۔

حضرت عبدالرحمٰن ابن عوفؓ فرماتے ہیں کہ حضرت ابو بکرؓ نے منبر پر کھڑے ہو کر تقریر کی اور فرمایا کہ خدا کی قسم میں نے کبھی ظاہر و باطن میں اللہ تعالےٰ سے خلافت کی درخواست نہیں کی۔ بلکہ اختلاف کے اندیشہ سے قبول کر لی، مجھ میں اس بار کے اٹھانے کی مطلق طاقت نہیں ہے سوائے اللہ کی تائید کے، میں چاہتا ہوں کہ کوئی اس بار کو مجھ سے لے لے جو طاقت رکھتا ہو مگر سب خاموش رہے۔

ابو عمرؓ نے استیعاب میں حضرت ابن مسعودؓ سے روایت نقل کی ہے کہ وہ فرماتے تھے۔ اے لوگو! اپنا امام اس شخص کو بناؤ جو تم میں سب

تاریخ خلفائے راشدہ ۱۰۲

سے افضل ہو کیونکہ آنحضرتؐ نے صحابہ کا امام ابو بکرؓ کو بنایا تھا جو تمام اصحاب رسول میں سب سے افضل تھے۔

دارمی کی روایت ہے کہ حضرت ابن عباسؓ سے جب کوئی مسئلہ پوچھا جاتا تو وہ قرآن سے بیان کرتے یا حدیث سے بیان کرتے اور اگر قرآن و حدیث میں نہ ملتا تو ابو بکرؓ و عمرؓ کے اقوال سے جواب دیتے۔

حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ فرماتے ہیں کہ میں آنحضرتؐ کے ساتھ مدینہ کے ایک باغ میں تھا، ایک شخص آئے اور انہوں نے دروازہ کھلوایا، حضور اکرمؐ نے فرمایا۔ دروازہ کھول دو اور آنے والے کو جنت کی بشارت سنا دو۔ میں نے دروازہ کھولا تو ابو بکرؓ تھے۔

ابو عمر حضرت ابو بکرؓ کے تذکرہ میں لکھتے ہیں کہ ابو محجن ثقفیؓ نے حضرت ابو بکرؓ کی شان میں یہ اشعار لکھے تھے۔

"آپ کا نام صدیقؓ رکھا گیا ہے اور دوسرے مہاجرین اپنے اپنے اچھے ناموں سے پکارے جاتے ہیں، خدا گواہ ہے کہ آپ نے اسلام کی طرف سبقت کی اور آپ عریش میں رسول اللہؐ کے ہم نشین رہے، اسی وجہ سے آپ کا نام یارِ غار رکھا گیا آپ نبی پاکؐ کے رفیق تھے۔"

محمد ابن سیرین فرماتے ہیں کہ میں نہیں خیال کرتا ہوں کہ جو شخص ابو بکرؓ اور عمرؓ کو برا کہتا ہو وہ رسول اللہ سے محبت رکھتا ہو۔

حضرت امام حسن نے کوفہ میں اپنا خواب بیان کرتے ہوئے کہا

کہ میں نے اللہ تعالےٰ کو عرش پر دیکھا، پھر آنحضرتؐ تشریف لائے اور عرش کے ایک پایہ کے قریب کھڑے ہو گئے۔ پھر ابو بکرؓ آئے اور انہوں نے اپنا ہاتھ آنحضرتؐ کے شانۂ مبارک پر رکھ لیا۔ پھر عمرؓ آئے اور انہوں نے ابو بکرؓ کے شانہ پر اپنا ہاتھ رکھ لیا۔ پھر عثمانؓ آئے اور اس طرح آئے کہ ان کا سر ان کے ہاتھ میں تھا اور وہ کہہ رہے تھے کہ اے پروردگار تو اپنے بندوں سے پوچھ کہ انہوں نے مجھے کس جرم میں قتل کیا ہے؟ اس کے بعد آسمان سے خون کے پرنالے بہنے لگے۔ کسی نے حضرت علیؓ سے کہا کہ دیکھئے یہ حسنؓ کیا بیان کر رہے ہیں؟ آپ نے فرمایا جو دیکھا ہے وہ کہہ رہے ہیں۔

امام احمد روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے امام زین العابدین سے پوچھا کہ ابو بکرؓ و عمرؓ کو آنحضرتؐ کی بارگاہ میں کتنا قرب حاصل تھا؟ فرمایا۔ جتنا اب ہے یعنی جس طرح اب وہ ان کی قبر سے ملے ہوئے ہیں اسی طرح زندگی میں ان سے ملے ہوئے تھے۔

حضرت امام محمد باقرؒ فرماتے ہیں کہ جس نے ابو بکرؓ و عمرؓ کی فضیلت کو نہ جانا وہ سنت رسول سے جاہل رہا۔ فرمایا میں ان سے محبت رکھتا ہوں اور ان کے لئے دعائے مغفرت کرتا ہوں۔ میں نے اپنے خاندان میں سب کو ان سے محبت کرتے ہوئے دیکھا۔ ان دونوں حضرات کو جو لوگ برا کہتے ہیں وہ بے دین ہیں۔ ان سے بغض رکھنا نفاق کی علامت ہے۔

حضرت امام جعفر صادقؒ فرماتے ہیں کہ ابوبکرؓ و عمرؓ عادل تھے امام تھے، ہم ان سے محبت رکھتے ہیں اور ان کے دشمن سے بیزار ہیں۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا۔ اے سالم! کیا کوئی اپنے نانا کو برا کہے گا، ابوبکرؓ میرے نانا ہیں، میرے جد محمد مصطفٰےؐ کی شفاعت مجھے نصیب نہ ہو اگر میں ان سے محبت نہ رکھتا ہوں اور ان کے دشمنوں سے بیزار نہ ہوں۔

ابو یعلی دو واسطوں سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عباس ابن عبدالمطلبؓ فرماتے تھے کہ میں زمانہ علالت میں آنحضرتؐ کے پاس گیا، ازواج مطہراتؓ بیٹھی ہوئی تھیں۔ آپ نے فرمایا ابوبکرؓ سے کہو کہ وہ نماز پڑھا دیں، پھر کچھ آپ کو سکون ہوا تو آپ باہر تشریف لائے، ابوبکرؓ نے پیچھے ہٹنا چاہا آپ نے ان کو اشارہ سے روک دیا اور پھر خود ان کے پہلو میں بیٹھ کر نماز ادا کی جہاں تک حضرت ابوبکرؓ پڑھ چکے تھے اس سے آگے آپ نے پڑھنا شروع کیا یعنی جو رہ گئی تھی اسے پورا کیا۔

حضرت مکحولؒ سے کسی شخص نے پوچھا کہ فان اللہ ھو مولٰہ والی آیت کا مطلب کیا ہے؟ فرمایا کہ مجھ سے ابو امامہؓ نے بیان کیا کہ اللہ نبی کا مولٰی ہے اور جبریل ان کے مولٰی ہیں اور اچھے ایمان والے یعنی حضرت ابوبکر اور حضرت عمرؓ۔

حاکم نے اس روایت کو نقل کیا ہے کہ حضرت ابن عباسؓ سے کسی نے پوچھا کہ لوگوں میں سب سے پہلے کون اسلام لایا؟ تو انہوں نے فرمایا کہ کیا تم نے حضرت حسان بن ثابتؓ کا قول نہیں سنا کہ وہ اپنے اشعار

میں کہتے ہیں۔

"جب تم کسی اچھے اور معتبر شخص کے غم کو یاد کرو تو اپنے بھائی ابو بکرؓ کو ان کے کام کے سبب سے یاد کر لیا کرو۔ کیونکہ وہ آنحضرتؐ کے بعد بہترین خلق، پرہیزگار، عادل، بارِ خلافت کے اٹھانے میں بہت کامل تھے وہ مصداق ثانی اثنین اور شریعت کے متبع تھے، ان کی کارگذاری اچھی تھی اور وہ سب سے پہلے اللہ کے رسولؐ کی تصدیق کرنے والے تھے"۔

مشہور تابعی عالم و محدث حضرت ابن سیرینؒ فرماتے ہیں کہ نا معلوم مسائل کے معاملہ میں ابو بکرؓ سے زیادہ کوئی خائف نہیں رہتا تھا، کوشش کے باوجود اگر ان کو قرآن و سنت سے کوئی جواب نہیں ملتا تھا تو پھر وہ قیاس سے کام لیتے تھے مگر اس کے ساتھ ہی یہ بھی فرما دیتے تھے کہ یہ میری رائے ہے اگر صحیح ہے تو اللہ تعالےٰ کی طرف سے ہے اور اگر غلط ہے تو میری طرف سے ہے، لہٰذا میں اللہ تعالےٰ سے اس کی مغفرت چاہتا ہوں۔ (ازالۃ الخفا)

اخلاق پاکیزہ

انسانی زندگی میں مال و دولت اور جاہ و حشمت کو غیر معمولی اہمیت حاصل ہے، بے شمار کام ہیں جو ان ہی قوتوں کی بدولت انجام پاتے ہیں

مگر یہ امر بھی مسلمہ ہے کہ اگر زندگی سے نیکی و بھلائی اور اخلاق و اعمال کی پاکیزگیاں کھینچ لی جائیں تو پھر ہر چیز بیکار ہو کر رہ جاتی ہے، دولت و حکومت کے سہارے کچھ عرصہ کے لئے تو انسان فتح پا سکتا ہے مگر دلوں میں محبت کے دائمی اور گہرے نقوش اسی وقت پیدا ہو سکتے ہیں جبکہ انسان مرضئ الٰہی کا تابع ہو جائے، وہ حکومت کرے تو اللہ کے لئے، دولت لٹائے تو اللہ کے لئے اور کسی سے محبت و عداوت رکھے تو اللہ کے لئے اسلام نے اپنے ماننے والوں کو جو زندگی بخشی اور رسول اکرمؐ لے ایمان لانے والوں کو سیرت و کردار کے جس پاکیزہ سانچے میں ڈھالا وہ صرف زندگی ہی نہیں تھی بلکہ نیکی و قوت کا ایسا حسین مجموعہ اور آمیزہ تھی جس کی مثال انسانی دورِ حیات پیش کرنے سے قاصر ہے۔

حضرت ابوبکر صدیق اگرچہ فطرتاً نیک تھے مگر اسلام کی برکات اور آنحضرتؐ کے فیضِ صحبت نے ان کو اخلاقِ حمیدہ سے اس درجہ متصف کر دیا تھا کہ ان کی ذات محامد و محاسن کا گہوارہ بن گئی تھی۔ اعمال و اخلاق کا کوئی گوہرِ درخشاں ایسا نہیں تھا جو ان کی ذات میں نہ سمٹ آیا ہو۔

اس زمانہ میں جبکہ گناہ کرنے . . کو کمال سمجھا جاتا تھا اور فسق و فجور شعائرِ زندگی بنے ہوئے تھے حضرت ابوبکر صدیقؓ کا دامنِ عفت کبھی داغ دار نہیں ہو سکا۔ نرم مزاجی، پارسائی، راستبازی، دیانت و امانت فیاضی و دست گیری، غرباء سے حسنِ سلوک، رشتہ داروں سے محبت اور مصیبت زدہ انسانوں سے ہمدردی ان کے وہ اوصاف تھے

جن کو اہل مکہ بھی تسلیم کرتے تھے۔ آنحضرتؐ کے شرف صحبت نے نہ صرف اسلام کی دولت سے نوازا بلکہ زندگی کو اس درجہ نکھارا اور سنوارا کہ ذات صدیقؓ آنحضرتؐ کے اسوۂ حسنہ کی آئینہ دار بن گئی۔ درحقیقت نیکی اور تقویٰ کا کمال یہ ہے کہ نہ صرف اعضائے جسمانی اعمال شنیعہ سے کنارہ کش رہیں بلکہ عالم تخیل میں بھی گناہ کا خیال راہ نہ پائے.... صدیق اکبرؓ کی زندگی اسی منتہائے کمال سے وابستہ تھی جہاں گناہ کا احساس وخیال ہی عرقِ ندامت کر دیا کرتا تھا حسن سیرت اور اخلاق پاکیزہ کے بے شمار واقعات میں سے چند پیش کئے جا رہے ہیں۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ سادگی، قناعت، خاموشی اور صبر وشکر کے ساتھ زندگی گذارنے کو بہت پسند کرتے تھے، دنیاوی جاہ وجلال اور کثرت ساز وسامان سے بہت گھبراتے تھے، سادی غذا، سادہ لباس، معمولی مکان اور غریبانہ زندگی آپ کی خصوصیات تھیں۔ اگرچہ خلافت کا بار اٹھالیا تھا مگر اکثر کہا کرتے تھے کہ اگر کوئی اس بوجھ کو اٹھانے کے لئے آمادہ ہو جائے تو مجھے سبکدوش ہونے میں بڑی مسرت حاصل ہو۔ ذمہ داری کے کام سے محض اس لئے گھبراتے تھے کہ کہیں کوئی کام مرضیٔ الٰہی اور مفاد ملت کے خلاف نہ ہو جائے ایک مرتبہ رافع طائیؓ کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا اللہ تم پر اپنا رحم فرمائے، بھائی! نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ سے غافل نہ رہو، زندگی سادہ و مختصر ہونا چاہیئے، امارت وحکومت سے کنارہ کش رہو فردِ عمل مختصر ہونا چاہیئے ورنہ قیامت کے دن حساب میں

بڑی پریشانی ہو گی۔

ایک مرتبہ لوگوں نے آپ کو ٹھنڈے پانی میں شہد ملا کر پینے کے لئے دیا، جیسے ہی برتن منہ سے لگایا آنکھوں سے آنسو بہنے لگے، لوگوں نے رونے کی وجہ پوچھی تو فرمایا، مجھے فریب دنیا سے ڈر معلوم ہوتا ہے کیونکہ میں نے دیکھا کہ ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کسی چیز کو دور دور فرما رہے تھے، میں نے دیکھا تو کچھ نظر نہ آیا آخر میں نے پوچھا، کیا چیز ہے یارسول اللہ؟ فرمایا، فریب دنیا سامنے آ گئے تھے اور میں ان کو بھگا رہا تھا۔ وہ بات اس وقت یاد آ گئی اور میں ڈرنے لگا کہ کہیں دنیا کا فریب میرے اوپر نہ چل جائے ۔ اسلام لانے کے بعد مال و دولت کی کوئی حیثیت ان کی نظروں میں باقی نہیں رہی تھی، جو کچھ تھا سب اسلام کی خاطر لٹا دیا اور وفات کے وقت بیت المال کے قرضدار تھے، آخری وصیت یہی کی تھی کہ میرا باغیچہ فروخت کر کے بیت المال کا قرض ادا کر دینا اور میرے سامان میں جو چیز بھی تمہیں ملے وہ حضرت عمرؓ کے پاس بھیج دینا، چنانچہ وفات کے بعد دیکھا گیا تو ایک غلام، ایک لونڈی، دو اونٹنیاں نکلیں۔ حضرت عائشہ نے سب چیزیں حضرت عمرؓ کے پاس بھیج دیں، حضرت عمرؓ اس قدر متاثر ہوئے کہ رونے لگے اور فرمایا۔ ابوبکر! اللہ تعالےٰ آپ پر رحم فرمائے، جاتے جاتے بھی زہد کا دامن آپ سے نہ چھوٹا۔

زمانۂ جاہلیت کا واقعہ ہے کہ ایک شخص آپ کو اپنے ہمراہ لئے جا رہا تھا، راستہ میں کہنے لگا کہ اس راستہ میں زیادہ تر بدکردار آوارہ منش لوگ

رہتے ہیں حضرت ابوبکرؓ یہ سنتے ہی لوٹ پڑے اور فرمایا میں ایسے راستہ سے گذرنا پسند نہیں کرتا ہوں۔

تقویٰ کا یہ عالم تھا کہ آپ کے غلام نے کھانے کی کوئی چیز دی اور جب آپ کھا چکے تو کہنے لگا۔ یہ زمانۂ جاہلیت میں ایک فال دیکھنے کا معاوضہ تھا جواب ملا ہے، حالانکہ میں فال کھولنا جانتا بھی نہ تھا اور محض یونہی جواب دیدیا تھا، آپ نے حلق میں انگلی ڈال کر کھائی ہوئی چیز قے کردی اور فرمایا مال حرام سے پلنے والے جسم کا ٹھکانہ جہنم میں ہوتا ہے۔

ایک مرتبہ غصہ کی حالت میں حضرت عمرؓ کو کچھ ناشائستہ کلمات کہہ دیئے، بعد میں سخت نادم ہوئے اور معافی چاہی، حضرت عمرؓ نے کوئی توجہ نہیں دی، بارگاہ مصطفےٰ میں حاضر ہوئے اور واقعہ بیان کیا۔ آنحضرتؐ نے تسلی دیتے ہوئے فرمایا، اللہ تعالےٰ بخش دے گا، حضرت ابوبکرؓ سے ندامت کا اثر دور نہ ہونے پایا تھا کہ حضرت عمرؓ بھی آگئے، آنحضرتؐ کچھ کہنا ہی چاہتے تھے کہ ابوبکرؓ نے عرض کیا، یا رسول اللہ! زیادتی میری ہے، آنحضرتؐ خاموش ہوگئے مگر پھر بھی اتنا ارشاد فرمایا کہ کیا تم میرے دوست کو مجھ سے جدا کرنا چاہتے ہو؟

ایک مرتبہ حضرت ربیعہ بن جعفرؓ سے ایک درخت کے سلسلہ میں تکرار ہوگئی، کوئی لفظ ایسا کہہ دیا کہ ربیعہؓ کو بہت ناگوار ہوا۔ تھوڑی دیر میں ربیعہؓ سے معافی مانگنے لگے مگر وہ انکار کرنے لگے، دونوں آنحضرتؐ کی خدمت میں آئے، حضور اکرمؐ نے واقعہ سن کر ربیعہؓ سے فرمایا۔ اے

ربیعہؓ! تم کہہ دو کہ اللہ تم کو معاف فرمائے، بات ختم ہوگئی مگر حضرت ابو بکرؓ دیر تک روتے رہے۔ (بخاری، فتح الباری، ابن سعد)

اسلام کے نام پر مال خرچ کرنے میں آپ کو بڑی خوشی حاصل ہوتی تھی، فیاضی اگرچہ پیدائشی عادت تھی مگر اسلام نے اس عادت میں ایسی جان ڈالی کہ حضرت صدیق کو اللہ کے نام پر گھر بار لٹانے میں مطلق تامل نہیں ہوتا تھا، اگر پیسہ نہیں رہا تو سامان خانہ داری تک راہ خدا میں دے ڈالا۔

اسلام لائے تو چالیس ہزار سرمایہ کے مالک تھے، یہ وہ خطیر رقم تھی جو آپ نے تجارت و محنت کے ذریعہ کمائی اور بچائی تھی مگر وقت پر پانی کی طرح بہائی اور مفلسی کے اندیشہ کا دل میں گذر بھی نہ ہونے دیا جان و مال کی مخلصانہ قربانی کا یہ ثمرہ تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بارہا زبان رسالت سے ارشاد فرمایا کہ "سب سے زیادہ مجھے ابو بکرؓ کے مال سے فائدہ پہونچا" ابتدائے اسلام میں غلامان اسلام کو ان کے کافر آقاؤں کے ظلم و ستم سے نجات دلانے والے آپ ہی تھے، باپ نے اعتراض بھی کیا مگر صدیق اکبرؓ اسے سرمایۂ آخرت سمجھتے تھے، بلالؓ، عامرؓ، نہدیہ جاریہ اور کئی ہستیاں ایسی ہیں جن کو آپ نے خریدا اور آزاد کیا۔

حضرت عمرؓ اسلام لانے کے بعد ہمیشہ کوشش کرتے رہے کہ مال خرچ کرنے میں صدیق اکبرؓ سے بڑھ جائیں مگر کامیاب نہ ہو سکے، ایک مرتبہ آنحضرتؐ نے صحابہ کرامؓ سے اللہ کے لئے مال طلب فرمایا

حضرت عمرؓ کل سرمایہ کا نصف لیکر آئے اور یہ خیال کر کے آئے کہ آج کوئی آگے نہیں بڑھ سکے گا مگر حضرت ابوبکرؓ آئے تو شان یہ تھی کہ سرمایہ ہی نہیں بلکہ سامان خانہ داری بھی ساتھ لے آئے تھے، آنحضرتؐ نے یہ کیفیت دیکھ کر پوچھا کچھ گھر میں بھی چھوڑ آئے ؟ کہنے لگے، گھر والوں کے لئے اللہ و رسول کافی ہے۔ حضرت عمرؓ حیران رہ گئے اور کہنے لگے کہ "میں ان سے کبھی نہیں جیت سکتا۔"

ایک مرتبہ آنحضرتؐ نے ان ہی پیش قدمیوں کو دیکھ کر ارشاد فرمایا۔ "جان و مال سے اعانت کے سلسلہ میں ابوبکرؓ سے زیادہ کسی کا مجھ پر احسان نہیں ہے"۔ اس جملہ نے دوجہان کی نعمتوں سے بے نیاز کر دیا، روتے ہوئے عرض پیرا ہوئے، یارسول اللہ! یہ جان و مال سب آپ ہی کا ہے"۔

راہ خدا میں مال خرچ کرنے کی بھی یہ صورت بھی ہوتی تھی کہ اس طرح دیدیا کرتے تھے کہ کسی کو کانوں کان پتہ بھی نہیں چلتا تھا، علانیہ دینے سے ان کو یہ زیادہ اچھا معلوم ہوتا تھا کہ چپکے سے دیا جائے اور یہ اخروی تجارت اس طرح کی جائے کہ کوئی نہ دیکھ سکے اور نہ سن سکے۔ ایک مرتبہ عالم تنہائی میں حاضر خدمت ہوئے اور چادر کے گوشہ سے مال نکال کر بارگاہ رسالتؐ میں پیش کیا اور کہنے لگے، یارسول اللہ! اسے قبول کر لیجئے اور بھی جو کچھ اللہ کا دیا ہوا ہے وہ بھی موجود و حاضر ہے۔

فیاضی کا یہ سلسلہ جب سے شروع ہوا پھر آخر حیات تک نہیں ٹوٹا، نقد لٹانے کو کچھ باقی نہیں رہا تو دوسری وصیتوں کے ساتھ ایک وصیت

یہ بھی فرمائی کہ میرے مال کا پانچواں حصہ غرباء پر تقسیم کیا جائے۔

قرآن کریم نے ایسے ہی حضرات کو درجۂ فضیلت عطا کرتے ہوئے ارشاد فرمایا۔

تم میں وہ لوگ جو فتح مکہ سے قبل اللہ کے راستے میں جہاد کرتے رہے اور مال خرچ کرتے رہے وہ مرتبہ میں دوسرے عام مسلمانوں کے برابر کیسے ہو سکتے ہیں، یہ تو ان سے مرتبہ میں بلند و بالا ہیں جو فتح مکہ کے بعد لڑے اور خرچ کیا۔

(سورہ حدید)

سرکار دو عالم کا یہ ارشاد گرامی کون بھلا سکتا ہے کہ ابوبکرؓ کے مال سے زیادہ کسی کا مال میرے لئے مفید و سودمند ثابت نہ ہوا۔ متعدد احادیث ہیں جن سے واضح ہوتا ہے کہ آنحضرتؐ نے بارہا صدیق اکبرؓ کی سخاوت اور فیاضی کو شکریہ اور مسرت کی نظروں سے دیکھا ہے۔

ان خصوصیات کے علاوہ ذات صدیقی کے اخلاقی جواہر میں تواضع عاجزی و انکسار، خدمت خلق، سادگی و قناعت، نرمی و محبت، حب اسلام و جذبۂ عشق کی اتنی فراوانی ہے کہ اگر تفصیل سے قلم چلایا جائے تو دفتر کے دفتر بھر سکتے ہیں، مومنین اولین اور مہاجرین سابقین میں مقام صدیقی کی رفعت و بلندی کے لئے قرآن کریم کی ان آیات سے زیادہ کیا سند ہو سکتی جو پچھلے اوراق میں حوالۂ قلم کی گئی ہیں۔

عاجزی و تواضع کا عالم یہ تھا کہ مسند خلافت پر آئے تو لوگوں نے تعظیم

وتوقیر میں اہتمام کرنا شروع کر دیا مگر جب بھی کسی نے تعظیم کی اور احترام سے پیش آیا تو گھبرا کر فرمایا کرتے تھے، لوگ مجھے بہت بڑھانے لگے ہیں حالانکہ اللہ تعالٰی میرے حال کو مجھ سے زیادہ جانتا ہے اور میں تعظیم کرنے والوں سے زیادہ جانتا ہوں۔ اے اللہ! میرے گناہوں کو معاف فرما دے اور لوگ مجھے جتنا اچھا سمجھتے ہیں تو اس سے بہتر بنا دے۔

مسند خلافت پر متمکن ہوئے تو ایک غریب لڑکی نے کہا کہ اب بڑی مشکل پیش آئی، کون ہماری بکریاں دوہا کرے گا؟ آپ نے سنا تو فوراً پہونچے اور فرمایا۔ بیٹی! فکر مت کرو، خدا شاہد ہے کہ یہ خلافت مجھے تمہاری خدمت سے نہیں روکے گی۔

خلیفۂ رسولؐ ہونے کے بعد کاندھے پر کپڑا ڈال کر فروخت کرتے ہوئے دیکھے گئے۔ حضرت عمرؓ اور حضرت ابو عبیدہؓ بازار سے گھر لائے، مسلمانوں کے سامنے معاش صدیق کا مسئلہ پیش کیا گیا، حضرت علیؓ نے بیت المال سے وظیفہ مقرر کئے جانے کی تجویز پیش کی اور وہ منظور کر لی گئی۔

بیماروں کی خدمت اور غریبوں سے انسیت کا یہ حال تھا کہ حضرت عمرؓ ایک مرتبہ ایک بوڑھی و معذور عورت کے گھر اس کا کام کرنے پہونچے مگر وہاں جا کر معلوم ہوا کہ صدیق اکبرؓ آئے تھے اور کام کر کے چلے گئے۔ مہمانوں کو گھر پر لانے اور ان کو کھانا کھلانے میں بڑی مسرت

محسوس کیا کرتے تھے، کبھی کھانا کم ہوتا تو خود باہر چلے جاتے تھے اور بیٹے کو ہدایت کر جاتے تھے کہ میرے آنے سے پہلے مہمانوں کو کھانا کھلا دینا۔ ایک مرتبہ چند مہمان آئے اور آپ باہر گئے، بیٹے نے مہمانوں کے سامنے کھانا پیش کیا مگر انہوں نے یہ کہہ کر کھانے سے انکار کر دیا کہ جب تک حضرت صدیقؓ نہیں آئیں گے ہم نہیں کھائیں گے، آپ گھر میں آئے تو مہمان بھوکے بیٹھے تھے، عبدالرحمان پر خفا ہوئے کہ تم نے میری نصیحت پر عمل نہیں کیا، مہمان بول اٹھے کہ ان کا قصور نہیں ہے، ہم نے خود ہی آپ کے بغیر کھانے سے انکار کر دیا تھا، آخر سب کے ساتھ بیٹھے مگر اللہ تعالیٰ نے قلیل کھانے میں ایسی برکت عطا فرمائی کہ سب کھا چکے اور بچ بھی رہا۔

قناعت سادگی اور قناعت کا یہ عالم تھا کہ اسلامی زندگی کا بڑا حصہ موٹے کپڑے پہنکر اور معمولی غذا کھا کر گذار دیا۔ خلیفہ ہوئے تو یہ احساس اور بھی بڑھ گیا، بیت المال سے جو وظیفہ ملتا تھا اس کی مقدار اتنی قلیل تھی کہ اکثر اوقات روٹی نمک اور سرکہ سے ہی کھا لیا کرتے تھے، اگر کھانا کبھی کچھ بچ رہتا تھا تو اسے پھر بیت المال میں ہی واپس کر دیا کرتے تھے۔

آنحضرتؐ کی حیات میں ایک دن بھوک سے بیقرار ہو رہے تھے، حضور اکرمؐ نے فرمایا، صدیق! میرا بھی یہی حال ہو رہا ہے ایک صحابی نے سنا تو وہ اپنے گھر پر کھانا کھلانے لے گئے۔

مسلمانوں میں مل جل کر بیٹھ جانا، ان کے ساتھ ہر کام میں

شرکت کرنا اور نہایت بے تکلفی سے باتیں کرتے رہنا کہ دیکھنے والوں کیلئے امتیاز کرنا مشکل ہو جاتا تھا۔ یہ ان کی خصوصیات میں سے تھا گھر میں جتنی دیر رہتے تھے عبادت یا پھر گھر والوں کے ساتھ کام میں ہاتھ بٹاتے رہتے تھے، عبادت میں اتنا جی لگتا تھا کہ جب کھڑے ہو جاتے تھے تو معلوم ہوتا تھا کہ کسی نے لکڑی گاڑ دی ہے، کبھی رونا شروع کرتے تو ہچکیاں بندھ جاتی تھیں آخرت کا خوف اور احتساب اعمال کی فکر کبھی باسدرجہ غالب ہوتی تھی کہ آپ کہا کرتے تھے کہ کاش! میں ایک درخت یا معمولی پرندہ ہوتا اور عاقبت کے معاملات سے نجات مل جاتی۔ کبھی فرماتے کہ یہ طائران خوش الحان کتنے خوش نصیب ہیں کہ قیامت میں ان سے کوئی حساب کتاب نہیں ہوگا، کیا اچھا ہوتا کہ میں بھی ان ہی کی طرح ہوتا۔

دوران تلاوت میں رونے کی کثرت اور دل کی رقت دیکھ کر لوگوں کا مجمع لگ جایا کرتا تھا، یہ کیفیت اتنی بڑھ گئی تھی کہ لوگ "اواہ منیب" کہہ کر پکارا کرتے تھے۔ ایک دن روزہ بھی تھا، جنازہ کی نماز میں شریک ہوئے، مسکینوں کو مہمان بھی بنایا، بیمار کو دیکھنے بھی گئے۔ آنحضرتؐ نے ارشاد فرمایا، جو ایک دن میں اسقدر نیکیاں کرتا ہے وہ بلاشبہ جنت میں جائے گا۔

مورخین کا بیان ہے کہ ذریعہ معاش کے لئے محبوب مشغلہ تجارت تھا، چنانچہ یہ سلسلہ قبل ہجرت اور بعد ہجرت جاری رہا۔ رسول اکرمؐ کی وفات شریف سے ایک سال قبل بصرے کا آخری تجارتی سفر کیا

تھا، بیت المال سے دو چادریں ملتی تھیں اور وہ پرانی ہو جاتی تھیں تو ان کو داخل کر کے دوسری لے لیا کرتے تھے، وظیفہ کے لئے بس اتنا ہی لیا کرتے تھے جو قبل خلافت آپ کا خرچ تھا، ایک مرتبہ آپ کو کمبل اوڑھے ہوئے دیکھا گیا جسے سامنے کے رخ پر کانٹوں سے بند کیا گیا تھا، کہا گیا ہے کہ وظیفہ کی مقدار ایک سال میں ڈھائی ہزار درہم سے آگے نہیں بڑھتی تھی۔ ایک درم ساڑھے تین ماشہ چاندی کا ہوا کرتا تھا۔

ایک مرتبہ بیوی صاحبہ نے میٹھی چیز پکانے اور کھانے کی فرمائش کی۔ کہنے لگے۔ بیت المال سے جو ملتا ہے اس سے زیادہ نہیں لے سکتا ہوں، اگر تم واقعی کھانا چاہتی ہو تو اسی میں سے پس انداز کرو۔ کچھ دن بعد بیوی صاحبہ نے مٹھائی بنائی اور بتایا کہ میں نے اتنا بچا لیا تھا۔ آپ نے اتنی رقم وظیفہ میں کم کر دی اور فرمایا، زندگی مٹھائی کے بغیر بھی گذر سکتی ہے۔ (بخاری، مسلم، ترمذی، ابن سعد)

کلمات شائستہ • حضرت ابو بکر صدیق رضؓ کی زندگی اقوال و اعمال کی ہم آہنگی کا بہترین نمونہ ہے، جو زبان پر ہوتا وہی دل میں ہوتا اور وہی اعضاء و جوارح سے ظاہر ہوتا، ایسی ہی زندگی کو قرآن کریم نے اسوۂ حسنہ کے نام سے ملقب کیا ہے، اس زندگی کا کامل ترین نمونہ آنحضرت ﷺ کی ذات گرامی تھی اور جس کی صحیح عکاسی حیات صدیقی کر رہی تھی، زندگی کی سادگی اور خطبات کے فقروں میں آپ کے بے شمار اقوال و نصائح موجود ہیں عبداللہ بن حکیم رضؓ روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ خطبہ میں ارشاد فرمایا

لوگو! حبیب اللہ کی طرف لو لگاؤ تو ڈرتے ہوئے اور جھکتے ہوئے اور جب اس کے سامنے دست سوال دراز کرو تو عاجزی کے ساتھ پھر آپ نے فرمایا، یہی وہ اوصاف ہیں جو حضرت زکریاؑ میں پائے جاتے تھے اور اللہ تعالٰے نے ان کے لئے ارشاد فرمایا۔ انھم کانوا یسارعون فی الخیرات ویدعوننا رغبا ورھبا وکانوا لنا خاشعین۔

ایک مرتبہ ایک پرندہ شکار کر کے سامنے لایا گیا تو فرمایا۔ جب کوئی شکار مارا جاتا ہے یا کوئی درخت کاٹا جاتا ہے تو اس کا صرف یہی سبب ہوتا ہے کہ اس نے اپنے رب کی یاد کو بھلا دیا۔

کبھی اونٹ کی سواری کرتے ہوئے رسی ہاتھ سے چھوٹ جاتی تو نیچے اتر کر خود اٹھا لیا کرتے تھے، کوئی کہتا کہ ہم سے فرما دیا ہوتا تو ارشاد فرماتے کہ مجھے آنحضرتؐ نے حکم دیا ہے کہ میں کسی سے کوئی سوال نہ کروں۔

ایک مرتبہ فرمایا کہ ہم نے بزرگی تقوے میں، تو نگری یقین میں اور عزت تواضع میں پائی۔ ایک مرتبہ ارشاد ہوا کہ اے میرے رب! حق و باطل کو میرے اوپر مشتبہ مت کرنا ورنہ میں ہوائے نفسانی کا شکار ہو جاؤنگا۔

فرمایا کہ جنت یہ ہے کہ تم سچ بولو اور نیکی کرو اور دوزخ یہ ہے کہ تم بدکاریوں میں اور برائیوں میں مبتلا ہو جاؤ۔ ایک مرتبہ آپ نے

ارشاد فرمایا کہ اے اللہ کے بندو! تم صبح کرتے ہو یا شام کرتے ہو مگر تم کو یہ نہیں معلوم ہوتا ہے کہ کیا ہونے والا ہے، بس ہو سکے تو اس حال میں وقت گزارتے رہو کہ تم سے اللہ کے کام نہ چھوٹنے چاہئیں۔ فرمایا کہ موت تم کو تلاش کرتی ہوئی آرہی ہے اور اچانک وہ تمہارے پاس پہونچ جائے گی، قبل اس کے کہ وہ آئے تم اللہ کے کاموں کو اس کی توفیق اور مدد کے ساتھ پورا کر لو۔

آپ نے فرمایا کہ کوئی مسلمان کسی دوسرے مسلمان کی تحقیر نہ کرے یہ خیال کر کے کہ یہ کم رتبہ ہے کیونکہ بہت سے کم درجہ والے اللہ تعالےٰ کے نزدیک بڑا درجہ رکھتے ہیں۔

آپ نے فرمایا کہ بغض وحسد تمہاری شان کے خلاف ہے، اللہ کے فرمانبردار بندے بھائی بھائی بنکر زندگی گذارتے ہیں اور اس کا تم کو اللہ تعالےٰ نے حکم دیا ہے۔

فرمایا کہ جو شخص اللہ کی محبت کا مزہ چکھ لیتا ہے پھر اسے دنیا کی طلب میں کوئی لطف نہیں آتا۔ یہاں تک کہ وہ لوگوں سے گھبرانے لگتا ہے۔ ایک مرتبہ فرمایا کہ جب کوئی شرابی پکڑ کر سامنے لایا جاتا ہے تو میرے دل میں یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ کاش! اس کی اللہ تعالےٰ ستر پوشی فرماتا اور جب کوئی چور آتا ہے تب بھی میری یہی آرزو ہوا کرتی ہے۔

فرمایا۔ لوگو! اللہ کے خوف سے رویا کرو اور اگر رونا نہ آئے تو کوشش کیا کرو۔

یاد رسولؐ کی یہ کیفیت تھی کہ ایک مرتبہ منبر پر چڑھے اور یہ فرما کر رونے لگے کہ پچھلے برس گرمیوں میں اللہ کے رسولؐ کو فرماتے سنا تھا" اس جملہ کو دو مرتبہ دہرایا اور ہر مرتبہ رو دیئے، جب دل ٹھہرا تو فرمایا، اللہ کے حبیبؐ فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ سے گناہوں کی معافی مانگو اور اپنے لئے دنیا و آخرت کی عافیت و بھلائی طلب کرو۔

(ازالۃ الخفا بحوالہ احیاء العلوم)

حلیہ و اولاد • گندمی رنگ اور متوسط قد تھا، جسم دبلا اور لاغر تھا، دیکھنے سے بڑے نحیف معلوم ہوتے تھے چہرہ شاداب مگر گوشت بہت کم تھا، پیشانی کشادہ اور بلند، آنکھیں قدرے اندر کو دبی ہوئی تھیں سر کے بالوں میں مہندی لگایا کرتے تھے۔

اولاد کے نام یہ ہیں، عبداللہؓ عبدالرحمٰنؓ، محمد بن ابوبکرؓ، اسماءؓ، عائشہؓ اور ام کلثومؓ ——— حضرت عبداللہ اور حضرت اسماء کی والدہ کا نام قتیلہ تھا، حضرت عائشہؓ اور حضرت عبدالرحمٰنؓ کی والدہ کا نام ام رومان تھا، محمد بن ابوبکرؓ یہ حضرت اسماءؓ سے پیدا ہوئے تھے۔ یہ حضرت جعفر طیارؓ کی بیوہ تھیں جن سے آپ نے نکاح مدینہ میں کیا تھا، حضرت ام کلثومؓ کی والدہ کا نام حبیبہ بنت خارجہؓ تھا۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ

تعارف • آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت مدینہ سے ۴۰ سال قبل مکہ میں پیدا ہوئے۔ اس لحاظ سے آپ آنحضرتؐ سے عمر میں ۱۲ یا ۱۳ برس چھوٹے تھے، عمرؓ نام رکھا گیا، ابوحفص کی کنیت اختیار کی، اسلام لائے تو فاروقؓ کے لقب سے نوازے گئے، والد کا نام خطاب اور ماں کا نام حنتمہ تھا جو ہشام بن مغیرہ کی بیٹی تھیں۔ ہشام اور ان کے باپ مغیرہ دونوں مکہ کے نامور اور بااثر لوگوں میں شمار ہوتے تھے۔ حضرت عمرؓ کے والد خطاب قریش میں بہت مشہور و ممتاز تھے، علمائے انساب کا بیان ہے کہ عمرؓ ابن خطاب کا سلسلۂ نسب نویں پشت میں کعب پر پہونچکر آنحضرتؐ سے ملجاتا ہے یعنی کعب کے دو بیٹے تھے مرّہ اور عدی آنحضرتؐ مرّہ کی اولاد میں ہیں اور حضرت عمرؓ عدی کی اولاد میں۔

سلسلہ نسب اس طرح بیان کیا گیا ہے۔ عمر بن خطاب بن نفیل بن عبد العزیٰ بن رباح بن عبداللہ بن قرط بن زراع بن عدی بن کعب

حضرت عمرؓ کے خاندان میں یوں تو کئی ممتاز شخصیتیں ہوئیں مگر عدیؔ نفیلؔ اور خطاب نے زیادہ نام پیدا کیا۔ عدی قبائل قریش کے درمیان نزاعی معاملات میں سفیر اور حکم کی حیثیت رکھتے تھے، بڑے بڑے

اہم اختلافات کو خوش اسلوبی سے طے کر دیا کرتے تھے، فریقین کو ان کے فیصلہ سے کبھی انحراف نہیں ہوتا تھا۔

نفیلؔ بھی عدی کی طرح دانا اور بڑے معاملہ فہم واقع ہوئے تھے، بڑے بڑوں کے نزاعی معاملات میں ان ہی کو ثالث بنایا جاتا تھا اور کسی کو ان کے فیصلہ کو ٹھکرانے کی جرأت نہیں ہوتی تھی، حضرت عبدالمطلب اور حرب بن امیّہ کے درمیان ایک شدید جھگڑے میں نفیل نے عبدالمطلب کے حق میں فیصلہ کیا اور عبدالمطلب کی سیادت وعظمت پر ایک ایسی تقریر کی کہ حرب کی گردن ندامت سے جھک گئی۔

خطابؔ بھی اپنے والد نفیل کے قائم مقام ہوئے، کافی شہرت اور عزت حاصل کی مگر مزاج کے سخت اور کٹر بت پرست تھے، سگے بھائی عمرو کے بیٹے زیدؔ نے جو حقیقی بھتیجے تھے جب بت پرستی چھوڑ کر توحید کا عقیدہ اختیار کیا تو سب سے زیادہ مخالفت کرنے والے خطاب تھے، آخر زید کو مکہ چھوڑ کر اطراف کی پہاڑیوں میں پناہ لینا پڑی، مولانا شبلیؒ نے الفاروق میں اسدالغابہ کے حوالہ سے زید کے دو اشعار لکھے ہیں جن سے زید کے عقیدہ کی وضاحت ہوتی ہے، اشعار کا ترجمہ یہ ہے

"ایک خدا کو مانوں، یا ہزاروں کو؟ جبکہ امور تقسیم ہوگئے ہیں
نے لات وعزیٰ سب کو خیر باد کہا اور سمجھدار آدمی ایسا ہی کرتا ہے۔"

علامہ ازرقی کی تاریخ مکہ سے پتہ چلتا ہے کہ خطاب بھی شاعر تھے اور ان کو فی البدیہہ شعر کہنے پر قدرت حاصل تھی، اس کے علاوہ خطاب کو بولنے اور تقریر کرنے میں بھی بڑا ملکہ حاصل تھا، ناموری اور عزت کے علاوہ دنیاوی حیثیت سے بھی وہ بڑے خوش حال تھے، مکہ میں ان کی ذاتی جائیداد کا جال بچھا ہوا تھا، خطاب کی عزت کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ حضرت عمرؓ کے پیدا ہونے کی خبر جوں ہی پھیلی سارا مکہ خوشی سے اچھل پڑا، ہر طرف خوشی کا اظہار کیا جانے لگا اور خطاب کے پاس بیٹے کی مبارکبادیاں آنے لگیں۔

طفلی و جوانی ● ماں باپ کے چہیتے تھے، بڑے لاڈ وپیار سے پلے، دس برس کی عمر کو پہونچے بھی نہیں تھے کہ ملکی دستور کے مطابق گھر کی بکریاں لیکر جنگل جانے لگے، جب زیادہ ہوشیار ہوئے تو اونٹوں کے چرانے پر مامور کئے گئے، دن بھر ... یہ مقام قدید میں اونٹوں کو لئے چراتے رہتے تھے کبھی غافل ہوتے تو باپ کی مار بھی کھاتے تھے، باپ لکھے پڑھے تھے لہذا ان ہی سے لکھنا پڑھنا بھی سیکھا، اس کے ساتھ ہی تیر اندازی، پہلوانی اور سپہ گری میں بھی مہارت پیدا کی، بیس سال کی عمر ہوئی تو مکہ کے نامور پہلوانوں میں شمار ہونے لگے، عکاظ میں جو سالانہ میلہ لگا کرتا تھا اس کے دنگل میں مقابلہ کی کشتیاں لڑنے لگے، لکھنے پڑھنے کے ساتھ انہوں نے علم انساب اور فن تقریر بھی اپنے والد سے سیکھا تھا اور ایسا کمال پیدا کیا تھا کہ اس فن میں اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے، اسی

زمانہ سے خاندانی دستور کے مطابق وہ تجارت کے میدان میں کود پڑے آس پاس کے ملکوں کے تجارتی دورے کئے اور بہت جلدی کامیاب تاجروں میں شمار کئے جانے لگے، چونکہ پیدائشی فہیم ورسا واقع ہوئے تھے اس لئے نہ صرف تجارت کو کامیاب بنایا بلکہ ممالک غیر سے ایسے تعلقات استوار کئے کہ اہل مکہ اپنے تجارتی وملکی معاملات میں ان کو سفیر و قاصد بنا کر بھیجنے لگے۔ قبائل کے نزاعی معاملات میں حکم وثالث بنائے جانے لگے۔ اپنے علم وعقل اور تجربہ کی بنا پر جو بھی فیصلہ کرتے وہ سب کے لئے قابل قبول ہوتا۔ غرض تیس سال کی عمر کو پہونچنے بھی نہ پائے تھے کہ وہ اپنے فہم وتدبر کی بدولت ایسے چھائے کہ لوگ خطاب اور نفیل کو بھول گئے گویا بیٹا باپ سے بھی آگے بڑھ گیا۔

پہلوانی کی طرح شہسواری بھی ان کا مخصوص فن تھا، بھاگتے ہوئے گھوڑے پر اس طرح سوار ہو جاتے تھے کہ لوگ حیران رہ جاتے تھے، گھوڑا ہوا سے باتیں کرتا تھا مگر ان کے جسم کو جنبش نہیں ہوتی تھی، یہی حال ان کی تقریر اور شاعری کا تھا کہ وہ جہاں بھی جاتے اس فن کی بدولت بڑا نام پیدا کرتے اور عراق وشام کے شاہی درباروں میں ان کو قدر کی نظر سے دیکھا جاتا اور خصوصی مہمان کی حیثیت دی جاتی۔

عداوت اسلام ● حضرت عمرؓ خاندانی بت پرست تھے، علم وفن اور عزت وشہرت میں وہ جس طرح اپنے باپ کے جانشین تھے اسی طرح بت پرستی اور خدا دشمنی بھی ان کو باپ سے ورثہ میں ملی تھی،

بتوں سے ان کو قلبی لگاؤ تھا اور توحید کے نام سے وہ نفرت کرتے تھے، بچپن، شباب اور جوانی بتوں کے سامنے سجدہ ریز ہوتے گذر گئی تھی، زید کی توحید پرستی اور باپ کی ان کے ساتھ عداوت و دشمنی کو وہ اپنی آنکھوں سے دیکھ چکے تھے مگر ان کو نہیں معلوم تھا کہ جس خدا کے نام سے ان کے کان کھڑے ہوتے ہیں اور دل نفرت سے بھر جاتا ہے اسی خدا کی محبت و عقیدت قلب کی گہرائیوں میں جگہ پانے والی ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب چالیس سال کے ہوئے اور وادیٔ حراء سے تاج نبوت پہنے مکہ میں آئے اور اسلام کی شمع کو روشن کیا تو حضرت عمرؓ کی عمر ۲۷ برس کے قریب تھی۔ اگرچہ چچازاد بھائی زید کی وجہ سے توحید کے نام سے کان آشنا ہو چکے تھے مگر آنحضرتؐ کے اعلانِ توحید اور تبلیغ اسلام کو دیکھ کر انہیں اپنے باپ کی وہ مخالفت اور دشمنی یاد آگئی جو انہوں نے زید کے ساتھ جرم توحید کے سلسلہ میں روا رکھی تھی، چونکہ بت پرستی کے دلدادہ تھے، باپ کی روش کو باقی رکھنا چاہتے تھے، توحید کا غلغلہ اٹھتے ہی اللہ والوں کے خلاف صف آرا ہو گئے، شروع شروع میں یہ مخالفت مدہم رہی مگر جب شمع توحید کے گرد پروانوں کا ہجوم بڑھنے لگا تو حضرت عمرؓ بھی کھل کر سامنے آگئے، اپنے ماموں ابوجہل سے تبادلہ خیال کیا وہ ان سے بھی زیادہ دشمن خدا تھا چنانچہ ماموں بھانجوں نے اسلام کے خلاف محاذ قائم کر دیا۔ دونوں غربائے اسلام کی ٹوہ میں نکل پڑے جو جہاں ملتا اس پر

ٹوٹ پڑتے، اپنے خاندان کی ایک کنیز کو جن کا نام لبینہ تھا اس قدر مارتے تھے کہ تھک کر پانی پینے اور دم لینے کی ضرورت ہو جاتی تھی، بہت سے لوگوں نے ان دونوں کے ہاتھوں اسلام لانے کے سلسلہ میں ایسی ایسی ماریں کھائیں کہ ان کے تصور سے رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں، کئی برس عداوت اسلام کا سلسلہ پورے زور شور سے جاری رہا اسلام سے ہٹانے کی ہر ممکن تدبیر کی گئی مگر شمع رسالت کے پروانے جان نثاری سے باز نہ آئے۔ عمرؓ کو ابوجہل کی حمایت و اعانت کے باوجود جس ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا اس کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ آفتاب نبوّت کی شعاعیں خود ان کے اپنے گھر میں پھوٹ نکلیں، بہن اور بہنوئی کچھ اس طرح حلقہ بگوش اسلام ہو گئے کہ نہ ابوجہل کو پتہ چل سکا اور نہ عمرؓ ہی کو کانوں کان خبر ہوئی۔

قبولِ اسلام ■ مکہ میں اسلام اور آنحضرتؐ کے مخالفین میں سب سے زیادہ نمایاں تین شخص تھے، ابولہب، ابوجہل اور عمر ابن خطاب مگر ابوجہل اور عمر ابن خطاب .... کی سرگرمیاں بہت بڑھی ہوئی تھیں، ان دونوں کے سینوں میں اسلام دشمنی کی آگ ہر وقت سلگتی اور بھڑکتی رہتی تھی۔ غربائے اسلام کو مارنا، مکہ کے گلی کوچوں میں اسلام اور آنحضرتؐ کے خلاف تقریریں کرنا، ڈرانا، دھمکانا اور لالچ دیکر لوگوں کو اسلام سے ہٹانا اور اسلام لانے سے روکتے رہنا ان دونوں کا عقیدہ اور مقصد زندگی بن گیا تھا۔

حضرت عمرؓ کے بہنوئی سعید بن زیدؓ اور بہن فاطمہؓ اسلام لا چکی تھیں مگر حضرت عمرؓ کے گمان میں بھی یہ بات نہیں تھی کہ اسلام میرے گھر میں داخل ہو چکا ہے اور بہن کے دل میں گھر کر چکا ہے، ان کی تمام تر توجہ تحریک اسلام کو روکنے، آنحضرتؐ کی طرف سے لوگوں کی توجہ ہٹانے اور اسلام لانے والوں کو برگشتہ از اسلام کرنے پر صرف ہو رہی تھی۔ حرم ہو یا مکہ کے بازار اور محلے ابو جہل اور عمرؓ ہر جگہ علانیہ مخالفانہ تقریریں کر رہے تھے اور زہر اگل رہے تھے، پانچ سال کا طویل زمانہ سی دشمنی، عناد، مخالفانہ جد و جہد اور زہر افشانی میں گذر گیا، کوئی جتن باقی نہیں رکھا ہر کوشش بیکار گئی اور ہر تدبیر بے سود رہی، پیمانۂ صبر لبریز ہو چکا تھا طبیعت عاجز آ چکی تھی، اسلام کے شیدائی اور آنحضرتؐ کے فدائی نہ مار کھانے سے جھکتے تھے اور نہ اسلام چھوڑنے کا نام لیتے تھے آخر ایک دن طیش آ گیا، آپے سے باہر ہو گئے، تلوار سونت لی، گھر سے آنحضرتؐ کے در دولت کی طرف چل دیئے، رنگ بدلا ہوا تیور چڑھے ہوئے چلے جا رہے تھے اور کہتے جا رہے تھے کہ آج اسی کا خاتمہ کیئے دیتا ہوں کہ جس کے دم سے اسلام وابستہ ہے، نہ محمدؐ ہونگے اور نہ اسلام رہے گا مگر ہدایت مقدر ہو چکی تھی، کارکنان قضا و قدر ہنس رہے تھے اور کہہ رہے تھے ؎

اس تیغ سے ملے گی اماں تجھ کو بالیقین!
کیوں ڈھونڈتا ہے موت میں اپنے لئے نجات

حضرت عمرؓ انتہائی غیض و غضب کے عالم میں بڑھے چلے جا رہے تھے، جو بھی دیکھتا وہ یقین کر لیتا کہ آج فیصلہ کا دن ہے، نہ قدم پیچھے ہٹیں گے اور نہ عمرؓ کے عزم میں ضعف پیدا ہو گا۔ ابھی زیادہ دور نہیں گئے تھے کہ سامنے سے ایک صاحب نعیم بن عبداللہؓ آتے ہوئے مل گئے نعیمؓ بھی مسلمان ہو چکے تھے مگر عمرؓ کو یہ بھی معلوم نہیں تھا کہ نعیمؓ بھی دامن اسلام سے وابستہ ہو چکے ہیں۔ درحقیقت حضرت عمرؓ کو اسلام کے نام اور توحید کے چرچے نے ایسا مبہوت بنا دیا تھا کہ انہیں سوائے اسلام کے خلاف دھواں دھار تقریریں کرنے اور چند غربائے اسلام کو مارنے پیٹنے کے یہ ہوش ہی نہیں رہا تھا کہ کون کون اسلام لا چکا ہے اور کس کس کے دل اسلام کی مقناطیسی قوت کی جانب کھنچے چلے جا رہے ہیں۔ غرض نعیمؓ قریب آئے اور تیور دیکھتے ہی سمجھ گئے کہ آج شعلۂ مخالفت بہت بھڑکا ہوا ہے، کہنے لگے کیوں جناب خیریت تو ہے آج کہاں کا قصد کیا؟ کہنے لگے محمدؐ کا خاتمہ کرنے جا رہا ہوں۔ نعیمؓ نے کہا تعجب ہے کہ تم محمدؐ کا خاتمہ کرنے جا رہے ہو اور اپنے گھر کی خبر نہیں لیتے ہو حالانکہ تمہاری بہن فاطمہؓ اور بہنوئی سعیدؓ دونوں مسلمان ہو چکے ہیں، اس خبر نے حضرت عمرؓ کے دل پر اتنا اثر کیا کہ وہیں سے پلٹ پڑے، ممکن ہے کہ یہاں سے کسی کو یہ شبہ ہو کہ نعیمؓ کیسے مسلمان تھے جو انہوں نے حضرت عمرؓ کو بہن بہنوئی کے اسلام کی خبر دیکر ان غریبوں کے لئے مصائب کا دروازہ کھول دیا اور ان کو عمرؓ کے ہاتھوں عظیم اذیت برداشت کرنا پڑی، دراصل

حضرت نعیمؓ کے اس فعل سے ان کی اسلام دوستی اور آنحضرتؐ سے سچی محبت کا پتہ چلتا ہے، وہ نہیں چاہتے تھے کہ حضرت عمرؓ اس غیض و غضب کے عالم میں درِ رسولؐ پر پہونچیں اور آنحضرتؐ کو کسی تکلیف دہ صورت حال کا مقابلہ کرنا پڑے، اس لئے یہ حضرت نعیمؓ کی انتہائی دانائی تھی کہ انہوں نے ایک جملہ کہہ کر حضرت عمرؓ کے رُخ کو موڑ دیا، چونکہ نیت اچھی تھی اس لئے بہن بہنوئی کو تکلیف تو ضرور اٹھانا پڑی مگر نتیجہ اتنا شاندار نکلا کہ اسلامی تاریخ کا سنگ میل بن گیا۔

غرض حضرت عمرؓ الٹے پیر لوٹے اور قدم بڑھائے بہن کے گھر پہنچے، فاطمہؓ آیات قرآنی پڑھ رہی تھیں بھائی کو دیکھا تو لکھی ہوئی آیات چھپا لیں اور خاموش ہوگئیں، آواز چونکہ کانوں میں آچکی تھی اس لئے یقین ہوگیا کہ نعیمؓ کی اطلاع درست ہے، کہنے لگے یہ کیسی آواز تھی اور کیا پڑھ رہی تھیں؟ بہن نے جواب دیا "کچھ نہیں" اس جواب سے آتش غضب اور بھڑک اٹھی، سامنے بہنوئی سعیدؓ کھڑے ہوئے تھے، گرج کر کہنے لگے میں نے سنا ہے کہ تم دونوں اپنے آبائی دین سے پھر گئے ہو؟ اور یہ کہتے ہی بہنوئی پر ٹوٹ پڑے، بہن شوہر کو بچانے بڑھیں تو ان کی طرف جھک پڑے، اتنا مارا کہ بے دم کر دیا، دونوں کے جسم لہولہان ہو رہے تھے مگر عمرؓ کا ہاتھ کسی طرح نہیں رکتا تھا، آخر بہن نے دیکھا کہ یہ مار ہی ڈالنا چاہتے ہیں تو ضبط نہیں کرسکیں اور کہنے لگیں "عمرؓ! تمہارا جو دل چاہے وہ کرو مگر یاد رکھو کہ اسلام اب دل

سے نہیں نکل سکتا۔"

بہن کے استقلال نے عمرؓ کے جنون میں سکون پیدا کر دیا آتش غضب ٹھنڈی پڑ گئی۔ بہتے ہوئے خون کو دیکھ کر اسدرجہ رقت طاری ہوئی کہ گردن ڈالدی اور بڑے محبت بھرے لہجے میں بہن سے کہنے لگے، لاؤ مجھے بھی سناؤ جو تم پڑھ رہی تھیں؟ فاطمہؓ نے سورۂ حدید کے لکھے ہوئے اوراق سامنے رکھ دیئے، نظر ڈالی، پڑھنا شروع کیا تو سر سودائے کفر سے خالی ہونے لگا، یہاں تک کہ جب پڑھتے پڑھتے اٰمِنُوا بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ پر پہونچے تو بے اختیار پکار اُٹھے۔

اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَشْهَدُ ان محمداً رسول اللہ

بہن اور بہنوئی کو اتنی خوشی ہوئی کہ دل سے درد و کرب کا احساس جاتا رہا، حضرت عمرؓ آنحضرتؐ کی خدمت میں جانے کے لئے پھر گھر سے نکلے مگر اب شان ہی کچھ اور تھی، عقل کے بندھن ٹوٹ چکے تھے اور عشق عمرؓ کو کشاں کشاں بارگاہ رسالتؐ میں لئے جا رہا تھا، نہ برہنہ تلوار تھی اور نہ بدلے ہوئے تیور۔

مہر سکوت لب پہ ہے بہکے ہوئے قدم۔ اے بے خودی یہ آج کدھر جا رہا ہوں میں

تھوڑی دیر میں خطاب کا جانشین، بتوں کا شیدائی، آستانۂ نبوت پر پہونچ گیا مگر اب دنیا ہی بدلی ہوئی تھی، آنکھیں دیدار مصطفےٰؐ کی مشتاق ہو رہی تھیں، نگاہوں کے سامنے سے کفر کے بادل چھٹ چکے تھے۔ عمرؓ نے کانپتے ہوئے ہاتھوں سے دروازہ کھٹکھٹایا، آنحضرتؐ

اسوقت دارارقم میں اپنے رفقائے خاص کے ساتھ رونق افروز تھے آنحضرتؐ کے محترم چچا حضرت امیر حمزہؓ ۳ دن پہلے اسلام کا علانیہ اظہار کر کے بارگاہ رسالت میں آچکے تھے، کسی نے آہٹ پاکر عرض کیا، یارسول اللہ! عمرؓ ہیں، حضرت امیر حمزہؓ نے کہا، فکر مت کرو، آنے دو، اگر اچھی نیت سے آیا ہے تو خیر ورنہ اسی کی تلوار سے سر اڑا دونگا۔ حضرت عمرؓ نے جیسے ہی اندر قدم رکھا تو آنحضرتؐ نے آگے بڑھ کر ان کا گریبان پکڑ لیا اور فرمایا۔ کیوں عمر! کس خیال سے آئے ہو؟ کانپتے ہوئے لہجہ سے جواب دیا "یارسول اللہ! ایمان لانے حاضر ہوا ہوں"۔ اس جواب سے دارارقم میں مسرت کی لہر دوڑ گئی۔ آنحضرتؐ اور صحابہ کرامؓ کو اتنی خوشی ہوئی کہ سب نے اس زور سے نعرۂ تکبیر بلند کیا کہ مکان تو مکان پہاڑیاں تک گونج اٹھیں۔ ترمذی کی روایت سے پتہ چلتا ہے کہ ابوجہل اور عمرؓ دونوں مخالفین اسلام کے لئے آنحضرتؐ نے بارگاہ رب العزت میں دعا فرمائی تھی کہ اللّٰھم اعزالاسلام باحد الرجلین اما ابن ھشام واما عمر ابن خطاب۔ اے اللہ! اسلام کو عزت عطا فرما، ابوجہل کے ایمان لانے سے یا عمر ابن خطاب کے ایمان لانے سے۔ آنحضرتؐ کی دعا مقبول ہوئی اور بارگاہ الٰہی سے عمرؓ کو دولت ایمان سے مشرف کیا گیا۔

حضرت عمرؓ کے ایمان لانے کے مندرجہ بالا واقعہ کو اکثر مورخین اور ارباب روایات نے بیان کیا ہے۔ اور اسی پر علمائے اسلام کا اجتماع ہے مگر بعض کتابوں میں کچھ دوسری روایات بھی ملتی ہیں جن

کو ناقدین نے جھان بین کے بعد ضعیف کہا ہے۔ بخاری میں حضرت عمرؓ سے منقول ہے کہ وہ کہتے تھے کہ میں ایک دن بت خانہ میں سو رہا تھا کہ میں نے دیکھا کہ ایک بت پر چڑھاوا چڑھایا گیا تو اس کے اندر سے آواز آئی۔ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ۔ لوگ اس آواز کو سنکر بھاگ گئے مگر میں کھڑا رہا کہ آخر دیکھوں کہ ماجرا کیا ہے چنانچہ تھوڑی دیر کے بعد پھر وہی آواز آئی اور پھر میں جاگ اٹھا مگر تھوڑے ہی دن گذرنے پائے تھے کہ مکہ میں محمدؐ ابن عبداللہ کی نبوت کا چرچا ہونے لگا۔

——— ہو سکتا ہے کہ بہن اور بہنوئی کو مارتے وقت مائل بہ اسلام ہو جانے میں اعجاز قرآن کے ساتھ اس خواب کی حقیقت بھی سامنے آگئی ہو۔

بہر حال عمرؓ اسلام کی حقانیت کے سامنے جھک گئے، آنحضرتؐ نے ان سے معانقہ کیا اور جبریل نے فرشتوں کی جانب سے بارگاہ رسالت میں مبارک باد پیش کی۔

حضرت عمر ابن خطاب رضی اللہ عنہ جس وقت مسلمان ہوئے تو ان کی عمر ۳۴ برس کی تھی، آنحضرتؐ کی نبوت کو ۶ سال پورے ہو چکے تھے اور نبوت کا ساتواں سال شروع تھا۔ آپ کے صاحبزادے عبداللہ ابن عمر پیدا ہو چکے تھے اور ان کی عمر ۵ یا ۶ برس کی تھی۔ جیسا کہ بخاری میں ان کی ایک روایت سے ظاہر ہوتا ہے۔ عبداللہ ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ میرے والد حضرت عمرؓ جب مسلمان ہوئے تو مکہ میں شور برپا ہو گیا

مشرکین مکہ کثرت سے گھر پر آنے اور جمع ہونے لگے اور کہنے لگے عمر بے دین ہو گئے، حضرت عمرؓ گھر کے اندر تھے اور گھبرا رہے تھے اور میں مکان کی چھت پر کھڑا تھا اور کمسن تھا۔

حضرت عمرؓ کے اسلام لانے سے مسلمانوں کے حوصلے بڑھ گئے اور مسلمانوں کی تعداد چالیس یا پچاس ہو گئی عام طور پر مورخین کا بیان ہے کہ حضرت عمرؓ چالیسویں مسلمان تھے۔ غرض جو لوگ اب تک گوشہ نشین تھے اور چھپ چھپ کر عبادت کیا کرتے تھے وہ علانیہ فرائض مذہبی ادا کرنے کے لئے میدان میں آ گئے۔ خود حضرت عمرؓ نے اپنے اسلام کو علانیہ ظاہر کیا، کعبہ میں کفار مکہ کی موجودگی میں اعلان کیا، نماز پڑھی اور دوسرے مسلمانوں نے بھی کعبہ میں نماز پڑھنا شروع کر دی۔ مشرکین کو یہ بات سخت ناگوار ہوئی بہت سے لوگ جمع ہو کر حضرت عمرؓ پر ٹوٹ پڑے مگر عاص بن وائل جو حضرت عمرؓ کے رشتہ دار ہوتے تھے آگے بڑھے اور عمرؓ کو اپنی پناہ میں لے لیا مگر اسلام حضرت عمرؓ کے دل میں اس درجہ جاگزیں ہو چکا تھا کہ انہوں نے اس بات کو پسند نہیں کیا کہ کسی مشرک کی پناہ قبول کی جائے، اور وہ بڑے استقلال سے مخالفین کا مقابلہ کرتے رہے۔ ابن ہشام نے عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت کی ہے کہ جب حضرت عمرؓ مسلمان ہوئے تو قریش کے ساتھ قتل و قتال اور لڑائی جھگڑے ہوئے اور یہ سلسلہ یہاں تک پہنچا کہ عمرؓ نے کعبہ کے پاس نماز پڑھی اور ہم بھی ان کے ساتھ نماز میں شریک تھے۔ ابن سعد نے بھی ایسا ہی بیان کیا ہے۔

صاحب مشکوٰۃ اسماء الرجال میں لکھتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے خود بیان کیا کہ میرے مسلمان ہونے کی ایسی خوشی ہوئی کہ دار ارقم کے مسلمانوں نے اس زور سے نعرۂ تکبیر بلند کیا کہ اس کی آواز بیت اللہ میں سنی گئی، فرماتے ہیں کہ میں نے مسلمان ہونے کے بعد آنحضرتؐ سے عرض کیا کہ یارسول اللہ! کیا ہم حق پر نہیں ہیں؟ آپؐ نے فرمایا قسم اس ذات کی کہ جس کے قبضہ میں میری جان ہے تم سب حق پر ہو اپنی زندگی میں بھی اور موت میں بھی۔ حضرت عمرؓ کہتے ہیں کہ پھر میں نے خدمت اقدس میں عرض کیا کہ جب ہم دین حق پر ہیں تو چھپانے کی کیا ضرورت ہے۔ قسم اس ذات کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے ہم ضرور اس حق کو لیکر نکلیں گے، چنانچہ ہم دو صفوں کے درمیان آنحضرتؐ کو لیکر نکلے ایک صف میں امیر حمزہؓ تھے اور دوسری صف میں خود میں تھا اور میں اپنے جوش کی آواز کو محسوس کر رہا تھا یہاں تک کہ ہم مسجد حرام میں داخل ہوگئے۔ قریش کو مجھے اور امیر حمزہ کو دیکھ کر اتنا صدمہ ہوا کہ اس سے پہلے نہیں ہوا تھا، بس اسی دن سرکار دو عالمؐ نے میرا نام فاروقؓ رکھا کیونکہ اللہ نے میری وجہ سے حق و باطل میں فرق کر دیا۔

اس میں شک نہیں کہ حضرت عمرؓ کے اسلام لانے سے مسلمانوں کو بڑی تقویت پہونچی، لوگ گھروں کے گوشوں اور پہاڑ کی گھاٹیوں سے باہر نکل کر فرائض مذہبی انجام دینے لگے اور یہ معلوم ہونے لگا کہ مخالفین کا بایاں بازو ٹوٹ گیا ہے مگر اس کے باوجود قریش کا غیض و غضب

بڑھتا ہی جاتا تھا اور وہ طرح طرح سے مسلمانوں پر ظلم وستم ڈھانے اور ان کی زندگی کو مٹانے میں مصروف رہنے لگے، یہ صحیح ہے کہ حضرت عمرؓ ابوجہل کی ٹکر کے آدمی تھے مگر جب ابوسفیان، ابوجہل، عتبہ، شیبہ، ولید اور مغیرہ جیسے بااثر لوگ ایک طرف ہو جائیں تو تنہا عمرؓ کا اتنا تو اثر نہیں ہوسکتا تھا کہ مخالفین کی جماعتیں خاموش ہو کر بیٹھ جاتیں اور مسلمانوں کو پورے طور پر آزادی مل جاتی، حضرت عمرؓ کے اسلام سے فوری طور پر مخالفین ضرور متاثر ہوئے، ظلم وستم سے ہاتھ بھی رکنے لگے اور مخالفت سے زبانیں بھی لکنت کرنے لگیں مگر جیسے جیسے وقت گذرتا گیا مشرکین کا تاثر ٹوٹتا گیا اور مخالفت بڑھتی گئی چنانچہ اسلام لانے کے بعد اور ہجرت سے پہلے کئی برس متواتر خود حضرت عمرؓ کو قریش کے مظالم برداشت کرنے پڑے یہاں تک کہ ایک ایسا وقت آیا کہ ان کو بھی بارگاہ رسالتؐ سے مدینہ جانے کی اجازت لینا پڑی۔

ہجرت مدینہ • حضرت عمرؓ کے اسلام کے وقت مسلمانوں کی تعداد مختلف روایات کے مطابق کم وبیش چالیس ہوگئی تھی مگر ان کے اسلام سے دوسرے لوگوں پر جو اثر ہوا اس کی وجہ سے اسلام کا حلقہ بہت بڑھ گیا، اس کے علاوہ مدینہ کے کچھ لوگ بھی مکہ میں آکر دامنِ اسلام سے وابستہ ہو گئے اور پھر ان کی وجہ سے مدینہ میں بھی اسلام کا چرچا بڑھنے اور پھیلنے لگا، نتیجہ یہ ہوا کہ جوں جوں مسلمانوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا گیا اور اسلام مکہ سے باہر مدینہ میں اور اطراف کے دیہات

میں جیسے پھیلنے لگا ویسے قریش کے جوش و خروش بڑھتے گئے، حضرت عمرؓ کا خوف بھی اب ان کے دل میں نہیں رہا اور وہ کھل کر مسلمانوں کو اپنی عداوت کا نشانہ بنانے لگے، یہاں تک کہ اسی زمانہ میں بائیکاٹ کی تحریک چلائی گئی، اسی زمانہ میں آنحضرتؐ پر پتھر اور گالیوں کی بوچھاڑ کی گئی، پھر ابو طالب اور حضرت خدیجہؓ کی وفات کے بعد تو مخالفین کے حوصلے اور بھی بڑھ گئے، تمام مسلمانوں کی طرح حضرت عمرؓ بھی کافروں کے دست تظلم سے باہر نہیں تھے، انہیں بھی نشانہ ستم بننا پڑا۔ غرض سلسلہ عداوت اتنا بڑھ گیا کہ نبوت کے تیرھویں سال آنحضرتؐ نے مسلمانوں کو اجازت دی کہ وہ مدینہ کی جانب ہجرت کر جائیں، پہلے عبداللہ بن اشہلؓ، حضرت بلالؓ اور عمار ابن یاسر گئے اس کے بعد حضرت عمرؓ آمادہ ہجرت ہوئے، بارگاہِ رسالت سے اجازت ملی اور جانے کا قصد کیا تو بیس آدمی کے قریب آپ کے ساتھ اور بھی جانے کے لئے تیار ہو گئے۔ بخاری میں بیس آدمیوں کا ذکر ہے مگر ان کے نام نہیں بتلائے گئے ہیں، البتہ سیرت ابن ہشام نے حضرت عمرؓ کے ساتھیوں میں مندرجہ ذیل نام گنائے ہیں۔ زید بنؓ خطاب، سعید بن زیدؓ، خنیس بن حذافہؓ یہ تینوں آپ کے رشتہ دار تھے، دوستوں میں عمرو بن سراقہؓ، واقد بن عبداللہ تمیمیؓ، خولی بن ابی خولیؓ، مالک بن ابی خولیؓ، ایاس بن بکیرؓ، عاقل بن بکیرؓ، عامر بن بکیرؓ اور خالد بن بکیرؓ شامل تھے۔

حضرت عمرؓ نے علانیہ ہجرت کی اور جب تیار ہو گئے تو اپنے

ساتھیوں کے ساتھ مسلح ہوکر پہلے حرم میں پہونچے کعبہ کا طواف کیا، نماز پڑھی، مشرکین چاروں طرف کھڑے ہوئے دیکھ رہے تھے، آپ بڑے اطمینان سے طواف وعبادت سے فارغ ہوئے اور مخالفین سے مخاطب ہوکر فرمایا۔ میں جارہا ہوں اگر کسی کو مزاحمت کا حوصلہ ہے تو وہ آگے آئے مگر سب دیکھتے رہے کسی کی ہمت یہ نہ ہوئی کہ وہ مسلمانوں کی اس جانے والی ٹولی کے راستہ کو روکے اور مقابلہ پر آئے، حضرت عمرؓ مشرکین کو دیکھتا ہوا چھوڑ کر اپنے ساتھیوں کے ہمراہ مکہ سے مدینہ کی سمت روانہ ہوگئے۔ ممکن تھا کہ مشرکین آمادۂ قتال ہوجاتے مگر مہاجرین کا یہ گروہ مختصر کچھ اس شان سے روانہ ہوا کہ کسی کو ٹوکنے کی جرأت بھی نہ ہوسکی۔

مولانا عبدالشکور لکھنوی نے "سیرت خلفائے راشدین میں حضرت عمرؓ کی ہجرت کو رسولؐ اللہ کی ہجرت کے بعد بیان کیا ہے مگر یہ واقعات وحقائق کے سراسر خلاف ہے، تمام مورخین نیز بخاری ومسلم کی روایتوں سے ثابت ہے کہ حضرت عمرؓ بارگاہ رسالتؐ میں ہجرت کی اجازت لینے حاضر ہوئے تو آپؐ نے ان کو اجازت دیدی اور اس کے کچھ عرصہ بعد آپؐ خود بھی عازم مدینہ ہوئے۔

اردو کے تمام سیرت نگار اس کو نقل کرتے چلے آئے ہیں، معلوم ہوتا ہے کہ مولانا عبدالشکور نے یہ نیا راستہ کسی خاص مصلحت کے پیش نظر اختیار کیا ہے مگر یہ طریقہ ایک سیرت نگار کے لئے زیب نہیں دیتا ہے۔

حضرت عمرؓ مدینہ پہونچے تو عوالی میں قیام پذیر ہوئے، عوالی کا دوسرا نام قباء ہے۔ رفاعہ بن عبدالمنذرؓ نے ان کو اپنا مہمان بنالیا، ساتھی بھی دوسر لوگوں کے یہاں مقیم ہوگئے، کچھ عرصہ کے بعد آنحضرتؐ ہجرت فرماکر مدینہ پہونچے تو آپؐ نے انصار و مہاجرین میں بھائی چارہ قائم کیا اور ایک ایک مہاجر کو ایک ایک انصار کے ساتھ ملا دیا، اس دینی رشتہ میں حضرت عمرؓ کو آنحضرتؐ نے بنو سالم کے سردار حضرت عتبان بن مالکؓ کا بھائی بنایا، بخاری کی روایت سے پتہ چلتا ہے کہ آنحضرتؐ قباء سے مدینہ گئے تو حضرت عمرؓ قباء ہی میں مقیم رہے البتہ یہ سلسلہ رکھا تھا کہ ایک دن آپ قباء سے مدینہ آنحضرتؐ کے پاس جاتے تھے اور ایک دن دینی بھائی حضرت عتبانؓ جایا کرتے تھے اور جو بھی آنحضرتؐ سے کچھ سنتا تھا وہ آپس میں ایک دوسرے کو بتایا کرتا تھا۔ علامہ ابن حجرؒ نے فتح الباری میں حضرت عمرؓ کے دینی بھائی کا نام اوس بن خولیؓ بیان کیا ہے مگر یہ متعدد اور مستند روایات کے خلاف ہے۔

مدینہ مسلمانوں کے لئے جائے امن تھا، فرائض اسلامی کی ادائیگی بڑے اطمینان سے کی جاتی تھی، نماز جماعت سے ادا کرنے کے لئے کیا طریقہ اختیار کیا جائے؟ یہ مسئلہ صحابہ کے زیر غور تھا، حضرت عمرؓ نے عرض کیا کہ حضرت بلالؓ کو اعلان کے لئے مقرر کر دیا جائے آنحضرتؐ نے آپ کی تجویز کو قبول کر لیا اور حضرت بلال جماعت کے اعلان کرنے پر متعین کر دیئے، چند روز کے بعد جب اذان کا طریقہ آیا تو پھر

ان ہی بلالؓ کو باقاعدہ موذن کی خدمت پر سرفراز کیا گیا۔

شرکتِ غزوات و جہاد

غزوۂ بدر • حضرت عمرؓ ہجرت کر کے مدینہ آئے تو اس کے تھوڑے ہی دن بعد ربیع الاول ۱۳۲ سنہ میں آنحضرتؐ اور آپ کے رفیق غار حضرت صدیقؓ بھی مکہ سے مدینہ آگئے اور مکہ میں سوائے چند معذور مسلمانوں کے کوئی باقی نہیں رہا۔ ابتداء میں تو کافروں کو یہ بات اچھی لگی کہ مسلمانوں سے مکہ پاک ہو گیا مگر بہت جلدی یہ حقیقت ان پر منکشف ہو گئی کہ مسلمان مدینہ میں پہونچ کر قوت حاصل کر رہے ہیں اور اسلام کی تبلیغ میں اب کوئی رکاوٹ نہیں ہے اگر وہ اسی طرح پھیلتے اور بڑھتے رہے تو ہو سکتا ہے کہ وہ مکہ پر حملہ کر دیں اور اس طرح ہم پر اپنی قوت کے ذریعہ غالب آجائیں، اس خیال نے ان کو اس بات پر آمادہ کیا کہ وہ ایک بڑی طاقت کے ساتھ مدینہ پر چڑھائی کر دیں، کھل کر جنگ کریں اور بذریعہ تلوار مسلمانوں کا خاتمہ کر دیں چنانچہ تمام بڑے بڑے قریشی سردار جن کو اسلام سے سخت عداوت تھی چڑھائی کی تیاریاں کرنے لگے۔ یہاں تک کہ رمضان سنہ ۲ھ میں وہ ۱۳۰۰ سو سے زائد مسلح فوج کو لیکر مکہ سے مدینہ کی سمت چل پڑے، [redacted] ابھی تھوڑا ہی فاصلہ طے کرنے پائے تھے کہ ابوسفیان اپنے چالیس ساتھیوں کے ساتھ ملک شام سے واپس آتے ہوئے ابوجہل سے راستہ میں ملا اور یہ معلوم

کر کے مدینہ پر چڑھائی کے لئے نکلے ہیں اپنے ساتھیوں سمیت شریک ہو گیا اور اس کے بعد سب بڑے جوش و خروش کے ساتھ مدینہ کی طرف بڑھنے لگے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ملی تو آپ تین سو تیرہ صحابہ کو ساتھ لیکر مدینہ سے باہر نکلے تاکہ دشمنوں کے حملہ کو روک سکیں۔ ۱۷ رمضان کو بدر کے میدان میں قلیل التعداد مسلمانوں سے کافروں کی کثیر اور مسلح فوج بھڑ گئی، سخت معرکہ آرائی ہوئی، کافر شکست کھا کر بھاگ کھڑے ہوئے، ابوجہل اور چند دوسرے نامور سردار مارے گئے۔ ابوسفیان بھی یہ کہتا ہوا بھاگا کہ آئندہ سال پھر دیکھیں گے۔ مسلمانوں میں ۱۴ آدمیوں نے جام شہادت نوش کیا۔ کافروں کے ۷۰ آدمی مارے گئے اور اتنے ہی قیدی بنائے گئے، ۱۴ مسلمان شہداؓ میں ۶ مہاجر اور آٹھ انصار تھے، کافروں کے مقتولین میں ابوجہل، عتبہ، شیبہ اور کئی بڑے بڑے نامور بہادر تھے جن کی لاشیں میدان جنگ میں ذلت کے ساتھ پڑی ہوئی تھیں۔

مکہ کا کوئی قبیلہ ایسا نہیں تھا جس نے اس جنگ میں حصہ نہ لیا ہو مگر حضرت عمرؓ کے اثر و خوف کا یہ عالم تھا کہ ان کا قبیلہ بنو عدی جو مکہ میں تھا اپنا ایک آدمی بھی نہیں بھیج سکا، جنگ کی ابتداء ہوئی تو سب سے پہلے جس مسلمان نے جام شہادت نوش کیا وہ حضرت عمرؓ کے غلام مِجع تھے، حضرت عمرؓ پر محبت اسلام کا اس درجہ اثر تھا کہ ایک قریشی

سردار عاص ابن ہشام جو آپ کا ماموں ہوتا تھا جب سامنے آیا تو خود حضرت عمرؓ نے بڑھ کر مقابلہ کیا اور کام تمام کر دیا۔ جب اسلام کی دوسری مثال یہ ہے کہ ۔۔ قیدیوں کے معاملہ میں جب آنحضرتؐ نے مسلمانوں سے مشورہ کیا کہ ان سے کیا سلوک کرنا چاہیئے تو حضرت عمرؓ نے یہ رائے دی کہ سب کو قتل کر دیا جائے اور ہر مسلمان اپنے رشتہ دار قیدی کو اپنے ہاتھ سے قتل کرے، طبری کی روایت تو یہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے یہاں تک کہا کہ عقیلؓ کی علیؓ گردن ماریں اور عباسؓ کو حمزہؓ قتل کریں اور میں اپنے رشتہ داروں کا صفایا کروں ــــــ بعض لوگوں نے اس روایت کو حضرت عمرؓ کی خاندان مصطفےٰ سے دشمنی پر محمول کیا ہے مگر یہ غلط ہے، درحقیقت یہ حضرت عمر کا جوش اسلام تھا کہ وہ کسی مخالف اسلام کو زندہ چھوڑنا نہیں چاہتے تھے۔ آنحضرتؐ نے حضرت ابوبکرؓ کے مشورہ کو قبول کر لیا اور تمام قیدی فدیہ لے کر چھوڑ دیئے گئے

غزوۂ احد • بدر کی شکست نے کفار مکہ کے اگرچہ حوصلے پست کر دیئے تھے مگر جوش مخالفت وعناد اتنا زیادہ بڑھ گیا تھا کہ مکہ والوں نے ایک سال بڑی بے چینی کے ساتھ جنگ کی تیاریوں میں گذارا ، ابوسفیان اس دوسرے حملہ کا سب سے بڑا محرک تھا، بدر سے واپس آتے ہوئے اس نے کہا تھا کہ آئندہ پھر دیکھیں گے۔ قریشی سرداروں نے اپنی تمام پونجی اس جنگ میں جھونک دی تھی یتیموں اور بیواؤں کے مال بھی اس جنگ کی تیاری میں شامل کر لئے گئے

تھے۔ ابوسفیان فوج کفار کا سب سے بڑا سپہ سالار تھا، اس نے قسم کھائی تھی کہ جب تک بدر کا بدلہ نہیں لے لونگا غسل نہیں کرونگا، غرض ابوسفیان اور عکرمہ بن ابوجہل تین ہزار کی فوج کے ساتھ مکہ سے روانہ ہوئے اس فوج میں دوسو سوار اور سات سو زرہ پوش تھے، ابوسفیان سپہ سالار اعظم تھا۔ عکرمہ اور خالد بن ولید میمنہ اور میسرہ کے افسر اعلیٰ تھے۔ اعدائے اسلام نے مدینہ کے قریب دامن احد میں آکر ڈیرے ڈالدئیے۔ آنحضرتؐ کو پہلے ہی اطلاع مل چکی تھی اس لئے آپ سات سو مسلمانوں کو ساتھ لیکر ۷ شوال جمعہ کے دن ۳ھ میں مدینہ سے باہر نکلے اور دامن احد میں آکر دشمنوں کے مقابل صف آرا ہو گئے۔ سات سو مسلمانوں میں صرف دو سوار اور سو زرہ پوش تھے، آنحضرتؐ نے پہلا کام یہ کیا کہ عبداللہ بن جبیرؓ کو پچاس تیر اندازوں کے ساتھ پچھلی سمت پر متعین فرما دیا تاکہ عقب سے حملہ کا خطرہ روکا جا سکے اور ان کو ہدایت کردی کہ وہ فتح و شکست ہر حال میں اپنی جگہ سے نہ ہلیں۔

۷ شوال کو ہفتہ کے دن میدان کارزار گرم ہوا، فوج اعداء بڑے غرور و گھمنڈ سے آگے بڑھی، ان کے خیال میں بھی یہ بات نہیں تھی کہ مٹھی بھر نہتے مسلمان قیامت برپا کردیں گے مگر ہوا یہ کہ حضرت زبیرؓ قریش کے میمنہ کو خوار کرتے ہوئے آگے بڑھے تو ہر طرف جنگ شروع ہو گئی، حضرت علیؓ، حضرت حمزہؓ اور ابودجانہؓ

نے قلب لشکر میں گھس کر ایسی جنگ کی کہ صفیں کی صفیں الٹ دیں۔ قریشی سرداروں کے پیر اکھڑ گئے اور وہ میدان سے بھاگنے لگے، عبداللہ بن جبیر کے ساتھیوں نے یہ سوچ کر کہ کفار بھاگ کھڑے ہوئے ہیں اپنی جگہ کو چھوڑ دیا اور غنیمت کے لوٹنے میں مصروف ہو گئے اور کچھ ایسے مدہوش ہوئے کہ ان کو یہ بھی خیال نہ رہا کہ رسول اللہ نے ہم کو ہٹنے سے منع کیا ہے، چنانچہ نتیجہ یہ ہوا کہ خالد بن ولید، ابوسفیان اور عکرمہ وغیرہ نے بھاگتے ہوئے عقب کے راستہ کو خالی دیکھ کر اس زور سے حملہ کیا کہ مسلمانوں کے اوسان خطا ہو گئے۔ دشمنوں کے تیر اس کثرت سے برسے کہ کوئی سنبھل نہ سکا۔ مسلمان منتشر ہو گئے اور جو جدھر بھاگ سکا وہ اپنی جان بچانے لگا۔ کفار نے آنحضرتؐ کی طرف اس کثرت سے تیر اور پتھر پھینکے کہ ذاتِ رسالتؐ کی پیشانی سے خون بہنے لگا، رخساروں میں مغفر کی کڑیاں گھس گئیں اور دندان پاک شہید ہو گیا اور آپؐ زخموں کی شدت سے نڈھال ہو کر ایک گڑھے میں گر پڑے۔ کفار نے آنحضرتؐ کو نہیں دیکھا تو شور کرنا شروع کر دیا کہ رسول اللہ مارے گئے، اس آواز نے مسلمانوں کے اور بھی حواس باختہ کر دیئے۔ حضرت طلحہ نے سہارا دیکر باہر نکالا اور مسلمانوں کی ایک مختصر جماعت کو لیکر پہاڑ کی طرف تشریف لائے۔ خالد بن ولید نے اپنے ساتھیوں کے ہمراہ آنحضرتؐ پر دوبارہ حملہ کرنے کے لئے آگے بڑھنا شروع کیا۔ حضور اکرمؐ نے

یہ حال دیکھا تو فرمایا۔ اے اللہ یہ لوگ یہاں تک نہ آنے پائیں، حضرت عمرؓ نے آگے بڑھ کر دشمنوں کو پیچھے ہٹنے پر مجبور کر دیا۔ ابوسفیان نے آواز دے کر پوچھا کہ کیا رسول اللہ زندہ ہیں؟ آنحضرتؐ نے منع کر دیا کہ کوئی جواب نہ دے، اس نے پھر پوچھا کہ ابوبکر اور عمر ہیں؟ کوئی جواب نہیں ملا تو کہنے لگا "سب مارے گئے"، حضرت عمرؓ سے ضبط نہ ہوا، بلند آواز سے کہا۔ او اللہ کے دشمن ہم سب زندہ ہیں، ابو سفیان نے جواب میں اُعلُ ھُبَل کہا تو حضور اکرمؐ نے فرمایا۔ کہو اللہ اعلیٰ و اجل یعنی اللہ بلند و بالا ہے۔ اس واقعہ کو بخاری نے کتاب المغازی غزوہ احد میں روایت کیا ہے۔ اس جواب کے بعد ابوسفیان یہ کہتا ہوا چلا گیا کہ لڑائی میں کبھی ہار تے ہیں اور کبھی فتح پاتے ہیں، تم کچھ مسلمانوں کی لاشیں بری حالت میں دیکھو گے مگر میں نے ایسا کرنے کا حکم نہیں دیا تھا۔

غزوہ احد کے سلسلہ میں یہ اختلاف شروع سے چلا آرہا ہے کہ مسلمانوں میں کتنے بھاگے اور کتنے ثابت قدم رہے اور ان بھاگنے اور ثابت قدم رہنے والوں میں کون کون حضرات تھے۔ جہاں تک واقعہ کا تعلق ہے یہ صحیح ہے کہ خالد بن ولید کے حملہ کی تاب مسلمان نہیں لا سکے اور بھاگنا شروع کر دیا مگر یہ بھی صحیح نہیں ہے کہ سب بھاگ گئے تھے اور رسول اللہ کو تنہا چھوڑ دیا تھا۔ روایات کی چھان بین سے پتہ چلتا ہے کہ رسول اللہؐ کو چھوڑ کر

بھاگنے کی نیت کسی کی نہیں تھی، اگر بھاگنا ہی ہوتا تو مدینہ سے ساتھ نکلتے کیوں؟ ہاں یہ ضرور ہے کہ اچانک حملہ کی شدت نے بہت سے مسلمانوں کو یہ سوچنے اور سمجھنے کا موقعہ ہی نہیں دیا کہ کیا ہو رہا ہے اور ہمیں کیا کرنا چاہیئے، اسی عالم میں وہ منتشر ہو گئے، کوئی زیادہ دور نکل گیا اور کوئی تھوڑے فاصلہ پر ٹھہر گیا مگر جو جہاں بھی تھا وہ اسی جگہ لڑنے اور دفاع کرنے میں مصروف تھا، بعض ایسے بھی تھے کہ انہوں نے مایوس ہو کر تلوار پھینک دی تھی اور کہہ رہے تھے کہ جب رسول اللہ نہیں رہے تو ہم زندہ رہ کر کیا کریں گے، ایسے مایوسوں کی باتیں بھی یہ ثابت نہیں کرتیں کہ وہ بھاگنے کا خیال رکھتے تھے بس ایک انتشار تھا جس میں تھوڑی دیر کے لئے حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ بھی رسول اللہ سے بچھڑ گئے تھے اور پھر جیسے ہی آنحضرتؐ گڑھے سے باہر آئے اور یہ معلوم ہوا کہ آپ حیات ہیں فوراً آپؐ کے گرد جمع ہو گئے جیسا کہ اوپر کے واقعہ سے ثابت ہوتا ہے کہ ابو سفیان کو جواب دینے والے حضرت عمرؓ ہی تھے۔ چنانچہ طبری اور ابن ہشام کی روایات میں کہا گیا ہے کہ

"مسلمانوں نے جب آنحضرتؐ کو سلامت دیکھا تو آپ کے پاس پہونچ گئے، رسول اللہؐ سب کو لئے ہوئے پہاڑ کے درہ پر چڑھ گئے، اس وقت آپ کے ہمراہ حضرت علیؓ، حضرت ابو بکرؓ حضرت عمرؓ، حضرت طلحہؓ، زبیر بن العوام

اور حارث بن صمہ تھے۔

پس یہی وہ جگہ اور وقت ہے جبکہ حضرت عمرؓ نے ابوسفیان کو جواب دیا تھا کہ او دشمن خدا ہم سب زندہ ہیں اور نعرۂ ہبل کے جواب میں نعرۂ توحید و عظمت بلند کیا تھا۔ غرض بھاگنے کا تذکرہ یہاں بھی کیا گیا ہے اس سے مراد انتشار ہے نہ کہ اسلام سے بددلی اور رسول اللہ سے لاپرواہی اور غفلت!

حضرت حفصہؓ • اسی جنگ احد کے سال شعبان ۳ھ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی حضرت حفصہؓ آنحضرتؐ کے عقد زوجیت میں آئیں، زمانہ جاہلیت میں ان کا نکاح خنیس بن حذافہ سے ہوا تھا، خنیسؓ مدینہ میں آ کر انتقال کر گئے تو حضرت عمرؓ کو ان کے دوسرے نکاح کی فکر ہوئی، چاہتے تھے کہ کسی نامور سے رشتہ ہو تو بہتر ہے، نظریں حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عثمانؓ پر لگی تھیں مگر قسمت نے ایسی یاوری کی کہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے نکاح کر لیا۔

بنونضیر اور خندق • ان دونوں موقعوں پر بھی حضرت عمرؓ نمایاں نظر آتے ہیں۔ بنونضیر اور بنوقینقاع یہ دونوں مدینہ کے یہودی قبیلے تھے آنحضرتؐ نے ان سے معاہدۂ صلح کر لیا تھا، چنانچہ بنوقینقاع نے بدر کے بعد اپنے معاہدہ کو توڑا تو مدینہ سے جلاوطن کر دیئے گئے، دوسرا قبیلہ بنونضیر تھا اس نے ۴ھ میں شرارت کی، آنحضرتؐ کو شبہ ہوا تو آپ

حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ کو ساتھ لیکر ان کے پاس گئے، ان لوگوں نے ایک شخص ابن جحاش کو چھت پر چڑھا دیا اور کہا کہ وہ اوپر سے ایک بڑا پتھر آنحضرتؐ پر گرا دے مگر آنحضرتؐ کو معلوم ہو گیا اور آپ واپس آئے اور اس کے بعد بنو نضیر پر قابو پا کر ان کو مدینہ سے نکال دیا گیا۔ حضرت عمرؓ ان دونوں قبیلوں کے اخراج میں شریک مشورہ رہے۔ جنگ خندق جسے غزوۂ احزاب بھی کہتے ہیں ۵ھ میں واقع ہوئی۔ قریش کی عداوتیں اس غزوہ کا سبب تھیں، اہل مکہ نے آس پاس کے بے شمار قبائل کو اپنے ساتھ ملا لیا تھا اور چاہتے تھے کہ مدینہ کو صفحہ ہستی سے مٹا دیں نہ اسلام رہے نہ مسلمان! چنانچہ دس ہزار کا لشکر جرار ابوسفیان کی سرداری میں شوال ۵ھ میں مدینہ کی طرف چل کھڑا ہوا۔ آنحضرتؐ کو علم ہوا تو آپ نے صحابہ کے مشورہ سے مدینہ کے باہر ایک عظیم خندق کھدوائی، حضرت عمرؓ دوسرے صحابہ اور خود آنحضرتؐ خندق کھودنے میں مصروف تھے اور جب خندق تیار ہو گئی تو اس کے ایک حصہ پر حضرت عمرؓ کو متعین فرما دیا تاکہ کوئی دشمن اس طرف سے اندر داخل نہ ہو سکے، حضرت عمرؓ نے بڑی پامردی سے ایک مہینہ تک اس خدمت کو انجام دیا اور کسی دشمن کی ہمت نہ ہو سکی کہ وہ اس راستہ سے آگے قدم رکھنے کی جرأت کر سکے۔ ایک مرتبہ کافروں نے اندر گھسنا چاہا تو آپ نے حضرت زبیرؓ کو ساتھ لیکر دشمنوں کے

حوصلے پست کر دیئے اور وہ خائب و خاسر واپس لوٹ گئے۔ ایک دن دشمنوں کے روکنے میں اسقدر مصروف رہے کہ آنحضرتؐ کی خدمت میں آکر کہنے لگے کہ آج کافروں نے عصر کی نماز بھی نہیں پڑھنے دی، آپؐ نے فرمایا کہ میں نے بھی ابھی تک نہیں پڑھی ہے، کفار ایک ماہ تک محاصرہ کئے رہے آخر مجبور ہو کر واپس جانا پڑا اور جانی و مالی نقصان بھی اٹھانا پڑا۔

(بخاری، ابن سعد، ازالۃ الخفا)

بیعت رضوان • آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سنہ ۶ھ میں ۱۴ سو صحابہ کے ساتھ کعبہ کی زیارت کے لئے مدینہ سے روانہ ہوئے چونکہ آپ زیارت کعبہ کے قصد سے جا رہے تھے اس لئے ہتھیار وغیرہ ساتھ نہیں لئے اور سب کو یہی حکم دیا کہ سب خالی ہاتھ چلیں، ۶ میل کے فاصلہ پر ذوالحلیفہ میں جس وقت پہونچے تو حضرت عمرؓ نے عرض کی یا رسول اللہ! مناسب نہیں معلوم ہوتا کہ دشمنوں میں خالی ہاتھ چلے جائیں، آنحضرتؐ نے آپ کی رائے کو پسند کیا اور مدینہ سے ہتھیار منگوا لئے ـــــ مکہ سے دو منزل اس طرف ایک شخص بشر بن سفیان نے اطلاع دی کہ قریش عہد کر چکے ہیں کہ آپ کو مکہ میں قدم نہیں رکھنے دیں گے، آنحضرتؐ نے حضرت عمرؓ کی رائے سے حضرت عثمان کو سفیر بنا کر مکہ بھیجا تاکہ وہ کافروں کو یقین دلائیں کہ رسول اللہ صرف زیارت کی نیت سے آ رہے ہیں لڑنے کے لئے نہیں، حضرت عثمانؓ گئے اور ۳ دن تک نہیں لوٹے تو مسلمانوں میں

بے چینی پیدا ہو گئی۔ ساتھ ہی یہ خبر اڑی کہ عثمان شہید کر دیئے گئے آنحضرت اور مسلمان سبھی اس خبر سے پریشان ہو گئے، آنحضرتؐ نے مسلمانوں سے جہاد پر بیعت لی۔ ایک درخت کے نیچے آپ بیٹھ گئے اور صحابہ کرام آپؐ کے ہاتھ پر جہاد کی بیعت کرنے لگے۔

حضرت عمرؓ کو پہلے سے یہ خیال تھا اور وہ گھوڑے وغیرہ کا انتظام بھی کر چکے تھے، اس خبر کے ساتھ ہی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور بیعت کی۔ اس کے بعد ہی حضرت عثمانؓ بھی آ گئے اور پھر آنحضرتؐ نے کافروں سے اس معاہدہ پر صلح کر لی کہ اس سال واپس جائیں اور آئندہ سال آئیں مگر تین دن سے زیادہ نہ ٹھہریں اس کے علاوہ اور بھی چند شرطیں تھیں، حضرت عمرؓ کو بڑی بے چینی تھی اور وہ اس معاہدہ کو مسلمانوں کی کمزوری خیال کر رہے تھے، حضرت ابو بکرؓ سے شکایت کی اور پھر بھی ان کا جوش ٹھنڈا نہ پڑا تو آنحضرتؐ کی بارگاہ میں حاضر ہو کر کہنے لگے۔ یا رسول اللہ! کیا وجہ ہے جبکہ آپ اللہ کے رسولؐ ہیں اور مشرک ہمارے دشمن ہیں تو پھر ہم دب کر صلح کریں اور مذہب کو رسوا کریں۔ انداز گفتگو جوشیلا تھا اور لب ولہجہ میں کچھ ایسی درشتگی تھی کہ دیکھنے اور سننے والے بے ادبی پر محمول کر رہے تھے، آنحضرتؐ نے فرمایا۔ میں اللہ کا رسولؐ ہوں اور جو کچھ کرتا ہوں اللہ کی مرضی کے مطابق کرتا ہوں۔

معاہدہ ہو گیا، دستخط کر دیئے گئے، حضرت عمرؓ کو اپنی تیزی کا احساس

ہوا تو سخت نادم ہوئے۔ معافی چاہی روزے رکھے اور خیرات وغیرہ
کی۔ یہ جگہ جہاں معاہدہ لکھا گیا مقام حدیبیہ تھا اسی لئے اس معاہدہ کو
تاریخ میں صلح حدیبیہ بھی کہا گیا ہے۔ اس معاہدہ پر حضرت عمرؓ نے بھی
دستخط کئے تھے، اس کے بعد آنحضرتؐ واپس مدینہ طیبہ آرہے
تھے کہ راستہ میں سورۃ اِنَّا فَتَحْنَا لَکَ فَتْحًا مُّبِیْنًا نازل ہوئی، رسول
اکرمؐ نے اس سورۃ کے نازل ہونیکے بعد حضرت عمرؓ سے فرمایا۔ آج وہ
سورت نازل ہوئی ہے جو مجھے دنیا کی تمام چیزوں سے زیادہ عزیز
و محبوب ہے۔ اس سورت میں صلح کو فتح سے تعبیر کیا گیا ہے، قرآن
کریم میں بیعت کرنے والوں کے لئے فرمایا گیا۔ لَقَدْ رَضِیَ اللّٰہُ
عَنِ الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ یُبَایِعُوْنَکَ تَحْتَ الشَّجَرَۃِ۔

اسی سال ۶ھ میں حضرت عمرؓ نے اپنی دو بیویوں کو اس بنا
پر طلاق دیدی کہ وہ کافرہ تھیں، اسوقت تک یہ اجازت تھی مگر اس
سال سے ممانعت ہوگئی اس لئے آپ نے دونوں کو طلاق دیکر
جمیلہ بنت ثابت سے نکاح کرلیا، آپ کے بیٹے عاصم ان ہی جمیلہ
سے پیدا ہوئے تھے۔ (بخاری، طبری، فتح الباری)

فتح خیبر • غزوۂ خیبر کا معرکہ ۷ھ میں پیش آیا، مدینہ کے سرکش
یہودی قبائل جلاوطن ہوکر خیبر میں آباد ہوگئے تھے، خیبر قدیم یہودی
بستی تھی اور ان کے پاس بہت سے مضبوط قلعہ بھی تھے۔ یہودی
یہاں سے اسلام کے خلاف برابر شرارتیں کررہے تھے، وہ کئی مرتبہ

آس پاس کے قبائل کو اسلام کے خلاف ابھار کر مدینہ پر چڑھائی کرا چکے تھے مگر انہیں کبھی کامیابی نہیں ہوئی، غرض خیبر مدینہ والوں کے لئے ایک مستقل خطرہ بنا ہوا تھا اس لئے آنحضرتؐ ۱۴ سو پیدل اور دو سو سواروں کے ساتھ خیبر کی طرف روانہ ہوئے، معرکہ آرائی شروع ہوئی بہت سے قلعہ مثلاً حصن ناعم، حصن قموص حصن صعب، وطیح اور سالم وغیرہ مسلمانوں نے فتح کر لئے مگر خیبر جو مرحب کے قبضہ میں تھا فتح نہیں ہو سکا، آنحضرتؐ نے حضرت ابوبکرؓ کو اور پھر حضرت عمرؓ کو سردار لشکر بنا کر بھیجا مگر ناکام رہے، حضرت عمرؓ نے دو دن مسلسل کوشش کی مگر پھر بھی قلعہ فتح نہ ہو سکا۔

آخر آنحضرتؐ نے اعلان کیا کہ کل علم ایسے شخص کو دونگا جو کامیاب ہوگا۔ صبح کو بہت سے لوگ اس امید پر حاضر خدمت ہوئے۔ حضرت عمرؓ بھی تھے اور امیدوار تھے کہ یہ عزت مجھے ملے مگر قدرت نے یہ اعزاز علیؓ کو عطا کیا، مرحب حضرت علیؓ کے ہاتھ سے مارا گیا اور علیؓ فاتح خیبر کہلائے، حضرت عمرؓ فرماتے تھے کہ میں نے کبھی سرداری کی تمنا نہیں کی مگر اس موقعہ پر میرا دل بھی چاہتا تھا کہ خیبر کی فتح کا اعزاز مجھے نصیب ہو مگر قدرت نے اس انعام کے لئے علیؓ کا انتخاب کر لیا تھا۔

فتح خیبر کے بعد تمام زمینیں آنحضرتؐ نے مجاہدین میں تقسیم کر دیں، حضرت عمرؓ کو جو زمین ملی تھی اور جس کا نام ثمغ تھا وہ آپ نے اللہ

کے نام پر وقف کر دی، اس واقعہ کو مسلم میں بیان کیا گیا ہے۔
مورخین کا بیان ہے کہ اسی سال قبیلہ ہوازن نے شرارت شروع کی۔ آنحضرتؐ نے تیس مجاہدین کی ایک جماعت کے ساتھ حضرت عمرؓ کو بھیجا، آپ پہونچے تو مخالفین نے راہ فرار اختیار کی اور کوئی جنگ نہیں ہوئی گویا یہ فتنہ بلا جنگ دب گیا۔

فتح مکہ ■ حدیبیہ میں قریش نے جو صلح کا معاہدہ کیا تھا دو سال تک وہ اس پر قائم رہے مگر ۸ھ میں انہوں نے اس معاہدہ کو توڑ دیا۔ ابوسفیان کو اس غلطی کا احساس ہوا تو وہ مدینہ آیا اور تجدید معاہدہ کی درخواست بارگاہ رسالت میں پیش کی، آنحضرتؐ نے کوئی توجہ نہیں کی، وہ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ سے ملا مگر یہ بھی خاموش رہے۔ مایوس ہو کر واپس گیا اور آنحضرتؐ نے اسی دن مکہ کی روانگی کا اعلان کر دیا۔ دس ہزار مسلمانوں کی جماعت حاضر خدمت ہو گئی اور آپ رمضان کی آٹھ تاریخ کو مدینہ سے مکہ کی جانب روانہ ہوئے، مقام مرالظہران میں پہونچ کر قیام کیا۔ حضرت عباسؓ نے اپنی سواری پر مکہ کی سمت کا رخ کیا تاکہ حالات کا اندازہ کیا جائے، سامنے سے ابوسفیان آتا ہوا مل گیا، حضرت عباسؓ نے کہا چلو میں تم کو آنحضرتؐ سے معافی دلادوں ورنہ آج بچنا مشکل ہے حضرت عباسؓ ابوسفیان کو لیکر بارگاہ رسالتؐ میں پہونچے تو حضرت عمرؓ بھی آگئے اور آنحضرتؐ سے عرض کرنے لگے کہ یا رسول اللہ! یہ دشمن مدت کے بعد ہاتھ آیا ہے،

آپ اجازت دیجئے کہ میں اس کی گردن اڑا دوں مگر حضرت عباسؓ کی سفارش پر چھوڑ دیا گیا۔

آنحضرتؐ فاتح مکہ کی حیثیت سے مکہ میں داخل ہوئے، قریش کا دم ٹوٹ چکا تھا، جو جہاں تھا وہیں کھڑا اس کیفیت کو دیکھ رہا تھا، بہت سے گھروں میں چھپ گئے تھے اور بہت سے آنحضرتؐ سے آنکھوں ہی آنکھوں میں رحم کی درخواست کر رہے تھے آنحضرتؐ نے کعبہ کے دروازہ پر کھڑے ہو کر تقریر فرمائی، سب کو معاف کر دیا اور پھر مقام صفا میں آکر لوگوں سے بیعت لینا شروع کی، جب تک مردوں کا سلسلہ جاری رہا آپ بیعت لیتے رہے اور جب عورتیں آنا شروع ہوئیں تو آپ نے حضرت عمرؓ سے فرمایا کہ ان عورتوں سے تم بیعت لے لو، حضرت عمرؓ تعمیل حکم میں مصروف ہو گئے۔

معرکۂ حنین۔ فتح مکہ کے بعد حنین میں قبیلۂ ہوازن سے مسلمانوں کو زبردست معرکہ آرائی کرنا پڑی، ۱۲ ہزار مسلمانوں نے پہلے ہی حملہ میں دشمنوں کو بھگا دیا مگر اس کے بعد جب مسلمان مال غنیمت سمیٹنے میں مصروف ہوئے تو ہوازن نے موقعہ کو غنیمت جانتے ہوئے ایسی تیراندازی کی کہ احد کا نقشہ سامنے آگیا، مسلمان ایسے گھبرائے اور منتشر ہوئے کہ میدان میں آنحضرتؐ اور چند صحابہؓ کے علاوہ کوئی نہیں ٹھیرا، جو حضرات اس نازک موقعہ پر ثابت قدم رہے ان میں حضرت علیؓ، حضرت عباسؓ، حضرت ابو بکرؓ اور

حضرت عمرؓ کے نام شامل ہیں۔ ہوازن کے حوصلے پست ہوگئے، مسلمان جلدی ہی واپس آگئے اور ۶ ہزار سے زائد ہوازن کے آدمی گرفتار کر لئے گئے۔

(مسلم وطبری)

ترمذی اور ابو داؤد کی ایک روایت سے پتہ چلتا ہے کہ غزوۂ حنین کے بعد ۹ھ میں قیصر روم کے حملہ کا مقابلہ کرنے کے لئے سامان جنگ اکٹھا کیا تو حضرت عمرؓ کل مال کا نصف لیکر آئے مگر حضرت ابوبکرؓ کے کل مال کو دیکھ کر یہ یقین کر لیا کہ ان سے جیتنا مشکل ہے۔ مسلمانوں نے قیصر کے مقابلہ کے لئے کافی تیاریاں کی تھیں مگر جب آنحضرتؐ ہمراہیوں کے ساتھ مدینہ سے تبوک پہونچے تو معلوم ہوا کہ یہ خبر غلط ہے۔

اسی زمانہ میں ازواج مطہرات اور آنحضرتؐ کے مابین مسلمانوں نے کچھ ایسی تبدیلیاں محسوس کیں کہ آپس میں یہ تذکرہ ہونے لگا کہ شاید آنحضرتؐ نے بیویوں کو طلاق دیدی ہے مگر کسی کی ہمت نہ ہوتی تھی کہ وہ اس سلسلہ میں آنحضرتؐ سے کچھ پوچھے، حضرت عمرؓ نے جب یہ چرچا زیادہ دیکھا تو آنحضرتؐ کی خدمت میں گئے۔ اندر جانے کی اجازت طلب کی مگر اجازت نہیں ملی، حضرت عمرؓ نے دروازہ پر کھڑے بلند آواز سے کہا کہ "شاید رسول اکرمؐ مجھے اس لئے اندر آنے کی اجازت نہیں دیتے ہیں کہ میں ان سے حفصہؓ کے متعلق کچھ کہونگا تو خدا گواہ ہے کہ میں آنحضرتؐ کے ایک اشارہ

پر حفصہؓ کا کام تمام کر سکتا ہوں" آنحضرتؐ نے سنا تو اندر بلا لیا، حضرت عمرؓ اندر گئے اور آنحضرتؐ سے پوچھا کہ کیا حضورؐ والا نے ازواج کو طلاق دے دی ہے؟ آپؐ نے ارشاد فرمایا نہیں، حضرت عمرؓ نے عرض کیا مسلمان رنجیدہ ہو رہے ہیں اور ان میں یہ موضوع زیر بحث آ رہا ہے اگر اجازت دیں تو میں ان کو جا کر بتا دوں کہ یہ افواہ غلط ہے، آپ نے اجازت دیدی۔

سنہ۱۰ھ میں آنحضرتؐ حج کے لئے تشریف لے گئے، حضرت عمرؓ آپ کے ہمراہ تھے، آنحضرتؐ کا ہجرتؐ کے بعد یہ پہلا اور آخری حج تھا، سنہ۹ھ میں حضرت ابوبکرؓ جب امیر حج بنا کر بھیجے گئے تو حضرت عمرؓ بھی گئے تھے۔

قصۂ قلم دوات۔ آنحضرتؐ کی آخر حیات کا خاص واقعہ ہے مسلمانوں کا ایک فرقہ حضرت عمرؓ کو مطعون کرتا ہے کہ انہوں نے آنحضرتؐ کے حکم کی تعمیل نہیں ہونے دی اور جب آپؐ نے بیماری کے عالم میں فرمایا کہ "قلم دوات لاؤ میں تمہارے لئے وہ بات لکھ دوں جس سے تم آئندہ گمراہ نہ ہو" تو حضرت عمر نے کہہ دیا کہ کوئی ضرورت نہیں ہے ہمارے لئے قرآن کافی ہے، یہ بھی کہا جاتا ہے کہ حضرت عمرؓ نے کہا کہ رسول اللہؐ کو شدت مرض کی وجہ سے ہذیان ہو گیا ہے۔

یہ سب باتیں بخاری و مسلم نے عبداللہ ابن عباسؓ سے روایت

کی ہیں مگر ان کی صحت پر محدثین نے بحث کی ہے اور ثابت کیا ہے کہ واقعہ کے راوی واقعہ کے وقت موجود نہیں تھے اور انہوں نے کسی سے سنکر روایت کیا ہے اور اس کا نام بھی نہیں بتایا کہ کس سے سنا۔ میرے خیال میں مولٰنا شبلیؒ نے اس سلسلہ میں جو کچھ لکھا ہے وہ زیادہ واضح اور قابل قبول ہے جس کا ایک ٹکڑا یہ ہے۔

> اتنے بڑے عظیم الشان واقعہ میں تمام صحابہ میں سے صرف حضرت عبداللہ ابن عباسؓ اس کے راوی ہیں اور یہ کہ ان کی عمر اسوقت ۱۳ یا ۱۴ برس کی تھی اور سب سے بڑھ کر یہ کہ وہ واقعہ کے وقت موجود نہ تھے تو ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ روایت کی حیثیت کیا رہ جاتی ہے ممکن ہے کہ کسی کوتاہ نظر پر یہ امر گراں گذرے کہ بخاری ومسلم کی حدیث پر شبہ کیا جائے لیکن اس کو سمجھنا چاہیئے کہ بخاری ومسلم کے کسی راوی کی نسبت یہ شبہ کرنا کہ وہ واقعہ کی پوری ہیئت محفوظ نہ رکھ سکا۔ اس سے کہیں زیادہ آسان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت ہذیان اور حضرت عمرؓ کی نسبت گستاخی کا الزام لگایا جائے۔ (الفاروق ص۱۱۵)

دُور اندیشی ● عام طور پر مؤرخین نے بیان کیا ہے کہ وفات رسولؐ کی اطلاع نے حضرت عمرؓ کو از خود رفتہ کر دیا تھا اور وہ مسجد میں کھڑے ہوئے لوگوں سے کہہ رہے تھے کہ اگر کسی نے یہ کہا کہ رسول اللہؐ

وفات کر گئے ہیں تو میں اس کی گردن تلوار سے قلم کر دونگا" یہ روایت بھی بخاری میں موجود ہے مگر دوسری روایات کی طرح یہ بھی محل نظر ہے۔ حضرت عمرؓ جیسے سخت مزاج اور موت و حیات پر یقین رکھنے والے ایسے کس طرح ہو سکتے تھے کہ مسجد نبویؐ میں تلوار نکال لیں اور مسلمانوں کی گردن اتنی سی بات پر مارنے لگیں کہ رسول اللہؐ انتقال کر گئے ہیں۔

درحقیقت جس بات کو لوگوں نے حضرت عمرؓ کی دیوانگی اور وارفتگی سمجھا ہے وہ ان کی دور اندیشی تھی، کون نہیں جانتا ہے کہ مدینہ میں منافقین کا ایک ایسا گروہ موجود تھا جس کی ہمہ وقت یہ کوشش رہتی تھی کہ جس طرح بھی ہو مسلمانوں میں انتشار پیدا کیا جائے، حضرت عمرؓ اس نزاکت کو محسوس کرتے تھے اور چاہتے تھے کہ وفات رسولؐ کی خبر کو اس وقت تک پردۂ راز میں رکھا جائے جب تک مسلمانوں کے دلوں کو سکون حاصل ہوا اور وہ وفات رسولؐ سے پیدا شدہ مسائل پر غور کرنے کی طرف متوجہ ہوں تاکہ شرارت پسندوں کی طرف سے کوئی نئی چیز پیدا ہو کر پریشانی کا سبب نہ بنے۔ جو لوگ بخاری کی ہر روایت کو نص قرآنی کا درجہ دینا چاہتے ہیں انہیں تاریخی نزاکتوں کو بھی سامنے رکھنا چاہیئے۔

سقیفہ بنی ساعدہ • ۱۲ ربیع الاوّل ۱۱ھ میں دوشنبہ کے دن ظہر کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دنیا کو خیر باد کہا، باوجود اس کے کہ حضرت عمرؓ اس خبر کو پھیلنے سے روکنا چاہتے تھے مگر رک

نہ سکی ،مسجد نبویؐ اور خانۂ رسولؐ مسلمانوں سے بھرا ہوا تھا، رنج و غم کے بادل چھائے ہوئے تھے اور ہر شخص آبدیدہ تھا اور سوچ رہا تھا کہ یہ کیا ہوا، کسی کو یہ خیال بھی نہیں تھا کہ تجہیز و تکفین کو چھوڑ کر جانشین کے مسئلہ پر غور کیا جائے اور اگر یہ خیال ہوتا تو ظاہر ہے کہ اس کام کے لئے مسجد نبویؐ کو ہی منتخب کیا جاتا، کسی دوسری جگہ خلیفہ کے چناؤ کے لئے اجتماع ہو ہی نہیں سکتا تھا جبکہ مسلمانوں کے تمام کام مسجد نبویؐ میں ہوتے چلے آئے تھے۔

غرض اسی عالم میں یہ اطلاع موصول ہوئی کہ انصار سقیفہ میں جمع ہیں اور رسول اللہؐ کی جانشینی کے مسئلہ پر غور کر رہے ہیں، درحقیقت انصار مہاجرین کے مخالف نہیں تھے بلکہ انہوں نے اسلام اور مہاجرین کو جس خلوص کے ساتھ سینے سے لگایا تھا وہ خدمات ہی ایسی تھیں کہ یہ خیال پیدا ہونا ناگزیر تھا کہ ہم میں بھی کوئی رسول اللہؐ کا جانشین ہو سکتا ہے، اگر وہ مہاجرین کو حقیر خیال کرتے یا مہاجرین انصار کو ذلیل سمجھتے تو پھر آپس میں شیر و شکر کس طرح ہو سکتے تھے اور گیارہ سال کی مدت میں رواداری، محبت اور خلوص کے جو دریا بہائے گئے وہ کسی طرح بھی نہیں بہہ سکتے تھے۔ یہی وہ یگانگت اور محبت تھی جس نے انصار، مہاجرین اور بنی ہاشم میں کبھی خون ریزی نہیں ہونے دی اور یہ تینوں گروہ رسول اللہؐ کی تعلیمات کو پورے اتحاد اور خلوص کے ساتھ پھیلانے میں کامیاب ہو سکے۔

حضرت عمرؓ کو جیسے ہی اطلاع ملی آپ حضرت ابو بکرؓ کو لیکر سقیفہ میں پہونچے، ساتھ ہی حضرت ابو عبیدہؓ حضرت عثمانؓ اور عبدالرحمٰن بن عوفؓ بھی گئے، انصار کا اجتماع تھا اور سعد بن عبادہؓ رئیس انصار خلافت کے امیدوار تھے۔

تھوڑی دیر بحث ہوتی رہی مگر حضرت ابو بکرؓ کی ٹھنڈی اور سنجیدہ تقریر نے خیالات میں ایسا انقلاب پیدا کیا کہ منٹوں میں لوگ ایک نکتہ پر جمع ہو گئے، حضرت ابو بکر صدیقؓ نے فرمایا۔

"بھائیو! آپ کے فضائل و مراتب مسلم ہیں، مگر عرب کی نظریں قریش پر لگی ہیں وہ قریش کے سوا کسی کی خلافت تسلیم نہیں کریں گے، اس کے علاوہ مہاجرین اسلام میں مقدم اور رسول اللہؐ کے خاندان سے تعلق رکھتے ہیں، اس لئے میں تم کو مشورہ دیتا ہوں کہ یہ ابو عبیدہؓ اور عمر ابن خطابؓ موجود ہیں جس کے ہاتھ پر چاہو بیعت کرلو"

حضرت ابو بکر صدیق اتنا کہنے پائے تھے کہ حضرت عمرؓ نے کھڑے ہو کر اپنا ہاتھ حضرت صدیقؓ کے ہاتھ میں دیدیا اور کہا کہ "ہم آپ سے بیعت کرتے ہیں آپ ہم میں بزرگ ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ سے بہت زیادہ محبت کرتے تھے" پھر کیا تھا انصار بھی بیعت کرنے لگے اور مہاجر بھی، تھوڑی دیر میں سقیفہ کی مجلس ختم ہو گئی سب لوگ آنحضرتؐ کی تجہیز و تکفین میں لگ گئے اور حضرت ابو بکرؓ کی

سنجیدگی، حضرت عمر کی دانشمندی، انصار کے خلوص اور بنی ہاشم کی حقیقت پسندی نے تاریخ اسلام کو اپنا مرہونِ منت بنا لیا۔

آغاز خلافت فاروقی ● حضرت ابو بکر صدیقؓ نے اپنی خلافت کے ۲ سال ۳ ماہ اور دس دن کے بعد دوشنبہ ۲۲ جمادی الثانی ۱۳ھ میں اس جہان سے سفر آخرت اختیار کیا، حضرت عمرؓ اسی دن وصیت صدیقی کے مطابق تمام مسلمانوں کی موجودگی میں مسند خلافت پر رونق افروز ہوئے اور مسلمانوں نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی، تمام بڑے بڑے صحابہؓ مثلاً حضرت علیؓ، حضرت عثمانؓ اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ اس اجتماع میں موجود تھے۔

بیعت کا سلسلہ تین دن تک چلتا رہا۔ تیسرے دن جمعہ کو مسلمانوں کا عظیم اجتماع تھا، بے شمار مسلمان اطراف و جوانب سے بیعت کے لئے آئے ہوئے تھے۔ مدینہ کا ماحول بدل چکا تھا، وہ تمام بے چینیاں جو مرتدین اسلام اور منکرین زکوٰۃ نے پیدا کر رکھی تھیں ختم ہو چکی تھیں یعنی حضرت ابو بکر صدیقؓ نے مسند خلافت پر قدم رکھتے ہی بہت تھوڑے عرصہ میں بغاوت کو کچل کر شام و عراق کی فتوحات کا سلسلہ شروع کر دیا تھا۔ حیرہ کے اضلاع فتح ہو چکے تھے اور شام میں اسلامی فوجیں سرحدی اضلاع میں گھس گئیں تھیں۔

حضرت ابو بکر صدیقؓ کا جس وقت انتقال ہوا تو عراق کی فتوحات کا سلسلہ بہت حد تک رک گیا تھا جس کی وجہ یہ ہوئی تھی کہ خلیفہ

اوّل نے خالد ابن ولید کو عراق سے شام کی طرف بھیجد یا تھا اور ان کی جگہ مثنیٰ بن حارثہؓ کو عراق میں معین کر دیا گیا تھا۔ حضرت مثنیٰؓ نے اگرچہ جدو جہد کی مگر پوری کامیابی نہیں ہو سکی۔

عراق کی فتح • حضرت عمرؓ کے سامنے پہلا مسئلہ عراق کا تھا، آپ نے اس مہم کو کامیاب بنانے کے لئے ان لوگوں میں جذبۂ جہاد کو ابھارا جو بڑی تعداد میں اطراف و اکناف سے بیعت کے لئے آئے تھے، ان کے سامنے آپؓ نے نہایت جوشیلی تقریریں کیں، وعظ کہے اور عراق کی اہمیت کو واضح کیا مگر عام طور پر لوگوں میں خاموشی پائی جاتی تھی کیونکہ بہت سے لوگ یہ سمجھتے تھے کہ مجوسی بڑے مضبوط اور جنگ جو ہوتے ہیں اور عراق کا علاقہ حملوں کا کوئی اثر قبول نہیں کرتا ہے وعظ کا سلسلہ جاری تھا اور عراق کے حالات پر آپس میں چہ میگوئیاں ہو رہی تھیں کہ ایک صاحب مثنیٰ شیبانیؓ نے کھڑے ہو کر کہا کہ مجوسیوں کے بازو میرے آزمائے ہوئے ہیں اور ہم عراق کے بڑے بڑے مقامات کو فتح کر چکے ہیں، اس کے ساتھ ہی حضرت ابو عبیدہؓ نے جوشیلی تقریر کی اور کھڑے ہو کر جہاد کے لئے بیعت کا اعلان کیا، لیک دم حالت بدل گئی اور لوگ جان دینے اور عراق جانے پر آمادہ ہو گئے، حضرت عمرؓ نے پانچ ہزار فوج پر ابو عبیدہؓ کو سردار مقرر کر کے عراق کی سمت روانہ کر دیا۔

عراق فارس کا پایۂ تخت تھا اور عراق میں مسلمانوں کی سرگرمیوں

نے ایرانیوں کو بہت چوکنا کر دیا تھا، نیز یہ کہ خلیفۂ اول کی وفات اور خالد کے شام چلے جانے سے ان کو خاصا موقعہ سنبھلنے کا مل گیا تھا لہٰذا پوران دخت نے رستم کو وزیر جنگ بنا کر مسلمانوں کے مقابلہ پر جنگ کرنے کے تمام اختیارات سونپ دیئے، رستم فرخ زاد گورنر خراسان کا بیٹا تھا اور پوران دخت شاہ ایران یزدگرد کی متولیہ تھی کیونکہ یزدگرد کی عمر بہت چھوٹی تھی۔ غرض رستم کے وزیر جنگ مقرر ہوتے ہی ایرانیوں میں از سر نو جان آگئی اور مسلمانوں کے مقابلہ پر وہ ہر طرف سے سمٹ کر ڈٹ گئے۔

اس کے علاوہ رستم نے ایک چال یہ چلی کہ جہاں جہاں مسلمانوں نے قبضہ کر لیا تھا سب جگہ بلوے کرا دیئے اور ایسی بے چینی پیدا کرائی کہ وہ سب مقامات مسلمانوں کے ہاتھ سے نکل گئے، رستم نے ایرانیوں کے دل ایسے گرمائے اور ان کو مذہبی تقریریں کر کے اتنا دیوانہ بنا دیا کہ وہ مرنے اور جان دینے کو سب سے بڑی دولت خیال کرنے لگے۔ پوران دخت بھی غافل نہیں رہی اور اس نے دو فوجی دستے اور تیار کیے جن کو نرسی اور جابان کی سپہ سالاری میں رستم کی مدد کے لیے روانہ کر دیا، حضرت ابو عبیدہؓ اسلامی فوج کو لیے ہوئے جب نمارق پہونچے تو جابان کی فوج سے زبردست مقابلہ ہوا۔ ایرانی اگرچہ دیوانہ وار لڑے مگر اسلامی فوج نے بڑی جلدی جابان کی فوج کا منہ پھیر دیا، دو نامور افسر جوشن شاہ اور مردان شاہ مارے گئے، فوج جو بچی وہ بھاگ

کھڑی ہوئی، جابان کو ایک مسلمان نے زندہ گرفتار کرلیا مگر وہ غریب یہ نہیں جانتا تھا کہ یہ جابان ہے، جابان نے مسلمان سے کہا کہ میں بوڑھا ہوں تمہارے کس کام آسکوں گا۔ تم مجھ سے دو غلام لے لو اور مجھے چھوڑ دو، مسلمان نے غلام لے لئے اور جابان اس چالاکی سے نکل گیا، بعد میں مسلمانوں کو معلوم ہوا کہ یہ جابان تھا مگر ابو عبیدہؓ نے اس مسلمان سے کوئی باز پرس نہیں کی۔

اس معرکہ کو سر کرنے کے بعد حضرت ابو عبیدہؓ آگے بڑھے تو نرسی کی فوجوں سے بھڑ گئے، نرسی بھی مقابلہ کی تاب نہ لا سکا اور مسلمانوں کی اس کامیابی کا یہ اثر ہوا کہ آس پاس کے باا ثر جرگے خود بخود مطیع ہو گئے مگر اس فتح کے بعد ہی مردان شاہ ایک بڑی فوج لئے ہوئے مقابلہ پر آگیا، اس کے ساتھ تیس ہزار فوج اور تیس ہاتھی تھے جس میں ایک ہاتھی سفید تھا جس کو ایرانی بڑا متبرک خیال کرتے تھے ان کا خیال تھا کہ یہ ہاتھی جس معرکہ میں شریک ہوتا ہے وہاں فتح ہوتی ہے۔

حضرت ابو عبیدہؓ نے انتظار مناسب نہیں سمجھا اور فرات کو عبور کر کے ایرانیوں پر ٹوٹ پڑے، ایک مسلمان نے یہ کیا کہ فرات کا پل توڑ دیا تاکہ بھاگنے کا راستہ نہ رہے، مسلمان بہت جم کر لڑ رہے تھے مگر ہاتھیوں سے مقابلہ کا پہلا اتفاق تھا اس لئے سخت پریشان تھے، مسلمانوں کے اونٹ اور گھوڑے بھی کوہ پیکر ہاتھیوں سے اتنا گھبرا رہے تھے کہ ان کے لئے جمنا مشکل

ہو گیا تھا، حضرت ابو عبیدہؓ نے جب یہ حال دیکھا تو مسلمانوں سے فرمایا کہ وہ گھوڑوں سے اتر کر مقابلہ کریں، مسلمانوں نے حکم ملتے ہی پیدل جنگ شروع کردی اور ہاتھیوں کی سونڈوں کو اپنی تلواروں سے کاٹنا شروع کردیا۔ حضرت ابو عبیدہؓ سفید ہاتھی کی طرف بڑھے اور ایک ہی ہاتھ میں سونڈ کا صفایا کردیا مگر اس کے بعد پیچھے ہٹتے ہوئے گرے تو غضبناک ہاتھی نے اپنے پیر سے ان کو دبا کر شہید کردیا۔

مسلمانوں میں سے سات ناموروں نے جھنڈا سنبھالا مگر سبھی شہید ہوئے، آخر حضرت مثنیٰؓ نے علم اسلام اٹھایا دیر تک ایرانیوں سے مقابلہ کرتے رہے اور پھر ٹوٹے ہوئے پل کو درست کرکے فرات کے اس پار آگئے ہاتھیوں کے اس معرکہ میں مسلمانوں کو شدید نقصان پہونچا اور ہزارہا مسلمان ایرانیوں کے ہاتھ سے شہید ہوئے، حضرت عمرؓ کو مسلمانوں کی اس شکست کا اتنا غم ہوا کہ آپ نے پورے عرب میں آگ لگادی، اتنا جوش پیدا کیا کہ مسلمانوں کے ساتھ عیسائی بھی میدان جنگ میں کودنے کے لئے تیار ہو گئے اور اپنے پڑوسی مسلمانوں کے ساتھ جان دینے پر آمادہ ہو گئے۔ حضرت عمرؓ نے جریرؓ بجلی کو کثیر فوج کے ساتھ روانہ کیا اور حضرت مثنیٰؓ کو لکھا کہ جریرؓ صحابی ہیں ان کا احترام ملحوظ رکھنا اور ان کے مشورہ سے ایرانیوں کا مقابلہ کرنا، حضرت جریرؓ حسب الحکم حضرت مثنیٰ نے بھی اسوقت تک عربی قبائل

کی ایک بڑی فوج تیار کر لی تھی۔

پوران دخت نے ۱۲ ہزار ایرانیوں کو مہران بن مہرویہ کی سپہ سالاری میں مقابلہ کے لئے روانہ کیا، حیرہ کے قریب میدان کارزار گرم ہوا، مسلمان اس جرأت اور بہادری سے لڑے کہ عجمیوں کے پیر اکھڑ گئے، مہران مارا گیا، مثنیٰؓ نے پل توڑ دیا اور مسلمانوں نے بھاگتے ہوئے ایرانیوں کو کاٹ کاٹ کر پشتے لگا دیئے، مسلمان عراق میں پھیل گئے اور ساتھ ہی حضرت مثنیٰؓ نے قریب کے ایک بہت بڑے بازار پر حملہ بول دیا، لوگ دکانیں چھوڑ کر بھاگ گئے اور مسلمانوں نے بے شمار سونے چاندی اور سامان پر قبضہ کر لیا۔ آس پاس کے تمام مقامات مسلمانوں کے قبضہ میں آگئے اور اسلامی پرچم ہر طرف لہرانے لگا۔

جنگ قادسیہ ● ایرانیوں کی اس ہزیمت نے پایۂ تخت میں قیامت برپا کر دی، اعیان ملک نے متحد ہو کر پوران دخت کو معزول کر دیا اور ۲۱ سالہ یزدگرد کو تخت پر بٹھایا، رستم اور فیروز جو آپس میں سخت مخالف تھے مسلمانوں کو شکست دینے کے لئے شیر و شکر ہو گئے اور دونوں کی متحدہ کوششوں سے پورے ملک میں جوش اور زندگی کی لہر دوڑ گئی اور ہر طرف عظیم پیمانہ پر مسلمانوں سے مقابلہ کی تیاریاں ہونے لگیں، ایرانیوں نے ایک چال یہ بھی چلی کہ مفتوحہ علاقوں میں اپنے آدمیوں کے ذریعہ بغاوت کی تحریک اسقدر منظم طریقہ پر چلائی کہ مسلمانوں کا حالات پر قابو پانا مشکل ہو گیا اور تمام مفتوحہ

علاقے باغی ہو کر مسلمانوں کے ہاتھ سے نکل گئے، حضرت مثنیٰؓ نے یہ حالت دیکھی تو پیچھے ہٹ کر عرب کی سرحدیں آ گئے، ربیعہ اور مضر کے قبائل کو منظم کرنے پر توجہ دی اور ایک قاصد کو مدینہ بھیجا تا کہ وہ دربار خلافت کو حالات سے مطلع کرے۔

حضرت عمرؓ کو جب یہ اطلاع ملی تو سخت صدمہ ہوا، حج کو جاتے جاتے اعلان کر دیا کہ اس مہم میں خود ہی سپہ سالار بن کر جاؤں گا، اس اعلان نے پورے عرب میں تہلکہ ڈال دیا، حضرموت، صدف، مذحج، قیس اور عیلان کے سرداروں نے فوجوں سے میدان بھر دیئے یمنی، بنو تمیم اور بنو اسد سبھی نے دل کھول کر آدمیوں کو بھیجا، سعد بن وقاصؓ نے تین ہزار ایسے آدمی دیئے جو تلوار کے دھنی تھے۔

حضرت عمرؓ حج سے واپس تشریف لائے تو مدینہ اور اس کے اطراف مسلمان فوجیوں سے بھرے ہوئے تھے ہر طرف جوش اور ولولہ کے عالم میں مسلمان ایرانیوں کے مقابلہ پر جانے کے لئے بے چین نظر آ رہے تھے، حضرت عمرؓ نے مجاہدین اسلام کے اس موجزن سمندر کو مسرت کی نظر سے دیکھا، آپ اس مرتبہ چاہتے تھے کہ اس مہم میں خود بحیثیت سپہ سالار شریک ہوں چنانچہ آپ نے خلافت کی ذمہ داریاں حضرت علیؓ کے حوالہ کیں، حضرت طلحہؓ، حضرت زبیرؓ اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کو اپنے ساتھ لیا اور ان کو میمنہ اور میسرہ پر متعین کیا اور مدینہ سے روانہ ہوئے ۔۔۳ میل کے فاصلہ

پر پہلی منزل کی اور فوج کا اندازہ لگایا تو بیس اور تیس ہزار کے قریب تھی مگر یہاں پہونچ کر حضرت عبدالرحمٰن ابن عوفؓ نے خدمت فاروقی میں یہ تجویز پیش کی کہ آپ کا جانا مناسب نہیں معلوم ہوتا ہے، اپنی جگہ کسی دوسرے کو یہ خدمت سپرد کر دیں تو بہتر ہے کیونکہ آئندہ حالات نے اگر کچھ نازک صورت اختیار کی تو نظام خلافت کے اختلال سے اسلام کے لئے خطرات بڑھ جائیں گے، ابن عوفؓ کی اس تجویز کی دوسرے حضرات نے بھی تائید کی مگر سوال یہ تھا کہ پھر کون اس خدمت پر مامور کیا جائے، آخر یہ سعادت حضرت سعد ابن ابی وقاصؓ کے حصہ میں آئی اور وہ حضرت عمرؓ کے حکم سے سپہ سالار افواج بنکر تیس ہزار کے لشکر جرار کو لیکر روانہ ہوئے۔ حضرت سعدؓ صحابی تھے اور عشرہ مبشرہ میں داخل تھے، اسلامی فوج میں ایک ہزار کے قریب صحابہ کرامؓ تھے اور ان میں نو۹۰ے حضرات وہ تھے جو میدان بدر میں آنحضرتؐ کے ساتھ کفار مکہ سے جہاد کر چکے تھے۔ حضرت سعدؓ چلنے لگے تو حضرت عمرؓ نے ان کو صبر و ثبات کی تلقین کی اور بہت سی مفید نصیحتیں فرمائیں۔ حضرت عمرؓ قبل اسلام عراق کا سفر کر چکے تھے اور وہاں کے حالات سے پورے طور پر واقف تھے لہذا آپ نے دوسری نصیحتوں کے ساتھ یہ بھی ہدایت کی کہ فوج کا جہاں بھی قیام ہو وہاں کے تفصیلی حالات سے مجھے مطلع کیا جائے۔ حضرت عمرؓ مدینہ تشریف لے آئے اور حضرت سعدؓ لشکر اسلام کو لیکر عراق کی سمت روانہ ہو گئے،

۱۸/۱۷ منزلیں طے کرنے کے بعد لشکر اسلام شراف پہونچکر مقیم ہوگیا، حضرت مثنیٰؓ یہاں سے قریب ہی ذی قار میں ہزار لشکر کو لئے حضرت عمرؓ کی امداد کا انتظار کر رہے تھے مگر جیسے ہی حضرت سعدؓ شراف میں پہونچے تو حضرت مثنیٰؓ وفات کر گئے اور اپنے بھائی معنیٰ کو کچھ ضروری باتیں بتا گئے اور اپنی جگہ ان کو مقرر کر گئے، معنیٰ نے حضرت سعدؓ کے آنے کی خبر سنی تو فوراً پہونچے، تمام حالات سے مطلع کیا، حضرت سعدؓ نے یہ تمام کیفیت اور اپنے قیام اور مقام کے حالات سے حضرت عمرؓ کو اطلاع دی۔ حضرت عمرؓ نے جواب میں لکھا کہ شراف سے بڑھ کر قادسیہ کو میدان جنگ بناؤ اور مورچے اس طرح لگاؤ کہ فارس سامنے ہو اور عرب کے پہاڑ پشت کی طرف حفاظت کا کام کریں۔

حضرت سعد حکم ملتے ہی شراف سے قادسیہ آگئے، مورچے سنبھال لئے اور ہر طرف اپنے آدمی پھیلا دیئے تاکہ رستم کی نقل و حرکت کا حال معلوم ہو۔ جاسوسوں نے واپس آکر بیان کیا کہ رستم مدائن سے ساباط میں آگیا ہے۔ حضرت سعدؓ نے دربار خلافت کی ہدایت کے مطابق ۱۴ نامور اور باسیاست حضرات کا انتخاب کیا اور ان کو نعمان بن مقرن کی زیر قیادت سفیر بنا کر شاہ ایران کے پاس روانہ کیا تاکہ وہ اسلام جزیہ یا جنگ کے اصول ان کے سامنے پیش کریں، شاہ ایران اپنے دار السلطنت مدائن میں

مقیم تھا، یزدگرد نے اسلامی سفیروں کے آنے کی اطلاع سنی تو ملاقات کے لئے دربار منعقد کیا گیا۔ اسلامی سفیر بڑی سادگی سے جبّہ اور چادر کے ساتھ دربار میں داخل ہوئے، یہ سب سادہ اور مسکین شکل وصورت کے تھے مگر پھر بھی شاہ ایران پر دیکھتے ہی ہیبت طاری ہوگئی، وہ کچھ دیر سوچتا رہا اور اس کے بعد اس نے کچھ سوالات کئے، حضرت نعمان نے پہلے اسلام کے برکات اور احسانات بیان کئے اور پھر کہا کہ ہم دو چیزیں پیش کرتے ہیں، اسلام یا جنگ، یزدگرد نے جواب میں اپنی فوقیت اور قوت کا اظہار کیا اور عربوں کے لئے حقارت آمیز جملے استعمال کئے، حضرت مغیرہ بن زرارہ سے ضبط نہیں ہوسکا، کہنے لگے یہ میرے ساتھی تو اپنے علم اور وقار کے خلاف سمجھتے ہیں زیادہ بولنے کو اس لئے بہت سی باتیں جو کہنا چاہیئے تھیں رہ گئی ہیں، لہٰذا تم کو معلوم ہونا چاہیئے کہ ہم میں بے شمار برائیاں تھیں اور ہمارے اندر ہزاروں عیوب پائے جاتے تھے مگر اللہ کا یہ احسان ہے کہ اس نے اپنے محبوب پیغمبر کو ہماری ہدایت کے لئے مبعوث فرمایا، ہم نے ان کو بہت دن تک جھٹلایا آخر ان کی بات ہمیں قبول کرنا پڑی اور ان کی پاک تعلیمات کے آگے سر جھکانا پڑا، ان کی ہر بات اللہ کے حکم کے مطابق ہوتی ہے، ان ہی کا یہ حکم ہے کہ جو لوگ اسلام لائیں وہ ہمارے بھائی ہیں، جو اسلام نہ لائیں اور جزیہ ادا کرتے رہیں وہ اسلام کی حمایت اور حفاظت میں ہیں اور جو ان دونوں باتوں سے انکار کریں ان کے

لئے تلوار ہے۔

حضرت مغیرہؓ کی اس گفتگو نے شاہ ایران کے تیور بدل دیئے، غصہ سے لال ہو کر کہنے لگا اگر تم قاصد نہ ہوتے تو ایک بھی زندہ واپس نہ ہوتا، اس کے بعد اس نے مٹی کا ایک ٹوکرا منگوایا اور کہا کہ تم میں جو سب سے معزز ہے کھڑا ہو جائے، حضرت عاصم بن عمر کھڑے ہوئے تو یزدگرد کے آدمیوں نے وہ مٹی کا ٹوکرا اٹھا کر ان کے سر پر رکھ دیا۔

حضرت عاصمؓ جب حضرت سعدؓ کے پاس آئے تو کہنے لگے، فتح مبارک ہو، دشمن نے اپنی زمین خود ہی ہمارے حوالہ کر دی۔

حضرت سعدؓ سفارت کی ناکامی کے بعد جنگ کی تیاریاں کرنے لگے، ادھر رستم یزدگرد کا حکم ملتے ہی اپنی ۶۰ ہزار فوج کو لئے ساباط سے نکلا، ایرانی فوج اپنی کثرت پر نازاں شراب کے نشے میں مست چھیڑخانیاں اور خرمستیاں کرتی ساباط سے قادسیہ کی طرف بڑھی اور اسلامی فوجوں کے مقابل آکر ٹھہر گئی۔

ایرانی فوج کے افسروں نے لشکر کو ترتیب دیا اور مقابلہ کے وقت عزم و ہمت کو قائم رکھنے کے لئے مقرر و شعراء کو متعین کیا، مگر رستم کی حالت یہ تھی کہ وہ مسلمانوں سے مقابلہ کرتے ہوئے گھبراتا تھا اور چاہتا تھا کہ جنگ کسی طرح ٹل جائے اور مسلمان واپس چلے جائیں چنانچہ اس نے لڑائی شروع ہونے سے پہلے صلح کی بات چیت کا سلسلہ پھر چھیڑا اور حضرت سعدؓ کے پاس قاصد بھیجا کہ

اپنے کسی ذمہ دار آدمی کو بھیجو جو صلح کی گفتگو کرے حضرت سعدؓ نے پہلے ربعی بن عامر کو بھیجا اس کے بعد حضرت مغیرہؓ گئے اور اس شان سے گئے کہ دربار میں پہونچے تو بڑی بے تکلفی سے رستم کے برابر تخت پر بیٹھ گئے، درباری آدمیوں نے ہاتھ پکڑ کر نیچے اتار دیا، حضرت مغیرہ نے کہا، میں تمہارا مہمان ہوں اور مہمان کے ساتھ یہ برتاؤ نہیں کرنا چاہیئے۔ میں خود نہیں آیا ہوں بلکہ تمہارا بلایا ہوا آیا ہوں ہمارے مذہب میں یہ دستور نہیں ہے کہ ایک آدمی خدا بن کر بیٹھ جائے اور سب اس کے آگے حقارت سے کھڑے رہیں، حضرت مغیرہ کے ان جملوں کا ترجمہ حیرہ کے ایک شخص عبود نے کیا تو درباریوں پر بہت اثر ہوا اور وہ اپنی غلطی پر افسوس کرنے لگے، رستم نے بھی اظہار افسوس کیا اور کہا کہ یہ جو کچھ بھی ہوا وہ ان ہی کی زیادتی تھی، میں نے ایسا کرنے کا حکم نہیں دیا تھا۔

حضرت مغیرہؓ کی گفتگو کے بعد بھی صلح کی کوئی صورت نہ نکل سکی اور جب رستم اپنی ضد پر اڑا رہا تو حضرت مغیرہ نے تلوار پر ہاتھ رکھکر فرمایا، بس اب سوائے اس کے اور کوئی صورت نہیں ہے کہ ہمارا تمہارا فیصلہ تلوار کے ذریعہ ہوگا۔ رستم جوش میں آگیا اور چلا کر کہنے لگا "مجھے آفتاب کی قسم ہے کہ کل میں تمام عرب کو برباد و ویران کردوں گا"۔

حضرت مغیرہؓ واپس آگئے، حالات سے حضرت سعدؓ کو مطلع کیا

اور پھر دونوں طرف جنگ کی تیاریاں ہونے لگیں، صبح ہوئی تو دونوں طرف کی فوجیں ایک دوسرے کے مقابل کھڑی تھیں ساٹھ ہزار ایرانی فوج کے درمیان سیاہ و مست ہاتھی جھوم رہے تھے، ہر شخص اپنی قوت پر نازاں اسلامی فوج کو حقارت سے دیکھ رہا تھا اور ان کے خیال میں بھی یہ بات نہیں تھی کہ رستم جیسا بہادر مارا جائے گا اور ایران کی سلطنت ہمیشہ کے لئے اسلام کے زیر نگیں آجائے گی۔

اسلامی فوجیں بڑے قرینے اور متانت سے صف بستہ کھڑی اپنے سپہ سالار کے حکم کا انتظار کر رہی تھیں، نعرۂ تکبیر کی آوازوں سے مدائن کے شاہی محل گونج رہے تھے۔ رستم نے خود ہتھیار سجائے، دوہری زرہ جسم پر پہن اور اپنے مخصوص گھوڑے پر سوار ہو کر یہ کہتا ہوا اچھلا کہ خداوند کرے یا نہ کرے مگر میں عربوں کو برباد کردونگا۔

اسلامی فوجیں کھڑی حکم کا انتظار کر رہی تھیں، خطیب و شعرا اور قاری اپنی تقاریر، اشعار اور تلاوت قرآن سے ان کے دلوں کو گرما رہے تھے۔

حضرت سعدؓ نے تیسرا نعرہ بلند کیا اور جنگ چھڑ گئی، سب سے پہلے ایک ایرانی تیر انداز سامنے آیا۔ ہاتھوں میں سونے کے کڑے پڑے ہوئے تھے، عمروؓ بن معدی کرب سامنے گئے، اس نے تیر مارا مگر یہ بچ گئے اور جلدی سے قریب پہونچ کر ایک ہی وار میں سر تن سے الگ کر دیا، اس کیفیت نے ایرانیوں کو بے قابو کر دیا اور بہت سے

لوگ ایک ساتھ میدان میں نکل پڑے، عام جنگ چھڑ گئی، ایرانیوں نے ہاتھیوں کو آگے بڑھایا تو عربی گھوڑے گھبرا کر ادھر اُدھر ہونے لگے، قبیلہ سعد کے نوجوان برچھیاں لیکر ہاتھیوں پر جھپٹے اور کچھ نوجوانوں نے اس زور سے تیروں کی بارش برسائی کہ ہاتھی نشین تیر کھا کھا کر نیچے گرنے لگے اور ہاتھیوں کے اوسان خطا ہو گئے، دن بھر معرکہ آرائی ہوتی رہی اور جب آفتاب نے اس خوفناک منظر کو دیکھتے دیکھتے شام کے وقت منہ چھپایا اور رات کی سیاہی ہر چیز پر غالب آنے لگی تو دونوں فوجیں ایک دوسرے سے الگ ہو کر پیچھے ہٹ گئیں،

دوسرا دن۔ اسلامی فوجوں کے حوصلے بڑھے ہوئے تھے، رات صبح کے انتظار میں کاٹ دی، دوسرے دن کا آفتاب اچھی طرح بلند بھی نہ ہونے پایا تھا کہ حضرت سعدؓ نے شہداء کی لاشوں کو سپردِ خاک کر دیا، زخمیوں کی دیکھ بھال اور مرہم پٹی کے لئے عورتوں کو خاص طور پر ہدایت کی تاکہ وہ جلد سے جلد صحت یاب ہو کر جنگ میں حصہ لے سکیں، ایرانیوں کی ٹڈی دل فوجیں مقابلہ کی تیاریاں کر رہی تھیں مگر آج وہ جوش نہیں تھا جو پہلے دن دیکھنے میں آ رہا تھا۔ پھر بھی پچاس ہزار سے زیادہ ایرانی جوان، گھوڑے اور ہاتھی مٹھی بھر مسلمانوں کے مقابلہ پر اتنی بڑی طاقت نظر آ رہے تھے کہ شکست کا کوئی گمان بھی نہیں کر سکتا تھا۔

طبل جنگ بجنے ہی والا تھا کہ شام کی سمت سے ایک فوج

آتی نظر آئی، گرد وغبار صاف ہوا تو پتہ چلا کہ حضرت سعدؓ کے چچازاد بھائی ہاشم بن عتبہؓ کی سپہ سالاری میں چھ ہزار مجاہدین اسلام شام سے آئے ہیں، جن کو حضرت عمرؓ نے خاص طور پر حکم بھیجا تھا کہ وہ جلد سے جلد سعدؓ کی فوجوں سے مل جائیں، اس کے علاوہ حضرت عمرؓ نے مدینہ سے کچھ تحائف بھی بھیجے تھے اور جن کے متعلق اس اعلان کا حکم دیا تھا کہ یہ تحائف ان مجاہدین کو دیئے جائیں گے جو دشمنوں کے مقابلہ پر اپنی بہادری و شجاعت کے جوہر دکھائیں گے، اس امداد سے حضرت سعدؓ کی فوجوں میں جوش وخروش کی ایک نئی لہر پیدا ہو گئی اور ہر شخص میدان میں کودنے کو بیتاب نظر آنے لگا،

ایرانی آگے بڑھے اور ان کا ایک نامور بہادر بہمن گھوڑا دوڑا کر مسلمانوں کے سامنے آیا، امدادی فوج کے سپہ سالار حضرت قعقاع مقابلہ پر آئے اور مسلمانوں سے چلا کر کہنے لگے، دیکھنا یہ ابو عبیدہؓ کا قاتل ہے لوٹ کر نہ جانے پائے اور یہ کہتے ہی تلوار لیکر ٹوٹ پڑے، دیر تک دو دو ہاتھ ہوتے رہے آخر قعقاع نے ایک ایسا وار کیا کہ بہمن گھوڑے سے نیچے آرہا۔ بیزدجہر ہمدانی مشہور بہادر نے چاہا کہ بہمن کو بچائے مگر قعقاع نے اسے بھی موت کی نیند سلا دیا۔ اس کے بعد میدان جنگ خوب گرم ہو گیا، ایرانیوں کے اچھے اچھے بہادر مسلمانوں کے ہاتھ سے مارے گئے، نعرۂ تکبیر کی گونج نے دشمنوں کو حواس باختہ کر رکھا تھا، ہاتھی جن کو دیکھ کر مسلمانوں کے گھوڑے کان کھڑے کر رہے تھے حضرت

قعقاع کی عجیب وغریب ترکیب سے منہ پھرا کر بھاگنے لگے، آپ نے کیا یہ کہ اونٹوں پر سیاہ جھولیں اور بڑی بڑی چادریں ڈالکر اتنا مہیب بنا دیا کہ ایرانیوں کے گھوڑے اور ہاتھی بھی اس عجیب وغریب اور ہیبت ناک مخلوق کو دیکھ کر منہ پھرانے لگے، دِن بھر گھمسان کا معرکہ جاری رہا۔ دو ہزار مسلمان اور دس ہزار ایرانی مقتول ومجروح ہوئے، باوجود شدید معرکہ آرائی کے شام تک کوئی فیصلہ نہیں ہوسکا اور آفتاب کے بیٹھتے ہی دونوں فوجیں ایک دوسرے سے علیحدہ ہوکر اپنے اپنے مقام پر آگئیں۔

تیسرا دن ● جنگ کا تیسرا دن پچھلے دونوں دنوں سے زیادہ سخت اور خوفناک تھا، آفتاب بلند ہوتے ہی ایرانیوں نے ہاتھیوں کو آگے بڑھانا شروع کردیا، مسلمانوں کے لئے اب ہاتھی زیادہ اہمیت نہیں رکھتے تھے، قعقاع کی ترکیب سے سیاہ جھول والے اونٹوں نے ہاتھیوں کو بہت کچھ گھبرا دیا تھا اور پھر یہ کہ آج جنگ میں پارسی نو مسلموں نے مشورہ دیا کہ چند تیر انداز اور برچھے باز مقرر کئے جائیں اور وہ تیروں اور برچھوں سے ہاتھیوں کی آنکھیں بیکار کردیں، حضرت سعدؓ نے حمال اور ربیع کو اس کام پر مامور کیا۔ یہ دونوں حضرات چند ساتھیوں کے ساتھ آگے بڑھے اور ہاتھیوں کو گھیرے میں لیکر اس زور سے حملہ کیا کہ تیروں اور برچھیوں نے ہاتھیوں کی آنکھیں بیکار کردیں، ساتھ ہی حضرت قعقاع نے بڑھ کر سفید ہاتھی کی سونڈ

کو تلوار سے قلم کر دیا، ہاتھی گھبرا کر بھاگا اور اس زور سے چنگھاڑا کہ میدان جنگ گونج اٹھا اور دیکھتے ہی دیکھتے سب ہاتھی بیل سفید کے پیچھے بھاگ کھڑے ہوئے، اندھے ہاتھیوں نے بھاگتے ہوئے بے شمار ایرانیوں کو روند ڈالا۔ دن بھر دونوں طرف کے بہادر دو بدو جنگ کرتے رہے مگر مسلمانوں کا پیمانۂ صبر لبریز ہو چکا تھا، وہ جلد سے جلد اس جنگ کا فیصلہ کرنا چاہتے تھے لہٰذا شام کے قریب اسلامی بہادروں نے اس زور سے حملہ کیا کہ ایرانیوں کو کاٹتے ہوئے رستم کے قریب پہنچ گئے، رات ہو چکی تھی اور مسلمانوں کے حوصلے اتنے بڑھے ہوئے تھے کہ وہ صبح سے بہت پہلے اس جنگ کا فیصلہ کرنا چاہتے تھے، رستم نے اس کیفیت کو دیکھا تو مقابلہ پر آ گیا، دیر تک تلوار چلتی رہی رستم زخمی ہو کر بھاگا مگر بلال بن علقمہ نے بڑھ کر پیچھے سے کمر کی ہڈی توڑ دی، رستم بھاگ کر نہر میں کود پڑا۔ علقمہ نے ٹانگیں پکڑ کر باہر کھینچا اور قتل کر ڈالا۔ اور پھر لشکر میں بلند آواز سے اعلان کیا کہ میں نے رستم کو قتل کر ڈالا ہے، اس آواز نے ایرانیوں کو بدحواس کر دیا، اسلامی فوج نے نعرۂ تکبیر بلند کیا اور ایرانی میدان جنگ سے بھاگتے ہوئے مسلمانوں کی تلواروں سے کٹ کٹ کر گرنے لگے۔

ایرانیوں کا جھنڈا حضرت ضرار نے بڑھ کر اٹھا لیا جس کی قیمت تیس ہزار کے قریب تھی، رستم کا لباس اور دیگر سامان حضرت بلال بن علقمہ کے حصے میں آیا جس میں بہت سے قیمتی جواہرات لگے ہوئے

تھے۔ ۳ ہزار مسلمان اس جنگ میں شہید ہوئے، تیس ہزار سے زاید ایرانی مارے گئے، بے پناہ مال غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ آیا اور اس کا پانچواں حصہ فتح کی خوشخبری کے ساتھ حضرت عمرؓ کی خدمت میں بھیجدیا گیا، حضرت عمرؓ کو اس فتح سے بڑی مسرت ہوئی، سجدۂ شکر ادا کیا۔

ایرانی سلطنت کا پایۂ تخت مدائن، قادسیہ سے ۳۰ میل دور تھا، رستم کی موت، بہمن جادویہ کا قتل، ہاتھیوں کا فرار یہ سب باتیں کسریٰ کی قسمت کا آخری فیصلہ تھیں، اسلامی پرچم ایرانی زمین پر لہرا رہا تھا، مسلمان قادسیہ سے بڑھ کر بابل، کوثی، بہرہ شیر کو فتح کرتے ہوئے مدائن کی طرف بڑھے، دربار خلافت سے حضرت سعد کو حکم ملا تھا کہ وہ قادسیہ کے بعد تمام چھوٹے چھوٹے شہروں کی طرف توجہ کریں، ایرانی فوج نے بابل سے بھاگ کر مدائن اور اہوا ز و نہاوند میں اپنا پڑاؤ کیا تھا، راستہ کی بہت سی نہریں انہوں نے توڑ دی تھیں تاکہ مسلمان آگے نہ بڑھ سکیں، بابل پر بڑی آسانی سے قبضہ ہو گیا تھا البتہ کوثی میں مشہور ایرانی سردار شہریار مقابلہ پر آیا مگر ایک مسلمان جعفل نے آگے بڑھ کر ایسا حملہ کیا کہ شہریار ایک ہی وار میں ڈھیر ہو گیا، ایرانی فوج بھاگ کھڑی ہوئی اور مسلمانوں نے کوثی جیسے تاریخی مقام پر جہاں نمرود نے حضرت ابراہیم کو قید کیا تھا، قبضہ کر لیا، بہرہ شیر پر قبضہ کرنے میں دیر نہیں لگی اور بہت جلدی اس خوبصورت شہر کو بھی مسلمانوں نے اپنے زیر تسلط کر لیا۔

دلچسپ واقعہ ● مورخین کا بیان ہے کہ جس وقت قادسیہ میں معرکہ آرائی ہو رہی تھی، ابو محجن ثقفی مشہور اسلامی بہادر ایک خیمہ میں قید و بند میں پڑے تھے، حضرت سعدؓ نے ان کو شراب پینے کے جرم میں میدان جنگ سے ہٹا کر قید کر دیا تھا، ابو محجن قادسیہ کی معرکہ آرائی کو دیکھ رہے تھے اور جوش شجاعت سے بیقرار ہو رہے تھے چاہتے تھے کہ اس معرکہ میں کسی طرح پہونچ جاؤں مگر مجبور تھے اور اپنی غلطی پر نادم بھی تھے سعدؓ کی بیوی سلمیٰ پاس سے گذریں تو بڑی خوشامد سے کہنے لگے. خدا کے واسطے مجھے تھوڑی دیر کے لیے چھوڑ دو میں وعدہ کرتا ہوں کہ میدان سے واپس آکر خود بیڑیاں پہن کر بیٹھ جاؤنگا، سلمیٰ نے انکار کیا تو بڑے دردناک انداز میں کہنے لگے کہ "اس سے زیادہ کیا غم کی بات ہوگی کہ سوار نیزہ بازیاں کر رہے ہیں اور میں بندھا پڑا ہوں ہائے یہ زنجیر اٹھنے نہیں دیتی اور بند راستے نکلنے نہیں دیتے" سلمیٰ پر اس گفتگو کا بڑا اثر ہوا، انہوں نے بیڑیاں کھول دیں اور ابو محجن نے حضرت سعدؓ کا گھوڑا لیا، میدان جنگ میں پہونچے، جس طرف بڑھتے بجلی کی طرح صفیں چیرتے نکل جاتے لشکر حیران تھا اور حضرت سعدؓ بھی دیکھ رہے تھے، مسلمان آپس میں کہہ رہے تھے کہ ابو محجن تو قید میں پڑے ہیں، مگر اس بہادر کی ہر بات ابو محجن سے ملتی ہے، دیر تک صفیں الٹتے اور کاٹ چھانٹ کرتے رہے میدان کا نقشہ پلٹ کر پلٹے اور اپنے ہاتھ سے بیڑیاں ڈال کر خیمے میں بیٹھ گئے۔

رات کو میدان میں مسلمانوں کی کامیابی پر بحث ہوئی، یہ واقعہ بھی سامنے آیا، حضرت سعد حیران تھے کہ کون تھا اور پھر کدھر چلا گیا سلمیٰ پاس ہی بیٹھی تھیں، ضبط نہیں کر سکیں، تمام واقعہ کہہ سنایا، حضرت سعدؓ نے اسی وقت ابو محجن کو بلایا اور کہا کہ جو شخص اسلام کا اس درجہ فدائی اور بہادر ہو میں اس کے قصور کو معاف کرتا ہوں، حضرت ابو محجنؓ نے بھی مجلس میں اعلان کیا کہ آئندہ کبھی شراب کے قریب بھی نہیں جاؤں گا۔ (الفاروق بحوالہ کتاب الخراج)

مدائن اور جبلولہ • شاہ ایران یزدجرد مدائن میں مقیم تھا، اس نے جب یہ سنا کہ مسلمان فتح کرتے ہوئے اور اسلامی جھنڈا لہراتے ہوئے مدائن کے قریب آگئے ہیں تو اس نے بڑی تیزی سے مال و خزانے مدائن سے منتقل کرنا شروع کر دیئے، حضرت سعدؓ نے یہ کیفیت دیکھی تو بڑی عجلت سے فوجوں کو لئے ہوئے لگے بڑھے، دریائے دجلہ درمیان میں حائل تھا، پل ٹوٹا ہوا تھا مگر مسلمانوں نے راستہ تلاش کر ہی لیا اور دجلہ کے پار اتر گئے، ایرانی فوج مقابلہ پر آئی مگر مسلمان کب جمنے دیتے تھے بڑی جلدی شکست کھا کر بھاگ کھڑی ہوئی، مسلمان شاہی محل کے قریب پہونچے تو پتہ چلا کہ یزدگرد بھاگ کر حلوان چلا گیا ہے اور رستم کے بھائی خرزاد نے جبلولہ کو جو حلوان کے متصل ہے فوجی مرکز بنا لیا ہے اور مسلمانوں کے مقابلہ کے لئے بے پناہ فوج جمع کر رکھی ہے، حضرت سعدؓ نے جمعہ کی نماز مدائن

کے شاہی محل میں ادا کی اور اس کے بعد ۱۲ ہزار کے اسلامی لشکر کو لئے آگے بڑھے اور جبلولہ کو گھیرے میں لے لیا، ہاشم بن عتبہ نے اسلامی فوج کی مدد سے بھاگنے کے تمام راستے بند کر دیئے اور اس بات کی سخت کوشش کی کہ ایرانی فوج کو باہر سے کوئی چیز کسی قسم کی نہ پہونچنے پائے۔ کئی مہینہ یہ محاصرہ جاری رہا، ایرانیوں کو اپنے سامان پر بڑا ناز تھا وہ برسوں بند رہ کر لڑنے کا انتظام کر چکے تھے، کبھی مقابلے ہوئے مگر ہر مرتبہ ان کو شکست کھانا پڑی، آخر ایرانی ایک آخری فیصلہ کن جنگ کے لئے قلعوں سے باہر نکل پڑے، مسلمانوں کی تعداد اگرچہ بارہ چودہ سو سے زیادہ نہیں تھی مگر ایسے جم کر لڑے کہ ایرانیوں کے قدم بہت جلدی میدان سے اکھڑ گئے، مسلمانوں نے بھاگنے والوں کو اس کثرت سے قتل کیا کہ ایک لاکھ سے زائد لاشوں سے میدان پٹ گئے۔ شاہ ایران جو حلوان میں مقیم تھا جبلولہ کی فتح سے سخت گھبرایا، اسے یقین ہو گیا کہ اب حلوان بھی نہیں بچے گا، جبلولہ سے بھاگ کر رے میں دم لیا، مسلمان جبلولہ سے فارغ ہوتے ہی حلوان کی طرف بڑھے، حاکم حلوان خسرو شنوم اگرچہ مایوس تھا اور جانتا تھا کہ مسلمانوں کے قدم رکنے والے نہیں ہیں مگر پھر بھی مقابلہ پر آیا مگر بد دلی سے تھوڑی دیر لڑنے کے بعد شکست کا منہ دیکھ کر بھاگ کھڑا ہوا، حلوان پر قبضہ ہوتے ہی حضرت قعقاع نے حلوان میں اعلان کرا دیا کہ جو لوگ اسلام لے آئیں گے یا جزیہ دینا منظور کر لیں گے ان سے

کوئی جنگ نہیں کی جائے گی وہ سب ہماری حفاظت میں رہیں گے اس اعلان نے ہزاروں ایرانیوں کو اسلام کا مطیع بنا دیا اور بہت سے لوگ اسلام لے آئے اور بہت سوں نے جزیہ دینا منظور کر لیا۔

حلوان عراق کی آخری حد تھی، شاہ ایران نے رَے اور مرو کو اپنا مستقر بنا لیا تھا اور بڑی کوشش سے اس نے مسلمانوں سے ایک آخری جنگ لڑنے کے لئے ڈیڑھ لاکھ سے زائد فوج کو قم میں جمع کر لیا تھا، شاہ ایران نے بے شمار فرامین ملک میں بھیج دیئے تھے اور اس کے فرامین نے لوگوں میں ایک نیا جذبہ پیدا کر دیا تھا، نقیبوں نے ہر طرف آگ سی لگا دی تھی اور ایرانی اپنے ملک کو بچانے کے لئے دیوانہ وار گھروں سے نکل کھڑے ہوئے تھے، یزدگرد نے مروان شاہ کو فوج کا سپہ سالار مقرر کیا اور حکم دیا کہ نہاوند کو فوجی مرکز بناؤ، مروان شاہ نے اس جنگ کو لڑنے کے لئے فوج کے علاوہ ایرانی تبرکات سے بھی امداد حاصل کرنے کی کوشش کی چنانچہ جب وہ نہاوند کی طرف چلا تو درفش کاویانی جو ایرانیوں کا متبرک جھنڈا سمجھا جاتا تھا اور جسے بڑے نازک موقعوں پر نکالا جاتا تھا، آگے آگے ہوا میں لہرا رہا تھا۔

حضرت سعدؓ نے تمام مفتوحہ علاقوں کے مالِ غنیمت کو فتح کی خوش خبری کے ساتھ دربارِ خلافت میں بھیج دیا، نہایت بیش قیمت سامان اور بے شمار نوادرات تھے جن میں تاج، ہتھیار، قالین اور زیورات و

جواہرات تھے، سامان کی کثرت کا اندازہ اس بات سے ہو سکتا ہے کہ مالِ غنیمت کو ایک ہزار اونٹوں پر لادا گیا تھا، مدینہ والے اس سامان کو دیکھ کر حیران رہ گئے، حضرت عمرؓ نے تمام سامان کو مسلمانوں میں تقسیم کر دیا یہاں تک کہ قالین کے ٹکڑے کر کے مسلمانوں کو دیدیئے گئے جو اسقدر نایاب اور بیش قیمت تھے کہ ایک چھوٹا ٹکڑا جو حضرت علیؓ کے حصہ میں آیا تھا وہ آٹھ ہزار درہم نقرئی کا تھا، جملہ سامان کی قیمت کروڑ دل سے متجاوز تھی۔

نہاوند میں ایرانیوں کی تیاری کا حال حضرت عمرؓ کو معلوم ہوا تو آپ نے تیس ہزار فوج نعمان بن مقرن کی سرکردگی میں روانہ کر دی۔ ایرانیوں کے ٹڈی دل طوفان کو روکنے کے لئے اسلامی فوج بڑی تیزی سے نہاوند کی طرف بڑھ رہی تھی، دونوں طرف کی فوجوں میں بے پناہ جوش پایا جاتا تھا ایرانیوں نے سر دھڑ کی بازی لگا دی تھی، ان کا خیال تھا کہ یہ آخری معرکہ ہے، ملک جا رہا ہے تو جینے سے کیا فائدہ! نہاوند کے قریب دونوں فوجیں آمنے سامنے ہوئیں، سخت معرکہ آرائی ہوئی اور مسلمان اس جوش سے لڑے کہ خود سپہ سالار حضرت نعمانؓ نے جام شہادت نوش کیا، نعمانؓ کے بھائی نعیمؓ بن مقرن نے علم اسلام اٹھایا، رات گئے تک لڑتے رہے اور ایسے جمے کہ ایرانیوں کو میدان سے بھاگتے بن پڑی، مسلمانوں نے ہمدان تک پیچھا کیا اور تیس ہزار سے زائد ایرانی مارے گئے اور بہت سے قیدی بنائے گئے۔

فیروز جس نے اپنے خنجر سے حضرت عمرؓ کو شہید کیا تھا اس جنگ میں گرفتار ہو کر غلام بنایا گیا۔

اسی زمانہ میں جبکہ جیلولہ کی فتح کے بعد نہاوند میں مقابلہ کی تیاریاں ہو رہی تھیں حضرت عمرؓ نے حضرت سعد بن ابی وقاص کو معزول کر کے حضرت نعمان بن مقرن کو سپہ سالار بنا دیا تھا، حضرت سعد کی معزولی کے سلسلہ میں مورخین کا بیان ہے کہ ایرانی فتوحات کے بعد حضرت سعدؓ نے مدائن کو صدر مقام بنا لیا تھا مگر مسلمانوں کو اس جگہ کی آب وہوا موافق نہیں تھی لہذا حضرت عمرؓ نے حکم بھیجا تھا کہ صدر مقام کے لئے کوئی ایسی جگہ منتخب کرو جو عربوں کے مزاج کے موافق ہو، حضرت سعدؓ نے بڑے غور و خوض کے بعد فرات کے مغرب میں ایک جگہ پسند کی اور کوفہ کے نام سے اس نئی جگہ میں ایک شہر کی بنیاد رکھی اور اس کے ساتھ ہی ۱۷ھ میں جبکہ کوفہ آباد ہو رہا تھا اپنے لئے ایک محل بھی تعمیر کرایا جو کسرائے فارس کے طرز پر بنایا گیا تھا، حضرت عمرؓ کو یہ بات سخت ناپسند ہوئی اور آپ نے اپنا خاص آدمی مدینہ سے بھیج کر اس محل کو گروا دیا اور آگ لگوا دی، ساتھ ہی حضرت سعدؓ کو لکھا کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپ شاہان فارس کی طرح عشرت پسند ہو گئے ہو نیز تمہارے عدل وانصاف کے متعلق بھی بہت سی چیزیں مجھ تک پہنچی ہیں، لہذا نعمان بن مقرن کو ایران کا فوجی گورنر مقرر کیا جاتا اور تم کو معزول کیا جاتا ہے، حضرت سعدؓ نے دربار خلافت کے حکم کی فوراً تعمیل کی، نعمان

بن مقرن کو چارج دیدیا اور رہنے کے لئے ایک معمولی سا مکان بنالیا۔
ایرانیوں کو حضرت سعدؓ کے معزول ہونے کی بڑی خوشی ہوئی مگر اس کے باوجود وہ مسلمانوں سے اپنا ملک بچانے میں کامیاب نہ ہوسکے۔
اہواز کے ایرانی گورنر ہرمزان کو اس جدید شہر کی تعمیر سے بڑا نقصان پہونچا تھا، اہواز کی تجارتی منڈیاں بالکل فتح ہوگئی تھیں، اس لئے ہرمزان نے اچانک اس جدید شہر پر حملہ کردیا مگر زیادہ دیر جم نہیں سکا اور اپنا نصف ملک دیکر مسلمانوں سے صلح کرلی شاہ ایران جو رے میں مقیم تھا اسے ہرمزان کی صلح سخت ناگوار ہوئی اور اس نے قاصد کے ذریعہ ہرمزان کو بہت برا بھلا کہلایا، ہرمزان کو غیرت آئی اور وہ بغاوت کرکے دوبارہ مقابلہ پر آیا مگر مسلمانوں نے پھر شکست دیدی، ہرمزان قلعہ بند ہوگیا تو مسلمان ایک نالی کے راستہ اندر گھس گئے اور محافظین کو تہ تیغ کرکے قلعہ کا دروازہ کھول دیا، ہرمزان نے پناہ کی درخواست کی اور کہا کہ مجھے خلیفۂ وقت کے پاس بھیجدو وہ جو فیصلہ کرینگے مجھے منظور ہوگا۔ ہرمزان جس وقت مدینہ پہونچا تو حضرت عمرؓ مسجد نبوی میں پھٹے کپڑے پہنے عصا سر تلے رکھے سو رہے تھے، ہرمزان خلیفۂ اسلام کی اس سادگی سے اسقدر متاثر ہوا کہ اسی وقت حضرت عمرؓ کے ہاتھ پر اسلام قبول کرلیا۔ اہواز کی فتح اور ہرمزان کے اسلام کا واقعہ ۱۹ھ میں واقع ہوا۔

نہاوند میں مسلمانوں کی کامیابی اور سپہ سالار فرقدان کے قتل سے

ایرانی بدحواس ہو گئے اور جو کچھ بچے انہوں نے بھاگ کر ہمدان میں قدم جمائے، حضرت حذیفہؓ جو مسلمانوں کے ایک نامور سپہ سالار تھے بڑھ کر ہمدان کا محاصرہ کر لیا، ایرانی حاکم نے صلح کر لی مگر غرض یہ تھی کہ ایرانی فوج کے آنے تک مسلمانوں کو صلح کے دھوکہ میں رکھا جائے چنانچہ یہی ہوا کہ جیسے ہی ایرانی فوج آئی میدان کارزار گرم ہو گیا، تین دن تک سخت معرکہ آرائی ہوتی رہی، ایرانیوں نے دل کھول کر مقابلہ کیا۔ مگر ایران کی مکمل فتح اسلام کے لئے مقدر ہو چکی تھی لہٰذا چوتھے دن مسلمانوں نے ایرانیوں کو شکست دیکر ہمدان پر اسلامی جھنڈا لہرا دیا۔ ایرانی بھاگ کر اصفہان، قومس، جرجان، دامغان، سبستان، کرمان اور دوسرے مقامات میں جمع ہونے لگے۔

ہمدان کی فتح کے بعد نہاوند کے سب سے بڑے آتشکدہ کا نامور مؤبد حضرت حذیفہ بن الیمانؓ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا اگر آپ مجھے امان دیں تو میں کسریٰ کے بیش قیمت جواہرات کا آپ کو پتہ بتا سکتا ہوں، حضرت حذیفہؓ نے امان کا وعدہ کیا اور پھر تمام قیمتی جواہرات اور بیش قیمت سامان حاصل کرنے کے بعد حضرت عمرؓ کی خدمت میں روانہ کر دیا، قاصد نے فتح کی خوشخبری سنائی، سامان وجواہر کو پیش کیا حضرت عمرؓ بہت خوش ہوئے مگر جب یہ معلوم ہوا کہ نعمان اور کچھ دوسرے مسلمان شہید ہو چکے ہیں تو دیر تک روتے رہے، پھر فرمایا یہ سب سامان واپس لے جاؤ اور حذیفہؓ سے کہدینا کہ یہ ان ہی مسلمانوں کا حق ہے جنہوں

نے اس معرکہ میں جان کی بازی لگا کر اسلامی جھنڈے کو سربلند کیا ہے، حضرت حذیفہؓ نے جواہرات فروخت کردیئے اور ان کی قیمت مجاہدین اسلام میں تقسیم کردی، ہر پیادہ کو ۲ ہزار اور ہر سوار کو سہ ہزار اشرفی حصہ میں آئیں۔ ان معرکوں میں تیس ہزار سے زائد ایرانی مارے گئے اور بہت سے مسلمانوں نے جام شہادت نوش کیا، مگر اس کے باوجود تخت کیانی کے وارث کے دل سے جنگ کا خیال نہیں نکلا اور ایرانیوں نے مسلمانوں کے مقابلہ کے لئے پھر فوجیں جمع کرنا شروع کردیں اور اس کے ساتھ یہ کوشش بھی جاری رکھی کہ جو جو مقامات مسلمانوں کے قبضہ میں آچکے ہیں ان میں بے چینی اور بغاوت پیدا ہوتی رہے، چنانچہ اس سلسلہ میں مسلمانوں کو بعض اوقات بڑی پریشانی کا سامنا کرنا پڑا۔

ایران کا خاتمہ ● خلیفۂ اسلام حضرت عمرؓ چاہتے تھے کہ جلد سے جلد ایرانی سلطنت کا خاتمہ ہو اور مجوسیوں کی شرارتوں سے مسلمانوں کو نجات حاصل ہو مگر یہ اسوقت تک ناممکن تھا جب تک تخت ایران کا وارث موجود تھا کیونکہ وہ جہاں بھی بھاگ کر جاتا ایرانیوں کا اس کے گرد جماؤ ہوجاتا اور وہ بڑی آسانی سے ایک تازہ دم لشکر تیار کرلیتا۔ حضرت عمرؓ نے اس صورت حال پر قابو پانے کے لئے عام لشکر کشی کا حکم دیا اور صحابہ کرامؓ کے مشورہ سے متعدد جھنڈے تیار کئے اور الگ الگ مقام کے لئے ایک ایک افسر جنگ مقرر اور نامزد فرمایا۔ چنانچہ خراسان کے لئے احنف بن قیس نامزد کئے گئے، سابور

میں مجاشع کو، اصطخر میں عثمان بن العاص ثقفی کو، کرمان میں سہیل بن عدی کو، سیستان میں عاصم بن عمرو کو، مکران میں عمیر بن تغلبی کو غرض اصفہان قومس، دامغان، جرجان، آذربائیجان، ارمینیا، بیضا، بلوچستان وغیرہ کوئی ایسا نہیں رہا جس کے لئے کسی کو نامزد نہ کیا ہو اور اس کی طرف اسلامی فوجیں نہ روانہ کی ہوں۔

مسلمان بھی اس نزاکت کو محسوس کر رہے تھے اس کے علاوہ ایرانی علاقہ میں لڑتے لڑتے ان کے دل بھی اسقدر عاجز آگئے تھے کہ وہ دل سے چاہتے تھے کہ جتنی جلد ممکن ہو ایرانی شاطروں کی چالیں ختم کی جائیں اور ان کے خاتمہ کے بعد کسی دوسرے علاقہ میں داد شجاعت دینے کا موقعہ ملے، آخر اسلامی فوجیں ہر جگہ مقررہ اصولوں کے مطابق مصروف پیکار ہوگئیں، مسلمان جدھر بھی گئے ایرانیوں کے حوصلے پست ہوتے چلے گئے، تھوڑی سی مزاحمت کے بعد اصفہان، جرجان، دامغان، قومس اور رے کا بہت بڑا علاقہ مسلمانوں نے فتح کر لیا۔

آذربائیجان کی فتح میں مسلمانوں کو دشواری کا سامنا کرنا پڑا، چونکہ یہاں ایرانیوں کا سب سے متبرک آتشکدہ تھا اس لئے ایرانی پورے مذہبی جوش کے ساتھ دیوانہ وار لڑ رہے تھے لیکن مسلمانوں کے عزم و ثبات نے ان کو ہتھیار ڈالنے پر مجبور کر دیا اور مسلمانوں نے آذربائیجان کو فتح کرنے کے بعد اسلامی پھریرا سب سے بلند مقام پہ گاڑ دیا۔

اسلامی فوجیں ہر طرف کامیاب ہو رہی تھیں یہاں تک کہ کوہ قاف

کے دروں سے گذر کر مسلمانوں نے ان مقامات کو اپنے قبضہ میں لے لیا جہاں سے تاتاریوں کے داخل ہونے کا احتمال تھا۔ اس کے ساتھ ہی حضرت بکیرؓ نے آرمینیا اور حضرت عبدالرحمٰن بن ربیعہؓ نے تبضا اور خزر کے علاقہ کو فتح کر لیا۔

حضرت عاصم بن عمرؓ سیستان میں کامیاب ہوئے اور عمرو بن تغلبیؓ نے مکران و بلوچستان پر دھاوا بول دیا یہاں کا راجہ جس کا نام راسل تھا شاہ ایران کا باجگذار تھا اور ہمیشہ مسلمانوں کے خلاف حصہ لیتا رہتا تھا اسے بری طرح شکست کھانا پڑی، قدیم تذکروں میں علامہ طبری کا بیان ہے کہ حضرت عمرؓ کے زمانہ کی فتوحات میں مکران آخری حد ہے جہاں تک مسلمان فتح کرنے میں کامیاب ہو سکے مگر مشہور مورخ بلاذری نے لکھا ہے کہ عہد فاروقی میں اسلامی فوجیں سندھ کے مشہور دیبل تک پہونچ گئی تھیں گویا اس طرح وفات رسولؐ سے گیارہ برس کے بعد ہی مسلمانوں کے قدم ہندوستان میں سندھ تک آ گئے تھے۔

اب ایرانی سلطنت دم توڑ رہی تھی، یزدگرد کے لئے جائے پناہ کا ملنا بھی مشکل ہو گیا تھا مگر پھر بھی مسلمانوں کے خلاف لڑنے کا حوصلہ باقی تھا حضرت احنف بن قیسؓ خراسان اور ہرات کو فتح کرتے ہوئے جب مرو کی طرف بڑھے تو یزدگرد شاہ ایران نے خاقان سے مدد مانگی مگر خاقانی فوج بھی مسلمانوں کے مقابلہ کی تاب نہ لا سکی، تھوڑی دیر میدان میں جمی اور پھر بھاگ کر اپنے حدود میں داخل ہو گئی،

اب یزدگرد کے لیے کوئی چارہ باقی نہ رہا، وہ مایوس ہو گیا، اپنے قیمتی جواہرات اور سامان کو سمیٹ کر چاہتا تھا کہ ترکستان کی طرف چلا جائے مگر اس کے وزیروں نے اسے ایسا نہیں کرنے دیا، ہر چیز اس سے چھین لی اور وہ بلا سر و سامان انتہائی ذلت کے ساتھ خاقان کے پاس پہنچ کر فرغانہ میں مقیم ہو گیا۔ ایران کی قدیم اور مغرور سلطنت ہمیشہ کے لیے ختم ہو گئی، ایرانی فوجیں بے شمار ماری گئیں اور جو رہ گئیں وہ ہتھیار ڈال کر اسلام کے زیر نگیں آ گئیں۔

بعض مورخین کے بیان سے پتہ چلتا ہے کہ خاقان خود میدان میں آیا تھا مگر جب اس نے دیکھا کہ میری فوج کے نامور بہادر میدان جنگ میں مرے پڑے ہیں اور خاقانی فوج مسلمانوں سے لڑتے ہوئے جان بچا رہی ہے تو وہ مایوس ہو کر واپس چلا گیا، حکومت ایران کے متعلق علامہ طبری کا بیان ہے کہ یہ سلطنت حضرت آدم کے زمانہ سے ہی چلی آ رہی تھی اور اس کا بانی اول کیومرث تھا، بعض مورخین نے طبری کے اس خیال کو بھی تسلیم کر لیا ہے کہ کیومرث حضرت آدم کا دوسرا نام تھا، مگر یہ درست نہیں ہے، اگر ایسا ہوتا تو قرآن و حدیث میں ضرور کوئی اشارہ پایا جاتا۔ البتہ ایران کی قدامت میں کوئی شبہ نہیں اور اس میں بھی کوئی شبہ نہیں کہ ایرانی اپنے غرور و تکبر میں فرعون سے کسی طرح کم نہیں تھے۔ عربوں کو ہمیشہ ذلیل سمجھتے تھے۔ یہاں تک کہ آنحضرتؐ کا نامہ مبارک جب خسرو پرویز شاہ ایران کے نام

پہونچا تو اس نے چھوٹتے ہی کہا تھا کہ "میرا غلام ہو کر مجھے اس طرح لکھتا ہے" اور یہ کہہ کر نامۂ مبارک چاک کر ڈالا، عبداللہ بن حذافہؓ نے واپس آکر آنحضرتؐ سے اس گستاخی کا ذکر کیا تو آپؐ نے فرمایا، کسریٰ کی سلطنت پاش پاش ہو جائے گی، چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ چند ہی دن کے بعد بیٹے نے اپنے باپ خسرو پرویز کو موت کے گھاٹ اتار دیا اور اس کے بعد عہد فاروقی میں مٹھی بھر عربی مسلمانوں نے پوری سلطنت کو زیر و زبر کر ڈالا۔ (ابن سعد، طبری، ازالۃ الخفاء)

فتح ایران کے سلسلہ میں ایران کے مشہور شاعر فردوسی کا ذکر بڑے افسوس کے ساتھ کرنا پڑتا ہے کہ اس نے باوجود مسلمان (شیعہ) ہونے کے قادسیہ کی جنگ اور رستم کی موت کو شاہ نامہ میں انتہائی رنج و غم کے ساتھ بیان کیا ہے، عربوں کی دل کھول کر توہین کی ہے اور ایرانیوں کی زبان سے ان کو خوب گالیاں دی ہیں، زوال سلطنت ایران کے اس مرثیہ میں یزدگرد کی تباہی اور موت پر جس انداز میں قلم اٹھایا ہے اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ فردوسی کے دل سے صدیاں گذرنے کے بعد بھی ایران کی بربادی کا غم دور نہیں ہوا، بیشمار ایسے اشعار ملتے ہیں جن سے عہد فاروقی سے اس کی گہری نفرت کا اظہار ہوتا ہے اور صاف پتہ چلتا ہے کہ فردوسی کو یہ بات انتہائی ناگوار تھی کہ اسلام ایران تک پہونچتا اور آتش پرستوں کی یہ سلطنت زوال پذیر ہوتی۔

اسلامی سپہ سالاروں نے ایران کی مکمل فتح کی خوشخبری کے ساتھ بے شمار مالِ غنیمت اور ہاتھی عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں بھیجے، حضرت عمرؓ اس مژدہ جانفزا کو سنکر بیحد مسرور ہوئے۔ اسی دن مسلمانوں کو مسجد نبوی میں جمع کیا، ایران میں مسلمانوں کی عظیم الشان کامیابی اور مکمل فتح کی خوشخبری سنائی اور منبر رسولؐ سے حمد و نعت کے بعد ایک نہایت پراثر اور درد انگیز تقریر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا۔ آج مجوسیوں کی یہ قدیم سلطنت ختم ہو گئی۔ اب ان کی ذات سے اسلام کو کبھی کوئی نقصان نہیں اٹھانا پڑے گا، یہ سب کچھ صراطِ مستقیم پر چلنے کا ثمرہ ہے مسلمانو! ہمیشہ صراطِ مستقیم پر قائم رہو کیونکہ اللہ کی یہ عادت ہے کہ جب صراطِ مستقیم چھوٹ جاتی ہے تو پھر وہ حکومت وسلطنت کو چھین کر دوسروں کے حوالہ کر دیتا ہے۔ یہ ۲۳ھ کا واقعہ ہے جبکہ آپ کی شہادت میں چند ماہ باقی تھے، فتح ایران کی آخری خوش خبری کا پیغام احنف بن قیسؓ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجا تھا جس میں یہ بھی لکھا تھا کہ خراسان مسلمانوں کے قبضہ میں آ گیا ہے، حضرت عمرؓ کو اس کامیابی سے خوشی تو بہت ہوئی مگر وہ درحقیقت وسعت سلطنت کے قائل نہیں تھے بلکہ ان کا نظریہ یہ تھا کہ اسلامیات کو زیادہ سے زیادہ پھیلایا جائے اور جو مقامات فتح ہوتے جائیں وہاں اسلامی زندگی کو رائج کیا جائے جو اسلام کا مقصد اولین ہے، اسی لئے حضرت احنفؓ کے حوصلوں کی تعریف کرتے ہوئے

ان کو اپنے پیغام میں لکھا کہ جہاں تک پہنچ چکے ہو اس سے آگے بڑھنے کی کوشش مت کرو۔ یزدگرد ایک عرصہ تک خاقان میں پڑا رہا اور فرغانہ کی گلیوں میں خاک چھانتا رہا اور پھر اسی عالم میں ذلت کی موت مر گیا، فردوسی نے یزدگرد کی موت پر بھی بہت آنسو بہائے ہیں اور اس کے اشعار سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ مسلمانوں کے ہاتھ سے مارا گیا۔ مگر صحیح یہ ہے کہ یزدگرد نے مسلمانوں کے مقابلہ سے بھاگ کر ایک چکی پیسنے والے کے گھر میں پناہ لی تھی مگر اس نے بھی قیمتی لباس اور شاہی تاج کے لالچ میں یزدگرد پر رحم نہیں کھایا، پہلے قتل کیا پھر تمام کپڑے اتار کر برہنہ لاش ایک نہر میں پھینک دی۔

فتوحات مصر و شام

حضرت ابو بکر صدیقؓ کی وفات کے بعد جس طرح حضرت عمرؓ نے ایران کی طرف توجہ فرمائی اسی طرح آپ کی دلی خواہش یہ بھی تھی کہ شام میں فتوحات اسلامی کا سلسلہ بڑھایا جائے، چنانچہ مسند خلافت پر رونق افروز ہوئے تو دمشق محاصرہ کی حالت میں تھا اور خالد بن ولید سپہ سالار اعظم تھے، حضرت عمرؓ اگرچہ ان کے مداح تھے اور ان کے کارناموں کو پسند کرتے تھے مگر اس کے ساتھ ہی ان کا خیال تھا کہ مسلمانوں میں خالد بن ولیدؓ کو ان کی شاندار فتوحات اور بہادری کی وجہ سے بڑی اہمیت دی جا رہی ہے اور یہ خیال بڑھتا جا رہا ہے کہ خالد بن ولیدؓ کے بغیر مسلمان کسی بھی علاقہ

کو فتح نہیں کر سکتے ہیں لہٰذا آپ نے مناسب سمجھا کہ دوسرے لوگوں کو بھی آگے بڑھایا جائے تاکہ لوگ یہ جان لیں کہ مسلمانوں میں صرف خالدؓ ہی نہیں ہیں بلکہ اور بھی بہادر موجود ہیں نیز یہ کہ فتح و کامیابی کا تعلق کسی کی بہادری سے نہیں ہے بلکہ انسان تدابیر اختیار کرتا ہے اور اللہ فتح دیتا ہے۔

لہٰذا آپ نے مسند خلافت کو سنبھالتے ہی ایران کی طرح شام کی طرف توجہ فرمائی اور پہلا کام یہ کیا کہ مدینہ سے حضرت ابوعبیدہؓ کے نام ایک حکم نامہ روانہ فرمایا جس میں حضرت ابوبکر صدیقؓ کی وفات اور اپنے مسند خلافت پر بیٹھنے کی اطلاع دیتے ہوئے لکھا تھا کہ

"تعریف کے لائق ہے اللہ کی ذات اور صلوٰۃ وسلام ہوں محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ اللہ کی مہربانی ہے کہ اس نے کفر سے نکال کر راہ ہدایت عطا فرمائی، آج اس خدا کی مہربانی سے میں تم کو خالد بن ولیدؓ کی جگہ لشکر اسلام کا سپہ سالار اعظم بناتا ہوں، لہٰذا میرے اس حکم سے خالد بن ولیدؓ کو مطلع کر دو اور ان سے سپہ سالاری کے جملہ اختیارات لے لو مسلمانوں کو مال غنیمت کے لالچ سے مصائب میں ڈالنے کی کوشش مت کرنا اور نہ قلیل مسلمانوں کو بڑی تعداد کے مقابل روانہ کرنا خدا سے ڈرو، دل کو پاک رکھو اور ان لوگوں سے سبق حاصل کرو جو تم سے پہلے ہلاک ہوئے۔ میں امید کرتا ہوں کہ تم مسلمانوں کو آخرت کا خوف دلاؤ گے، اچھے راستے پر

چلاؤ گے" تاکہ وہ آخرت میں اچھے سرمایہ کی بنا پر عزت سے زندگی گذاریں۔"

یہ حکم نامہ عامر بن وقاصؓ نے مدینہ سے شام میں حضرت ابو عبیدہؓ کو لاکر دیا۔ جب یہ خط ملا تو خالد بن ولیدؓ موجود نہیں تھے، فتح دمشق کی اطلاع حضرت عمرؓ کی خدمت میں بھیجی جا چکی تھی، حضرت ابو عبیدہؓ کو یہ حکم نامہ ملا تو آپ نے اس کو ظاہر نہیں کیا اس خیال سے کہ جب فتح دمشق کی اطلاع بارگاہ خلافت میں پہونچے گی تو امیر المومنین ضرور اپنے اس حکم پر غور کریں گے، ممکن ہے نظر ثانی کے بعد اس فتح سے خوش ہو کر اپنا فیصلہ بدل دیں۔

دمشق کی فتح کی خبر حضرت عمرؓ کے پاس پہونچی تو بہت خوش ہوئے مگر یہ معلوم کر کے کہ امان دینے کا وعدہ کرنے کے بعد بھی ان پر حملہ کیا گیا سخت برہم ہوئے اور فرمایا یہ مسلمانوں کی شان کے خلاف ہے کہ وہ اپنے وعدے سے پھر جائیں، اس طرز عمل سے مسلمان دنیا میں بدنام ہوں گے اور اسلامی تعلیمات کی اہمیت لوگوں کی نظروں سے گر جائے گی۔

خالد بن ولیدؓ کے لئے آپ نے جو حکم بھیجا تھا اس اطلاع کے ملنے پر زیادہ مناسب معلوم ہونے لگا اور آپ یہ خیال کر کے کہ ابو عبیدہؓ کی سپہ سالاری میں اس قسم کے واقعات نہیں ہوں گے کیونکہ وہ خالدؓ کی طرح نہ تو جلد باز ہیں اور نہ فضول خرچ اور مال کے حریص، چند ہی دن کے بعد آپ کو معلوم ہوا کہ خالد بن ولید بدستور سپہ سالار ہیں اور ابو عبیدہؓ ان کی ماتحتی میں کام کر رہے ہیں، آپ نے یہ خیال کر کے کہ ابو عبیدہؓ

۱۔ ہ تحفۃ الاحوذی ۳، ۱۰۲

بامروت آدمی ہیں اس لئے معزولی کا پروانہ ان کو نہیں بتایا، اپنا ایک خصوصی آدمی روانہ کیا اور فرمایا، یہ میرا دوسرا حکم لے جاؤ اور مسلمانوں کو جمع کر کے پڑھکر سنا دو۔ قاصد نے حکم کی تعمیل کی، مدینہ سے دمشق میں آکر حکم نامہ مسلمانوں کے سامنے پڑھکر سنایا، سب حیران تھے کہ یہ کیوں کیا گیا مگر خالد بن ولیدؓ نے فوراً حکم کی تعمیل کی اور جملہ اختیارات حضرت ابو عبیدہ بن جراحؓ کے حوالے کر دیئے، خالد بن ولیدؓ نے اس موقعہ پر بڑی فراخ دلی اور اسلام دوستی کا ثبوت دیا، انہیں مطلق غم نہیں ہوا اور نئے سپہ سالار حضرت ابو عبیدہؓ سے کہنے لگے، امیر المومنین کا حکم سر آنکھوں پر ہے۔ میں یقین دلاتا ہوں کہ پہلے سے بھی زیادہ جوش اور ہمت کے ساتھ آپ کی ماتحتی میں جملہ خدمات کو انجام دیتا رہونگا۔

ابیلا کی فتح ● حضرت عمرؓ چاہتے تھے کہ شام و ایران دونوں میں بیک وقت جنگی سرگرمیوں کو تیز کر دیا جائے۔ کیونکہ یہی دونوں ملک تھے جو اسلام کے لئے خطرہ بنے ہوئے تھے، یہی وجہ تھی کہ مسند خلافت پر قدم رکھتے ہی آپ نے شام اور ایران دونوں کے لئے تازہ دم اسلامی فوجیں مہیا فرمائیں، اور ساتھ ہی سپہ سالاران اسلام کو ہدایات بھیجیں کہ وہ پوری قوت اور جنگی تدابیر سے کام لیں چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ شام میں ابو عبیدہؓ، خالد بن ولیدؓ، ضرارؓ اور رفیعؓ جیسے بہادروں نے تہلکہ مچا دیا اور ایران میں سعد بن ابی وقاصؓ، ابو عبیدہ ثقفیؓ، احنف بن قیسؓ اور دوسرے اسلامی سپہ سالاروں نے جنگی سرگرمیاں اتنی تیز

کردیں کہ ایران کی بنیادوں کو ہلا دیا اور ہمیشہ کے لئے اس کا خاتمہ کر دیا۔

دمشق کی فتح کے بعد خالد بن ولید حضرت ابو عبیدہ بن جراحؓ کی ماتحتی میں آ گئے، ابیلا جو حضرت ابو بکرؓ کے زمانہ سے نا مکمل پڑا ہوا تھا اور جس کی فتح پر دوسری فتوحات کا بھی مدار تھا، حضرت ابو عبیدہؓ نے سب سے پہلے اس کی طرف توجہ کی۔ ابیلا طرابلس کے قریب تھا اور اس جگہ اسی نام سے ایک بہت بڑا میلا ہر سال لگا کرتا تھا۔ پورے علاقہ کے لوگ یہاں آتے تھے اور ہر قسم کی سیاسی سرگرمیاں یہاں جاری رہتی تھیں، ابیلا کی فتح کے سلسلہ میں بیان کیا گیا ہے کہ ایک شخص نے اسلامی لشکر کو یہ اطلاع دی تھی کہ ابیلا میں بے شمار عیسائی جمع ہو رہے ہیں تا کہ اسلامی لشکروں سے مقابلہ کی تدابیر پر غور کریں اس اطلاع کے ملتے ہی حضرت عبداللہ بن جعفرؓ پانچ سو سواروں کا ایک دستہ لیکر ابیلا روانہ ہو گئے۔ مگر جب وہاں پہنچے تو دیکھا کہ پانچ ہزار سے زائد عیسائی ہتھیار لگائے کھڑے ہیں، حضرت عبداللہ نے یہ دیکھتے ہی حملہ کر دیا۔ عیسائی گھبرا کر بھاگے مگر یہ دیکھ کر کہ اسلامی فوج بہت مختصر ہے جم کر لڑنے لگے اور مسلمانوں کو ہر طرف سے گھیر لیا۔ اسلامی لشکر میں یہ خبر آئی تو خالد بن ولید بڑی تیزی سے اسلامی فوج کو لئے سیاہ پھریرا اڑاتے پہونچے اور عیسائیوں پر ایسے ٹوٹے کہ ان کو حواس باختہ کر دیا۔ بڑی جلدی عیسائی شکست کھا کر بھاگ کھڑے ہوئے، بہت سے عیسائی مارے گئے، بے شمار مال غنیمت ہاتھ آیا، حاکم ابیلا کی لڑکی اور بہت سی دوسری عورتیں گرفتار ہوئیں،

حاکم ایلیا کی لڑکی سے حضرت عبداللہ نے نکاح کرلیا اور دوسری عورتیں مسلمانوں کے نکاح میں دیدی گئیں۔ یہ ۱۳ھ کے آخر کا واقعہ ہے۔
حضرت ابوعبیدہؓ نے ایلیا سے فارغ ہوتے ہی پورے شام کی فتح کی تیاریاں شروع کردیں۔ پانچ ہزار لشکر دمشق میں رہنے دیا اور باقی لشکر کو لیکر خالد بن ولیدؓ، ضرارؓ اور رفیعؓ کے ساتھ حمص اور بعلبک کی طرف بڑھ گئے،

حمص اور دیگر علاقے • حضرت ابوعبیدہؓ حمص کی جانب جارہے تھے، راستہ میں ایک جگہ جابیشہ میں رومیوں نے مسلمانوں کا مقابلہ کیا مگر جلدی ہی ہتھیار ڈال کر صلح کرلی، چارسو اشرفیاں اور قیمتی کپڑے سپہ سالار اسلام کی خدمت میں پیش کئے اور ایک سال خاموش رہ کر اطاعت قبول کرنے کا وعدہ کرلیا۔

جابیشہ کی تسخیر ہوتے ہی اسلامی لشکر نے تیزی سے قدم بڑھائے اور حمص کا محاصرہ کرلیا، جابیشہ کی خبر حمص میں پہونچ چکی تھی، دوسرے یہ کہ اس دوران میں حاکم حمص مرچکا تھا، حمص والے مقابلہ کی ہمت نہ کرسکے، دس ہزار اشرفی اور دوسو کپڑے کے تھان اسلامی سپہ سالار کو پیش کئے اور درخواست کی کہ ہم کو ایک سال کی مہلت دی جائے۔ حضرت ابوعبیدہؓ نے ان کی درخواست منظور کرلی۔

مسلمان حمص سے فارغ ہوکر آگے بڑھے تو بعلبک تک جسقدر بھی مقامات آئے مثلاً الحضر، کناسرن وغیرہ سبھی نے بلا لڑے ہتھیار ڈال دیئے اور اطاعت قبول کرلی۔ اسلامی فوج کے کئی دستے آس پاس

کے علاقوں میں پھیل گئے، بہت سے لوگوں نے اطاعت قبول کرلی، جو آمادۂ جنگ ہوئے انہیں شکست کھانا پڑی بے شمار عیسائیوں کو قیدی بناکر حضرت ابو عبیدہؓ کی خدمت میں پیش کردیا گیا۔ حضرت ابو عبیدہؓ نے قیدیوں کے ساتھ جسقدر نرم برتاؤ کیا اس کی مثال نہیں ملتی، جن لوگوں نے اسلام قبول کرلیا وہ آزاد کردیئے جاتے اور جو جزیہ دینا چاہتے ان سے جزیہ لینے پر صلح کرلی جاتی، غرض اسلامی سپہ سالار نے اتنا نرم رویہ اختیار کیا کہ بعلبک پہونچنے سے پہلے پہلے ہزارہا عیسائی حلقہ بگوش اسلام ہوگئے اور بڑے سکون وعزت کے ساتھ زندگی گذارنے لگے، مسلمانوں نے عیسائیوں کے ساتھ جو نرم برتاؤ کیا اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ شام فتح ہونے سے پہلے ہی عیسائیوں کی ایک بڑی تعداد مسلمان ہوگئی اور اسلام اس علاقہ میں بڑی تیزی سے پھیلنے لگا۔

اسلامی لشکر کی نظر بعلبک پر لگی ہوئی تھی، یہ شہر شام میں بڑی اہمیت رکھتا تھا، شہر کے چاروں طرف مضبوط فصیلیں بنی ہوئی تھیں، بعلبک کے باشندے مسلمانوں کی رواداریاں اور ان کے اخلاقی رویہ کا حال سن چکے تھے۔ وہ چاہتے تھے کہ صلح ہوجائے مگر حاکم شہر ہربس نہیں مانا اور فوجیں لیکر مقابلہ پر آگیا، ہربس نے قلعہ کی دیواروں پر فوجیں کھڑی کردی تھیں جو مسلمانوں پر پانی کی طرح پتھر اور تیر برسا رہی تھیں۔ حضرت ابو عبیدہؓ اس صورت حال سے پریشان ہوگئے اور مسلمانوں کو قلعہ کی دیواروں کے پاس سے پیچھے ہٹالائے، رومیوں کے حوصلے

اس سے بہت بڑھ گئے اور مسلمانوں کو اپنی شکست کا احساس ہونے لگا۔ خالد بن ولیدؓ بھی اس صورت حال کو دیکھ رہے تھے، بڑی عجلت سے اطراف میں پھیلے ہوئے اسلامی دستوں کو اس محاذ پر کھینچ لائے اور پھر نعرۂ تکبیر بلند کرتے ہوئے کچھ اس شان سے بڑھے کہ جنگ کا نقشہ پلٹ گیا، عیسائی جو مسلمانوں کی شکست کا یقین کر کے قلعہ سے باہر آکر مقابلہ کر رہے تھے بھاگ کھڑے ہوئے، ہرتیں نے بھاگ کر ایک کلیسا میں پناہ لی اور جب مسلمانوں نے کلیسا کو بھی گھیر لیا تو ہرتیں نے خود کو مسلمانوں کے حوالہ کر دیا اور جزیہ دینے کے وعدہ پر صلح کر لی، ہزاروں اشرفیاں اور سامان جنگ اسلامی سپہ سالار کی خدمت میں پیش کیا گیا اور ساتھ ہی یہ وعدہ بھی کیا کہ آئندہ ہمیشہ اطاعت گذار رہیں گے، درحقیقت بعلبک کے عیسائی جنگ کرنا نہیں چاہتے تھے مگر ہرتیں کو مسلمانوں سے ایسا عناد تھا کہ وہ اپنی فوجوں کو جبر یہ لڑا تا رہا مگر بعلبک والے پہلے ہی دل ہار چکے تھے دوسرے ایک وجہ یہ تھی کہ عیسائیوں سے مسلمانوں کے حسن سلوک نے بعلبک کے باشندوں کے دلوں میں اسلام کے لئے بڑی جگہ پیدا کر دی تھی۔ یہ ۱۴ھ کا واقعہ ہے۔

حمص وارستا • حمص نے ایک سال کی مہلت مانگی تھی اور اس کے بعد اطاعت کا وعدہ کیا تھا مگر حضرت ابو عبیدہؓ بعلبک سے فارغ ہو کر جب حمص کی طرف گئے تو اہل حمص لڑنے پر آمادہ تھے، اس ایک

سال کی مدت میں انہوں نے فوج اور غلہ دونوں کا انتظام کر لیا تھا مہلت سے ان کی غرض ہی یہ تھی کہ سنبھلنے اور مقابلہ کرنے کا موقعہ مل جائے، حضرت ابو عبیدہؓ ان کی چال کو پہلے ہی سمجھے ہوئے تھے لہٰذا انہوں نے اسلامی فوج سے کہدیا کہ وہ جم کر مقابلہ نہ کریں اور خود کو کمزور ثابت کریں چنانچہ ایسا ہی کیا گیا اور حمص والے یہ سمجھنے لگے کہ مسلمان کبھی ہم پر غالب نہ آسکیں گے، اس کے ساتھ ہی حضرت ابو عبیدہؓ نے یہ کیا کہ ایک قاصد کے ذریعے اہل حمص سے کہا کہ ہم واپس چلے جائیں گے بشرطیکہ تم کچھ غلہ ہمارے ہاتھ فروخت کر دو، حمص والے آمادہ ہو گئے اور اسلامی سپہ سالار نے بڑی مقدار میں ان سے غلہ خرید لیا اور اسلامی لشکر کو لیکر ارستا کی جانب بڑھ گئے۔

ارستا میں عیسائی فوج ایک مضبوط قلعہ میں تھی، اس نے دیکھا کہ مسلمان قلعہ کے قریب آچکے ہیں تو باہر آکر پورے جوش سے لڑنا شروع کر دیا۔ مسلمان دن بھر لڑے اور شام کے قریب چند بڑے بڑے صندوق میدان میں چھوڑ کر رات کی تاریکی میں ادھر ادھر منتشر ہو گئے۔ رومی بڑی خوشی سے آگے بڑھے اور بھاگے ہوئے مسلمانوں کے چھوڑے ہوئے صندوق اٹھا کر قلعہ میں لے گئے، ان کا خیال تھا کہ ان صندوقوں میں بڑا قیمتی سامان ہوگا مگر وہ یہ نہیں جان سکے کہ ان صندوقوں میں ضرارؓ اور عبداللہ بن جعفرؓ جیسے بہادر بیٹھے ہوئے ہیں، چنانچہ رات کا سناٹا ہوتے ہی یہ بہادر صندوقوں سے باہر نکل پڑے، قلعہ کا دروازہ

کھولدیا اور اس زور سے نعرۂ تکبیر بلند کیا کہ سوتے ہوئے عیسائیوں کے لئے صورت حال سمجھنا مشکل ہوگئی اور ادھر اسلامی فوج نے آس پاس سے آکر قلعہ میں داخل ہونا شروع کر دیا، عیسائی سنبھلنے بھی نہ پائے تھے کہ مسلمانوں نے قلعہ پر قبضہ کر لیا اور ارستا پر اسلامی پرچم لہرا دیا، ارستا کے قریب ہی شہزار تھا، صبح ہوتے ہی مسلمانوں نے شہزار کا رخ کر دیا، لڑنے کی کس میں ہمت تھی، ہتھیار ڈال دیئے اور اطاعت قبول کرلی۔ ارستا اور شہزار سے فارغ ہوتے ہی حضرت ابو عبیدہؓ نے حمص کا رخ کر دیا، حمص والے مطمئن تھے اور سمجھ رہے تھے کہ مسلمانوں میں اب مقابلہ کی تاب نہیں ہے دوسرے ان کا غلہ بھی مسلمانوں کے ہاتھ آچکا تھا، مسلمانوں نے حمص کا محاصرہ کر لیا، حمص والے اگرچہ گھبرا اٹھے مگر دیر تک مقابلہ پر جمے رہے مگر کہاں تک آخر ہتھیار ڈالنا پڑے اور اطاعت قبول کرنا پڑی۔

مقابلۂ عظیم ● شام میں مسلمانوں کی فتوحات نے رومیوں کو سراسیمہ کر دیا تھا، ہرقل قیصر روم اتنا گھبرایا ہوا تھا کہ اس نے تین لاکھ کا لشکر عظیم یورپ و ایشیا کے مختلف ممالک سے مسلمانوں کے مقابلہ کے لئے جمع کر لیا تھا، اس کا خیال تھا کہ اگر مسلمانوں کی روک تھام نہ ہوئی تو یہ بہت جلدی پورے روسن ایمپائر پر چھا جائیں گے، مشہور رومی سپہ سالار مینول ان فوجوں کی کمان کر رہا تھا، ہرقل کے اس لشکر میں جبلہ غسانی بھی موجود تھا اور اس کے ساتھ ساٹھ ہزار غسانی لشکر بھی تھا۔

اس موقعہ پر یہ بتا دینا بھی مناسب معلوم ہوتا ہے کہ جبلہ غسانی مسلمان ہونے کے بعد مرتد ہوگیا تھا، اس کے مرتد ہونے کی وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ وہ مسلمان ہونے کے بعد مکہ آیا اور حج کے موقعہ پر کعبہ کا طواف کر رہا تھا کہ ایک غریب مسلمان کے پیر میں اس کا احرام الجھ گیا جبلہ غسانی نے پلٹ کر مسلمان کے طمانچہ مارا کہ سامنے کے دانت بھی ٹوٹ گئے" غریب مسلمان حضرت عمرؓ کے پاس آیا اور شکایت کی، آپ نے جبلہ سے جواب طلب کیا تو اس نے مسلمان کو بڑی حقارت سے دیکھا اور کہا یہ دہقانی میرے مقابلہ میں کیا حیثیت رکھتا ہے، حضرت عمرؓ نے فرمایا، اللہ کی نظر میں تم دونوں برابر ہو لہٰذا تم کو اس کی سزا دی جائے گی کیونکہ اسلام میں دانت کے بدلہ دانت اور آنکھ کے بدلے آنکھ ہے۔

جبلہ مکہ سے رات ہی کو بھاگ کھڑا ہوا اور مسلمانوں سے مقابلہ کرنے کے لئے قیصر روم سے جا ملا تاکہ مسلمانوں کو ان کی گستاخی کا جواب دے۔ مسلمان حمص کے خاتمہ کے بعد ابھی کسی دوسری طرف جانے کا ارادہ بھی نہ کر پائے تھے کہ ان کو اطلاع ملی کہ قیصر روم کی ۳ لاکھ فوج مینول کی سپہ سالاری میں مسلمانوں کے استیصال کے لئے آرہی ہے اور اس کے ساتھ ۶۰ ہزار غسانی مع جبلہ غسانی کے شریک ہیں۔ حضرت ابو عبیدہؓ نے جیسے ہی یہ خبر سنی حمص کو اس کے حال پر چھوڑ کر اسلامی لشکر کو لئے ہوئے آگے بڑھے اور یرموک میں ایک چشمہ کے قریب ٹھہر گئے۔

رومی سپہ سالار مینول نے ساٹھ ہزار غسانیوں کو مسلمانوں کے مقابلہ پر لا کھڑا کیا اور عقب میں رومی فوج کو ان کی مدد کے لئے رکھا مسلمان جن کی تعداد دشمنوں کے مقابلہ میں آٹے میں نمک کی حیثیت رکھتی تھی، اتنی بڑی فوج کو دیکھ کر بجائے گھبرانے کے زیادہ مشتعل ہو گئے حضرت ابو عبیدہؓ کا خیال تھا کہ جب تک مزید امداد مدینہ سے نہ آئے مقابلہ کو ملتوی رکھا جائے مگر خالد بن ولیدؓ رومیوں کو مقابل دیکھ کر ٹھہر نہ سکے اور مختصر لشکر کو ساتھ لیکر غسانیوں پر ٹوٹ پڑے، دیر تک مسلمان لڑتے رہے غسانیوں کو میدان میں جمنا مشکل معلوم ہونے لگا مگر بے پناہ رومیوں کی عقب میں موجودگی ان کی ہمتوں کو بڑھاتی رہی، مسلمان بڑی بے جگری سے لڑے مگر غسانیوں کی کثیر تعداد کے مقابلہ پر حالات نے کچھ ایسا پلٹا کھایا کہ ضرارؓ، رفیعؓ اور یزیدؓ جیسے بہادر دشمنوں کے ہاتھوں گرفتار ہو گئے، مسلمان سراسیمہ ہو کر اپنے بچاؤ کی فکر کرنا ہی چاہتے تھے کہ سعید ابن عامرؓ اور حضرت زبیرؓ کی معیت میں مسلمانوں کے دو تازہ دم لشکر مدینہ سے آ گئے، نازک صورت حال میں نئی لہر پیدا ہو گئی، مسلمانوں کی ہمتیں بڑھ گئیں اور وہ پوری قوت کے ساتھ دشمنوں پر اس طرح ٹوٹے کہ رومیوں اور غسانیوں کے پیر اکھڑنے لگے، ان کے کئی فوجی دستے منہ پھیر کر بھاگے، غسانی جو بڑی شدت اور بہادری سے لڑ رہے تھے رک رک کر لڑنے لگے اور پیچھے گھوم گھوم کر دیکھنے لگے، رومی سردار مینول نے جیسے ہی یہ حالات دیکھے صلح کی بات چیت شروع

کر دی۔

میدان جنگ ٹھنڈا پڑ گیا۔ رات گذرنے کے بعد صبح کو خالد بن ولیدؓ حضرت ابو عبیدہؓ کی اجازت سے سو مسلمانوں کی معیت میں مینول کے خیمہ پر پہونچے تاکہ صلح کی گفتگو کریں، درحقیقت مسلمان میدان جیت چکے تھے، صلح کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا مگر ضرار، رفیع اور یزید جیسے اسلامی بہادر رومیوں کی قید میں تھے اس لئے خالد بن ولید چاہتے تھے کہ کسی طرح ان بہادروں کو آزاد کرا یا جائے، غرض حضرت خالدؓ اسلامی دستہ کو لئے مینول کے پاس پہونچے، صلح کے موضوع پر بات چیت چھڑی، نرمی کے بعد گفتگو میں گرمی پیدا ہو گئی، مینول نے مسلمانوں پر حقارت بھری نظر ڈالی اور زبان سے کہا کہ اسلام لٹیروں کا مذہب ہے، خالد بن ولیدؓ سے ضبط نہیں ہو سکا، کھڑے ہو گئے اور کہنے لگے، اسلام کے ساتھ جو گستاخی اور بدتمیزی تم نے کی ہے اس کی سخت سزا دی جائے گی اور حضرت عمرؓ کے سامنے تم کو کتے کی طرح گھسیٹ کر پیش کیا جائے گا۔

مینول بھی آپے سے باہر ہو گیا اور کہنے لگا کہ ابھی تمہارے قیدیوں کو تمہارے سامنے قتل کیا جائے گا تاکہ تم کو معلوم ہو جائے کہ رومی سرداروں سے گستاخی کی کتنی خطرناک سزا بھگتنا پڑی، خالد بن ولید کے لئے اب ضبط کرنا مشکل تھا، تلوار نیام سے کھینچ لی، ساتھی بھی چوکنا ہو گئے، اور گرج کر کہنے لگے قسم ہے اللہ اور اس کے رسولؐ کی کہ ہم

تمہاری اس دھمکی کا جواب دیئے بغیر نہیں جائینگے، مرجائیں گے یا ساتھیوں کو زندہ چھڑا کر لے جائیں گے،

قریب تھا کہ رمینول کے خیمہ سے ہی جنگ چھڑ جائے مگر مینول پر مسلمانوں کا ایسا رعب چھایا کہ وہ خوف سے زرد ہو گیا، گفتگو کا رخ بدل کر نرمی کی طرف مائل ہوا اور اسی وقت ضرار، یزید اور رفیع کو بلا کر حضرت خالدؓ کے حوالہ کر دیا اور کہا کہ میں صلح کی کوشش میں جنگ کی کوئی صورت پیدا ہونے کو اچھا نہیں سمجھتا ہوں، یہ گفتگو جو شروع ہوئی ہے جاری رہے گی اور پھر دوسری ملاقات میں صلح کی صورتوں پر غور کیا جائے گا۔

خالد بن ولیدؓ کی جو غرض تھی پوری ہوگئی، آپ مسلمان بہادروں کو لیکر اسلامی لشکر میں آگئے حضرت ابو عبیدہؓ کو صورت حال سے آگاہ کیا، صبح ہوتے ہی حضرت ابو عبیدہؓ نے خالد بن ولیدؓ کو اپنی جانب سے سپہ سالاری کے اختیارات دیئے اور فرمایا، مجھے امید ہے کہ تم اس موقع پر پوری ہوش مندی سے کام لوگے۔

تھوڑی دیر میں اسلامی لشکر رومیوں کے مقابل کھڑا تھا، مسلمان عورتیں بھی میدان جنگ میں موجود تھیں، ضرار کی بہن خولہ عورتوں کی سپہ سالار تھیں اور اسلامی لشکر کے گرد چکر لگا رہی تھیں اور کئی کیمپ زخمیوں کی مرہم پٹی کے لئے کھول رکھے تھے، خالد بن ولیدؓ میدان میں آئے، دونوں رخوں کا جائزہ لیا اور مسلمانوں کو اشارہ کیا، پھر کیا تھا

اسلامی لشکر رومیوں پر ٹوٹ پڑا، دن بھر گھمسان کی جنگ ہوتی رہی، رومی و غسانی دونوں کے چھکے چھوٹ رہے تھے آخر رات کی آمد نے صبح تک کے لیئے جنگ کو روک دیا۔

پہلے دن کی جنگ کے سلسلہ میں مورخین کا بیان ہے کہ مسلمانوں کے قدم اکھڑ رہے تھے، ابوسفیان بھاگنے لگے تو ایک مسلم خاتون نے ان کے چہرہ پر لکڑی ماری، خون بہنے لگا اور مسلمان یہ دیکھ کر کہ عورتیں بھی پیچھے لگی ہوئی ہیں اور بھاگنے والوں کو مار رہے ہیں تو ان کے قدم جم گئے اور وہ شام تک لڑتے رہے۔ رات کو جب لڑائی بند ہوئی تو مسلمان عورتوں نے زخمیوں کی مرہم پٹی کی اور ان کو اس قابل بنایا کہ وہ دوبارہ جنگ میں حصہ لینے کے قابل ہو سکیں۔

رات بھر دونوں طرف کی فوجیں آرام کرتی رہیں صبح ہوئی تو اسلامی لشکر میں اذان کی آواز بلند ہوئی، جماعت سے نماز ادا کرنے کے بعد حضرت ابوعبیدہؓ نے جہاد میں ثابت قدم رہنے کی دعائیں مانگی اور مسلمانوں کو دشمنوں کے مقابلہ پر جم کر لڑنے کی تلقین کی سورج کے بلند ہوتے ہی دونوں طرف کی فوجیں میدان میں آ گئیں مسلمانوں نے آج کی جنگ میں یہ نیا طریقہ اختیار کیا کہ جب رومیوں نے دبایا تو مسلمان پیچھے ہٹنے لگے مگر سنبھلنے اور قیامت خیز حملہ کرنے کی تیاریاں کرتے رہے۔ رومیوں نے مسلمانوں کو پیچھے ہٹتے ہوئے دیکھا تو بے خوف ہو کر آگے بڑھ آئے اور سمجھے کہ مسلمان

بھاگ رہے ہیں اور ان میں مقابلہ کی تاب باقی نہیں رہی ہے، اس خیال نے ان کو بہت حد تک لاپرواہ بنا دیا اور وہ غلط فہمی کو سمجھنے بھی نہ پائے تھے کہ مسلمان رکے اور اس زور سے نعرۂ تکبیر بلند کیا کہ رومیوں کے اوسان خطا ہو گئے اور پھر اس کے ساتھ ہی آگے بڑھ کر قلب لشکر میں گھس گئے۔ مار دھاڑ اور کاٹ چھانٹ میں کان پڑی آواز نہیں سنائی دیتی تھی، دوپہر ہونے بھی نہ پائی تھی کہ رومیوں کے قدم اکھڑ گئے، مینول مارا گیا، رومی سرداروں کی لاشیں میدان میں منہ کھولے پڑی تھیں، ایک لاکھ کے قریب رومی فوج ماری گئی اور جو بچی وہ بھاگ کھڑی ہوئی، ہرقل قیصر روم جس نے یورپ کے مختلف ممالک سے مسلمانوں کو مٹانے کے لئے فوجیں جمع کی تھیں اور اس کو یقین تھا کہ مینول جیسے بہادر کی موجودگی میں ۳ لاکھ فوج مسلمانوں کو مار بھگائے گی رومیوں کی شکست کا حال سنکر دم بخود ہو گیا، اسے اب یقین ہو چکا تھا کہ مسلمانوں سے بازی لے جانا مشکل ہے مگر اسلام سے اس کے عناد کا یہ عالم تھا کہ وہ اب بھی اسی کوشش میں لگا رہا کہ جس طرح ہو مسلمانوں کے قدم شام میں نہ جمنے پائیں، یرموک میں رومیوں کی شکست اور مسلمانوں کی فتح کے وقت قیصر انطاکیہ میں تھا، غم کے ساتھ تازہ دم لشکر مہیا کرنے کی تدابیر پر غور کر رہا تھا۔

حضرت عمرؓ کے زمانہ میں اگرچہ اس سے پہلے کئی مقامات فتح ہو چکے تھے مگر یرموک میں مسلمانوں کی فتح کی اطلاع نے مدینہ میں ہر طرف مسرت کی لہر پیدا کر دی تھی اور ہر گھر میں مسلمان مرد، عورت اور بچے خوشیاں منا رہے تھے۔

یرموک میں دوسرے دن کا معرکہ ۵ رجب ۱۵ھ کو پیش آیا تھا، اس معرکہ کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے ہوتا ہے کہ تیس ہزار رومیوں نے پیروں میں بیڑیاں ڈال رکھی تھیں تاکہ میدان سے بھاگنے کا کبھی خیال بھی نہ آسکے، ہزاروں پادری کلیساؤں سے نکل کر میدان میں آگئے تھے، ہاتھوں میں صلیبیں تھیں اور زبانوں پر حضرت عیسیٰؑ کا نام تھا، لڑنے والوں کو بڑے جوشیلے انداز میں ابھار رہے تھے مگر مسلمانوں کی ثابت قدمی کے سامنے ان کے قدم جم نہ سکے اور ایک لاکھ لاشوں کو چھوڑ کر بھاگ کھڑے ہوئے، ۳ لاکھ رومیوں کے مقابلہ پر صرف ۳۳ ہزار مسلمان تھے مگر یہ خصوصیت قابل ذکر ہے کہ ان ۳۳ ہزار میں ایک ہزار وہ حضرات تھے جن کی آنکھوں نے سرور دو عالمؐ کا جمال جہاں آرا دیکھا تھا اور ان ایک ہزار میں سے سو کے قریب وہ حضرات تھے جن کو آنحضرتؐ کی معیت میں بدر کے مقام پر جہاد کا شرف حاصل ہوا تھا۔ علامہ طبری اور بلاذری نے بڑی تفصیل سے معرکہ ہائے شام کو حوالہ قلم کیا ہے

بیت المقدس کی فتح ■ یرموک میں کامیاب ہونے کے بعد پورے شام میں مسلمان پھیل گئے اور ان کو اطراف میں قنسرین، انطاکیہ، جومہ، سرمین، توزی، تورس، تل عزار، دلوک اور رعبان وغیرہ فتح کرنے میں زیادہ دیر نہیں لگی، رومیوں کی قوت ٹوٹ چکی تھی اور اب وہ میدان میں آنے سے جی چرانے لگے تھے حضرت عمرؓ نے مدینہ سے سعید بن عامرؓ اور حضرت زبیرؓ کے ساتھ جو تازہ دم لشکر مسلمانوں کی مدد کے لئے یرموک میں بھیجا تھا اسے ایک پیغام یہ بھی دیا تھا اور کہا تھا کہ میرا یہ پیغام سپہ سالار اسلام کے ذریعہ مسلمانوں کو پہنچا دینا۔ پیغام کے الفاظ یہ تھے۔

"مسلمانو! تمہارے اوپر اللہ کی رحمتیں نازل ہوں، پوری قوت کے ساتھ دشمن کا مقابلہ کرو اور اس طرح شیروں کی طرح دشمنوں پر ٹوٹ پڑو کہ وہ تم کو چیونٹی سے زیادہ حقیر نظر آنے لگیں، مجھے پورا یقین ہے کہ اللہ کی مدد تمہارے شریک حال رہے گی اور تم فتح حاصل کرو گے۔"

حضرت عمرؓ کے پیغام کو قاصد نے مسلمانوں کی صف میں کھڑے ہو کر جس وقت سنایا تو لوگوں کے دل یقین و مسرت سے بھر گئے اور ان کو اپنی کامیابی میں کوئی شبہ نہیں رہا۔

بہرحال یرموک کی مہم سے فارغ ہوتے ہی حضرت ابوعبیدہؓ بیت المقدس کی طرف متوجہ ہوئے، پہلے یزید بن ابی سفیان کو پانچ ہزار کے لشکر کے ساتھ آگے بھیجا اور ہدایت کردی کہ وہ شہر کا پہونچتے ہی محاصرہ کرلیں۔ عمرو بن عاصؓ بھی فلسطین کی مہم سے فارغ ہوکر نابلس، لد، عمواس اور بیت جبرین کو فتح کرتے ہوئے بیت المقدس پہنچ گئے، حضرت ابوعبیدہؓ برابر تازہ دم فوجیں بھیجتے رہے یہاں تک کہ مجاہدین اسلام کی ایک بڑی تعداد پہونچ گئی اور پورے شہر کو گھیرے میں لے لیا۔ ایک ہفتہ کے بعد حضرت ابوعبیدہؓ خود بھی تشریف لے گئے، اسلامی لشکروں کا جائزہ لیا، محاصرہ کی حالت کا معائنہ کیا اور پھر اس کے بعد بیت المقدس کے باشندوں کے نام ایک تحریری پیغام ارسال فرمایا جس میں لکھا تھا۔

"اللہ کو ایک مانو اور حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر یقین رکھو۔ اگر تم نے اس طرح اسلام کی اطاعت اختیار کر لی تو دنیا و آخرت کی بھلائیاں تمہارے لئے ہیں۔ اگر اسلام نہیں لاتے ہو تو پھر جزیہ دینا قبول کرو اور اسلام کے ماتحت آجاؤ، اگر تم نے ان دونوں باتوں میں سے کسی ایک کو قبول نہیں کیا تو پھر یاد رکھو کہ تمہارے مقابلے کے لئے ایسے لوگ یہاں موجود ہیں جو دنیا کی نعمتوں سے زیادہ موت کو عزیز رکھتے ہیں۔"

بیت المقدس کے عیسائی پادریوں نے حضرت ابو عبیدہؓ کے پیغام کے جواب میں لکھا کہ —— یہ مقدس مقام اور پاکیزہ جگہ ہے، ایسے مقام پر حملہ خدا پر حملے کے مترادف ہے، جو بھی ایسا کرتا ہے تباہ و برباد ہو جاتا ہے، اس گناہ عظیم سے باز آجاؤ اور تباہی مت مول لو۔ یاد رکھو کہ ہماری جانیں اس کی حفاظت کے لئے وقف ہیں اور ہم ہر حال میں اس کی حفاظت کے لئے جان لڑاتے اور قربان کرتے رہیں گے۔

عیسائیوں کو پورا یقین تھا کہ بیت المقدس کو فتح کرنا مسلمانوں کے قبضہ کی بات نہیں ہے کیونکہ شام میں اس سے زیادہ مضبوط اور مستحکم کوئی دوسری جگہ نہیں ہے۔ حضرت ابو عبیدہؓ پر عیسائیوں کے جواب کا کوئی اثر نہیں ہوا اور آپ نے مسلمانوں کو پوری قوت سے محاصرہ پر قائم رہنے کی ہدایت فرمائی۔

تقریباً چار مہینہ محاصرہ کا سلسلہ جاری رہا، اس دوران میں برابر جھڑپیں ہوتی رہیں، عیسائی محصور رہ کر مسلمانوں کا مقابلہ کرتے رہے مگر چار ماہ کی طویل مدت نے ان کے حوصلے پست کر دیئے اور سب سے بڑے پادری نے پھر صلح کی بات چیت کرتے ہوئے کہا کہ ــــــ میں تم کو ایک مرتبہ پھر متنبہ کرتا ہوں، کہ یہ مقدس مقام ہے، اپنے ارادوں سے باز آجاؤ اور قہر خداوندی کا شکار مت بنو ــــــ حضرت ابو عبیدہؓ نے جواب میں فرمایا ــــــ "ہم اس مقام کی تقدیس کا اعتراف کرتے ہیں، ہم جانتے ہیں کہ یہی وہ مقام ہے جہاں انبیائے کرام آرام فرما رہے ہیں اور یہی وہ جگہ ہے جہاں سے ہمارے آقا و مولیٰ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم معراج کے لئے آسمان پر تشریف لے گئے تھے، یاد رکھو کہ ہم سے زیادہ تم کو اس مقام کی خدمت اور عزت کرنے کا کوئی حق نہیں ہے، ہم یہ عہد کر چکے ہیں کہ محاصرہ اسوقت تک نہیں اٹھائیں گے جب تک اللہ تعالےٰ ہم کو اس شہر پر قبضہ نہیں عنایت کر دے گا۔

عیسائی پادریوں کے لئے اب کوئی چارہ کار باقی نہیں رہا تھا۔ لہذا بڑے پادری نے مسلمانوں سے کہا کہ اچھا ہم صلح کے لئے تیار ہیں مگر شرط یہ ہے کہ تمہارے خلیفہ حضرت عمرؓ خود یہاں آئیں اور صلح نامہ پر دستخط کریں اور ہم سے قبضہ لے لیں۔"

حضرت ابو عبیدہؓ نے پادریوں کی اس شرط کو منظور کر لیا، قاصد کو مدینہ بھیجا اور حضرت عمرؓ کو تمام حالات کی اطلاع دی۔ حضرت عمرؓ نے

صحابہ کرامؓ سے مشورہ کیا اور پھر حضرت علیؓ کو اپنا قائم مقام بنا کر رجب ۱۶ھ میں مدینہ سے بیت المقدس کے لئے روانہ ہوئے۔

مسلمانوں کی خواہش تھی کہ آپ ساز و سامان سے جائیں مگر حضرت عمرؓ نے یہ سفر اس سادگی سے کیا کہ سواری کے لئے صرف ایک جانور تھا، جس پر کبھی خود بیٹھتے اور کبھی غلام کو بٹھاتے تھے گویا باری باری سے سواری کو استعمال کر رہے تھے، اونٹ کی مہار کبھی غلام کے ہاتھ میں ہوتی تھی اور کبھی آقا کے ہاتھ میں! سامان میں پانی کا مشکیزہ، کھجوروں کا تھیلا ساتھ تھا، جسم پر معمولی اور پیوند لگا ہوا لباس تھا، یہ تھی رسول اللہؐ کے جانشین اور مسلمانوں کے خلیفہ کی سادگی اور سادہ دلی، وہ خلیفہ جس کے رعب سے روم و ایران کی حکومتیں لرز رہی تھیں اور رومن امپائر خطرہ محسوس کر رہا تھا۔

حضرت عمرؓ کئی دن چلنے کے بعد مقام جابیہ میں پہنچے، اسلامی لشکر کے سرداروں نے استقبال کیا مگر یہ سادگی دیکھ کر حیران رہ گئے، ان کا خیال تھا کہ امیر المومنین شان و شوکت اور قیمتی لباس اور سواری کے ساتھ شہر میں داخل ہوں تاکہ عیسائیوں پر زیادہ اثر پڑے، ایک سردار نے ترکی گھوڑا اور قیمتی لباس پیش کیا اور درخواست کی کہ یہ زیب بدن فرمائیے ——— حضرت عمرؓ نے اس درخواست کو نامنظور کر دیا اور فرمایا

"اللہ تعالیٰ نے ہم کو جو عزت بخشی ہے وہ اسلام کی وجہ سے بخشی ہے نہ کہ لباس اور ساز و سامان کی وجہ سے، بس

ہمارے لئے خدا کی بخشی ہوئی عزت کافی ہے، اس کے سامنے ظاہری ٹھاٹ باٹ بیکار ہیں ـــــــ پھر فرمایا، مجھے یہ دیکھ کر بہت افسوس ہوا کہ تم نے بڑی جلدی اسلامی زندگی کی سادہ خصوصیات کو چھوڑ کر عجمی تہذیب و عادتیں اختیار کر لیں"

غرض حضرت عمرؓ اسی سادگی کے ساتھ لشکر اسلام میں پہونچے اور ایک معمولی خیمے میں مقیم ہو گئے۔ عیسائی پادریوں نے آپ کی سادگی کو شہر پناہ کی دیواروں سے دیکھا تو اسقدر متاثر ہوئے کہ جوق جوق ملنے کے لئے آنے لگے، مسلمانوں نے عیسائیوں کا اژدہام دیکھ کر روکنا چاہا مگر آپ نے فرمایا، "انہیں مت روکو" خیمہ کے گرد ایک ہجوم لگ گیا اور اسی عالم میں ایک معزز پادری نے بڑے احترام و ادب کے ساتھ بیت المقدس کے دروازوں کی کنجیاں آپ کی خدمت میں پیش کر دیں۔

حضرت عمرؓ نے عیسائیوں سے کچھ اس سادگی اور اخلاق سے ملاقات کی کہ اخلاق نبویؐ کا نقشہ کھینچ گیا عیسائی پادریوں کے دل خلیفۂ اسلام کے گرویدہ نظر آنے لگے، آپ نے چابیاں بسم اللہ کہکر ہاتھ میں لے لیں اور اس کے بعد مندرجہ ذیل عہد نامہ تحریر فرمایا۔

"یہ ہے وہ تحریر جو اللہ کے بندے امیر المومنین عمرؓ کی طرف سے ایلیا یعنی بیت المقدس والوں کو دی جاتی ہے اور جس کے ذریعہ ان کو امن دیا جاتا ہے، اس امان نامہ کے بعد

ایلیا والوں کی جانیں، مال، گرجے، صلیب، بیمار اور تندرست سب محفوظ رہیں گے، ہر مذہب والے کے لئے امان ہے، ان کے گرجاؤں میں نہ کوئی سکونت اختیار کرے گا اور نہ وہ گرائے جائیں گے اور نہ ان کو کسی قسم کا نقصان پہونچایا جائیگا۔ اور مذہب کے معاملہ میں ان پر کوئی زیادتی نہیں کی جائے گی، البتہ ایلیا والوں کے ساتھ یہودی نہیں رہ سکیں گے، ایلیا والوں کا فرض ہے کہ وہ دوسرے شہروں کے باشندوں کی طرح جزیہ ادا کرتے رہیں، یہودیوں کو باہر نکال دیں، جو چلا جائے گا اس کی اسوقت تک حفاظت کی جائے گی جب تک وہ جائے امن میں داخل ہو۔ اور جو رہنا چاہے اسے بھی اجازت اور امن ہے اور جو ایلیا والا ان کے ساتھ جانا چاہے اس کو بھی اجازت دی جاتی ہے، جو کچھ اس معاہدہ میں تحریر کیا گیا ہے اس پر اللہ، رسولؐ اور خلفاء شاہد ہیں، مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ اس کی اسوقت تک پابندی کریں جب تک ایلیا والے مقررہ شرائط کے تحت جزیہ ادا کرتے رہیں۔

معاہدہ جب مکمل ہوگیا تو اس پر حضرت عمرؓ، حضرت عمرو بن عاصؓ، خالد بن ولید، عبدالرحمٰن ابن عوفؓ اور معاویہ بن ابی سفیان نے دستخط کر دیئے۔ عیسائیوں پر اس معاہدہ کا اور حضرت عمرؓ کے اخلاق اور ان کی طرف سے دی ہوئی رعایتوں کا اتنا اثر ہوا کہ بہت سے لوگوں نے اسی وقت اسلام قبول

کرلیا اور بہت سے لوگوں نے فوراً جزیہ ادا کر دیا۔

ان تمام امور سے فارغ ہو کر حضرت عمرؓ کے لئے بیت المقدس کے دروازے کھول دیئے گئے اور تمام شہر کو مسلمانوں کے حوالہ کر دیا گیا، امیر المومنین بیت المقدس میں داخل ہوئے تو پہلے مسجد اقصٰی میں تشریف لے گئے سجدۂ شکر ادا کیا، اس کے بعد عیسائیوں کے گرجاؤں کو دیکھا، اسی اثناء میں نماز کا وقت آگیا، ایک پادری نے عرض کیا کہ گرجا ہی میں نماز پڑھ لیں مگر آپ نے باہر نکل کر مشرقی دروازہ کی سیڑھیوں پر نماز ادا کی اور پادری سے فرمایا —— میں نماز گرجا میں بھی پڑھ سکتا تھا مگر اس خیال سے نہیں پڑھی کہ میرے بعد مسلمان اسے مسجد بنالیں گے، چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ جیسے ہی حضرت عمرؓ مدینہ گئے مسلمانوں نے ان سیڑھیوں پر مسجد بنادی جہاں آپ نے نماز پڑھی تھی، بیت المقدس میں اس مسجد کو آج مسجد عمرؓ کہتے ہیں۔

بیت المقدس کے دوران قیام میں ایک دن نماز کے لیے حضرت عمرؓ نے جناب بلالؓ سے فرمایا اذان کہئے، حضرت بلالؓ نے آبدیدہ ہو کر عرض کیا کہ میں عہد کر چکا تھا کہ آنحضرتؐ کے بعد اذان نہیں کہونگا مگر آپ کے حکم کی تعمیل آج کرونگا، اذان شروع کی تو دورِ رسالت مآبؐ کی یاد تازہ ہو گئی، ہر سمت رونے کی آوازیں آنے لگیں، حضرت عمرؓ کی ہچکی بندھ گئی معاذ بن جبل پر بیہوشی سی طاری ہو گئی۔ حضرت بلالؓ نے تمام زندگی جس سادگی اور غربت سے گذاری تھی آج بھی ان کے لباس اور حالات سے وہی اثرات

ظاہر ہو رہے تھے، کوئی دشوار نہیں تھا کہ وہ شام کی فتوحات کے بعد عیش و عشرت سے زندگی گزارتے مگر ان کو یہ بات زیادہ پسند تھی کہ آنحضرتؐ کے زمانہ میں جس طرح زندگی گزاری ہے وہی حالت آج بھی قائم رکھی جائے، ایک مرتبہ آپ نے حضرت عمرؓ سے شکایت کی کہ اسلامی لشکر کے افسران پرندوں کا گوشت اور میدہ کی روٹیاں اور پراٹھے کھاتے ہیں حالانکہ عام مسلمانوں کو معمولی غذا ملتی ہے، حضرت عمرؓ نے فوجی افسران سے مخاطب ہو کر فرمایا، میں تم کو اچھی غذا کھانے سے روکتا نہیں ہوں مگر حکم دیتا ہوں کہ مالِ غنیمت اور تنخواہ کے علاوہ ہر سپاہی کو بھی اچھا کھانا مہیا کیا جائے۔

حضرت عمرؓ نے ایک ہفتہ سے زائد بیت المقدس میں قیام فرمایا اور اس دوران میں شام اور دوسرے علاقوں کے انتظامی امور کا جائزہ لیا، بہت سے مفید مشورے دیئے اور ناقص انتظامات کو بہتر بنانے کی طرف حکام کو توجہ دلائی، اس کے علاوہ آپ نے یہ کیا کہ شام کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا تاکہ انتظام کرنے اور حالات کو بہتر بنانے میں سہولت ہو، شمالی شام کو حضرت ابو عبیدہؓ کے حوالہ کیا گیا اور جنوبی شام کے حاکم یزید بن ابی سفیان بنائے گئے اور دونوں حصوں کے سربراہوں سے حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ شمالی و جنوبی علاقوں میں جو حصے ابھی فتح ہونے سے رہ گئے ہیں جلد سے جلد ان کو اسلامی مملکت میں شامل کرنے کی کوشش ہونا چاہئے۔

حضرت عمرؓ جب مدینہ واپس ہونے لگے تو آپ نے مفتوحہ علاقوں کا دورہ بھی کیا، بعض ان سرحدوں کو بھی دیکھا جو جنگی و سیاسی اعتبار سے

اہمیت رکھتی تھیں اور متعلقہ حکام وافسران کو ان سرحدوں کی حفاظت کے سلسلہ میں ضروری ہدایات دیں۔

بیت المقدس کی تسخیر کے سلسلہ میں مستند مورخین کا بیان ہے کہ بیت المقدس کی فتح کے لئے حضرت عمرو بن العاصؓ کو مامور کیا گیا تھا، وہ نابلس اور عمواس وغیرہ کو قبضہ میں لینے کے بعد بیت المقدس پہونچے اور اس کا محاصرہ کرلیا، مگر عیسائی پادریوں نے اسلامی سپہ سالاروں کو دیکھنے کے بعد کہا کہ ان میں ایک بھی بیت المقدس کو فتح نہیں کرسکے گا کیونکہ وہ صفات جو ہماری قدیم کتابوں میں لکھی چلی آرہی ہیں کسی ایک میں بھی نہیں پائی جاتی ہیں، وہ جس کے لئے بیت المقدس کی تسخیر لکھی ہوئی ہے اس کا نام عمرؓ ہوگا اور اس کی زندگی نہایت سادہ اور نیک ہوگی، چنانچہ حضرت فاروق اعظمؓ جیسے ہی بیت المقدس کے قریب پہونچے تو عیسائیوں نے اپنی کتابوں سے ان کا حلیہ وغیرہ ملانے کے بعد چلا کر کہا کہ یہی وہ مرد مومن ہے جس کے متعلق ہماری سابقہ کتابیں گواہی دے رہی ہیں اور پھر اس کے بعد کنجیاں پیش کردیں۔

امیر المومنین حضرت عمرؓ جب مدینہ تشریف لائے تو مسلمانوں نے نہایت جوش اور مسرت کے ساتھ آپ کا استقبال کیا، حضرت علیؓ جن کو آپ اپنا قائم مقام کر گئے تھے، استقبال کرنے والوں میں سب سے آگے تھے، حضرت عمرؓ مسلمانوں کے پرخلوص خیر مقدم کا جواب دیتے ہوئے مسجد نبوی میں پہونچے اور اس عظیم کامیابی کے لئے بارگاہ

خداوندی میں شکریہ کے نفل ادا کئے اور اس کے بعد قبر رسول کے پاس حاضر ہو کر صلوٰۃ وسلام پیش کیا۔ (طبری، فتوح البلدان، تاریخ اسلام، الفاروق)

اجتماع صحابہؓ ■ مزار رسولؐ پر صلوٰۃ وسلام سے فارغ ہو کر حضرت فاروق اعظمؓ نے سب سے پہلا کام یہ کیا کہ مسجد نبویؐ میں صحابہ کرام اور دیگر مسلمانوں کی ایک مجلس مشاورت منعقد کی۔ دیر تک شام کی فتوحات بیان فرماتے رہے اور پھر اس کے بعد آپ نے صحابہ کرامؓ سے آئندہ اقدام کے متعلق مشورے کئے۔ کافی غور وفکر کے بعد طے کیا گیا کہ شام میں جو فوجیں اس وقت موجود ہیں وہ وہاں کی ضروریات کے لئے کافی ہیں اور اب مزید فوجوں کو اس علاقہ میں بھیجنا اور روکنا ضروری نہیں ہے، بلکہ جو علاقے فتح ہونے سے رہ گئے ہیں ان کو فتح کرنے کے لئے بھی وہی فوجیں کافی ہیں البتہ اب مصر کی طرف زیادہ توجہ دینا چاہیئے۔

چنانچہ اس مجلس مشاورت کی سب سے اہم تجویز یہی تھی کہ مصر کی فتح پر توجہ دی جائے اور کسی ایسے شخص کو اس اہم کام پر مامور کیا جائے جو اپنی شجاعت، دلیری اور عزم وتجربہ میں نمایاں حیثیت رکھتا ہو، کئی نام آئے مگر عمرو بن العاصؓ کے نام پر سب نے اتفاق کر لیا اور اس کے بعد حضرت عمرو بن العاصؓ کو اس سے مطلع کر دیا گیا، امیر المومنین کا حکم جیسے ہی ان کو ملا وہ مصر کو فتح کرنے کی دھن میں لگ گئے مگر ان کے سامنے سب سے پہلا مرحلہ یہ تھا کہ مصر پر حملہ سے پہلے ان علاقوں کو قیصر روم کے قبضہ سے نکال لیا جائے جو مفتوحہ شام اور مصر کے درمیان واقع

ہیں تاکہ مصر پر حملہ کے سلسلہ میں اسلامی فوجوں کو سامان جنگ وخوراک آسانی سے ملتا رہے۔

بقیہ فتوحات شام ● شمالی وجنوبی شام کے سپہ سالار حضرت عمرؓ کی ہدایات کے مطابق اس بات کی سخت کوشش کر رہے تھے کہ شام کے بقیہ مقامات کو جلد سے جلد فتح کر لیا جائے تاکہ دوسرے علاقوں کی طرف بڑھنے کا موقعہ ملے، چنانچہ شمالی شام کے گورنر حضرت ابو عبیدہؓ سب سے پہلے کنسرن اور الحضر کی طرف بڑھے یہ دونوں مقامات پہلے بھی فتح کئے جا چکے تھے مگر دوبارہ بغاوت کر رہے تھے، حضرت ابو عبیدہؓ جیسے ہی ان کی طرف بڑھے دونوں نے ہتھیار ڈال دیئے، معافی مانگی اور پانچ ہزار اشرفی اور بہت سا قیمتی سامان دے کر اطاعت قبول کر لی۔ حضرت ابو عبیدہؓ چند دن اس علاقہ میں رہ کر حلب کی طرف بڑھ گئے۔ حلب شام کا انتہائی صنعتی اور تجارتی شہر تھا، شیشہ کی صنعت کے لئے دنیا کی نظروں میں ممتاز تھا، خوبصورتی اور مضبوطی میں بھی بے مثل تھا، تین طرف اونچے اونچے پہاڑ اور ایک طرف مضبوط دیوار تھی جسے توڑنا آسان نہیں تھا، حلب کی حکومت یوحنا اور یوقنا کے ہاتھ میں تھی، یہ دونوں بھائی تھے مگر یوقنا اور یوحنا کی آپس میں بنتی نہیں تھی، یوقنا کے مزاج میں شدت اور سختی تھی وہ لڑنے اور جنگ کرنے کو پسند کرتا تھا مگر یوحنا کی طبیعت پر خدا پرستی کا غلبہ تھا، خون بہانا اور جنگ وجدال سے خالق خدا کو پریشان کرنا اس کے نزدیک سخت معیوب تھا، یوحنا چاہتا تھا کہ مسلمانوں سے صلح کر لی جائے، جزیہ

دے کر انسانوں کے خون کو بہانے سے مدد کا اور بچا پایا جائے یوقنا نے اس کی ایک نہیں سنی، جیسے ہی حضرت ابو عبیدہؓ کی چڑھائی کا حال سنا پندرہ ہزار کا لشکر جرار لیکر مقابلہ کو نکل پڑا، یوحنا نے ہر چند کوشش کی کہ جنگ ٹل جائے اور انسانوں کی جانیں بچ جائیں مگر یوقنا کی سمجھ میں ایک بات نہیں آئی۔ میدان جنگ گرم ہوا تو یوحنا نے اپنے ہم خیال لوگوں کا ایک وفد حضرت ابو عبیدہؓ کے پاس بھیجا اور ان سے یہ وعدہ کرالیا کہ حلب والوں کو پناہ دی جائے گی اور کسی کو ستایا نہیں جائے گا۔ یہ گفتگو کر کے وفد کے ارکان قلعہ میں واپس گئے مگر جاتے ہی یوقنا کو علم ہو گیا کہ مسلمانوں سے صلح کی بات چیت کی گئی ہے، اسقدر غضب ناک ہوا کہ اس وقت ان ان سب کو قتل کر دیا جو یوحنا کی تحریک پر مسلمانوں کے پاس گئے تھے، یوحنا نے ان کو کٹتا ہوا دیکھ کر بچانے کی کوشش کی تو یوقنا نے اس کو بھی موت کی آغوش میں سلا دیا۔

کئی ماہ تک حلب میں مسلمان یوقنا کی فوج سے لڑتے رہے مگر حلب کا قلعہ اتنا مضبوط تھا کہ ایک مسلمان بھی قلعہ کو نقصان نہ پہونچا سکا، یوقنا کا لشکر قلعہ کی دیواروں سے حملہ کرتا اور کبھی موقعہ ملتا تو باہر آکر بھی مقابلہ کرتا یہ جنگ امید سے زیادہ طول پکڑتی جاتی تھی اور قلعہ کے فتح ہونے کی کوئی تدبیر نہ ہوتی تھی آخر حضرت ابو عبیدہؓ نے امیر المومنین کو حالات سے مطلع کیا، حضرت عمرؓ نے اسی قاصد کے ہاتھ جواب میں لکھا کہ اللہ پر بھروسہ رکھو، محاصرہ مت اٹھاؤ، فتح کی کوشش کئے جاؤ، میں ایک اور

تاریخ خلفائے راشدین۔

لشکر تمہاری مدد کے لئے بھیج رہا ہوں۔

مدینہ سے حضرت عمرؓ کا بھیجا ہوا تازہ دم لشکر چند ہی دن میں شام پہنچ گیا، اس نئے لشکر کے ایک نامور مجاہد نے جس کا نام دامس بیان کیا گیا ہے حضرت ابوعبیدہؓ اور خالد بن ولیدؓ سے درخواست کی کہ مجھے تیس آدمی دیدیئے جائیں، انشاءاللہ امید ہے کہ قلعہ فتح ہوجائے گا۔ دامس کی درخواست منظور کر لی گئی۔ اسلامی لشکر کے تیس من چلے جوان دامس کو دیدیئے گئے، دامس جو جنگی تدابیر میں بڑا ہوشیار تھا اپنے ساتھیوں کو بھیڑ کی کھال پہنا کر رات کی تاریکی میں قلعہ کی دیوار کے سہارے کھڑا کر دیا اور پھر جیسے ہی نیند کے غلبہ کا وقت ہوا دامس نے تلے اوپر کئی مجاہدوں کو کاندھوں پر بٹھا کر قلعہ کی دیوار تک پہونچا دیا، جوں ہی یہ مسلمان اوپر پہونچا فوراً اپنا عمامہ نیچے لٹکا دیا، اب کیا دشواری تھی، ایک ایک کر کے تیسوں مجاہد اوپر پہونچ گئے اور قلعہ کی دیوار پر پہرہ دینے والے سپاہیوں کو جن پر موت کی سی غنودگی طاری تھی اٹھا اٹھا کر نیچے پھینک دیا۔ اور بڑی سرعت کے ساتھ نیچے اتر کر قلعہ کے دروازہ کھول دیئے، نعرۂ تکبیر کی گونج کو سنتے ہی قریب کھڑے ہوئے خالد بن ولیدؓ نے قلعہ پر دھاوا بول دیا، یوقنا اور اس کی فوج کے حواس باختہ ہو گئے، کیسا مقابلہ سب نے ہتھیار پھینک دیئے اور مسلمانوں نے حلب پر قبضہ کر لیا، حضرت ابوعبیدہؓ نے یوقنا اور اس کی فوج کے ساتھ نہایت نرمی کا برتاؤ کیا جس کا یہ اثر ہوا کہ یوقنا اور اس کے ساتھ بے شمار عیسائی فوج نے اسلام قبول کر لیا۔

یوقنا نے اگرچہ مجبوری کی حالت میں اسلام قبول کیا تھا مگر اسلام کا یہ معجزہ ہے کہ اسلام لاتے ہی یوقنا کے قلب میں اسلام نے ایسا گھر کر لیا کہ چند ہی دن کے بعد وہ اسلام کا سچا فدائی بن گیا۔ اسلام لانے سے پہلے اسلام سے اس کے عناد کا یہ عالم تھا کہ مہینوں مسلمانوں سے تلوار زنی کرتا رہا، یہاں تک کہ حقیقی بھائی اور اس کے ساتھیوں کو صرف اس بنا پر قتل کر دیا کہ وہ مسلمانوں سے صلح کرنا چاہتے تھے مگر اسلام لاتے ہی یہ کیفیت ہو گئی کہ وہ شام کے شہروں کو فتح کرنے کے لئے بے چین رہنے لگا اور اسلامی سپہ سالار کی خدمت میں اپنے مشورے اور خدمات پیش کرنے لگا، چنانچہ اعزاز جو حلب کے قریب ہی عیسائیوں کا خوبصورت شہر تھا اس کو فتح کرنے کے لئے یوقنا نے یہ تدبیر پیش کی کہ میں سو مسلمانوں کو عیسائیوں کے لباس میں اپنے ساتھ لیکر اعزاز جاتا ہوں، آپ میرے تعاقب میں مسلمانوں کی ایک فوج کو بھیجئے، میں بناوٹی لڑائی لڑتے ہوئے اعزاز میں گھس جاؤنگا اور وہاں کے حاکم سے جو میرا قریبی رشتہ دار ہے کہوں گا کہ مسلمانوں نے حلب پر قبضہ کر لیا ہے اور میں تمہارے پاس پناہ لینے آیا ہوں وہ مجھے قلعہ میں جگہ دے گا اور پھر میں رات کو قلعہ کے دروازے کھول دونگا۔

چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ یوقنا قلعہ میں داخل ہوا مگر حاکم اعزاز تھیوڈرس کو شبہ ہوا۔ اور وہ اس کے مسلمان ہونے کی افواہ سن چکا تھا اس لئے فوراً گرفتار کر کے اپنے بیٹے نیوٹن کے حوالہ کر دیا تاکہ وہ نگرانی کرے اور پھر

قیصر روم ہرقل کے پاس لیجائے تاکہ وہ اس غدار کو سخت سزا دے۔

نیون کی قید میں آتے ہی نیون کو یوقنا کی لڑکی کا خیال آیا جس سے وہ بہت پہلے سے محبت کرتا تھا۔ چنانچہ نیون نے یوقنا سے دل کی بات کہی اور یوقنا نے اس سے وعدہ کر لیا کہ اگر تم مسلمان ہو کر اعزاز کی فتح میں مدد کرو گے تو میں تمہارے ساتھ اپنی لڑکی کی شادی کر دوں گا۔

نیون نے یوقنا کی بات مان لی، فوراً ہی پروگرام بنایا گیا، حضرت ابو عبیدہؓ کو اطلاع دی گئی اور پھر اسی کے مطابق ایک رات کو قلعہ کے دروازے کھول دیئے۔ نعرۂ تکبیر بلند کیا گیا، مسلمان جو آس پاس لگے ہوئے تھے اندر گھس پڑے، بڑی سخت جنگ ہوئی، تھیوڈرس مارا گیا اور مسلمان یوقنا اور نیون کی تدابیر کی بدولت اعزاز پر قابض ہو گئے۔

اعزاز کی فتح کے بعد ہی یوقنا وغیرہ نے انطاکیہ کی فتح کے منصوبے بنانا شروع کر دیئے، انطاکیہ شام کا دار السلطنت تھا اور ہرقل نے اپنے رہنے کے لئے اسی جگہ کو زیادہ پسند کیا تھا، یوقنا نے انطاکیہ کے لئے بھی وہی تدابیر اختیار کیں جو اعزاز کے سلسلہ میں اختیار کی جا چکی تھیں یوقنا نے دو سو نوجوانوں کو ساتھ لیا اور انطاکیہ کی جانب روانہ ہو گیا۔ قریب پہونچ کر ساتھیوں کو حکم دیا کہ وہ آس پاس کے پہاڑی علاقوں میں روپوش ہو جائیں اور جب اسلامی لشکر آئے تو اس کے ساتھ شامل ہو جائیں۔ حضرت ابو عبیدہؓ کو پہلے ہی تمام پروگرام بتا دیا گیا تھا چنانچہ یوقنا جیسے ہی ساتھیوں کو پہاڑی علاقہ میں چھوڑ کر انطاکیہ میں داخل

ہوا پولیس نے گرفتار کر کے ہرقل کے سامنے پیش کر دیا۔ ہرقل نے جسے یوقنا سے انس تھا یوقنا کو ملامت کی اور اسلام لانے کو اس کی بزدلی قرار دیا۔

یوقنا نے کہا کہ میں نے جان بچانے کے لئے یہ چال چلی تھی ورنہ میں آج بھی اپنے مذہب کا فدائی ہوں اگر مجھے عیسائیت اور آپ کی ذات عزیز نہ ہوتی تو میں اس طرح آزادانہ کبھی انطاکیہ نہ آتا۔ میں درحقیقت مسلمانوں کی صحیح حالت اور ان کو شکست دینے کے کچھ اہم گر آپ کے سامنے پیش کرنے آیا ہوں۔ آپ کو میری طرف سے جو کچھ بھی بتایا گیا ہے وہ نہ صرف غلط بلکہ میرے اوپر اتہام والزام ہے۔ ہرقل نے مطمئن ہو کر یوقنا کو اپنے مشیروں میں داخل کر لیا اور پھر چند ہی دن بعد انطاکیہ کی حکومت کے بہت کچھ اختیار اس کے ہاتھ میں آ گئے۔

اس کے بعد یوقنا نے پہلا کام یہ کیا کہ وہ دو سو جوان جو پہاڑی علاقوں میں روپوش تھے قلعہ میں بلا لئے اور رات میں قلعہ کی حفاظت پر ان کو مامور کر دیا۔ قدرت کی امداد دیکھئے کہ چند ہی دن کے بعد حضرت ضرار ایک شامی علاقہ میں لڑتے ہوئے گرفتار کر کے انطاکیہ کے قلعہ میں لائے گئے اور قید کر دیئے گئے، یوقنا نے ایک شب ان سے ملاقات کر کے اپنی پوری اسکیم ذہن نشین کرا دی اور کہا کہ جس وقت بھی قلعہ میں اور اس کے باہر بغاوت برپا ہو تم باقی فوجوں کے ساتھ مل کر پوری مستعدی سے انطاکیہ کا تختہ الٹ دینا۔ غرض یوقنا کی تدبیریں ہو ہی رہی تھیں کہ حضرت ابوعبیدہؓ انطاکیہ کے مضبوط آہنی پل کے محافظ فوجی افسروں کو قتل کرتے ہوئے شہر میں گھس آئے۔

عیسائیوں کو جیسے ہی معلوم ہوا کہ مسلمان قلعہ کے قریب آپہنچے ہیں وہ دیوانہ وار مقابلہ کے لئے نکل پڑے، ادھر یوقنا نے ضرار کو آزاد کر دیا اس کے ساتھ دو سو مسلم جوانوں نے قلعہ کے اندر بغاوت کر دی، کئی دروازے کھول دیئے اور مسلمانوں کا سیلاب قلعہ میں جا گھسا، ہرقل قسطنطنیہ کی طرف بھاگ کھڑا ہوا، عیسائی فوج کچھ ماری گئی اور کچھ فرار ہوگئی، انطاکیہ پر اسلامی فوج نے قبضہ کر لیا، یہ ۱۵ھ کا واقعہ ہے جس کے بعد شام کی مکمل فتح کے لئے تیاریاں ہونے لگیں۔

ہم پچھلے صفحات میں لکھ چکے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے مصر کو فتح کرنے کے لئے عمرو بن عاصؓ کو مامور فرمایا تھا مگر وہ اس بات کی سخت کوشش کر رہے تھے کہ شام کی طرف سے پورا اطمینان کر لیا جائے تاکہ مصر کو فتح کرنے میں کوئی رکاوٹ باقی نہ رہے، چنانچہ انطاکیہ کی فتح کے بعد حضرت ابو عبیدہؓ، خالد بن ولیدؓ، حضرت ضرارؓ، عمرو بن عاصؓ شام کے باقی علاقوں کی طرف متوجہ ہوئے۔

خالد بن ولیدؓ نے دریائے فرات کے کنارے آباد شہروں کا رخ کیا اور بہت جلدی ہیرآپولس، بیرآہ، بیلس اور اس جانب کے تمام چھوٹے بڑے شہروں اور دیہاتوں پر قبضہ کر لیا، جو لوگ مسلمان نہیں ہوئے انہوں نے ایک لاکھ سے زائد اشرفی سالانہ جزیہ دینا منظور کر لیا۔

حضرت عمرو بن عاصؓ قیساریہ کی جانب بڑھے، یہاں ہرقل کا بیٹا قسطنطین مع لشکر کے پڑا ہوا تھا عمرو بن عاصؓ نے حملہ کیا تو وہ بھاگ کر قیساریہ کے

قلعہ میں بند ہو گیا، مسلمانوں نے ہر طرف سے قلعہ کا محاصرہ کر لیا یہ محاصرہ کئی ماہ جاری رہا اور اس درمیان میں یوقنا نے طرابلس کو فتح کر لیا، یوقنا طرابلس کے بعد طائر کو فتح کرنا چاہتا تھا مگر طائر کے حاکم کو شبہ ہو گیا اور اس نے یوقنا کو مع ساتھیوں کے گرفتار کر لیا۔ مورخین کا بیان ہے کہ طرابلس کی بندرگاہ پر قبرص اور کریٹ سے قسطنطین کی مدد کے لئے ایک جہاز سامان حرب لیکر آیا تھا۔ یوقنا نے اس جہاز پر اسلامی جھنڈا لہرایا اور اسے لیکر طائر کی بندرگاہ پر پہونچا مگر چلتے ہوئے اسلامی لشکر کو اپنے خیال سے آگاہ کر دیا اور تمام تدبیریں سمجھا دیں۔

طائر کے حاکم نے یوقنا کو عیسائی سمجھ کر بڑے تپاک سے خیر مقدم کیا اور قلعہ میں ٹھیرایا۔ یوقنا چاہتا تھا کہ اپنی تدبیروں پر عمل کرے مگر ایک ساتھی نے راز فاش کر دیا اور یوقنا مع ساتھیوں کے گرفتار کر لئے گئے۔ مگر یوقنا نے بڑی جلدی ایک عیسائی افسر باصل کو مائل بہ اسلام کر لیا اور اس کے ذریعہ یزید بن ابو سفیان کو یہ پیغام بھیجا کہ فوراً طائر پہونچو اور جیسے ہی قلعہ کے اندر سے تکبیر کی آواز آئے حملہ کر دینا۔

یزید طائر پہونچے، دو ہزار کا لشکر شہر میں داخل ہوا، اندر سے نعرۂ تکبیر کے ساتھ قلعہ کے دروازے کھلے، مسلمانوں نے زبردست حملہ کیا، اندر اور باہر قتل عام شروع ہو گیا۔ . . . حاکم طائر مارا گیا۔ عیسائیوں نے ہتھیار ڈال دیئے بہت سے مسلمان ہوئے اور بہت سے جزیہ ادا کرنے پر رضامند ہو گئے ہرقل کے بیٹے قسطنطین کو یقین تھا کہ عمرو بن عاص قیساریہ کے مضبوط قلعہ کو

مولانا جعفر ۱۹۷۳ ص ۱۲-۲
تاریخ خلفائے راشدین ؟

فتح نہ کرسکیں گے مگر جب اسے یہ معلوم ہوا کہ طرابلس، طائر اور دیگر علاقے مسلمانوں کے ہاتھ آچکے ہیں تو اس کی ہمت ٹوٹ گئی، رات کی تاریکی میں بیوی بچے اور قیمتی سامان لیکر اپنے باپ ہرقل کے پاس قسطنطنیہ چلا گیا، صبح کو قلعہ والوں کو معلوم ہوا کہ قسطنطین بھاگ گیا ہے تو انہوں نے قلعہ کے دروازے کھول دیئے اور مسلمانوں کی اطاعت قبول کرلی، اس کے بعد مسلمانوں کی ایسی دھاک بیٹھی اور عیسائیوں کے دلوں پر اتنا رعب غالب ہوا کہ عسقلان، نابلس، غزہ، طبریہ، عسکار، یافہ، بیروت، جبلہ، لاذقیہ اور بہت سے علاقے خود بخود مطیع ہوگئے اور مسلمانوں نے شام پر اپنے۔۔۔ مکمل اقتدار کا پرچم ۱۸ھ میں لہرا دیا۔

افسوس ناک واقعہ

شام کی مکمل فتح کے بعد جبکہ ہر جگہ مسلمان خوشی کے جشن منا رہے تھے یہ افسوس ناک واقعہ رونما ہوا کہ اچانک شام میں طاعون کی وبا پھیل گئی، ۲۵ ہزار سے زیادہ آدمی اس خوفناک وبا میں مبتلا ہوکر راہی ملک عدم ہوگئے بے شمار وہ مجاہدین جن کی تلواروں نے شام کی مختلف حکومتوں کو ہتھیار ڈالنے پر مجبور کر دیا تھا، لقمۂ اجل بن گئے۔

سب سے زیادہ دردناک اور افسوسناک یہ بات تھی کہ اسلامی فوجوں کے سربراہوں میں حضرت ابو عبیدہؓ، حضرت ضرارؓ، حضرت شرجیلؓ، یزید بن ابی سفیانؓ اور یوقنا جیسے بہادر اور نامور لوگوں کو بھی اس وبا نے اپنی لپیٹ میں لے لیا اور مسلمان اپنے ان مخلص سپہ سالاروں اور بہادروں سے

محروم ہو گئے۔ خالد بن ولیدؓ صرف باقی رہ گئے مگر اس صورت حال نے ان کو اتنا دل برداشتہ اور آزردہ کر دیا کہ اس کے بعد وہ بھی میدان چھوڑ بیٹھے اور گوشہ نشینی و خاموشی کی زندگی گذارنے لگے۔ اگرچہ ۲۵ ہزار مرنے والوں میں یہودی، عیسائی اور مسلمان سبھی شامل تھے مگر اسلامی جرنیلوں کی شہادت نے پوری اسلامی فوج کے دل توڑ دیئے، حضرت عمرؓ کو اس واقعۂ جانکاہ سے سخت صدمہ پہونچا، جب بھی ذکر آتا تو آپ کے آنسو آجاتے اور فرماتے کہ افسوس مسلمان اپنے مخلص بہادروں سے محروم ہو گئے۔

اس طاعون کی وباء کے افسوسناک تذکرہ کے سلسلہ میں یہ بات خاص طور پر قابل ذکر ہے کہ حضرت امیر معاویہؓ کو اس واقعہ کے بعد فروغ حاصل ہوا اور وہ اپنے بھائی یزید بن ابوسفیانؓ کی شہادت کے بعد ان کی جگہ دمشق کے حاکم مقرر کئے گئے، حضرت امیر معاویہؓ کی یہ دیرینہ آرزو تھی جو ۱۸ھ میں پوری ہوئی اور اس کے بعد وہ بہت جلدی پورے شام کے گورنر ہو گئے۔

درحقیقت حضرت امیر معاویہ اپنے خاندان کے اقتدار کے لئے آنحضرتؐ کی وفات کے بعد ہی سے کوشش کر رہے تھے، حضرت ابوبکرؓ کے زمانہ میں ان کو کوئی خاص مقام حاصل نہیں ہو سکا مگر حضرت عمرؓ کے زمانہ میں ان کو اپنے بھائی یزید بن ابوسفیانؓ کے حاکم دمشق ہونے کی وجہ سے قدم جمانے کا موقعہ مل گیا اور پھر آہستہ آہستہ وہ حکومت بنی امیہ کی بنیاد ڈالنے میں کامیاب ہو گئے، یہ امر بھی قابل ذکر ہے

کہ حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد حضرت علیؓ سے جب اختلاف ہوا تو حضرت امیر معاویہؓ نے شام میں اپنی خود مختاری کا اعلان کر دیا تھا اور حضرت امام حسنؓ کے مستعفی ہوتے ہی انہوں نے خلافت کے سلسلہ کو ختم کر کے خود مختار بادشاہ کی حیثیت اختیار کر لی تھی۔ تفصیلات کے لئے اس سلسلہ کی چوتھی جلد "تاریخ حکومت بنی امیہ" کا مطالعہ کرنا چاہیئے۔

واقعہ طاعون کے بعد حضرت خالد بن ولیدؓ نے کچھ ایسی خاموشی اور گوشہ گیری اختیار کی کہ پھر زندگی بھر کسی میدان میں نظر نہ آئے، وہ اکثر کہا کرتے تھے کہ کاش! طاعون کی وبا میں مجھے بھی موت آجاتی تو اچھا ہوتا، اس کے ساتھ ہی ان کی صحت بھی روز بروز گرنے لگی یہاں تک کہ ۲۱ھ میں مسلمانوں کو اپنے غم میں روتا چھوڑ کر دنیا سے رخصت ہو گئے اور حمص میں سپردِ خاک کئے گئے۔

تاریخی تذکروں سے حضرت عمرؓ کی خالد بن ولیدؓ سے شدید ناراضگی کا پتہ بھی چلتا ہے، اختلاف کس نوعیت کا تھا اور انہوں نے کس بنیاد پر ان کو سپہ سالار سے معزول کیا تھا، اس کی وجہ پچھلے اوراق میں بیان کی جا چکی ہے۔

مصر اور اسکندریہ

امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مصر کو فتح کرنے کے لئے حضرت عمرو بن عاص کو مقرر فرمایا تھا مگر وہ شام کی مکمل فتح سے پہلے مصر کی طرف بڑھنا نہیں چاہتے تھے کیونکہ مصر کی فتح کے لئے جغرافیائی اعتبار سے شام کا خاتمہ ضروری تھا، چنانچہ اسی خیال سے وہ قیساریہ

وغیرہ پر حملہ آور ہوئے اور جنوبی شام کے علاقوں کو فتح کرنے میں مصروف رہے۔ مصر بھی شام کی طرح قیصر روم کی حکومت کا ایک حصہ تھا اور صدیوں سے رومی عیسائی حکومت کرتے چلے آ رہے تھے۔

غرض جیسے ہی شام نے دم توڑا عمرو بن عاصؓ پانچ ہزار جاں بازوں کو لیکر ۱۸ھ ہی میں مصر کی طرف بڑھ گئے، قیصر روم کے پاس اب یہی علاقہ رہ گیا تھا لہٰذا مسلمانوں کی پیش قدمی کے ساتھ ہی عیسائیوں کا لشکرِ عظیم مقابلہ پر آ گیا، شام کی فتح نے عیسائیوں کے حوصلے پست کر دیئے تھے، اب وہ مسلمانوں سے اسقدر مرعوب ہو چکے تھے کہ جم کر لڑنے کی ہمت نہیں رہی تھی، عیسائی پادریوں اور سپہ سالاروں کے جوش دلانے پر لڑے مگر بہت جلدی شکست کھا کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ حضرت عمرو بن عاصؓ نے عیسائیوں کے بھاگتے ہی بیلوزہ اور فرادق پر قبضہ کر لیا۔ یہ دونوں مقامات مصر کی فتح کے سلسلہ میں بنیادی حیثیت رکھتے تھے کیونکہ مصر کو شام و عراق سے ملاتے تھے۔ فرادق پر قبضہ کرتے ہی حضرت عمرو بن عاصؓ نے مشہور شہر مصر جس کے نام پر یہ تمام علاقہ مصر کہلاتا تھا محاصرہ کر لیا، عیسائی مقابلہ کرتے رہے یہاں تک کہ کئی مہینے نکل گئے مگر مصر فتح نہیں ہو سکا۔ دربارِ خلافت کو حالات سے مطلع کیا گیا تو حضرت عمرؓ نے ایک تازہ دم لشکر مدینہ سے اور روانہ فرمایا اس لشکر کے آتے ہی مسلمانوں کے حوصلے بہت بڑھ گئے اور کچھ تھکے ہوئے فوجیوں کو آرام کا موقع بھی مل گیا، مصر کا حاکم مقوقس اگرچہ پہلے ہی سے لڑنا نہیں

تاریخِ خلفائے راشدین ص ۱۳۳ تا ۱۳۴

چاہتا تھا مگر تازہ دم لشکر کی آمد نے اسے صلح کرنے پر مجبور کر دیا۔ اس کے علاوہ ایک بات یہ بھی تھی کہ مقوقس قبطی تھا اور رومی عیسائیوں کو قبطیوں سے اسدرجہ نفرت تھی کہ وہ ہمیشہ ان کو غلام بنا کر رکھنا چاہتے تھے،

مقوقس کے سامنے یہ بات بھی تھی اور وہ سوچتا تھا کہ رومیوں کی غلامی سے قبطیوں کو نجات دلانے کا اس سے بہتر موقعہ اور کیا ہوسکتا ہے کہ مسلمانوں سے صلح کر لی جائے اور میری قوم کو غلامی سے نجات مل جائے چنانچہ اس نے عمرو بن عاصؓ کے پاس پیغام بھیجا اور کہا کہ میں صلح کرنا چاہتا ہوں مگر شرط یہ ہے کہ مسلمان ہم کو یقین دلائیں کہ ہم رومیوں کے مقابلہ پر قبطیوں کی حمایت و امداد کرینگے اور خزانہ شاہی کو ہاتھ نہیں لگائیں گے۔ عمرو بن عاصؓ نے مقوقس کی پیش کش منظور کر لی اور قلعہ مصر کی طرف فوراً بڑھنا شروع کر دیا، قلعہ کے دروازے پہلے ہی قبطیوں نے کھول دیئے تھے، جیسے ہی اندر قدم رکھا، قبطی پیچھے ہٹ گئے، رومیوں نے مقابلہ کیا مگر جلدی ہی موت کے گھاٹ اتار دیئے گئے، شہر پر مسلمانوں کا قبضہ ہوگیا اور شہر کے سب سے بلند دروازہ پر اسلامی جھنڈا لہرا دیا گیا۔ عمرو بن عاصؓ نے شہر کو ہاتھ میں لیتے ہی باشندوں کی طرف توجہ کی، سب کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آئے، بچوں، عورتوں، بوڑھوں اور معذوروں پر کوئی ٹیکس نہیں لگایا صرف تندرست اور جوان آدمیوں پر معمولی ٹیکس لگایا جو دو روپیہ سالانہ سے زائد نہیں تھا۔ شہر کی خوبصورتی کو باقی رکھا گیا بلکہ اور ترقی دی گئی، مقوقس کو خزانہ شاہی سپرد کر دیا گیا اور اسے اجازت دی گئی کہ تم جہاں جاہو

وہاں رہ سکتے ہو چنانچہ مقوقس کچھ قبطیوں کو لیکر دریائے نیل کے کنارے ایک پر فضا مقام پر آباد ہوگیا یہ ۱۹ھ کا واقعہ ہے۔

مصر کی فتح کے بعد عیسائیوں نے اسکندریہ میں فوجیں جمع کرنا شروع کیں اور مسلمانوں سے مقابلہ کی تیاریاں کرنے لگے، اسکندریہ ملک مصر کا دار السلطنت تھا، اور مشرق میں تجارت کا سب سے بڑا مرکز تھا۔ یہ پورے ملک میں بہت وسیع اور خوبصورت شہر تھا۔ ہزارہا عیسائی اور یہودی اس شہر میں ایسے تھے کہ جن کی دولت کا کوئی شمار نہیں تھا، شہر کی رونق اور خوبصورتی کا اندازہ اس بات سے ہوسکتا ہے کہ ہزارہا حمام، باغات اور تفریح گاہیں جگہ جگہ موجود تھیں، قوت کے اعتبار سے بھی یہ بڑی اہمیت رکھتا تھا اور پھر مصر کے ٹوٹتے ہی اس کی فوجی اہمیت بہت بڑھ گئی تھی، ہر طرف سے عیسائی سمٹ کر اسکندریہ میں آگئے تھے اور وہ اپنے آخری چراغ کو بجھنے سے بچانے کے لئے سر دھڑ کی بازی لگانے کا عہد کر چکے تھے۔ مہینوں کے کھانے اور پینے کا سامان محفوظ کرلیا گیا تھا تاکہ اطمینان سے لڑنے کا موقع ملے۔

اسلامی سپہ سالار عمرو بن عاصؓ مصر سے فارغ ہوتے ہی اسکندریہ کی طرف متوجہ ہوئے، شہر کا محاصرہ کرلیا اور پھر عیسائیوں سے مطالبہ کیا کہ وہ ہتھیار ڈالدیں، اطاعت قبول کرلیں، ان کے ساتھ اچھا برتاؤ کیا جائے گا۔ عیسائی جن کو اپنی قوت پر ناز تھا، مقابلہ پر آگئے، خوب بہادری سے لڑے مگر یہ سلسلہ اتنا بڑھا کہ چودہ ۱۴ مہینے ہوگئے لڑتے اور بھڑتے، مسلمانوں

کو اس درمیان میں برابر ہر قسم کی امداد ملتی رہی اور ان کے استقلال میں کوئی فرق نہیں آیا۔ برخلاف اس کے عیسائیوں کے ہوش و حواس جاتے رہے، کب تک شہر بند اور قلعہ بند ہوکر پڑے رہتے آخر فیصلہ کن جنگ کے لئے باہر نکل پڑے۔ بڑی معرکہ آرائی ہوئی یہاں تک کہ عیسائی بے شمار لاشیں چھوڑ کر بھاگ کھڑے ہوئے، مسلمانوں نے شہر پر قبضہ کرلیا مگر ہوا یہ کہ جیسے ہی عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ اسلامی لشکر کو لیکر بھاگنے والوں کے تعاقب میں نکلے، عیسائیوں نے موقعہ کو غنیمت جانتے ہوئے دوسرے راستہ سے پلٹ کر شہر پر دوبارہ قبضہ کرلیا، مسلمانوں کی مختصر فوج موجود تھی جم کر لڑی مگر کامیاب نہیں ہوسکی۔ بہتوں کو جام شہادت پینا پڑا۔

عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو جو اسلامی لشکر کو لئے بہت دور نکل چکے تھے جب یہ بات معلوم ہوئی تو بڑی سرعت سے لوٹے اور دوبارہ شہر کا محاصرہ کرلیا، وطن پرست عیسائی اپنے شہر اور ملک کے بچاؤ کے لئے بے چین تھے، وہ جان دے کر بھی چھوڑنا نہیں چاہتے تھے چنانچہ دوبارہ جنگ اور محاصرہ کا سلسلہ بھی دیر تک چلتا رہا —— حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو جب یہ معلوم ہوا کہ اسکندریہ کے فتح کرنے میں مسلمانوں کو بڑی پریشانی کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے تو انہوں نے عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ شاید مسلمان عیش پرست ہوگئے ہیں ورنہ اتنی دیر لگنے کی کوئی وجہ نہیں لہذا جیسے ہی یہ خط ملے، مسلمانوں کو سناؤ اور سب کو جمع کر کے جہاد کے عنوان پر تقریر کرو اور پھر اللہ کا نام لیکر

متحدہ حملہ کرو، جو افسر ہیں وہ آگے رہیں اور اس طرح ٹوٹ پڑیں کہ دشمنوں کو سوائے بھاگنے کے کوئی چارہ نہ رہے۔

امیر المومنینؓ کا جوں ہی پیغام عمرو بن عاصؓ کو ملا آپ نے مسلمانوں کے اجتماع عظیم میں جہاد و قربانی کے عنوان پر ایسی زبردست تقریر کی کہ دلوں میں آگ سی لگ گئی، مسلمان فتح کے لیئے تڑپنے لگے، مشہور صحابی رسولؐ حضرت عبادہ بن صامتؓ جو لشکر اسلام میں موجود تھے اس تازہ معرکہ میں کودنے کے لئے بے چین تھے، عمرو بن عاصؓ نے اپنا عمامہ ان کے سر پر رکھ دیا اور کہا آج آپ سپہ سالار رہیں، پھر زبیر بن العوامؓ اور مسلمہ بن مخلدؓ کو لشکر اسلام کا ہراول بناکر اس شان سے حملہ کیا کہ پہلے ہی حملہ میں شہر فتح ہوگیا، عیسائیوں نے ہتھیار ڈال دیئے اور مسلمانوں نے دوبارہ اسکندریہ پر قبضہ کر لیا۔

عمرو بن عاصؓ نے اسی دن معاویہ بن خدیج کو مدینہ روانہ کیا کہ وہ امیر المؤمنینؓ کو فتح کا مژدہ سنائیں اور اس کے بعد وہ شہر کے انتظام کی طرف متوجہ ہوئے، مسلمانوں نے چونکہ ڈیڑھ سال کی کوشش اور محنت کے بعد اس شہر کو فتح کیا تھا اس لیئے وہ چاہتے تھے کہ شہر کو لوٹ لیا جائے مگر سپہ سالار اسلام نے حضرت عمرؓ کے حکم اور مشورہ سے اس بات کی مطلق اجازت نہیں دی اور مسلمانوں کو سخت تاکید کر دی کہ شہر میں کسی ایک تنکے کو نہ ہاتھ لگایا جائے اور نہ کسی چیز کو برباد کیا جائے، چنانچہ مسلمانوں نے اس حکم کے بعد اپنے خیال کو دل سے نکال دیا اور شہر کی بقا و خوبصورتی کی حفاظت کرنے لگے۔

حضرت عمرو بن عاصؓ نے پورے شہر میں اعلان کر دیا کہ جو عیسائی اسلام لانا چاہتے ہیں وہ مسلمان ہو جائیں ان کے ساتھ مسلمانوں کی طرح برتاؤ کیا جائے گا۔ اور کسی طرح کا امتیاز نہیں رکھا جائے گا۔ اور جو عیسائی رہنا چاہتے ہیں وہ جزیہ ادا کرتے رہیں، ان کی پورے طور پر حفاظت کی جائے گی چنانچہ بہت سے عیسائی مسلمان ہو گئے اور بہتوں نے جزیہ دینا منظور کر لیا۔ اسکندریہ کے آس پاس بہت سے دیہات اور بستیاں تھیں کسی نے بھی لڑنے کی جرأت نہیں کی اور سب نے اسلام کی اطاعت قبول کر لی۔

مولانا شبلی مقریزی کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ معاویہ بن خدیج مدینہ پہونچے تو دوپہر کا وقت تھا، خیال کیا کہ امیر المومنین آرام میں ہونگے، لہذا مسجد میں جا کر بیٹھ گئے، تھوڑی دیر میں حضرت عمرؓ کی لونڈی نے مسافر سمجھ کر پوچھا، کون ہو اور کہاں سے آئے ہو؟

کہنے لگے اسکندریہ سے آیا ہوں، لونڈی نے جلدی سے امیر المومنین کو خبر کی، آپ نے اسی وقت بلالیا اور فتح کا حال سنتے ہی سجدے میں گر پڑے، پھر مسجد میں آئے، منادی کرائی اور مسلمانوں کو فتح کے مژدہ سے مسرور کیا، معاویہ کے سامنے کھانا لایا گیا جس میں روٹی اور روغن زیتون تھا، حضرت عمرؓ نے فرمایا، تم آتے ہی مجھ سے کیوں نہیں ملے، معاویہ کہنے لگے، میں نے خیال کیا کہ شاید آپ سوتے ہونگے۔ آپ نے فرمایا افسوس تم میری نسبت یہ خیال رکھتے ہو کہ میں دن کو سوؤں گا تو پھر یہ خلافت

کا بار کون سنبھالے گا۔

شام کے بعد سقوطِ مصر کا قیصر روم ہرقل پر اتنا اثر ہوا کہ وہ دو مہینے کے بعد ہی مرگیا، اس کا بیٹا قسطنطین تختِ حکومت پر بیٹھا مگر اب اتنی جرأت نہیں تھی کہ مسلمانوں سے مقابلہ کا خیال کرتا۔ عمرو بن عاصؓ نے اسکندریہ کے انتظام کے بعد فسطاط میں ایک نئے شہر کی بنیاد ڈالی، عربوں کے لئے سادہ وضع کے مکان بنائے اور اس کے ساتھ ہی پورے مصر میں اسلامی فوجوں کو متعین کردیا تاکہ کسی وقت بھی عیسائیوں کو حملہ کرنے کا خیال نہ آسکے۔ تمام اضلاع میں حاکم مقرر کئے کہ وہ جزیہ وغیرہ وصول کرتے رہیں اور شہری زندگی کو بہتر بناتے رہیں۔ یہ ۲۱ھ مطابق ۶۴۲ء کا واقعہ ہے۔ (فتوح البلدان، طبری، الفاروق، فتوح الشام والمصر)

فاروق اعظم کی شہادت

شروع سے آج تک عام طور پر مورخین نقل کرتے چلے آئے ہیں کہ حضرت عمرؓ کو مغیرہ بن شعبہؓ کے آتش پرست غلام فیروز نے شہید کیا تھا، حملہ کی وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ فیروز نے حضرت عمرؓ سے شکایت کی تھی کہ میرے آقا مغیرہؓ مجھ سے جو محصول لیتے ہیں وہ زیادہ ہے لہذا آپ ساتت آنے سے کچھ کم کرادیجئے، حضرت عمرؓ کو جب یہ معلوم ہوا کہ کہ فیروز نجاری اور آہنگری کا پیشہ کرتا ہے اور اس ہنر میں بہت ہوشیار ہے

تو آپ نے سفارش سے انکار کر دیا اور فرمایا کہ ایسا پیشہ کرنے والے سے اتنا محصول لینا کچھ زیادہ نہیں ہے۔ فیروز کو یہ بات اتنی ناگوار ہوئی کہ دوسرے ہی دن فجر کی نماز کی امامت کرتے ہوئے جیسے ہی قرأت شروع کی، فیروز نے جو صف اول میں کھڑا تھا، نکل کر خنجر سے ایسا حملہ کیا اور پیہم کئی وار کئے کہ شکم ناف کے قریب چاک ہو گیا اور آپ مصلے پر گر پڑے، حضرت عبدالرحمٰن ابن عوفؓ جو پیچھے ہی کھڑے تھے آگے بڑھ کر امامت کے فرائض انجام دینے لگے۔

۲۶ یا ۲۷ ذالحجہ ۲۳ھ کو حملہ وقوع میں آیا، چند روز آپ زخموں کی حالت میں زندہ رہے اور یکم محرم کو ہجرت کے چوبیسویں سال کے پہلے دن ہفتہ کو انتقال فرما گئے۔ حملہ کے بعد کئی آدمیوں نے فیروز کو پکڑنے کی کوشش کی مگر وہ خنجر ہلاتا ہوا ادھر ادھر بچنے کی فکر کرنے لگا، کئی آدمیوں کو زخمی کیا، یہاں تک کہ کلیب بن ابی بکیر خنجر کھا کر شہید بھی ہو گئے، بڑی مشکل سے قبضہ میں آیا مگر فوراً ہی خودکشی کر لی۔ حضرت عمرؓ کو گھر میں لے جایا گیا۔ ہوش آیا تو قاتل کو پوچھا اور جب یہ معلوم ہوا کہ فیروز غلام نے مارا ہے تو فرمانے لگے، خدا کا شکر ہے کہ میں کسی مسلمان کے ہاتھ سے نہیں مارا گیا۔"

اس میں شک نہیں کہ آپ کا قاتل فیروز تھا مگر یہ کسی طرح درست نہیں ہے کہ مارنے کی وجہ محصول کی کمی کرنے کے سلسلہ میں سفارش نہ کرنا تھی۔ درحقیقت بات یہ ہے کہ فیروز کو ایرانی فتوحات کے بعد غلام

بنا کر مدینہ لایا گیا تھا، وہ مسلمان ضرور ہوگیا تھا مگر دل سے نہیں، آتش پرستی اس کے دل و دماغ میں رچی بسی تھی اور اسے اپنے ملک کا زوال اندر ہی اندر گھن کی طرح کھائے جا رہا تھا، اس کے علاوہ کئی ایسے لوگ تھے جو صرف دکھانے کے لئے مسلمان ہو گئے تھے اور ان کے دلوں میں آتش پرستی اور عیسائیت کی محبت بدستور موجود تھی، ایسے سب لوگوں کی یہ کوشش اندرون خانہ ہمیشہ رہا کرتی تھی کہ جس طرح بھی ہو مسلمانوں کو نقصان پہونچایا جائے اور ان کی بڑھتی ہوئی قوت اور مستحکم ہوتے ہوئے نظام کو خطرہ میں ڈالا جائے۔ فیروز کی یہ حرکت یقیناً چند پیسوں کی بچت کے لئے نہیں تھی بلکہ یہ اس سازش کا نتیجہ تھی جو ایرانی اور عیسائی منافقین کی طرف سے کی جارہی تھی جس کا بین ثبوت یہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے خود فرمایا کہ میں خدا کا شکر ادا کرتا ہوں کہ میں کسی مسلمان کے ہاتھ سے نہیں مارا گیا۔

غرض دشمن اپنا کام کر گئے، ان کا خیال تھا کہ سلطنت اسلامیہ کی بنیادیں فاروق اعظمؓ کی شہادت سے ہل جائیں گے مگر یہ آرزوئے ناپاک پوری نہ ہوسکی، حکومت اسلامیہ اتنی مضبوط و منظم ہو چکی تھی کہ اس قسم کا کوئی خطرہ باقی نہیں رہا تھا۔

زخموں کی حالت میں آپ چند دن زندہ رہے، حالت یہ تھی کہ جو غذا بھی دی جاتی تھی وہ زخموں کے راستہ نکل جاتی تھی مگر اس حالت میں بھی آپ خلافت کے کاموں سے غافل نہ رہے۔ دو باتوں کی سب سے زیادہ فکر تھی، ایک تو یہ کہ دفن ہونے کے لئے آنحضرتؐ کے قدموں

میں جگہ مل جائے، دوسرے یہ کہ مسند خلافت پر کوئی ایسا شخص بیٹھے جو صحیح معنی میں سلطنت اسلامیہ کی بقاء و ترقی کے لئے مفید ہو۔ چنانچہ اسی زخمی حالت میں پہلا کام تو آپ نے یہ کیا کہ حضرت عائشہؓ سے آنحضرتؐ کے پاس دفن ہونے کی اجازت طلب کی، حضرت عائشہ صدیقہؓ نے فرمایا کہ میں نے اس جگہ کو اپنے لئے منتخب کیا تھا مگر حضرت عمرؓ چاہتے ہیں تو میں بڑی خوشی سے اجازت دیتی ہوں اور ان کی ذات کو اپنی ذات پر مقدم رکھتی ہوں۔ حضرت عمرؓ اس جواب سے بہت خوش ہوئے اور فرمایا، اللہ تعالےٰ کا احسان ہے کہ اس نے میری دلی آرزو کو پورا کر دیا۔

دوسرا مسئلہ آپ کے سامنے جانشین کے انتخاب کا تھا، حالت اتنی بگڑ چکی تھی کہ آپ اور مسلمان سبھی مایوس ہو رہے تھے، آخر چند حضرات نے عرض کیا کہ جانشین کے مسئلہ کو آپ طے کر دیتے تو بہت بہتر ہوتا جس طرح حضرت ابوبکر صدیقؓ نے کر دیا تھا، آپ نے فرمایا کہ میں کسی کو نامزد تو نہیں کر سکتا کیونکہ آنحضرتؐ نے بھی ایسا نہیں کیا تھا البتہ یہ چھ حضرات میری نظر میں ہیں یعنی حضرت علیؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت زبیر بن العوامؓ، حضرت عبدالرحمٰن ابن عوفؓ، حضرت طلحہؓ اور حضرت سعد بن ابی وقاصؓ ـــــ مجھے امید ہے کہ یہ حضرات باہمی مشورہ سے کسی ایک کو منتخب کر لیں گے، ہاں یہ ضرور ہے کہ میں اپنے خیال میں حضرت علیؓ اور حضرت عثمان کو زیادہ مناسب سمجھتا ہوں۔

اس کے بعد آپ نے وصیت فرمائی کہ جو بھی خلیفہ چنا جائے اسے

چاہیے کہ وہ انصار کے حقوق و احترام کا ہمیشہ خیال رکھے، ان کے ساتھ محبت اور خلوص کا برتاؤ کرے، یہ ہمارے محسن ہیں اور ان کی خدمات عیاں ہیں، اس کے ساتھ ہی مہاجرین کے احترام میں بھی فرق نہ آنے پائے کیونکہ اسلام کی ابتدا ان ہی کی ذات سے ہوئی ہے۔ ذمیوں کی حفاظت ہمیشہ ملحوظ رہنا چاہیے، ان سے کئے ہوئے وعدے کبھی فراموش نہیں کرنا چاہئیں۔ اور ان سے ایسا معاملہ کرنا چاہیئے جسے وہ برداشت کرسکیں۔

ذی الحجہ کی آخری تاریخ ختم ہوکر محرم کی پہلی رات آگئی۔ صبح سے پہلے ہی نزع کا عالم طاری ہوگیا، روشنی پھیلی اور ذرا آنکھ کھولی تو ایک مسلمان کو دیکھا کہ وہ پاس ہی کھڑا ہے اور اس کی ازار ٹخنوں سے نیچی ہو رہی ہے، فرمایا۔ اے بھتیجے! ازار کو ٹخنوں سے اونچا رکھا کرو، اس میں صفائی اور طہارت دونوں ہیں۔ اس کے بعد پھر غشی طاری ہوگئی اور تھوڑی دیر کے بعد آسمان خلافت کا یہ دوسرا آفتاب ڈوب گیا۔ یکم محرم ۲۴ھ کا دن مسلمانوں کے لئے بڑا قیامت خیز دن تھا، گھر گھر کہرام مچا تھا اور مسلمان بڑی بے چینی کے ساتھ فاروق اعظمؓ کی جدائی میں آنسو بہا رہے تھے،

نہلانے اور کفنانے کے بعد جنازہ نماز کے لئے رکھا گیا، حضرت علیؓ نے فرمایا۔ مجھے پہلے ہی یقین تھا کہ یہ بھی رسول اللہؐ کی آغوش ہی میں جگہ حاصل کریں گے کیونکہ آنحضرتؐ ہمیشہ اپنے بعد ان دونوں کا ذکر کیا کرتے تھے۔ پھر فرمانے لگے کہ میں نے ہمیشہ یہ دعا مانگی ہے کہ یا اللہ! جیسا عمر ابن خطابؓ کا نامۂ اعمال ہے، میرا بھی ایسا ہی بنا دے۔

حضرت صہیبؓ جو مسجد نبویؐ میں امامت کر رہے تھے انہوں نے نماز جنازہ پڑھائی۔ حضرت علیؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت عبدالرحمٰن ابن عوفؓ، حضرت طلحہؓ، حضرت سعدؓ آگے بڑھے اور قبر میں اتارا۔ اور آپ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں میں دائمی راحت وچین کی نیند سو گئے۔ آپ دس برس چھ مہینے اور چار دن مسند خلافت پر رونق افروز رہے۔

خدمات اور کارنامے

مذہبی خدمات

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی زندگی میں اور خصوصاً آپ کے دور خلافت میں مذہبی خدمات اور نظام خلافت کی تنظیم بہت ہی نمایاں کارنامے ہیں۔ اسلام لانے کے بعد اسلام سے زیادہ کوئی چیز عزیز نہیں تھی، رسول اکرمؐ کا احترام، ان سے والہانہ عشق ومحبت اور اسلامی اصولوں کے مطابق زندگی کو ڈھالنے کی کوشش سب سے محبوب مشغلہ تھا۔ خلافت سے پہلے تقریباً بیس سالہ اسلامی زندگی میں اسلام سے آپ نے جس عقیدت ومحبت کا ثبوت دیا صحابہؓ میں اس کی مثال نادر ہے۔ اسلام لانے کے بعد اسلام کو پھیلانے کا خیال اس درجہ غالب رہتا تھا کہ وہ ہر قدم پر اس کے لئے کوشاں نظر آتے تھے۔

مسند خلافت پر آئے تو سب سے پہلی ہدایت ونصیحت یہ ہوتی تھی

کہ اسلام کی اشاعت سے کسی وقت غفلت نہ برتی جائے، خلافت نے مزاج میں ایسا انقلاب پیدا کر دیا تھا کہ سختی و شدت کو سخت ناپسند کرنے لگے تھے اسلام کی اطاعت پر مائل کرنے کے لئے تلوار اٹھانے کو بہت ہی محبوب جانتے تھے، اسلام کی اشاعت بذریعہ اخلاق و احسان کرنے پر اسقدر زور دیتے تھے کہ جب بھی کوئی مہم کسی سمت میں جانے لگتی تو سب سے پہلے یہی نصیحت ہوتی تھی کہ محاسن اسلام کو پیش کرنا اور اپنی زندگی کو نمونہ بنا کر لوگوں کے سامنے رکھنا تاکہ وہ اسلام کی خوبیاں دیکھ کر مائل بہ اسلام ہوں۔

حضرت عمرؓ کی اس کوشش نے اسلامی فوج کے ذمہ داروں کو اخلاقی اعتبار سے اتنا ممتاز بنا دیا تھا کہ جہاں بھی جاتے تھے لوگوں کے دل ان کی طرف خود بخود کھنچے چلے آتے تھے، مملکت اسلامیہ کے افسروں پر بڑی کڑی نظر رکھتے تھے، انتہائی نامور اور لائق حاکم کے متعلق آپ کو جب یہ معلوم ہوتا تھا کہ اس نے طرز زندگی میں کوئی خاص تبدیلی پیدا کر لی ہے تو اسی وقت معزول کر دیتے تھے۔

خالد بن ولیدؓ کی معزولی، سعد ابن وقاصؓ کے محل کو جلوانا اور امیر معاویہؓ سے شاکی رہنے کی یہی وجوہات تھیں۔ زندگی میں سادگی اور اسلامی طرز معاشرت کے خود بھی نمونہ کامل تھے اور دوسروں کو بھی اسی سانچے میں دیکھنے کے متمنی رہتے تھے، دورِ فاروقی کی یہی وہ سادگی اور خصوصیت تھی کہ رومی سفیر کا دل اسلامی کیمپ اور سپہ سالار کی سادگی دیکھ کر اسلام

کی طرف مائل ہونے لگا اور اس نے اسلام قبول کر لیا۔ مصر کا رئیس اعظم تو دور ہی سے مسلمانوں کی زندگی کے حالات سنکر اتنا متاثر ہوا کہ اپنی دو ہزار فوج کے ساتھ مسلمان ہو گیا۔ غرض مذہبی خدمات اور دین اسلام کی اشاعت کے لئے ان کی کوششیں اسی وقت سے شروع ہو گئیں تھیں جبکہ حضرت ابو بکرؓ مسند خلافت پر بیٹھے تھے۔

قرآن کریم جو اساس اسلام کی حیثیت رکھتا ہے کتابی شکل میں حضرت عمرؓ کے اصرار اور کوشش سے آیا حالانکہ حضرت ابو بکرؓ قرآن کے سلسلہ میں ہاتھ لگانے کو تیار نہیں تھے، ان کا خیال تھا کہ جب آنحضرتؐ نے اس کی ضرورت محسوس نہیں کی اور اسے علی حالہٖ چھوڑ دیا تو میں ایسا کیوں کروں مگر حضرت عمرؓ نے ان کو آمادہ کر ہی دیا کہ وہ قرآن کی جمع و ترتیب کی طرف متوجہ ہو گئے۔

حضرت عمرؓ نے اپنے دور میں قرآن کریم کی تعلیم کو اتنا پھیلایا کہ جو ممالک فتح ہوتے جاتے تھے وہاں تعلیم قرآن کے لئے آپ صحابہؓ کو مقرر فرماتے جاتے تھے، درس و تدریس کے سلسلے جاری کئے معلمین کی معقول تنخواہیں مقرر کیں، حفاظ کو مختلف مقامات میں بھیجا اور ان کے ذریعہ اشاعت قرآن کو اتنا بڑھایا کہ حفاظ کی تعداد ہزاروں تک پہنچ گئی۔ حضرت معاذ بن جبلؓ، عبادہ بن صامتؓ اور حضرت ابو درداؓ کو آپ نے ملک شام بھیجا اور ان کو خاص طور پر تاکید فرمائی کہ وہ لوگوں کو صحت کے ساتھ قرآن کریم کی تعلیم دیں۔ دور فاروقیؓ میں قرآن کریم کی تعلیم

کس درجہ عام ہو چکی تھی اس کا اندازہ اس بات سے ہوتا ہے کہ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ نے ایک مرتبہ آپ کو لکھا تھا کہ اسوقت میری فوج میں تین سو قرآن کے حافظ موجود ہیں، ناظرہ پڑھنے والوں کا تو کوئی حساب ہی نہیں تھا۔

صحابہ کی جس جماعت کو آپ نے اشاعت قرآن کے لئے ملک شام بھیجا تھا ان میں حضرت ابی ابن کعبؓ بھی تھے۔ ان سے فرمایا تھا کہ پہلے حمص جاؤ اور کچھ دن وہاں رہ کر ایک آدمی حمص میں رہے اور دو آدمی دمشق اور فلسطین چلے جائیں، چنانچہ حضرت عبادہؓ حمص میں ٹھیرے، حضرت ابو درداءؓ دمشق گئے اور حضرت معاذؓ نے فلسطین کو اپنا مستقر بنایا۔ حضرت ابو درداءؓ نے دمشق کی جامع مسجد میں درس قرآن شروع کیا، اور بڑی جلدی سولہ ہزار آدمی قرآن سیکھنے والے آپ کے درس میں جمع ہو گئے۔

فوج میں قرآن کی تعلیم پر خاص توجہ دی جاتی تھی، کوئی یونٹ ایسا نہیں تھا جس میں درس قرآن کا سلسلہ جاری نہ ہو، فوجی افسروں کو ہدایت تھی کہ وہ ہمیشہ قرآن سیکھ کر فارغ ہونے والوں کی فہرست بھیجتے رہیں، حضرت سعدؓ نے ایک مرتبہ تین سو حافظوں کی فہرست بھیجی، حضرت ابو موسیٰؓ نے بصرے سے جو فہرست بھیجی تھی اس میں دس ہزار حافظوں کے نام لکھے ہوئے تھے۔

معلمین قرآن صرف وہی لوگ ہوا کرتے تھے جن کی سند کا سلسلہ آنحضرتؐ سے ملا ہوتا تھا، ہر شخص قرآن پڑھانے کا مجاز نہیں تھا، اس کے علاوہ قرآن پڑھنے والوں کو حقائق قرآن سے بھی واقف کرایا جاتا تھا، حضرت عمرؓ

صرف لفظوں کے یاد کر لینے سے مطمئن نہیں ہوتے تھے۔ آپ تاکید فرمایا کرتے تھے کہ جس طرح لفظ یاد کیئے جاتے ہیں، اسی طرح ان کے معانی اور مطالب بھی یاد کیئے جائیں تاکہ زندگی کو قرآنی اصولوں کے مطابق بنانے میں مدد مل سکے۔

درحقیقت قرآن کریم کے نزول کی غرض بھی یہی ہے کہ پڑھنے والا اس کو سمجھتا بھی ہو۔ صرف لفظوں کو یاد کر لینا اور احکام سے ناواقف رہنا ظاہر ہے کہ زندگی کے لئے کوئی مفید نہیں ہو سکتا موجودہ دور میں ایسے بے شمار حافظ قرآن موجود ہیں جن کی زندگی اور قرآن میں زمین آسمان کا فرق پایا جاتا ہے، اس کی وجہ صرف یہی ہے کہ مسلمانوں نے قرآن کے الفاظ یاد کر لینے پر اکتفار کر لیا ہے، یہ کوتاہی اس دور میں اتنی عام ہے کہ لوگ ان آیتوں اور سورتوں کے مطلب بھی نہیں جانتے ہیں جو وہ روزانہ نمازوں میں پڑھا کرتے ہیں، اس سے بھی زیادہ افسوسناک صورت یہ ہے کہ مسجدوں میں بیشمار ایسے ائمہ ہیں جن کی عمریں گذر گئی ہیں نماز پڑھاتے ہوئے۔ مگر وہ جو کچھ پڑھتے ہیں اسے سمجھتے نہیں۔ اس لئے ان کی زندگی اور قرآن میں بھی کوئی مطابقت نہیں پائی جاتی ہے۔

حضرت عمرؓ کی یہ دلی خواہش اور کوشش تھی کہ قرآن پڑھنے والا قرآن کو سمجھتا بھی ہو اور زندگی کو اس کے مطابق رکھتا ہو، اسی طرح آپ لفظوں کی اور اعراب کی صحت پر بھی ہمیشہ توجہ دلاتے رہتے تھے، ایک مرتبہ ایک شخص کو اعراب میں غلطی کرتے ہوئے سنا تو اسی دن ایسے احکام جاری

کر دیئے کہ لوگوں کو عربی زبان کے قواعد بھی سکھائے جائیں۔ یہ حکم بھی پہلی مرتبہ آپ ہی نے جاری کیا تھا کہ قرآن لکھنے والے موٹا قلم استعمال کریں تاکہ باریک قلم کی کتابت میں غلطی کا جو احتمال ہے وہ دور ہو جائے مطالب قرآن کے سلسلہ میں غیر ضروری مضمون کو بیان کرنے سے آپ منع فرماتے تھے، لفظی ترجمہ اور اس کے ساتھ ضرورت کے لحاظ سے معمولی وضاحت آپ کا معمول تھا۔

آپ کو قرآن پڑھنے اور سننے کا اتنا شوق تھا کہ اکثر لوگوں سے قرآن سنا کرتے تھے، نمازیں لمبی سورتیں پڑھتے تھے تاکہ لوگ آپ کا قرآن بھی سن سکیں۔ رمضان المبارک میں پورا قرآن تراویح کے ذریعہ خود بھی سنتے تھے اور دوسروں کو بھی یہی ہدایت فرماتے تھے، مدینہ میں دو جگہ تراویح کا انتظام فرمایا تھا ایک جگہ مردوں کے لئے اور دوسری جگہ عورتوں کے لئے تاکہ ایک ہی وقت میں مرد و عورت دونوں قرآن سن سکیں، اس طرح صحت بھی ہوتی تھی اور اشاعت بھی، یہ ۱۴ھ کا واقعہ ہے۔

مدینہ طیبہ میں کئی مکاتب چھوٹے بچوں کے لئے کھول رکھے تھے اور معلمین کو معقول وظیفہ دیتے تھے تاکہ بچوں میں شروع سے قرآن کو یاد کرنے اور سمجھنے کا شوق اور رواج پیدا ہو۔ مدینہ سے متصل اطراف میں اور مکہ کے قرب و جوار میں جو دیہات تھے ان میں بھی بڑے چھوٹے سب کو قرآن کی تعلیم دی جاتی تھی، بعض جگہ جبری تعلیم کا سلسلہ جاری تھا، ایک شخص ابو سفیان مع چند آدمیوں کے اس بات پر مقرر تھے کہ

بدوؤں کے علاقے میں گھوم پھر کر معلوم کریں کہ کس کو قرآن نہیں آتا ہے اور جو قرآن پڑھنے اور سیکھنے سے لاپرواہی کرتا ہو اسے سزا دی جائے۔

احادیث قرآن کریم کے بعد آپ کی نظر احادیث رسول اور مسائل دینیہ پر رہا کرتی تھی، یہ دونوں چیزیں حقیقت میں ایک ہی تھیں، آپ کی بڑی کوشش یہ رہا کرتی تھی کہ کوئی غلط چیز آنحضرتؐ کی طرف منسوب نہ ہونے پائے، کوئی شخص جب کوئی حدیث بیان کرتا تو آپ بلا چھان بین اور شہادت کے قبول نہیں کرتے تھے، کئی مشاہیر صحابہؓ کو آپ نے مختلف ممالک میں حدیث کی تعلیم کے لئے روانہ فرمایا اور ان کو تاکید فرمائی کہ کثرت روایت سے پرہیز کرتے رہنا۔ انصار کی ایک جماعت کوفہ جانے لگی تو آپ نے فرمایا دیکھو: کچھ لوگ تم سے ملنے آئیں گے اور کہیں گے کہ ہم کو آنحضرتؐ کے ارشادات سنایئے۔ لہٰذا تم ان سے وہی احادیث بیان کرنا جو سنن و فرائض سے تعلق رکھتی ہیں گویا ایسے واقعات اور غیر ضروری چیزیں ان کے سامنے مت بیان کرنا جو اصل مقصود سے ان کو دور لے جائیں ہر بات جو کہو وہ تحقیق شدہ اور صحیح ہونا چاہئے۔ کثرت روایت کو آپ سخت ناپسند کرتے تھے، آپ قرآن کی طرف لوگوں کی توجہ کو زیادہ مبذول رکھنا چاہتے تھے۔[۱۱]

ایک مرتبہ قرظہ بن کعبؓ عراق جانے لگے تو آپ دور تک ان کو چھوڑنے گئے اور راستے بھر سمجھاتے رہے کہ تم ایسے ملک میں جا رہے ہو جہاں قرآن کی آواز گونج رہی ہے لہٰذا تم بھی ان کی توجہ کو قرآن ہی کی

طرف رکھنا یہ رت کرنا کہ قرآن سے ہٹا کر حدیث کی طرف لگا دو۔

حضرت عمرؓ کو صحابہ پر سب سے زیادہ اعتماد تھا مگر حدیث کے معاملہ میں وہ اتنے محتاط تھے کہ جب کوئی صحابی بھی حدیث بیان کرتا تو آپ بلا شہادت نہیں قبول کرتے تھے، حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ اور حضرت عباسؓ جیسے حضرات نے بعض موقعوں پر حدیث بیان کی تو آپ نے ثبوت طلب کیا اور جب دوسرے صحابہ نے اس کی تصدیق کی تو آپ مطمئن ہوئے ایک موقعہ پر فرمایا۔ میں آپ حضرات کو غلط گو نہیں جانتا ہوں بلکہ اس طرح صرف اطمینان مقصود ہوتا ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ جو بہت زیادہ احادیث بیان کیا کرتے تھے، ان سے کسی نے پوچھا کہ کیا آپ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں بھی اس کثرت سے احادیث کی روایت کر سکتے تھے؟ جواب میں کہنے لگے، سوائے دُرّے کھانے کے اور کچھ نہیں ملتا۔

آپ کے زمانہ میں علم فقہ کوئی علیحدہ چیز نہیں تھی، ہر قسم کے مسائل کے لئے قرآن و حدیث کو سامنے رکھا جاتا تھا، جب بھی کوئی مسئلہ درپیش ہوتا آپ صحابہ کی موجودگی میں اسے قرآن و حدیث کی مدد سے طے کیا کرتے تھے، جو مسائل سامنے آتے جاتے تھے ان کو آپ اپنی تقریروں اور خطبوں میں بیان کیا کرتے تھے تاکہ لوگوں کو ان سے واقفیت ہو اور ساتھ ہی ان مسائل کو دوسرے مفتوحہ ممالک میں بھیجتے تھے تاکہ وہاں کے عاملین کو بھی معلوم ہو جائیں۔

مدینہ طیبہ سے جب کسی کا تقرر فرما کر کسی جگہ کے لئے روانہ فرماتے

تو اس بات کا خاص طور پر لحاظ رکھتے تھے کہ ان ہی لوگوں کو بھیجا جائے جو قرآن، حدیث اور مسائل دینیہ سے زیادہ واقف ہوں انہیں فقہاء کو آپ ممالک محروسہ میں دینی تعلیم کے لئے مقرر فرماتے تھے ان کو معقول تنخواہ دیتے تھے اور ان کو رخصت کرتے وقت ہدایت کرتے تھے کہ مسلمانوں کی زندگی کو آنحضرتؐ کے معمولات کے قریب لانے کی کوشش کرتے رہنا۔ آپ کی بڑی کوشش یہ تھی کہ جسقدر روایات بیان کی جائیں وہ اعمال سے تعلق رکھتی ہوں، اس پر بھی یہ احتیاط کہ ان کی تصدیق بھی ہوا کرتی تھی۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے ازالۃ الخفا میں ایک مستقل باب قائم کیا ہے جس کے دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ عہد اول میں جس کثرت سے دینی مسائل کی طرف آپ نے توجہ کی اتنی کسی اور نے نہیں کی۔ مسائل دینیہ کی اشاعت آپ کا محبوب مشغلہ بن کر رہ گیا تھا۔ حضرت ابو موسٰی اشعریؓ جب دینی مسائل سکھانے بصرے پہنچے تو لوگوں سے فرمایا۔ مجھے حضرت عمرؓ نے تمہارے پاس بھیجا ہے تاکہ میں تم کو قرآن پڑھاؤں اور سنت کی تعلیم دوں۔ امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ حضرت عمرؓ اکثر تحریری فرمانوں کے ذریعہ دور دراز ممالک کے لوگوں کو نماز کی تاکید اور اوقات کا خیال رکھنے کی ہدایت کرتے رہا کرتے تھے آپ کا خود بھی یہی معمول تھا کہ کوئی اجتماع ایسا نہیں ہوتا جس میں آپ لوگوں کو مسائل فقہ نہ سمجھاتے ہوں۔

موطاء امام محمد میں ہے کہ عرفات کے میدان میں آپ کے خطبے مسائل حج سے بھرے ہوتے تھے، شام اور بیت المقدس کے سفر میں آپ نے اپنے خطبوں میں بے شمار مسائل فقہ بیان کیے جو بہت جلدی پورے علاقے میں پھیل گئے، چنانچہ مقام جابیہ کے خطبہ کو اکثر فقہا بطور حوالہ نقل کرتے ہیں۔ ایک مرتبہ حضرت ابو عبیدہؓ کو تحریر فرمایا کہ میں نے سنا ہے مسلمان عورتیں عیسائی عورتوں کے ساتھ حماموں میں برہنہ ہو کر غسل کرتی ہیں نگران کو معلوم ہونا چاہیے کہ مسلمان عورتوں کے لیے یہ طریقہ ناجائز ہے۔ جنازہ کی تکبیرات میں اختلاف تھا حضرت عمرؓ نے صحابہؓ کے مشورہ سے چار تکبیروں کا اعلان کیا جو آج تک جاری ہے۔

جس طرح قرآن کریم کی تعلیم اور اس کی اشاعت کا آپ انتظام کرتے تھے اسی طرح فقہ کی تعلیم کے لیے بھی آپ معتمد حضرات کو متعین فرماتے رہتے تھے، حضرت عبدالرحمٰن بن غنم کے متعلق تذکرۃ الحفاظ میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے ان کو شام میں فقہ سکھانے پر مامور فرمایا تھا، چنانچہ اسد الغابہ کا بیان ہے کہ شام کے تمام تابعی فقہ میں آپ ہی کے شاگرد تھے۔

ابو مسلم خولانی کہتے ہیں کہ میں حمص کی ایک مسجد میں گیا تو بہت سے حضرات کو دیکھا کہ وہ مسائل فقہ میں بحث کر رہے تھے مگر حضرت معاذ بن جبلؓ کا جواب سب کے لیے قابل قبول ہوتا تھا۔

حضرت عمرؓ کے دور خلافت کی یہ خصوصیت بھی لائق ذکر ہے کہ ہر شخص مسائل نہیں بیان کر سکتا تھا اور نہ ہر شخص فتویٰ دے سکتا تھا اور نہ ایسے

مسائل بیان کئے جاتے تھے جن میں اختلاف ہو حضرت عمرؓ نے ذکر و نظر اور دین و عمل کے اعتبار سے صحابہ کا انتخاب کیا تھا اور ان کو یہ اختیار دیا تھا کہ وہ مسلمانوں کی دینی و فقہی ضروریات کو پورا کریں۔ چنانچہ اب تک جسقدر نام بیان کئے جا چکے ہیں وہ سب حضرات حضرت عمرؓ کے منتخب شدہ تھے۔ درحقیقت حضرت عمرؓ کا یہ طریقہ بہت بڑی دور اندیشی اور مصلحت پر مبنی تھا، اگر آپ روایت کی عام اجازت دیدیتے اور ہر شخص کو مسائل کے بیان کرنے میں آزادی مل جاتی تو بلاشبہ مسائل اسلام مسخ ہو کر رہ جاتے۔

مذکورہ بالا دینی و علمی کوششوں کے علاوہ حضرت عمرؓ نے عملی اعتبار سے بھی کوئی ایسا گوشہ نہیں چھوڑا جس پر نظر نہ ڈالی ہو مسجدوں کی تعمیر، اماموں کا تقرر، موذنوں کا انتظام، خدام مساجد کا تعین اور ان کے لئے کاموں کی وضاحت سب حضرت عمرؓ کی کوششوں کا نتیجہ ہے۔

ایام حج میں بہت سے حضرات صرف اس لئے مقرر کئے جاتے تھے کہ وہ حجاج کی خبرگیری کریں اور جو لوگ ناواقفیت کی وجہ سے کوئی غلطی کر رہے ہوں ان کو صحیح مشورہ دیں اور بھولے بھٹکے حجاج کو ان کی منزل تک پہونچائیں، کچھ لوگوں کا صرف یہ کام تھا کہ جب جماعت کھڑی ہو تو وہ صفوں کو سیدھا اور درست کریں چنانچہ موطا امام محمد میں ان لوگوں کا ذکر ملتا ہے جو خاص طور پر مسجد نبویؐ میں صفیں درست کرنے پر مقرر تھے،

مفتوحہ ممالک کے عاملین کو خاص طور پر ہدایت کی تھی کہ وہ مفتوحہ

علاقوں اور شہروں میں ضرورت کے لحاظ سے مسجدیں تعمیر کرائیں، چنانچہ ہر شہر اور قریہ میں مسجدیں تعمیر کی گئیں، بعض بڑی شاندار اور فراخ تھیں جیسے بصرے کی جامع مسجد جو ابوموسٰی اشعریؓ کے زیرِ انتظام تعمیر ہوئی تھی، مولانا شبلی نے لکھا ہے کہ بیروت کی جامع عمر میں مجھے بھی نماز پڑھنے کا شرف حاصل ہوا ہے، غرض حضرت عمرؓ کے دور میں ایک دو نہیں صدہا مسجدیں بنائی گئیں جو آج بھی مشہور و معروف ہیں۔

اسلام کی اشاعت، وسعت اور مسلمانوں کی بڑھتی ہوئی تعداد کے پیشِ نظر آپ کی نظریں حرمِ محترم اور مسجدِ نبویؐ پر بھی پڑیں اور یہ دیکھتے ہوئے کہ نمازی زیادہ ہوتے ہیں اور جگہ کم ہے تو آپ نے کعبۃ اللہ کے متصل آس پاس کے مکان خرید لئے اور ۱۷ھ میں ان کو گرواکر وہ تمام جگہ صحنِ حرم میں شامل کردی اور ساتھ ہی حرمِ محترم کے گرداگرد ایک احاطہ کھچوادیا، تاکہ حصۂ حرم مکانوں سے بالکل علیٰحدہ ہوجائے، جب دیوار بن کر تیار ہوگئی تو آپ نے حکم دیا کہ رات کو اس دیوار پر چراغ روشن کئے جائیں تاکہ عبادت کرنے والوں کو آرام ملے۔ کعبہ پر غلاف چڑھانے کی رسم اگرچہ پہلے سے چلی آرہی تھی اور آنحضرتؐ نے بھی ایک مرتبہ غلاف چڑھایا تھا مگر حضرت عمرؓ نے مصر کے بنے ہوئے قیمتی کپڑے کا انتخاب کیا اور وہ بڑے اہتمام سے چڑھایا جاتا تھا، حرم کے حدود جو پہلے سے متعین تھے مگر حضرت عمرؓ نے احتیاطاً جاننے والے حضرات کو جمع کرکے اس سلسلہ میں مشورہ کیا اور پھر بڑی احتیاط کے ساتھ ان حدود کو پتھر نصب کرکے واضح کردیا۔

حرم کی توسیع سے فارغ ہوئے تو مسجد نبویؐ کی طرف توجہ کی اور مسلمانوں کی تعداد کو دیکھتے ہوئے اسے بھی آپ نے بڑھایا اور وسیع کیا۔

مسجد سے متصل کئی مکان تھے لہٰذا آپ نے معقول معاوضہ ادا کرنے کے بعد ان مکانوں کو خرید کیا۔ حضرت عباسؓ اپنا مکان کسی قیمت پر نہیں دینا چاہتے تھے آخر ابی ابن کعبؓ نے فیصلہ کیا کہ امیرالمومنین کو جبریہ لینے کا حق نہیں ہے مگر اس کے بعد ہی حضرت عباسؓ نے اپنی رائے بدل دی اور مکان بلا کسی قیمت کے دے دیا حضرت عمرؓ نے ازواج مطہراتؓ کے حجروں کو چھوڑ کر تمام مکان گروا دیئے اور مسجد نبویؐ کو بڑھا کر ۱۰۰ گز سے ۱۴۰ گز طویل کر دیا اور اسی حساب سے مسجد چوڑائی میں بھی ۲۰ گز زیادہ ہوگئی، مسجد کی عمارت بالکل سادے طرز کی بنائی گئی، ستونوں کو بدستور لکڑی کا رکھا گیا اور جب مسجد بنکر مکمل ہوگئی تو آپ نے ایک کونہ میں ایک چھوٹا سا چبوترہ بنوایا اور فرمایا کہ جس کو جب کبھی کچھ باتیں کرنا ہوں یا تقریر کرنا ہو یا شعر وغیرہ کی محفل منعقد کرنا ہو تو اس چبوترہ کو استعمال کیا جائے۔ ایک شخص کو خاص طور پر مقرر کیا کہ وہ مسجد میں روشنی خوشبو، اور فرش وغیرہ کا انتظام کرتے رہیں حجاج کے آرام کا آپ کو اس درجہ خیال تھا کہ آپ نے کچھ لوگوں کی ایک جماعت بنا دی تھی اور ان سے فرما دیا تھا کہ حجاج کو آرام پہونچانے کے لئے ہمیشہ کوشش کرتے رہو، جو لوگ باہر سے آتے ہیں ان سے مل کر ان کی ضروریات معلوم کرتے رہو اور ان کے حالات سے مجھے اطلاع دیتے رہو، موذن کو عود و عنبر رکھنے کے لئے دیا اور فرمایا جمعہ کے

دن اس کو انگیٹھی میں سلگا کر صفوں کے درمیان گھماؤ تاکہ نمازیوں کے جسم اور لباس معطر ہوں اور مسجد میں خوش بو بس جائے، آنحضرتؐ کے زمانہ میں مسجد کا بعض حصہ چٹائی سے خالی رہ جاتا تھا، جو چٹائیاں ہوتی تھیں وہ بھی بہت معمولی، آپ نے مسجد کے لئے پہلے سے اچھی چٹائیوں کا انتظام فرمایا اور کوئی جگہ ایسی نہیں رہی جہاں فرش نہ ہو۔

ملکی وسیاسی خدمات

اسلام میں ملکی وسیاسی امور کی ابتداء آنحضرتؐ کی حیات طیبہ میں ہی شروع ہوچکی تھی اور آپ نے مکہ سے ہجرت کرنے کے بعد مدینہ میں آتے ہی سیاسی اعتبار سے کچھ ایسی بنیادیں ڈالدی تھیں کہ خلفائے راشدین کے دور میں ان ہی بنیادی چیزوں کو سامنے رکھ کر سب کام لئے گئے تفصیل کے لئے اس سلسلہ کی دوسری جلد "تاریخ مصطفےٰؐ" دیکھنا چاہیئے۔

آنحضرتؐ کی وفات کے بعد حضرت ابو بکر صدیقؓ پہلے خلیفہ ہوئے، آپ نے سوا دو برس کے قریب حکومت کی، سیاسی اعتبار سے آپ کا زمانہ بھی بڑی اہمیت رکھتا ہے، منکرین زکوٰۃ اور مدعیان نبوت کی ناپاک تحریکوں کو آپ نے بڑی جرأت سے کچلا اور اتنا مفلوج کردیا کہ وہ پھر کبھی سر اٹھانے کے قابل نہیں رہے، قبائل سے معاہدے اور ذمیوں کے معاملات سب بڑی خوبی سے انجام پاتے رہے آپ نے آنحضرتؐ کے سیاسی اصولوں کو خاص طور پر پیش نظر رکھا اور جب دنیا سے رخصت ہوئے تو حضرت عمرؓ کے لئے ایسے نشانات چھوڑ

گئے جن پر چل کر اسلامی حکومت سیاسی اعتبار سے اتنی مضبوط اور مستحکم ہوگئی کہ کوئی ملک ہمسری اور مقابلے کی ہمت نہ کر سکا۔

آنحضرتؐ نے جس حکومت الٰہیہ کی بنیاد مدینہ میں ڈالی تھی وہ اس دور کے تمام حکومتی نظاموں سے بالکل مختلف تھی، آپ ہر معاملہ میں صحابہ سے مشورہ کیا کرتے تھے، ایسا بہت کم ہوا ہے کہ آپ نے ان کی رائے کو نظر انداز کر دیا، اچھے مشورہ سے آپ کے چہرہ پر خوشی کے آثار پیدا ہو جاتے تھے، چنانچہ آپ کے بعد خلفاء اربعہؓ بھی اسی طریقہ پر عمل کرتے رہے اور اگر کبھی دور فاروقیؓ کے بعد کسی نے اس طرز خاص کو کسی وجہ سے بھلایا اور سامنے سے ہٹایا تو اس کے ویسے نتائج برآمد ہوئے جو حکومت اسلامیہ کیلئے بہت حد تک نقصان کا باعث بنے۔

حضرت عمرؓ نے اپنے دس سالہ دور خلافت میں اگر ایک طرف حکومت اسلامیہ کے حدود کو بڑھایا، فتوحات کا دروازہ کھولا تو دوسری طرف آپ نے ملکی و سیاسی ضرورتوں کے لحاظ سے بہت سے نئے نئے گوشے قائم کئے، دستور و قوانین وضع کئے، مفتوحہ ممالک کو مزید صوبوں میں تقسیم کیا اور صوبوں پر بہترین لوگوں کو حاکم اعلیٰ مقرر فرمایا، افسران کے انتخاب کے لئے مجلس شوریٰ کا طریقہ قائم کیا، تنخواہ کے اصول مقرر کئے، مفتوحہ ممالک میں بندوبست کے لئے جدید محکمے قائم کئے، محکمہ قضاء کا قیام، قاضیوں کے انتخاب کا طریقہ، محکمہ افتاء قائم کیا اور مفتیوں کا تقرر فرمایا، جیل خانہ کی ایجاد، جلاوطنی کی سزا، بیت المال کا قیام اور اس کے لئے ایک اعلیٰ افسر

کا تقرر۔ زمین سے متعلق مثلاً لگان، کسان اور زمیندار کے معاملات، پیداوار اور آمدنی میں اضافہ، مال گذاری کی وصول یابی کے اصول، زراعت، آبپاشی نہروں کی کھدائی، مسافر خانے، قید خانے، خزانے، سڑکوں کی تعمیر، راستوں میں پہرہ دار اور چوکیاں، جدید شہروں کی آبادی قدیم شہروں کی ترقی، فوج کی تمام ضروریات کو پورا کرنے کے لئے مختلف شعبوں کا قیام، خبر رسانی اور جاسوسی کے محکمے، غرض دس سال کے عرصہ میں سیاسی و ملکی ضرورت کے اعتبار سے حضرت عمرؓ نے وہ سب کیا جو آج کے متمدن ممالک کر رہے ہیں، مدینہ میں بیٹھ کر دور دراز ممالک میں فوجوں پر کنٹرول اور ان کے حالات سے باخبر رہنے کا ایسا انتظام کیا تھا کہ ہر ذمہ دار محسوس کرتا تھا کہ حضرت عمرؓ ہم میں موجود ہیں اور ہماری ہر بات کو سن رہے اور دیکھ رہے ہیں۔

ایک مرتبہ ایران کی فتوحات کے زمانہ میں عمرو معدی کرب نے سپہ سالار کی شان میں گستاخی کی، سپہ سالار نے نظر انداز کر دیا مگر حضرت عمرؓ کو خبر ہو گئی اور آپ نے مدینہ سے معدی کرب کو ایسی ڈانٹ پلائی کہ تمام زندگی کے لئے نصیحت ہو گئی اور دوسروں کے کان بھی کھڑے ہو گئے۔

حضرت عمرؓ کے زمانہ میں آپ کے حکم اور اجازت سے جو شہر آباد کئے گئے ان میں کوفہ، بصرہ، فسطاط، موصل اور جیزہ کو سبھی مورخین نے بیان کیا ہے۔

چنانچہ سب سے پہلے کوفہ آباد کیا گیا، اس شہر کو آباد کرنے اور بسانے کی وجہ یہ تھی کہ مدائن اور اس کے اطراف کی آب و ہوا مسلمانوں کے موافق

نہیں تھی، ان کے چہرے مرجھا گئے تھے، رنگ بدل گیا تھا اور جسم میں ضعف محسوس کرنے لگے تھے۔ حضرت عمرؓ کو جب یہ صورت حال معلوم ہوئی تو آپ نے حضرت سلمان فارسیؓ اور حضرت حذیفہؓ کو حکم دیا کہ وہ کوئی مناسب زمین تلاش کریں اور ایسے علاقے کو انتخاب کریں جہاں کی آب و ہوا عربوں کے مزاج کے موافق ہو۔

دونوں حضرات تلاش میں نکلے، گھومتے پھرتے زمین کوفہ میں پہنچے اور بہت جلدی معلوم کر لیا کہ اس علاقہ کی آب و ہوا عربوں کے مزاج کے لئے مناسب ہے چنانچہ ۱۷ھ میں کوفہ کی بنیاد رکھی گئی، حضرت عمرؓ نے شہر کا نقشہ خود تجویز کیا تھا اور لکھا تھا کہ کم از کم چالیس ہزار آدمیوں کی آبادی کے لئے مکان بنائے جائیں، سڑکیں ۴۰ فٹ سے کم نہ ہوں اور معمولی راستے اور گلیاں ۳۰ فٹ اور ۱۰ فٹ سے کم نہ ہوں، آبادکاری کے وقت عربوں کو قبیلہ وار بسایا گیا، اور محلوں کے نام آبادی کی مناسبت سے رکھے گئے، جامع مسجد اتنی بڑی بنائی گئی کہ ایک وقت میں چالیس ہزار آدمی نماز پڑھ سکیں،

مکانات پہلے گھانس پھونس کے، پھر کچے اور اس کے بعد پختہ تعمیر کئے گئے، جامع مسجد کے قریب ہی ایوان حکومت تعمیر کیا گیا، خزانہ کی عمارت بنائی گئی، مہمان خانہ اور مسافر خانہ بنایا گیا اور ایک مطبخ تعمیر کیا گیا جہاں سے مسافروں اور مہمانوں کو کھانا دیا جاتا تھا، کچھ عرصہ کے بعد ایوان حکومت کی عمارت مسجد سے متصل ؎ تک بڑھا دی گئی،

کوفہ کی آبادی قبیلہ وار رکھی گئی تھی اور ہر محلہ میں ایک ایک چھوٹی مسجد بھی تعمیر کی گئی تھی، جو قبائل کوفہ میں آباد کئے گئے تھے ان میں مشہور اور بڑے قبیلے یہ تھے، سلیم، ثقیف، تغلب، ہمدان۔ بجیلہ، بنو آسد، بنو کندہ، تیم اللات، نخع، مزنیہ، محارب، تمیم، بنو عامر، جہینیہ، مذحج اور ہوازن وغیرہ — یہ امر قابل ذکر ہے کہ کوفہ کی آبادی زیادہ تر عربوں پر مشتمل تھی، ترقی کی رفتار کا یہ عالم تھا کہ تھوڑے سے عرصہ بعد جب پہلی مردم شماری ہوئی تو آبادی ایک لاکھ سے تجاوز کر چکی تھی۔

ایوان حکومت اسقدر مضبوط اور شاندار تعمیر کیا گیا تھا کہ آٹھویں صدی میں ابن بطوطہ نے جب اس شہر کو دیکھا تو ایوان حکومت بدستور موجود تھا۔ علمی اعتبار سے بھی کوفہ اس علاقہ میں سب سے زیادہ ممتاز تھا، علوم اسلامیہ میں حدیث و فقہ کے بڑے بڑے مدارس قائم ہوئے، علم نحو کی ابتدار کوفہ سے ہوئی، امام شعبیؒ، ابراہیم نخعیؒ، امام ابوحنیفہؒ، حضرت حمادؒ اور امام ابو یوسف جیسے نامور ائمہ کوفہ سے ہی ابھرے اور تمام عالم اسلام پر چھا گئے۔ فقہ حنفی کا سب سے بڑا مرکزی مقام بھی کوفہ تھا۔

کوفہ کے بعد دوسرا نیا شہر بصرہ آباد کیا گیا، بعض مورخین نے بصرہ کو پہلا شہر بیان کیا ہے اور اس کے بعد کوفہ کا ذکر کیا ہے۔ غرض بصرہ دریائے دجلہ سے دس میل کے فاصلہ پر آباد کیا گیا، پہلے گھانس کے مکانات بنائے گئے اور جب ۱۷ھ میں آگ لگنے کا واقعہ پیش آیا تو حضرت عمرؓ کی اجازت سے پختہ مکانات تعمیر کئے گئے، اس شہر میں بھی قبیلہ وار لوگوں

کو بسایا گیا مسجدیں اور سرکاری عمارتیں بنائی گئیں۔ ہر مکان تین کمروں کا بنایا گیا اور اس کے ساتھ ضروری چیزیں بھی بنائیں گئیں، شہر کو پانی پہنچانے کے لئے دجلہ سے شہر تک ایک نہر نکال کر لائی گئی، اس شہر نے بھی ہر اعتبار سے بڑی ترقی کی، آبادی نے اتنی ترقی کی کہ تھوڑے دنوں میں ایک لاکھ ۲۰ ہزار سے بڑھ گئی۔ آبادی کے نام سرکاری رجسٹروں میں درج ہوتے تھے پیدائش واموات کے اندراج کا سلسلہ بھی رکھا گیا۔

علم وفضل کے لحاظ سے بھی اس شہر نے بڑا نام پیدا کیا، صدیوں مرکز علم رہا۔ لغت کی سب سے پہلی کتاب کتاب العین خلیل بصری نے اسی شہر میں لکھی، علم نحو، علم عروض اور علم موسیقی کی ابتداء وایجاد اسی شہر سے ہوئی سیبویہ جو علم نحو کا پہلا مصنف تھا اسی بصرہ کی خاک سے اٹھا، امام زمانہ خواجہ حسن بصریؒ کا نام مقام ومرتبہ قیامت تک نہیں بھلایا جاسکتا۔

کہتے ہیں کہ آٹھ سو آدمیوں سے یہ شہر شروع ہوا تھا اور جب شہریوں کے نام رجسٹرڈ کرنے کا سلسلہ شروع ہوا تو ۸۰ ہزار نام لکھے گئے۔ یہ زمانہ زیاد بن ابی سفیان کا تھا، شہر کی بنیاد حضرت عمرؓ کے حکم سے عتبہ بن غزوان نے ڈالی تھی، بصرے کی وجہ تسمیہ کے سلسلہ میں بیان کیا گیا ہے کہ یہ اصل میں "بس راہ" تھا، فارسی میں بس راہ کے معنی بہت سے راستوں کے آتے ہیں چونکہ اس علاقے سے مختلف سمتوں کو راستے جاتے تھے اس لئے اس مقام کو پہلے سے بس راہ کہا جاتا تھا یہ معجم البلدان کا بیان ہے مگر اہل لغت نے "بصرہ" کے معنی سخت اور پتھریلی زمین کے بیان کئے ہیں اور حقیقت

بھی یہی ہے کہ یہاں کی زمین بہت سخت تھی لہٰذا یہی زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے۔ دجلہ سے جو نہر بصرے میں لائی گئی تھی وہ نو میل لمبی تھی اس کے علاوہ اور بھی کئی نہریں بنائی گئی تھیں مثلاً نہر معقل اور وہ نہر جو نہر امیر المؤمنین کے نام سے مشہور ہوئی اور جس کے ذریعہ دریائے نیل اور بحر قلزم کو ملایا گیا۔

فسطاط۔ یہ شہر بھی حضرت عمرؓ کے ہی زمانہ میں آباد ہوا، فسطاط خیمہ کو کہتے ہیں۔ حضرت عمرو بن عاصؓ نے مصر کی فتح کے سلسلہ میں اس جگہ قیام کیا تھا اور اتفاق سے جب چلنے کا وقت آیا تو معلوم ہوا کہ ایک کبوتر نے خیمہ میں گھونسلہ بنا لیا ہے اور انڈے بھی رکھے ہوئے ہیں، آپ نے خیمہ کو لگا ہوا چھوڑا اور مصر فتح کر کے جب یہاں آئے تو حضرت عمرؓ کی اجازت سے اسی مقام پر شہر آباد کیا جو فسطاط کے نام سے مشہور ہوا فسطاط نے بھی بڑی ترقی کی اور مصر کا صدر مقام شمار ہونے لگا۔ موصل اور جبیرہ بھی مختصر آبادی سے بڑے شہروں میں تبدیل ہو گئے۔ موصل کی بنیاد ہرثمہ بن عرفجہ نے رکھی تھی، اس میں بھی ایک جامع مسجد بنائی گئی تھی، اس شہر کی اہمیت کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ یاقوت حموی نے اس کو دنیا کے تین بڑے شہروں میں سے ایک گنا ہے اور کہا ہے کہ آدمی کہیں بھی جانا چاہے موصل سے گذرنا اس کے لئے ضروری ہے نیشاپور اور دمشق کو بھی علامہ حموی نے بڑے شہروں میں شمار کیا ہے۔ جبیرہ دریائے نیل کے غربی جانب واقع تھا اور رومیوں کے حملے کا اندیشہ تھا اس لئے حضرت عمرؓ کے حکم سے یہاں سنہ ۲۱ھ میں ایک مضبوط قلعہ کی بنیاد رکھی

گئی تاکہ رومیوں کے حملے کا کوئی اندیشہ نہ رہے۔

حضرت عمرؓ سے پہلے دنیا میں بہت سی حکومتیں ہو چکی تھیں، آپ کو بھی جن حکومتوں سے ٹکر لینا پڑی وہ بھی اپنے اثر و اقتدار کے اعتبار سے دنیا کی بڑی سلطنتیں تھیں مگر حضرت عمرؓ نے دس سال کے مختصر عرصہ میں جس حکومت کی تشکیل کی وہ اپنے نظام کے اعتبار سے سب سے الگ اور ممتاز تھی، آپ کے سامنے زیادہ سے زیادہ زمین اور شہروں کو سلطنت اسلامیہ کے تحت لانا اور ان پر بحیثیت حاکم حکومت کرنا ہی نہیں تھا بلکہ آپ چاہتے تھے کہ فتوحات اسلامیہ کے علاقوں میں ایسا نظام قائم کیا جائے جو مذہب و سیاست کا نفیس آمیزہ ہو، جس میں نیکی اور قوت کو اس طرح ملایا اور چلایا جائے کہ بڑے سے بڑا حاکم بھی قوت و اقتدار کے باوجود خدا سے غافل نہ ہو وہ نہ صرف حاکم ہو بلکہ نیکیوں کا مجسمہ اور اخلاق و اعمال کا ایسا نمونہ ہو کہ جسموں کے ساتھ دلوں کو بھی فتح کر سکے چنانچہ جیسے مملکت اسلامیہ میں وسعت پیدا ہوتی جاتی تھی آپ کی طرف سے پہلے چلے سیاسی و مذہبی احکام اس علاقہ میں پہونچتے جاتے تھے۔

اگر ایک طرف آپ کے پیش نظر رعایا کا آرام ہوتا تھا تو دوسری طرف ان کے مراتب و مرتبہ کے لحاظ سے ان کے ساتھ سلوک کیا جاتا تھا، آپ کی نظروں میں سب سے زیادہ ادب و احترام ان حضرات کا تھا جو آنحضرتؐ کے خاندان سے قریب کا تعلق رکھتے تھے اس کے بعد مہاجرین و انصار کا مقام تھا، اس کے بعد تمام دوسرے مسلمان تھے

فتوحات کے ساتھ بیت المال قائم کیا اور مخرمہ بن نوفل، جبیر بن مطعم اور عقیل بن ابی طالب سے فرمایا کہ قریش وانصار کے نام ونسب تفصیل سے لکھے جائیں اور جب یہ کام ہو گیا تو آپ نے سب کے لئے بیت المال سے تنخواہیں مقرر کیں۔ وظائف دینے کے سلسلہ میں پہلے ان حضرات کو لیا گیا جو بدر میں شریک تھے، پھر مہاجرین حبشہ اور جنگ احد میں شریک ہونے والے، پھر وہ حضرات جو فتح مکہ سے قبل ہجرت کر کے مدینہ آ گئے۔ پھر وہ جو فتح مکہ کے وقت مسلمان ہوئے، پھر وہ جو قادسیہ اور یرموک میں شریک ہوئے اس کے بعد وہ حضرات جو قادسیہ اور یرموک کے بعد فوجی خدمات انجام دیتے رہے اس کے بعد پھر کوئی درجہ بندی نہیں رکھی بلکہ ہر شخص کو بلا امتیاز وظیفہ دیا گیا۔

● جو سالانہ وظائف یا تنخواہیں مقرر کیں ان میں شرکائے بدر کے پانچ ہزار درہم، پھر چار ہزار درہم پھر تین ہزار اس کے بعد ۲ ہزار اور پھر چار سو اور تین سو اور پھر دو سو بلا امتیاز سب کو دیئے گئے، درحقیقت حضرت عمرؓ کا یہ طریقۂ کار اسلام سے سچے اور گہرے تعلق پر مبنی ہے کہ آپ نے وظائف کے مقرر کرنے میں آنحضرتؐ کے قرب کو سب سے زیادہ ملحوظ رکھا یہاں تک کہ خود آپ کا نام جب فہرست میں لکھا گیا تو نسب کے اعتبار سے آخر میں آیا۔

تنخواہ اور وظائف کے سلسلہ کو آپ نے اتنی ترقی دی کہ عرب میں کوئی شخص وظیفہ سے محروم نہیں رہا یہاں تک کہ بچوں کو بھی وظیفہ دیا جانے

لگا، جو لوگ فوجی خدمات انجام دیتے تھے ان کو تنخواہ کے علاوہ کھانا اور کپڑا بھی دیا جاتا تھا، جو لوگ اچھی کارگزاری دکھاتے تھے ان کی تنخواہوں میں اضافہ بھی ہوا کرتا تھا، فوجیوں کی صحت کا خیال کبھی آپ کے دل سے نہیں نکلتا تھا، موسم کے لحاظ سے آپ احکام جاری فرمایا کرتے تھے، فوجی علاقوں میں کسی شخص کو کسی کام کرنے کی اجازت نہیں تھی بلکہ ان کو سخت تاکید تھی کہ وہ فوجی خدمت سے جب سبکدوش ہوں تو آرام کریں۔

تنخواہوں کی تقسیم کے لئے ہر قبیلہ میں آدمی مقرر کردیئے گئے تھے، بیت المال سے رقم یہی لوگ لیکر پورے قبیلے کو تقسیم کردیا کرتے تھے، ایسے لوگوں کو عریف کہا جاتا تھا، ہر عریف کے ذمہ ایک لاکھ درہم کی تقسیم تھی، صرف کوفہ اور بصرے میں سو عریف تھے، پوری سلطنت اسلامیہ میں صدہا عریف مقرر تھے جو سالانہ کروڑہا درہم تقسیم کیا کرتے تھے۔

ہر چار ماہ کے بعد فوجیوں کو چھٹی دی جاتی تھی تاکہ وہ اپنے بیوی بچوں میں کچھ عرصہ قیام کریں۔ حضرت عمرؓ نے مدینہ، کوفہ، بصرہ، موصل، فسطاط، دمشق، حمص، اردن اور فلسطین کو فوجی مرکز قرار دیا تھا، یہاں بڑی تعداد میں مسلح فوجیں ہر وقت تیار رہا کرتی تھیں، اس کے علاوہ کوئی بھی جگہ ایسی نہیں تھی جہاں تھوڑی بہت فوج نہ رہتی ہو۔ ہر فوج میں حضرت عمرؓ کے جاسوس رہتے تھے جو ہر قسم کی خبریں خلیفہ وقت کو پہونچایا کرتے تھے، ذمیوں میں ایسے کئی آدمی تھے جو فوجی حکام کو دشمن کی نقل وحرکت سے مطلع کرتے

رہتے تھے، آلات جنگ میں تیر و تلوار، بھالے، خنجر اور ضرورت کے وقت منجنیق اور دبابہ کا بھی استعمال کیا جاتا تھا۔ حضرت عمرؓ فوجی ضرورت کے لحاظ سے جانوروں کی پرورش پر بھی غیر معمولی توجہ دیتے تھے، تمام فوجی مرکزوں میں ہزاروں کی تعداد میں اعلیٰ نسل کے گھوڑے سامان سے لیس تیار رہا کرتے تھے، ہر گھوڑے کی ران پر "جیش فی سبیل اللہ" لکھا ہوا کرتا تھا۔

آپ نے گھوڑوں کی پرورش کے لئے مدینہ طیبہ کے قریب ایک بہت بڑی چراگاہ بنوائی تھی جہاں ہزاروں گھوڑے کھلے بندوں چرتے رہا کرتے تھے اور ان کی حفاظت کے لئے آپ نے اپنے خاص غلام اور کچھ دوسرے لوگوں کو مقرر کر دیا تھا۔ مملکت اسلامیہ میں اگرچہ بہت سی چراگاہیں اور اصطبل تھے مگر مدینہ کی چراگاہ مکہ سے متصل تھی جو ۶ میل کے گردے میں پھیلی ہوئی تھی جس میں چالیس ہزار اونٹ پرورش پاتے تھے۔

موسم سرما میں جانوروں کے لئے بڑے بڑے اصطبل ہر مقام پر بنے ہوئے تھے، کوفہ میں گھوڑوں کے مہتمم سلمان بن ربیعہ باہلی تھے اور بصرہ کا انتظام جزء بن معاویہ کے سپرد تھا۔ اچھی نسل کے گھوڑوں سے آپ کو بہت انس تھا، سال میں ایک دو مرتبہ گھوڑ دوڑ بھی کراتے تھے، آپ چار چیزوں کے سیکھنے کی ہمیشہ تاکید کرتے رہتے تھے، تیرنا، گھوڑے دوڑانا، تیراندازی اور برہنہ پاؤں دوڑنا۔ جو لوگ فوجی خدمات اور

اپنے فن میں کمال کے حاصل ہوتے تھے ان کی تنخواہیں بھی بڑھائی جاتی تھیں۔ اور ان کو انعام و اکرام سے بھی نوازا جاتا تھا۔

تاریخی تصریحات سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت عمرؓ نے ۲۰ھ میں پورے ملک کو آٹھ صوبوں میں تقسیم کر دیا تھا، مکہ، مدینہ، شام، جزیرہ، بصرہ، کوفہ، مصر اور فلسطین۔ ہر صوبہ کا ایک گورنر، ایک فوجی افسر، ایک پولیس افسر، ایک بیت المال، ایک قاضی اور ان سب اعلیٰ افسران کے ماتحت ان کا اسٹاف ہوا کرتا تھا۔

حضرت عمرؓ حکام اور ان کے ماتحت کام کرنے والوں کو جو تنخواہیں دیتے تھے وہ اتنی زیادہ ہوا کرتی تھیں کہ کبھی ان کو رشوت اور ناجائز آمدنی کا خیال بھی نہیں آتا تھا، یہی وجہ تھی کہ آپ کے زمانہ میں ملک اس قسم کی برائیوں سے نہ صرف پاک تھا بلکہ یہ سب حضرات خود ہر قسم کی برائیوں کی روک تھام کرتے رہتے تھے، حضرت عمرؓ کے زمانہ میں جو حضرات صوبوں کے گورنر یا دوسرے اعلیٰ عہدوں پر فائز تھے ان کے نام مندرجہ ذیل ہیں

حضرت ابو عبیدہؓ، حضرت امیر معاویہؓ، حضرت سعد بن ابی وقاصؓ، حضرت یزید بن ابی سفیانؓ، حضرت عمرو بن سعدؓ، حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ، حضرت عمرو بن العاصؓ، حضرت عتبہ بن غزوانؓ، حضرت عتاب بن اسیدؓ، حضرت نافع بن عبدالحارثؓ، حضرت خالد بن العاصؓ، حضرت خالد بن ابی العاصؓ، حضرت یعلیٰ بن امیہؓ، حضرت علاء بن حضرمیؓ، حضرت عثمان بن حنیفؓ، حضرت عمار بن یاسرؓ، حضرت خالد بن ولیدؓ، حضرت نعمان

حضرت عیاض بن غنمؓ، حضرت عمر بن سعدؓ، حضرت حذیفہ بن الیمانؓ، حضرت سمرہ بن جندبؓ، حضرت خالد بن حرثؓ، حضرت نعمان بن عدیؓ، حضرت عرفجہ بن ہرثمہؓ۔ حضرت علقمہ بن حکیمؓ، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، حضرت شریحؒ، حضرت عبداللہ بن خلف الخزاعیؓ، حضرت قدامہ بن مظعونؓ، حضرت زیاد بن سمیہؓ، حضرت مغیرہ بن شعبہؓ۔ حضرت عمرو معدی کربؓ، حضرت طلیحہ بن خالدؓ، حضرت عبداللہ بن ارقمؓ، حضرت عثمان بن فرقدؓ، حضرت معن بن یزیدؓ۔ حضرت حجاج بن علاطؓ وغیرہ ـــــ

حضرت عمرؓ جب کسی کا تقرر کرتے تھے تو اس کو ایک ہدایت نامہ دیتے تھے، جس میں اس کے فرائض کی تفصیل ہوتی تھی نیز اس سے عہد لیا جاتا تھا کہ وہ اس کی پابندی کرے گا، ہدایت نامہ مجمع عام میں پہلے پڑھا جاتا تھا پھر مقررہ عامل کو دیا جاتا تھا، اس فرمان میں لکھا ہوتا تھا کہ وہ سادگی کی زندگی گذارے گا، باریک لباس اور ترکی گھوڑے کی سواری سے پرہیز کرے گا، نہ چھنا ہوا آٹا کھائے گا اور نہ دروازہ پر دربان بٹھائے گا، ضرورت مندوں کے لئے آنے جانے پر کوئی پابندی نہیں ہوگی۔ تقرر کے وقت ہر عامل کی جائداد اور سامان کی فہرست بنائی جاتی تھی تاکہ ریٹائر ہونے پر اس کی مالی حالت کا اندازہ ہو سکے۔ اگر کسی کی مالی حالت بڑھی ہوئی نظر آتی تو جواب طلب کیا جاتا تھا، بہت سے عامل ایسے تھے جو بلا معاوضہ خدمت کرنا چاہتے تھے مگر حضرت عمرؓ ان کو تنخواہ لینے پر مجبور کرتے تھے، تاکہ وہ اپنی ضروریات کے پورا کرنے میں کسی کے دست نگر نہ ہوں۔

تمام عاملوں کو حکم تھا کہ وہ زمانۂ حج میں مکہ معظمہ میں حاضر ہوں، حضرت عمرؓ اعلان کرتے تھے کہ جس کو کسی عامل سے شکایت ہو وہ پیش کرے، اگر کسی کو کسی عامل سے شکایت ہوتی تھی تو اس سے جواب طلب کیا جاتا تھا اور سزا بھی دی جاتی تھی، بعض شکایتوں کے آنے پر آپ اکابر صحابہ کرام کے ایک بورڈ کی تشکیل کرتے تھے تاکہ وہ معاملہ کی تحقیقات کرے اور اپنی رائے ظاہر کرے، ایک مرتبہ سعد بن ابی وقاصؓ کی شکایت آئی تو آپ نے محمد بن مسلمہؓ کو روانہ فرمایا۔ وہ گئے اور کوفہ کی ایک مسجد میں بیٹھ کر واقعہ کی تحقیقات کی، لوگوں کے بیانات قلم بند کئے اور حضرت سعدؓ کو ساتھ لیکر دربار خلافت میں آئے۔

عراق، ایران اور شام کی فتوحات کے بعد حضرت عمرؓ نے حضرت علیؓ اور دیگر صحابہ کے مشورہ سے طے کیا کہ زمین حکومت کی ملک رہے گی اور قبضہ باشندوں کا ہوگا، پھر آپ نے مفتوحہ علاقوں کی پیمائش کرائی، قابل زراعت زمین کا بندوبست کیا، عشر و خراج کا طریقہ قائم فرمایا۔ تجارت پر آپ نے ٹیکس لگایا، مال کی آمد پر آپ نے کسٹم ڈیوٹی لگائی، جو لوگ دوسرے ملکوں میں تجارت کرتے تھے ان پر بھی دس فیصدی کا ٹیکس مقرر کیا، مردم شماری، عدالتوں کا قیام۔ قضاء کے اصول، قاضیوں اور عاملوں کی معقول تنخواہیں، پولیس کے محکمہ کا قیام، عشر و خراج اور ٹیکس، جیل خانے اور جلاوطنی کا طریقہ، تعمیرات کے سلسلہ میں شہری خوبصورتی کا لحاظ، ناپ تول کی نگرانی، جانوروں سے زیادہ کام نہ لینا، تاجروں اور ذخیرہ اندوزوں کی لوٹ

کھسوٹ کا انتظام آداب اسلامی اور احترام شریعت کا لحاظ، یہ تمام کام پولیس کے سپرد تھے۔

سب سے پہلا جیل خانہ مکہ میں بنایا گیا اور اس کے لئے صفوان بن امیہ کا مکان چار ہزار درہم کو خرید کیا گیا جلا وطنی کے لئے ایک جزیرہ کو محفوظ کیا، تمام اضلاع کی آمدنیوں سے خرچ کے بعد جو بچتا تھا وہ مدینہ کے بیت المال میں جمع کیا جاتا تھا، مدینہ طیبہ کا بیت المال مرکزی تھا اور اس کی مالی حالت کا یہ حال تھا کہ دار الخلافہ کے باشندوں کی تنخواہیں اور وظائف ۳ کروڑ درہم سے زیادہ اس سے ادا کئے جاتے تھے زمینوں کے معاملات کو آپ تنہا اپنی رائے سے طے نہیں کرتے تھے بلکہ ان ہی میں سے چند معززا اور صاحب عقل کو طلب فرما کر مشورہ کیا کرتے تھے۔

مجلس شوریٰ میں مہاجر و انصار کے ممتاز اور نامور حضرات شامل تھے، ہر معاملہ مجلس شوریٰ کی رائے سے طے ہوتا تھا، حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ، حضرت عبد الرحمٰن ابن عوفؓ حضرت معاذ بن جبلؓ، حضرت ابی ابن کعبؓ حضرت زید بن ثابتؓ مجلس شوریٰ کے ارکان تھے، مجلس شوریٰ کے علاوہ ایک مجلس عام بھی تھی، جس میں بہت سے مہاجر و انصار اور دیگر قبائل کے افراد بھی شامل تھے، کبھی اہم امور کے سلسلہ میں اس مجلس کو بھی طلب کیا جاتا تھا، اجلاس عام طور پر مسجد نبویؐ میں ہوا کرتے تھے، حضرت عمرؓ پہلے دو رکعت نفل ادا کرتے تھے اس کے بعد مسئلہ بحث طلب کو پیش فرماتے تھے اور اس کے بعد لوگ اپنی اپنی رائے دیتے تھے

تمام عہدہ دار مجلس شوریٰ کی رائے سے مقرر کئے جاتے تھے،

حضرت عمرؓ نے عام پابندی لگادی تھی کہ کوئی شخص تقریر و تحریر یا اشعار کے ذریعہ کسی کی توہین اور ہجو نہیں کرسکے گا، عشقیہ اشعار، شراب کی تعریف رندانہ خیالات، عورتوں سے تخاطب اور حسن کی تعریف، کاکل و رخسار کے تذکرے، تعیش و تنعم، اظہار عشق اور داد حسن غرض اس قسم کی تمام چیزیں قانوناً ممنوع تھیں، مشہور ہجو گو شاعر حطیئہ نے کسی کی ہجو لکھی تو آپ نے اسے جیل بھیج دیا اور پھر اس وعدہ پر رہا کیا کہ آئندہ کبھی ایسے اشعار نہیں کہے گا۔ {تاریخ طبری، کتاب الخراج، فتوح البلدان ابن اثیر، مسند دارمی، اسد الغابہ۔}

علم و نظر

قبیلۂ قریش میں یہ شرف حضرت عمرؓ کو بھی حاصل تھا کہ وہ قبل اسلام بھی لکھنا پڑھنا جانتے تھے، زمانۂ بعثت میں ان کی یہ استعداد بہت بڑھ گئی تھی، تحریر میں قوت اور تقریر و گفتگو میں برجستگی اور زور کا یہ عالم تھا کہ جب کسی موضوع پر بولنے لگتے تھے تو سننے والے ہمہ تن گوش نظر آتے تھے،

خطابت میں اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے، پیچیدہ اور الجھے ہوئے قومی و ملکی معاملات کی تہ کو پہنچ جانا اور اپنے فہم و تدبر سے اسے بہت جلدی سلجھا دینا آپ کا خاص وصف تھا، قریش نے ان اوصاف کی بنا پر آپ کو منصب سفارت تفویض کردی تھی، جب بھی کوئی ضرورت ہوتی

آپ اس خدمت کو بڑی خوبی سے انجام دیتے تھے اور بہت عابدی الجھے ہوئے معاملات کو سلجھا دیا کرتے تھے۔

تقریر ہو یا تحریر وہ چھوٹے چھوٹے جملوں اور فقروں میں طول طویل مطالب کو اس طرح بند کرتے چلے جاتے تھے کہ سننے والوں کو محسوس ہوتا تھا کہ دریا کو کوزے میں بند کیا جا رہا ہے، اچھے اشعار سے ان کو خاص انس تھا سب سے زیادہ زہیر کے کلام کو سنتے تھے، شعرائے عرب ان کی نگاہ تنقید سے گھبراتے تھے، کبھی خود بھی شعر کہہ لیا کرتے تھے مگر دوسروں کے کلام کو پڑھنے، سننے اور پرکھنے میں ان کو زیادہ لطف آتا تھا۔ نثر میں ان کو ایسا یدطولیٰ حاصل تھا کہ ان کی تحریر و تقریر کے بہت سے جملے عربی ادب میں بطور ضرب المثل آج تک استعمال ہوتے آ رہے ہیں، فن نسب دانی میں وہ اپنے والد خطاب سے بھی بڑھ گئے تھے مگر یہ فن ان کا خاندانی تھا اس لئے اس عنوان پر بولتے وقت اپنے والد کا حوالہ بھی دیا کرتے تھے، عبرانی زبان پر بھی ان کو عبور تھا، توریت کو فراٹے سے پڑھتے چلے جاتے تھے، ایک مرتبہ مدینہ طیبہ میں آنحضرتؐ کے سامنے دیر تک توریت کو پڑھتے رہے۔ عبرانی سے ان کی واقفیت کا یہ حال تھا کہ وہ یہود کی مجالس میں جب توریت کا درس ہوتا تھا تو اکثر جایا کرتے تھے، یہود آپ سے انس بھی کرتے تھے مگر آپ کی حالت یہ تھی کہ جسقدر آپ یہود کے مذہب اور ان کی فرسودہ خرافات سے واقف ہوتے جاتے تھے اسلام کی محبت دل میں گھر کرتی جاتی تھی چنانچہ زمانہ خلافت میں شام و عراق کی فتوحات کے زمانہ میں یہودیوں کی

جو کتابیں مسلمانوں کے ہاتھ آئیں اور آپ کو معلوم ہوا تو فوراً لکھا کہ مسلما
کو ان کتابوں کے پڑھنے سے دور رہنا چاہئے۔

حضرت عمرؓ کو بکثرت اچھے اشعار یاد تھے اور پڑھتے تھے، ان کو موقعہ محل کے اعتبار سے شعر پڑھنے میں بڑا لطف آتا تھا مگر صرف وہی شعر پسند کرتے تھے اور پڑھتے تھے جن میں اللہ کی محبت، آنحضرتؐ کی تعریف، قدرت کے مناظر، انسانی اوصاف اور شرافت و اخلاق کے مضامین باندھے گئے ہوں غرض ذوق شعری ان کے تذکرے کا ایک خاص جزو ہے اسی لئے اچھا شعر بار بار پڑھتے اور دہراتے دیکھا گیا۔

پیدائشی ذہین و طباع تھے، پیچیدہ گتھیوں کو آسانی سے سلجھا دیا کرتے تھے، ذہنی و علمی اعتبار سے ان کی نظر ہمیشہ ان گوشوں پر رہا کرتی تھی جہاں کسی اشتباہ کا اندیشہ ہوا کرتا تھا، وہ کام جو بڑھ کر شرک و کفر کے قریب کر دے اس کے متعلق آپ بڑے بہترین انداز میں اپنے خیالات کا اظہار فرمایا کرتے مثلاً ایک مرتبہ حجر اسود کے سامنے آتے تو فرمایا میں جانتا ہوں کہ تو صرف ایک پتھر ہے جو نہ کسی کو نفع پہونچا سکتا ہے اور نہ نقصان مگر میں بوسہ اس لئے دے رہا ہوں کہ میں نے آنحضرتؐ کو ایسا کرتے دیکھا ہے بعض روایتوں میں اس واقعہ کے ساتھ یہ بھی کہا گیا ہے کہ حضرت علیؓ نے آپ کے یہ الفاظ سنکر فرمایا اے عمر! تم غلط کہتے ہو یہ پتھر لوگوں کو نفع بھی پہنچا سکتا ہے اور نقصان بھی کیونکہ یہ قیامت کے دن لوگوں کے اعمال کے متعلق شہادت دے گا؟ مگر یہ غلط ہے حضرت علیؓ پر ایک ایسا اتہام

ہے کہ اگر اس کو صحیح مان لیا جائے تو حضرت علیؓ کی نسبت یہ عقیدہ رکھنا پڑے گا کہ وہ پتھر کے ٹکڑے کو نفع و نقصان کا مالک سمجھتے تھے، حالانکہ پتھر تو بہت ہی حقیر چیز ہے بلکہ اللہ تعالیٰ قرآن میں، آنحضرتؐ سے فرماتا ہے کہ آپ لوگوں سے اپنے متعلق کہہ دیجئے کہ قُل لا اَملِکُ لِنَفسِی ضَرًّا وَّلا نَفعًا یعنی میں اپنے حق میں بھی نفع نقصان کا مالک نہیں ہوں" یہ اس لئے فرمایا گیا کہ کہیں لوگ آپ کے معجزات کو دیکھ کر کسی غلط عقیدہ کا شکار نہ ہو جائیں، درحقیقت یہ حضرت علیؓ کے نادان محبوں کا اضافہ ہے جو وہ اس طرح حضرت علیؓ کے علمی تفوق کو ظاہر کرنا چاہتے تھے مگر یہ نہیں سمجھے کہ اس اضافہ سے علیؓ کا اسلام مجروح ہوتا ہے، اسی بنا پر ناقدین روایت نے اس اضافہ کی صحت سے انکار کیا ہے اور اسے محض اضافہ اور بہتان کہا ہے۔

حضرت عمرؓ کی دور اندیشی اور خدا پرستی نیز وسعت نظر کا اندازہ اس واقعہ سے ہوتا ہے کہ جس درخت کے نیچے مسلمانوں نے آنحضرتؐ کے ہاتھ پر بیعت کی تھی اور جسے بیعت رضوان کہا جاتا ہے، حضرت عمرؓ نے اس درخت کو صرف اس لئے کٹوا دیا کہ مسلمان اسے متبرک سمجھ کر دور دراز سے دیکھنے کے لئے آتے تھے، حضرت عمرؓ کی یہ دور اندیشی کس قدر حقیقت پر مبنی تھی؟ آج جبکہ علم و فکر کے عام چرچے ہیں ایسے بے شمار واقعات سامنے آتے ہیں کہ لوگوں نے کسی خانقاہ کے گوشہ کو، کسی بزرگ کی قبر اور مقبرے کو اپنی عقیدت کا ایسا مرکز بنا لیا ہے کہ ان کی نظر میں اللہ کی ذات ایک وجود بے فیض بن کر رہ گئی ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آخر وقت تک مسلمانوں کو یہی نصیحت فرمائی کہ تم اہل کتاب کی طرح مت ہو جانا جو صرف اس لئے تباہ و برباد ہو گئے کہ انہوں نے پیغمبروں اور بزرگوں کی قبروں اور یادگاروں کو عبادت گاہ بنا لیا تھا، حضرت عمرؓ اس ارشاد کو بڑی شدت سے ملحوظ رکھتے تھے اور ہر واقعہ میں سب سے پہلے ان کی نظر اسی گوشہ پر پڑا کرتی تھی؛

درحقیقت یہ علم و نظر حضرت عمرؓ کو آنحضرتؐ کی صحبت میں مسائل شرعیہ کو بکثرت دریافت کرنے سے حاصل ہوا، آپ کی عادت تھی کہ جب تک پورے طور پر کوئی چیز ذہن نشین نہیں ہو جاتی برابر پوچھتے رہتے تھے، چنانچہ ہجرت کے بعد مدینہ میں ان کی رائے اکثر و بیشتر صحیح ہوا کرتی تھی؛ اذان کا طریقہ ان ہی کی رائے سے اتفاق کا نتیجہ ہے۔ اسیران بدر کا معاملہ، شراب کی حرمت کا مشورہ، ازواج مطہرات کے پردہ کی صلاح اور بیت اللہ میں مقام ابراہیم میں نماز پڑھنے کی گذارش حضرت عمرؓ نے ہی بارگاہ رسالت میں پیش کی تھی جس کی بعد میں وحی الٰہی نے تائید کی۔

مسائل میں غور و فکر کی عادت شروع ہی سے پڑی ہوئی تھی طبیعت کے تیز اور مزاج کے نکتہ رس تھے اس لئے ہر آیت و روایت پر غور و فکر آپ کی عادت ثانیہ بن گئی تھی، قرآن کریم کی تلاوت برائے تلاوت نہیں کرتے تھے بلکہ ہر آیت مجتہدانہ انداز میں تلاوت کرتے تھے، یہی وجہ تھی کہ آیات و روایات سے مسائل کا استنباط کرنے میں آپ کی مہارت صحابہ میں مشہور تھی۔ مسائل فقہ کے جس سلسلہ نے آگے چل کر ترقی کی اس کی

۱۰۰۔ تحفۃ الاحوذی ج ۱ ص ۳۰۰

ابتداء حضرت عمرؓ کے ہی استدلال و استنباط کا نتیجہ ہے۔ بے شمار فقہی مسائل ہیں جو حضرت عمرؓ کی فکر و نظر سے وجود میں آئے ہیں، محدثین نے حضرت عمرؓ کی مرفوع روایات کی تعداد ستر کے قریب بیان کی ہیں بعض لوگ اس قلت روایت سے ان کی کم علمی کا اندازہ لگاتے ہیں حالانکہ یہ غلط ہے بلکہ اس کی اصلی وجہ یہ ہے کہ وہ کثرت روایت کو پسند نہیں کرتے تھے اور ان کا یہ ایسا فعل تھا جسے آج تمام بانظر اہل علم پسند کرتے ہیں، ظاہر ہے کہ اگر کثرت روایت کی اس شدت سے آپ روک تھام نہ کرتے تو آج غلط و صحیح کا ایک ایسا انبار ہوتا کہ حقیقت ڈھونڈے نہ ملتی۔ اس احتیاط شدید کے بعد جب کہ روایات کی کثرت نے صدہا اختلافات پیدا کر رکھے ہیں تو اس وقت کیا ہوتا۔ بہر حال روایت کے معاملہ میں حضرت عمرؓ کی روک تھام اور دور اندیشی سے اسلام کو جو فائدہ پہونچا وہ کبھی فراموش نہیں کیا جا سکتا ہے۔

اگر اسلامی علوم یعنی حدیث و فقہ کی ابتدائی تاریخ کو غور سے دیکھا جائے تو واضح ہوتا ہے کہ ان علوم کو فن کی حیثیت حضرت عمرؓ کی کوشش سے حاصل ہوئی، آنحضرت ﷺ کی حیات مبارکہ میں اس کی ضرورت ہی نہیں پیش آئی کیونکہ ذات رسالت ﷺ سے براہ راست مسائل معلوم کر لئے جاتے تھے۔ حضرت ابو بکرؓ کے زمانہ میں تھوڑی بہت ضرورت پیش آئی اور صحابہؓ سے دریافت کرنے اور پوچھنے کا سلسلہ شروع ہوا مگر حضرت عمرؓ کے زمانہ میں ایسے واقعات کثرت سے پیش آئے، حضرت عمرؓ

نے روایتوں کے تفحص و تلاش کی طرف توجہ کی اور جب بھی کوئی مسئلہ درپیش ہوا تو آپ نے احادیث کی تلاش شروع کی، مجمع عام میں مسئلہ کو پیش کیا اور فرمایا کہ اگر کسی کو اس سلسلہ میں کوئی حدیث یاد ہو تو بیان کرے، چنانچہ اس طرح حدیث کے استقراء کے لئے راستہ پیدا ہوا اور پھر اسی سے آپ نے اصول و قواعد قائم کئے۔

حضرت عمرؓ کی مسائل کے معاملہ میں احتیاط کا یہ حال تھا کہ آپ صحابہؓ سے مشورہ کئے بغیر...... کوئی مسئلہ طے نہیں کیا کرتے تھے، دیر تک بحث کا سلسلہ جاری رہتا تھا یہاں تک کہ پورا اطمینان نہ ہو جائے۔ چنانچہ شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ حجۃ اللہ البالغہ میں لکھتے ہیں۔

"حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی عادت تھی کہ وہ مسائل کے معاملہ میں صحابہؓ سے مشورہ اور مناظرہ کرتے تھے، اور یہ بحث اس وقت تک جاری رہتی تھی کہ جب تک پورا یقین نہ آجائے، یہی وجہ ہے کہ حضرت عمرؓ کے احکام اور فتاوے کی تمام مشرق و مغرب میں پیروی کی گئی۔"

حضرت عمرؓ نے اپنے علم و نظر اور کوشش و سعی سے فقہ کے سلسلہ میں جو اصول قائم کئے اور جو مسائل بیان کئے صحابہؓ نے اکثر سے اتفاق کیا ہے چنانچہ بعد میں ہونے والے ائمہ ان ہی کی تقلید کرتے رہے، شاہ ولی اللہ صاحب نے حضرت عمرؓ کے مسائل کی تعداد ایک ہزار سے زائد بیان کی ہے اور اپنی کتاب ازالۃ الخفاء میں ان مسائل کا ایک مستقل باب قائم کیا ہے۔

غرض صحابہؓ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ پہلے شخص ہیں کہ انہوں نے مسائل شریعت میں غور و فکر کا دروازہ کھولا، اجتہاد سے کام لیا اور بہت سے اصول قائم کئے، آپ کا خیال تھا کہ شریعت کے تمام احکام مصالح عقلی پر مبنی ہیں، آپ کا خیال تھا کہ رسولؐ کا ہر قول و فعل اللہ کی جانب سے ہوتا ہے مگر بعض امور ایسے بھی ہوتے ہیں جو وقت اور ضرورت کے لحاظ سے ہوتے ہیں، یہی وہ خیال تھا جس نے علم اسرار الدین کی بنیاد ڈالی، شاہ ولی اللہ صاحبؒ حضرت عمرؓ کی اس سعی کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ حضرت عمر اور حضرت علیؓ، حضرت زید بن ثابتؓ، حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور حضرت عائشہؓ نے اس علم سے بحث کی ہے اور اس کے وجوہات بیان کئے ہیں لیکن غور سے دیکھا جائے تو اس بات سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ان سب حضرات میں عمر کی زیادتی اور عقل کی کاملیت کی بنا پر اولیت کا درجہ یقیناً حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو حاصل ہے اور اسے تمام علمائے اہل نظر تسلیم کرتے آئے ہیں۔ (ازالۃ الخفاء، حجۃ اللہ البالغہ، ابن سعد، طبری، الفاروق)

اخلاق و عمل

اللہ کے بندوں میں انبیائے کرامؑ کے سوا کوئی بھی معصوم نہیں اور جو صفت عصمت سے سرفراز نہیں اس سے یہ توقع کرنا کہ وہ برائی کرے ہی نہیں ناممکن ہے مگر یہ اسلام کی برکات اور آنحضرتؐ کے اخلاق و معجزات کا اثر ہے کہ حضرت عمرؓ جیسے لوگوں کو اخلاق و اعمال

کا ایسا نمونہ بنا دیا کہ قیامت تک کے انسان ان کی پاکیزہ زندگی سے ہدایت و نصیحت حاصل کرتے رہیں گے، حضرت عمرؓ کی زندگی کیسی تھی؟ اسلام سے ان کو کس درجہ بغض تھا؟ آنحضرت کی ذات سے ان کو کس قدر پرخاش تھی؟ یہ آپ پچھلے صفحات میں پڑھ چکے ہیں، اس باب میں اسے دہرانے کی ضرورت نہیں، یہاں صرف یہ بتانا مقصود ہے کہ قبول اسلام کے بعد حضرت عمرؓ اخلاق و عمل کے لحاظ سے کیسے بلند مقام پر فائز کئے گئے، ان کی زندگی ایک سمت مسلمانوں کے لئے نمونہ بنی تو دوسری جانب ان کی اسلام دوستی سے اسلام کو قیام و وسعت حاصل ہوئی۔

درحقیقت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی غرض ہی یہ تھی کہ اللہ کی زمین پر اللہ کے بندوں میں کچھ ایسے بندے پیدا کئے جائیں جن کی زندگی خود ان کے اپنے لئے ہی نہیں بلکہ دوسروں کے لئے بھی فیض رساں اور نمونہ کامل بنے، بُعِثْتُ لِاُتَمِّمَ مَکَارِمَ الْاَخْلَاق اسی نبیٔ برحق کا ارشاد ہے جن کو اللہ تعالےٰ نے خاتم النبیین کے شرف سے مشرف فرمایا اور جن کے فیض صحبت سے ایک دو نہیں صدہا انسان انسانیت کے خدا پسند سانچے میں ڈھل گئے حضرت عمرؓ ایسے ہی لوگوں میں یگانہ صفت شخصیت کے حامل تھے، ان کی ذات میں قرب رسالت مآبؐ اور عشق مصطفےٰ کے باعث جمیع محامد و محاسن سمٹ آئے تھے، راست گوئی، حق پرستی، اجتنابِ معائب و معاصی خلوص و محبت تواضع

وسادگی، عبادت وحق پرستی اور اسلام سے گہرا لگاؤ ان کے نمایاں اوصاف تھے ان کی ذات محاسن اسلامیہ سے کس درجہ مزین تھی اس کا اندازہ آنحضرتؐ کی زبان حق ترجمان سے لگایئے ارشاد ہوتا ہے کہ "اگر نبوت میرے اوپر ختم نہ ہوئی ہوتی تو عمر ابن خطاب نبی بنائے جاتے" حضرت عمرؓ کی مذہبی اخلاقی زندگی کے لئے اس ارشاد سے بہتر کیا سند ہو سکتی ہے!

اسلام کا مذاق اڑانے والے، ذات رسالتؐ سے اظہار عداوت وبیزاری میں سب سے نمایاں رہنے والے، اسلام لائے تو خوف الٰہی میں ایسے ڈوبے کہ نماز پڑھتے ہوئے اگر قرأت کے درمیان اللہ کی عظمت وجلال اور قیامت کے عذاب کا ذکر آ گیا تو روتے روتے ہچکیاں بندھ جاتیں۔ ایک مرتبہ دوران نماز اِنَّمَا اَشْکُوْ بَثِّیْ وَحُزْنِیْۤ اِلَی اللّٰہِ پر پہنچے تو اس زور سے روئے کہ پچھلی صف میں عبداللہ بن شدادؓ نے آواز سنی۔

حضرت امام حسن علیہ السلام فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ نماز میں اس آیت پر پہنچے اِنَّ عَذَابَ رَبِّکَ لَوَاقِعٌ مَّا لَهٗ مِنْ دَافِعٍ، تو اس قدر روئے کہ آنکھیں بوجھل ہو گئیں۔ قیامت کے خیال سے کانپ اٹھتے تھے، اور فرمایا کرتے تھے کہ میں تو اسی کو غنیمت سمجھتا ہوں کہ اللہ کے عذاب سے نجات مل جائے، نیکی وبدی برابر ہو جائے ایک مرتبہ کہنے لگے کہ اگر آسمان سے یہ آواز آئے کہ دنیا کے تمام انسان ایک کے سوا جنت میں جائیں گے تب بھی میرے دل سے عذاب کا خوف نہیں نکلے گا اس لئے کہ

شاید وہ عمرؓ ہی ہو۔ ایک مرتبہ نماز میں سورۂ یوسف شروع کی، جب اس آیت پر آئے وَابْيَضَّتْ عَيْنَاهُ مِنَ الْحُزْنِ فَهُوَ كَظِيمٌ۔ تو ایسی رقت طاری ہوئی کہ گلے نے کام نہیں کیا آخر رکوع میں چلے گئے، کثرت عبادت و تلاوت کو روحانی سکون کا ذریعہ سمجھتے تھے، رات کا بڑا حصہ نفل پڑھتے اور تلاوت کرتے گذر جاتا تھا، صبح ہوتے ہی لوگوں کو نماز کے لئے جگانا اور بلانا شروع کر دیتے تھے اور بلند آواز سے وَأْمُرْ أَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ فرماتے جاتے تھے، نماز با جماعت کو پوری رات کی عبادت پر ترجیح دیتے تھے، روزہ کبھی نہیں چھوڑا اور وفات سے دو سال پہلے مسلسل روزہ رکھنے لگے تھے، ہر سال حج بیت اللہ کے لئے تشریف لے جاتے اور قافلۂ حجاج کی خود رہنمائی کرتے تھے،

انتقال سے پہلے یہ شعر پڑھتے ہوئے جان دیدی

ظَلُوْمٌ لِنَفْسِيْ غَيْرَ اَنِّيْ مُسْلِمٌ اُصَلِّي الصَّلٰوةَ كُلَّهَا وَاَصُوْمُ

میں نے اپنی جان پر ظلم کئے ہیں مگر یہ ضرور ہے کہ میں مسلمان ہوں، نمازیں پڑھتا ہوں اور روزے رکھتا ہوں۔ زندگی کے جملہ مال و متاع اور آل و اولاد میں سب سے زیادہ محبوب آنحضرتؐ کی ذات شریفہ تھی، عشق مصطفیٰؐ کو وہ ایمان کی جان اور اسلام کی پہچان سمجھتے تھے، جمال مصطفائی کے سچے شیدائی تھے، آنحضرتؐ اور اسلام سے ان کے گہرے عشق کا یہ عالم تھا کہ بدر کے میدان میں حقیقی ماموں عاص بن ہشام سامنے آگیا تو بجلی کی طرح ٹوٹے اور ایک ہی وار میں صفایا کر دیا۔ ایک مرتبہ ام المؤمنین حضرت حفصہؓ

سے آنحضرتؐ ناراض ہو گئے تو بارگاہ رسالتؐ میں حاضر ہو کر کہنے لگے۔ یارسول اللہ! حفصہؓ اگرچہ میری بیٹی ہے مگر آپ حکم دیں تو گردن اڑا دوں، ادب و احترام کی یہ کیفیت تھی کہ ایک مرتبہ ایک مسلمان اور ایک یہودی میں جھگڑا ہوا۔ مقدمہ آنحضرتؐ کے پاس پہنچا، آپؐ نے یہودی کے حق میں فیصلہ فرمایا، مسلمان نے حضرت عمرؓ سے فیصلہ کی درخواست کی اور سوچا کہ عمرؓ شدت پسند ہیں میری حمایت کریں گے مگر آپ نے مسلمان کی باتیں سنیں اور تلوار سے اس کا فیصلہ کرتے ہوئے فرمایا "جو رسول اللہؐ کے فیصلہ کو نہ مانے اس کی سزا یہ ہے"۔

آنحضرتؐ کی وفات ہوئی تو دیر تک کہتے رہے کہ جو یہ کہے گا کہ آنحضرتؐ وفات فرما گئے اس کی گردن قلم کر دونگا، وہ کسی طرح اس بات کو ماننے پر تیار نہیں ہوتے تھے کہ آنحضرتؐ بھی دنیا سے جا سکتے ہیں، آخر حضرت ابوبکر صدیقؓ نے سمجھا کر خاموش کیا۔ زمانہ خلافت میں جب ملک شام تشریف لے گئے اور حضرت بلالؓ نے مسجد اقصیٰ میں اذان دی تو آنحضرتؐ یاد آ گئے۔ اسقدر روئے کہ بے دم ہو گئے۔

ایک مرتبہ مال غنیمت کی تقسیم کے موقعہ پر آپ کے صاحبزادے عبداللہ نے شکوہ کیا کہ آپ نے حسنینؓ کو ہزار ہزار درہم عنایت کئے ہیں اور مجھے بہت کم دیئے حالانکہ یہ دونوں بھائی جب بچے تھے تو میں جوان تھا اور آنحضرتؐ کے ساتھ شریک جہاد تھا، آپ نے جواب میں فرمایا، ہاں درست ہے مگر ان کے نانا محمد الرسول اللہؐ تھے تمہارے

باپ دادا کا یہ مرتبہ نہیں ہے۔ اسی طرح حضرت عمرؓ نے حضرت اسامہ بن زیدؓ کا وظیفہ حضرت عبداللہ سے زیادہ مقرر کیا، حضرت عبداللہ نے شکایت کی تو فرمایا آنحضرتؐ اسامہؓ کو تم سے زیادہ چاہتے تھے۔

حضرت عمرؓ کی ہمیشہ یہ کوشش رہی کہ زندگی اسی طرز پر گذاری جائے جو آنحضرتؐ کو پسند تھی، اس لئے وہ ہر کام وہی کرنا چاہتے تھے جو آنحضرتؐ کو کرتے دیکھا تھا۔ ایک مرتبہ مکہ جاتے ہوئے مقام ذوالحلیفہ میں دو رکعت نماز پڑھ کر فارغ ہوئے تو کسی نے پوچھا یہ کون سی نماز تھی، کہنے لگے معلوم نہیں، رسول اکرمؐ کو پڑھتے دیکھا تھا اس لئے میں نے بھی پڑھ لی، ایک مرتبہ یزید بن ابوسفیان کے یہاں دعوت میں شریک ہوئے، جب دسترخوان پر بڑھیا اور پرتکلف کھانے رکھے گئے تو کھانے سے انکار کر دیا اور فرمایا۔ میں نہیں کھا سکتا اور اگر تم نے روش رسولؐ چھوڑ دی تو صراط مستقیم سے محروم ہو جاؤ گے۔

ساز و سامان سے آپ کو مطلق رغبت نہیں تھی، سادگی و قناعت کا یہ حال تھا کہ آنحضرتؐ جب کچھ دینا چاہتے تھے تو آپ کہا کرتے تھے، یا رسول اللہ! مجھ سے بھی زیادہ ضرورت مند موجود ہیں اور وہ اس مال کے زیادہ مستحق ہیں ان کو عطا کر دیجئے، آنحضرتؐ فرماتے، تم لے لو پھر جسے چاہو دیدینا۔ سفر شام کا حال آپ پچھلے اوراق میں پڑھ چکے ہیں کہ کس قدر سادگی کے ساتھ یہ سفر کیا تھا، سفراء جب خدمت میں آتے تو یہ دیکھ کر حیران رہ جاتے کہ امیرالمومنین کے پیراہن میں پیوند

گئے ہیں، عمامہ بوسیدہ ہے اور پیروں کی چپلیں ٹوٹ چکی ہیں، ایک مرتبہ لوگ باہر ملاقات کے منتظر تھے، دیر تک نہیں آئے، پتہ چلا کہ کپڑے دھو کر پھیلا رکھے ہیں اور ان کے سوکھنے کا انتظار کر رہے ہیں۔ دوسرا لباس نہیں تھا جسے پہن کر باہر آجاتے۔

حضرت عائشہؓ اور حضرت حفصہؓ نے عرض کیا، اب اس طرزِ زندگی کو خیرباد کہہ دیجئے، آپ کے پاس دور دراز سے لوگ ملنے آتے ہیں وہ کیا خیال کرتے ہوں گے؟ فرمایا کیا تم بھول گئیں کہ ایک مرتبہ رات کو تم نے آنحضرتؐ کے بستر کو دوہرا کر کے نرم کر دیا تھا اور آپؐ اذانِ فجر تک سوتے رہے اور جب بیدار ہوئے تو فرمایا۔ اے حفصہؓ تم نے نرم بستر بچھا کر مجھے غافل کر دیا۔

دورِ خلافت میں جب کہ خدا نے سب کچھ دیا تھا، آپ کی حالت یہ تھی کہ دسترخوان پر بلا چھنے آٹے کی روٹی اور روغنِ زیتون ہوا کرتا تھا، سرکہ اور نمک سے، شہد اور کھجور سے روٹی کھانے میں اتنا لطف محسوس کرتے تھے کہ کوئی لذیذ غذاؤں میں نہیں کرے گا، ایک مرتبہ حفص بن ابی العاصؓ نے کھانے سے انکار کر دیا اور کہا کہ مجھے آپ کے روکھے پھیکے کھانے میں لطف نہیں آتا ہے، فرمانے لگے۔ خدا کی قسم میں بھی کھا سکتا ہوں مگر قیامت کا خوف کھانے نہیں دیتا ہے۔ مسلمانوں نے معقول تنخواہ مقرر کرنا چاہی تاکہ آپ زیادہ اچھی غذا اور اچھا لباس پہن سکیں۔ فرمایا مسلمانوں کے مال میں مجھے اتنا ہی حق پہنچتا ہے

جتنا ایک ولی کو یتیم کے مال میں۔ ایک مرتبہ سوکھی روٹی ابلے گوشت سے کھا رہے تھے، عقبہ ابن فرقد بھی شریک تھے، کہنے لگے، حضرت! اگر اچھی غذا کھائیں تو کیا بیت المال میں کمی آجائے گی؟ فرمایا۔ افسوس! تم مجھے امانت میں خیانت اور عیش و عشرت کی ترغیب دلاتے ہو۔

حضرت امام حسن فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ جمعہ کے خطبہ میں میری نظر تہ بند پر پڑی تو بارہ پیوند لگے ہوئے تھے، بیت المال میں معمولی سے تصرف کو بھی پسند نہیں کرتے تھے، ایک مرتبہ اپنے لڑکے عبداللہ کو ایک بہت تندرست اونٹ فروخت کرتے دیکھا، پوچھا اتنا تندرست؟ کہنے لگے جی ہاں میں نے اس کو کمزور خریدا تھا مگر کچھ دن کے لئے سرکاری چراگاہ میں چھوڑ دیا تھا، اونٹ اچھی قیمت پر فروخت ہوا تو آپ نے بیٹے کو اصلی قیمت دیدی اور باقی سب بیت المال میں جمع کر دیا۔

باوجود امیر المؤمنین ہونے کے عاجزی اور خاکساری کا یہ عالم تھا کہ معذور اور بیوہ عورتوں کے کام اپنے ہاتھ سے انجام دیدیا کرتے تھے، پانی مشک بھر کر ان کے گھروں میں پہونچا دیتے تھے، بازار سے ان کو ضرورت کا سامان خرید کر لا دیتے تھے، کہیں سفر میں جاتے تو معمولی سواری ہوتی تھی، راستہ میں کبھی آرام کرنا ہوتا تو کسی درخت کے سایہ میں زمین پر سو جاتے تھے، بارہا دیکھا گیا کہ مسجد کے کسی گوشہ میں زمین پر لیٹے ہوئے سو رہے ہیں، بیت المال کے اونٹوں کے جسم پر ایک دن تیل کی مالش کر رہے تھے کسی نے کہا، کیا کوئی غلام نہیں تھا؟ فرمایا۔ میں بھی تو

غلام ہی ہوں۔

بلاشبہ آپ کے مزاج میں سختی پائی جاتی تھی مگر غور سے دیکھا جائے تو سختی و نرمی، غصہ وغضب، عفو ورحم سب اللہ کے لئے تھا، وہ اپنی ذات کے لئے نہ تو نرم ہوکر کسی سے فائدہ اٹھانا چاہتے تھے اور نہ سخت ہوکر کوئی کام نکالنا چاہتے تھے، ایک مرتبہ ارشاد فرمایا کہ میرا دل اللہ کے معاملہ میں جھاگ سے زیادہ نرم اور پتھر سے زیادہ سخت ہے۔ آنحضرتؐ نے فتح مکہ کا ارادہ کیا تو حاطب بن ابی بلتعہؓ جن کے بیوی بچے مکہ میں تھے، انہوں نے مکہ والوں کو آنحضرتؐ کے ارادہ سے آگاہ کر دیا، خیال یہ تھا کہ مشرک احسان مند ہوکر بیوی بچوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرینگے، حضرت عمرؓ کو معلوم ہوا تو بارگاہ رسالتؐ میں حاضر ہوکر کہنے لگے، یارسول اللہ! اجازت دیجئے کہ حاطبؓ کا کام تمام کردوں، آنحضرتؐ نے فرمایا، جانے دو یہ اہل وعیال کی محبت سے مجبور تھا۔

جنگ بدر میں آنحضرتؐ نے حکم دیا کہ عباسؓ اگر نظر آئیں تو مارنا نہیں، ابوحذیفہؓ نے کہا، نہیں میں تو اگر مقابلہ ہوا تو نہیں چھوڑونگا حضرت عمرؓ اسقدر برافروختہ ہوئے کہ ابوحذیفہؓ کو قتل کرنے پر آمادہ ہو گئے مگر آنحضرتؐ نے ہاتھ نہیں اٹھانے دیا۔

یہی حال ان کے الطاف وکرم اور عفو ورحم کا تھا، مسند خلافت پر آئے تو غلاموں پر اسدرجہ مہربان ہوئے کہ تمام عربی غلاموں کو آزادی

دلوادی اور فرمادیا کہ عرب والے کسی کے غلام نہیں رہ سکتے، بیمار، کمزور اور معذور لوگوں کو دیکھ کر کانپنے لگتے تھے، ان کو بلا کر اپنے برابر دسترخوان پر بٹھاتے تھے اور کھانا کھلاتے تھے، آپ اکثر صاحب اثر و ثروت مسلمانوں کے سامنے فرمایا کرتے تھے کہ جو غلاموں کو ساتھ بٹھانے میں اپنی ذلت محسوس کرتا ہے اللہ اس پر لعنت فرماتا ہے۔ جب کسی کی شہادت کی خبر آتی تو اسقدر روتے کہ آنسوؤں کے تار بندھ جاتے۔ ایک مرتبہ راستہ میں ایک شخص کو دیکھا، ایک ہاتھ کہنی سے کٹا ہوا تھا، قریب آئے، کٹا ہوا ہاتھ ہاتھ میں لیکر فرمایا، تم اپنے کام کس طرح کرتے ہو گے؟ یہ کہہ کر بیت المال سے خدمت کے لئے ایک آدمی کو مقرر کردیا۔ ایک مرتبہ ایک اعرابی نے چند اشعار سنائے جن میں اپنی داستان مصیبت بیان کی گئی تھی، آپ بہت روئے اور گلے سے کرتہ اتار کر دیدیا۔

مسلمان غریب ہو یا غلام، امیر ہو یا فقیر آپ کو اس بات سے سخت نفرت تھی کہ ان سے ملنے جلنے میں کسی امتیاز کو قائم رکھا جائے، وہ سب کے ساتھ اس سادگی سے بیٹھ جاتے تھے کہ یہ معلوم کرنا مشکل ہو جاتا تھا کہ امیر المومنین کون ہیں اور غلام کون ہے ایک مرتبہ ایک مسلمان نے آپ کے خلاف زید بن ثابت کی عدالت میں استغاثہ دائر کیا۔ آپ جب عدالت میں پہنچے تو زید رضؓ نے تعظیم کے ساتھ بٹھایا مگر آپ یہ کہہ کر کہ یہ تمہاری پہلی ناانصافی

ہے اور مستغیث کے برابر بیٹھ گئے۔

"تاریخ وسیر کی کتابوں کو پڑھنے والے اچھی طرح جانتے ہیں کہ خلیفہ ثانی حضرت فاروق اعظمؓ نے خلافت کی زندگی کو جس انداز میں گذارا وہ ایک ایسا نمونہ تھی جس کی مثال نہیں ملتی، آپ نے ہمیشہ اس بات کی کوشش کی کہ کوئی کام آنحضرتؐ کی عادت و روش کے خلاف نہ ہونے پائے، بلکہ آپ کو اس بات کا بھی لحاظ رہتا تھا کہ میں وہی کروں جو خلیفۂ اول حضرت ابوبکر صدیق کا طریقہ تھا، ایک مرتبہ اپنی بیٹی ام المومنین حضرت حفصہؓ سے فرمایا، میں نہیں چاہتا کہ میں اپنے دونوں صاحبوں کی روش اور طریقہ کو نظر انداز کر دوں، اگر میں ایسا کرونگا تو مجھے ان کے پہلو میں کس طرح جگہ مل سکے گی، منصب خلافت پر فائز ہوئے اور منبر پر پہونچے تو اس سیڑھی پر بیٹھے جہاں حضرت صدیقؓ کے پیر رہا کرتے تھے، لوگوں نے کہا۔ اوپر بیٹھ جائیے، فرمایا میرے لئے یہی کافی ہے کہ مجھے وہ جگہ مل جائے جہاں صدیق اکبرؓ کے پیر رہا کرتے تھے، غرض محاسن فاروقیؓ کا اندازہ لگانے کے لئے اس روایت کو سامنے رکھئے،

> حضرت مسور بن مخرمہؓ بیان کرتے ہیں کہ ہم حضرت عمرؓ کی خدمت میں اس لئے آتے جاتے اور اٹھتے بیٹھتے تھے کہ ان سے اپنے آئینۂ اخلاق میں جلا پیدا کریں اور پرہیزگاری اور تقویٰ سیکھیں۔"

نگاہ فاروقی میں آنحضرتؐ کے بعد اگر کوئی چیز عزیز تھی تو وہ اہل بیتؓ کی ذات تھی، ایک مرتبہ حضرت امام حسنؓ آپ سے ملنے گھر پہ گئے مگر دروازہ پر عبداللہ ابن عمرؓ کو بیٹھے دیکھا تو واپس چلے آئے حضرت عمرؓ کو معلوم ہوا تو فوراً خادم کو بھیجکر بلوایا اور فرمایا۔ اے میرے بھتیجے تم کیوں واپس چلے گئے تھے، حضرت امام حسنؓ نے فرمایا: میں نے آپ کے صاحبزادے عبداللہ کو دروازہ پر دیکھا تو خیال کیا کہ جب ان کو اندر نہیں بلایا گیا تو مجھے کیسے بلایا جائے گا، حضرت عمرؓ نے فرمایا، آپ کی اور عبداللہ کی کیا برابری ہوسکتی ہے؟

حضرت امام باقرؒ فرماتے ہیں کہ حضرت عمرؓ کے پاس یمن سے سلے ہوئے کپڑے آئے مگر اتفاق سے کوئی بھی حضرات حسنینؓ کے جسم پر پورے نہیں ہوئے، آپ نے خاص طور پر دوبارہ کپڑے منگوائے اور جب صاحبزادوں نے زیب تن کر لئے تو فرمایا، اب میرے دل کو اطمینان حاصل ہوا۔

ایک مرتبہ جمعہ کی نماز کو جاتے ہوئے حضرت عباسؓ کے مکان کے نیچے سے گذرے، پرنالے سے پانی گرا کپڑے خراب ہو گئے، گھر واپس آئے اور کپڑے دھوئے پھر حکم دیا کہ یہ پرنالہ ہٹا دیا جائے، حضرت عباسؓ نے سنا تو کہنے لگے یہ پرنالہ آنحضرتؐ نے لگایا تھا، حضرت عمرؓ نے اپنا حکم اسی وقت واپس لے لیا۔

بنی ہاشم کے ساتھ آپ کی مراعات کا یہ عالم تھا کہ جب مال

غنیمت آتا تو سب سے پہلے ان ہی کو دیا جاتا ان کی شادیاں کرائی جائیں اور ان کو لونڈی غلام خدمت کے لئے دیئے جاتے۔

ایک مرتبہ کسی مسلمان نے حضرت ام سلمہؓ کی توہین کی، حضرت عمرؓ کو معلوم ہوا تو آپ اس شخص کو بلوا کر تیس دُرّے اس گستاخی کی سزا میں جسم پر لگوائے، تاکہ آئندہ کسی کو اہل بیت کے ساتھ بدتمیزی کی جرأت نہ ہو۔ ایک مرتبہ ابو شحمہؓ آپ کے صاحبزادے نے مصر میں کسی کے کہنے سننے سے شراب پی لی، عمرو بن عاصؓ کو پتہ چلا تو انہوں نے سزا دی مگر دُرّے بہت آہستہ آہستہ لگانے کا حکم دیا۔ حضرت عمرؓ کو معلوم ہوا تو عمرو بن عاصؓ کو لکھا تم اس قابل ہو کہ معزول کر دیئے جاؤ کہ تم نے قانون شرعی میں رعایت برتی ہے اور ابو شحمہؓ کو میرے پاس فوراً بھیجدو۔ ابو شحمہ مدینہ آئے تو آپ نے قاعدے کے مطابق سزا دی لوگوں نے سفارش بھی کی اور ابو شحمہؓ نے اپنی بیماری کا عذر بھی پیش کیا مگر کوئی بات قبول نہیں کی گئی، آخر سزا پانے کے بعد اتنے نڈھال ہوئے کہ ایک مہینے کے بعد انتقال کر گئے۔

ایک مرتبہ رات کے وقت ایک گھر میں سے بار بار بچہ کے رونے کی آواز آئی، آپ نے اس کی ماں سے پوچھا کہ یہ اسقدر کیوں روتا ہے عورت نے کہا کہ میں اس کا دودھ چھڑانا چاہتی ہوں۔ آپ نے بچہ کی عمر پوچھی تو معلوم ہوا کہ صرف ۷-۸ مہینہ کا ہے، آپ نے فرمایا کہ اتنی جلدی اس کا دودھ نہیں چھڑایا جا سکتا، عورت۔ نے

ہوں، وظیفہ کم ملتا ہے اور جب تک یہ شیر خوار رہے گا اس کا وظیفہ مقرر نہیں ہو سکتا۔ آپ نے فجر کی نماز سے فارغ ہو کر اعلان کر دیا کہ کوئی عورت بچہ کا دودھ قبل از مدت چھڑانے کی کوشش نہ کرے اور جو بچہ جس وقت پیدا ہوگا اسی دن سے اس کو وظیفہ دیا جائے گا۔

ایک مرتبہ رات کو گشت کرتے ہوئے ایک اعرابی کے خیمہ پر پہنچے، اعرابی خیمہ کے باہر پریشان بیٹھا تھا اور اندر سے عورت کے رونے کی آواز آ رہی تھی، آپ نے وجہ پوچھی تو پتہ چلا کہ اس کی بیوی دردزہ میں مبتلا ہے اور کوئی دائی بھی موجود نہیں ہے، حضرت عمرؓ گھر آئے اور اپنی بیوی ام کلثومؓ کو اس کے خیمہ پہ لے کر گئے اور اندر پہنچا دیا اور خود اعرابی کے پاس زمین پر بیٹھ کر باتیں کرنے لگے۔ تھوڑی دیر میں اندر سے آپ کی بیوی نے پکار کر کہا " امیر المومنین! اپنے دوست کو مبارک باد دیجئے کہ خدا نے اس کو لڑکا عنایت کیا ہے، اعرابی امیر المومنین کا لفظ سنکر کانپ گیا اور گھبرا کر کھڑا ہو گیا، آپ نے فرمایا، فکر مت کرو میں بھی تمہاری طرح آدمی ہوں، صبح میرے پاس آنا بچہ کا وظیفہ مقرر کر دونگا۔

حضرت طلحہؓ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک دن صبح صبح حضرت عمرؓ کو ایک گھر میں جاتے دیکھا جو چٹائی وغیرہ سے بنا ہوا تھا خیال کیا کہ شاید کوئی رشتہ دار یا ملنے والا رہتا ہوگا۔ مگر دریافت کرنے سے معلوم ہوا کہ ایک نابینا عورت رہتی ہے اور آپ اس کا کام کرنے آتے ہیں

ایک مرتبہ گھومتے ہوئے حراء کے مقام پر پہنچے، ایک گھر میں بچوں کو روتے ہوئے دیکھا تو پوچھا کیوں روتے ہیں؟ عورت نے کہا، بھوکے ہیں اور میں نے تسلی دینے کے لئے خالی ہانڈی چولہے پر چڑھا دی ہے، حضرت عمرؓ اسی وقت گھر آئے اور آٹا، گھی اور دوسرا سامان لے کر واپس گئے، راستہ میں خادم اسلم نے کہا لائیے میں اس سامان کو اٹھالوں، فرمایا، قیامت کے دن میرا بوجھ تم نہیں اٹھاؤ گے، عورت کے پاس گئے، اپنے سامنے کھانا پکوایا اور بچوں کو کھلایا۔

ایک مرتبہ راستے میں ایک بوڑھی عورت مل گئی، آپ باتیں کرنے لگے اور پوچھنے لگے کہ یہ جو عمر امیر المومنین ہے یہ کیسا آدمی ہے؟ بوڑھی نے بھلا برا کہنا شروع کر دیا اور کہا کہ جب سے خلیفہ ہوا ہے مجھے ایک پیسہ بھی نہیں دیا ہے، آپ نے کہا کہ تم نے اس کے پاس جا کر کبھی اپنا حال بیان کیا ہوتا، اسے کیا معلوم کہ تم کس حال میں ہو۔ عورت نے کہا کہ وہ امیر المومنین ہے اسے خود تمام حالات سے باخبر رہنا چاہیئے، پھر فرمایا اچھا تم کو عمر کی ذات سے جو تکلیف پہنچی ہے اسے کتنا معاوضہ لیکر معاف کرو گی، یہ باتیں ہو ہی رہی تھیں کہ اتنے میں حضرت علیؓ اور عبداللہ ابن مسعودؓ آ گئے اور کہنے لگے۔ السلام علیکم یا امیر المومنین! بڑھیا سٹ پٹا گئی کیونکہ ناواقفیت کی وجہ سے منہ پر برا بھلا کہہ رہی تھی، آپ نے اس کو تسلی دی اور پھر ایک چمڑے کے ٹکڑے پر ۲۵ اشرفی دیکر یہ تحریر لکھوائی کہ میں قیامت کے دن اللہ کے سامنے عمرؓ پر کوئی دعویٰ

نہیں کروں گی، حضرت علیؓ اور ابن مسعودؓ نے اس تحریر گواہی کے دستخط کیئے۔

ایک دن رات کو گشت کر رہے تھے، ایک مکان سے آواز آئی فاطمہ! اٹھو صبح ہو رہی ہے، جانوروں کا دودھ نکال لو اور اتنے دودھ میں اسقدر پانی ملا دینا۔ فاطمہ نے جواب میں ماں سے کہا کہ حضرت عمرؓ نے اعلان کرایا ہے کہ کوئی شخص دودھ میں پانی ملا کر فروخت نہ کرے، ماں نے کہا، ٹھیک ہے مگر اسوقت نہ امیر المومنین دیکھ رہے ہیں اور نہ ان کا اعلان کرنے والا۔ فاطمہ نے ماں کو جواب دیتے ہوئے کہا۔۔۔ مگر اللہ تو دیکھ رہا ہے، حضرت عمرؓ اس جواب سے بہت خوش ہوئے، مکان پہ ایک نشانی بنا کر واپس آ گئے، صبح خادم کے ہاتھ گھر کے لوگوں کو مسجد میں بلایا، فاطمہ کی تعریف کی، ماں کو بیٹی کی نیکی کی وجہ سے معاف کر دیا اور اس کے بعد اپنے بیٹے حضرت عاصمؓ کی اس لڑکی فاطمہ سے شادی کر دی اور ارشاد فرمایا کہ یہ نکاح بہت بابرکت ثابت ہوگا، چنانچہ آگے چل کر یہ فاطمہ حضرت عمر ابن عبدالعزیز کی نانی بنیں۔

ایک مرتبہ آخری حج سے واپس آتے ہوئے راستہ میں ایک جگہ ٹھیرے اور فرمایا: "اللہ کا شکر ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں وہ جس کو جو کچھ چاہتا ہے عطا کرتا ہے، ہاں یہی وادی ہے جہاں میں اپنے والد خطاب کے اونٹ چرایا کرتا تھا اور وہ مجھے ہر غلطی پر مارا کرتے

تھے آج اللہ نے یہ عزت بخشی ہے کہ اللہ کے سوا کوئی ایسا نہیں جس کا عمر کو خوف ہو۔

(بخاری، مسلم، دارمی، موطا، فتح الباری، طبری، ابن سعد، خلفائے راشدین)

مقام و مرتبہ

اللہ کی نظر میں

صحابہ کرامؓ میں حضرت فاروق اعظمؓ کو بھی یہ مقام بدرجہ اتم حاصل تھا کہ آپ کے بہت سے مشورے بارگاہ خداوندی میں قبول کئے گئے اور پھر ان ہی کے مطابق وحی الٰہی کا نزول ہوا۔ مجاہدین و مہاجرین کی تعریف و توصیف میں جسقدر آیات نازل ہوئیں سب میں آپ شریک ہیں اللہ کی نظروں میں آپ کی عزت و سرفرازی کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ آپ نے اسیران بدر کے معاملہ میں عرض کیا کہ یارسول اللہ! ان سے فدیہ نہ قبول کیا جائے بلکہ ان سب کو قتل کر دیا جائے اور جب حضرت ابوبکرؓ کی رائے سے فدیہ لیکر چھوڑ دیا گیا تو اللہ تعالےٰ نے یہ وحی نازل فرمائی۔

مَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗ اَسْرٰى حَتّٰى يُثْخِنَ فِي الْاَرْضِ۔ کسی نبیؐ کے لئے یہ مناسب نہیں کہ اس کے پاس قیدی ہوں جب تک وہ اچھی طرح خوں ریزی نہ کرے۔

آنحضرتؐ اور حضرت ابوبکر صدیقؓ دیر تک اس واقعہ پر اظہار افسوس

کرتے رہے (مسلم کتاب الجہاد)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ چاہتے تھے کہ ازواج مطہراتؓ کو پردے میں رہنے کا حکم دیا جائے چنانچہ کئی مرتبہ آنحضرتؐ کی خدمت میں اپنے خیال کو پیش کیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کے مشورہ کو خاموشی سے سنکر وحی کا انتظار کر رہے تھے، آخر آیت حجاب نازل ہوئی اور ازواج مطہراتؓ کو باہر بے پردہ نکلنے سے روک دیا گیا۔

حضرت عمرؓ کی دلی خواہش تھی کہ مقام ابراہیم میں مسلمانوں کو نماز پڑھنے کا حکم دیا جائے، چنانچہ تھوڑے ہی دن بعد یہ آیت نازل ہوئی وَاتَّخِذُوا مِن مَّقَامِ إِبْرَاهِيمَ مُصَلًّى۔ اور مقام ابراہیم کو نماز پڑھنے کی جگہ بناؤ

شراب حضرت عمرؓ کی گھٹی میں پڑی ہوئی تھی مگر اسلام لانے کے بعد ان کو شراب سے نفرت ہو گئی تھی اور وہ چاہتے تھے کہ اس کو حکماً بند کر دیا جائے، آخر وحی الٰہی نازل ہوئی اور آیت کے ذریعہ اس کی حرمت کا حکم دیا گیا۔ مدینہ کا مشہور منافق اور منافقوں کا سرگروہ جب مرا تو اس کے بیٹے نے آنحضرتؐ سے باپ کی نماز جنازہ پڑھنے کی درخواست کی، آپؐ نے اخلاقاً اس درخواست کو قبول کر لیا، حضرت عمرؓ کو یہ بات پسند نہیں تھی کہ اس منافق کے جنازے کی نماز آنحضرتؐ پڑھیں، اس وقت ارشاد باری ہوا۔

وَلَا تُصَلِّ عَلَىٰ أَحَدٍ مِّنْهُم اے ہمارے رسول! آپ کسی بھی منافق کی نماز جنازہ نہ پڑھیں۔ (بخاری و مسلم)

آنحضرتؐ کی نظر میں

حضرت فاروق اعظمؓ کے متعلق رسالت مآبؐ کے بہت سے ارشادہیں جن کو صحابہ کرامؓ نے روایت کیا ہے اور وہ کتب حدیث میں پائے جاتے ہیں، چنانچہ ایک مرتبہ حضرت عمرؓ کو دیکھ کر ارشاد فرمایا، ابن خطابؓ! قسم ہے اس کی جس کے اختیار میں میری جان ہے کہ شیطان تم کو آتا ہوا دیکھ کر اپنا راستہ بدل دیتا ہے —— ایک مرتبہ ارشاد ہوا کہ اے عمر! شیطان تم سے ڈرتا ہے۔ ان الشیطان لیخاف منک یا عمر!

(بخاری، مسلم، ترمذی)

حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ آنحضرتؐ نے ارشاد فرمایا۔ تم سے پہلی امتوں میں کچھ بندے ایسے ہوتے تھے کہ ان سے اللہ تعالےٰ باتیں کیا کرتا تھا میری امت میں اگر کوئی ہے تو وہ عمرؓ ہیں۔ (بخاری ومسلم)

آنحضرتؐ نے ارشاد فرمایا، اللہ نے عمرؓ کی زبان اور ان کے دل پر حق کو قائم کردیا ہے، دوسری حدیث میں فرمایا کہ اللہ تعالےٰ نے حق عمرؓ کی زبان پر رکھ دیا ہے۔

حضرت عقبہؓ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو عمر ابن خطاب ہوتے، (ابوداود، ترمذی)

ترمذی کی روایت ہے کہ ایک دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت صدیقؓ اور حضرت عمرؓ کے درمیان میں چل رہے تھے اور دونوں کا ہاتھ پکڑے ہوئے تھے اور فرما رہے تھے کہ ہم تینوں قیامت کے دن

اسی طرح اٹھیں گے۔

حضرت ابوسعید خدریؓ کہتے ہیں کہ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ ہر نبی کے دو وزیر آسمان والوں اور دو وزیر زمین والوں میں ہوتے ہیں آسمانوں میں میرے وزیر جبریل و میکائیل ہیں اور زمین والوں میں میرے وزیر صدیقؓ و فاروقؓ ہیں۔

حضرت ابن محوہؓ کہتے ہیں کہ آنحضرتؐ نے اہل مجلس سے ارشاد فرمایا کہ ابھی اہل جنت سے ایک شخص تمہارے پاس آنے والا ہے چنانچہ حضرت ابوبکرؓ آئے، پھر آپ نے یہی بات بیان فرمائی اور حضرت عمرؓ تشریف لائے۔ (ترمذی)

حضرت ابن مسعودؓ کہتے ہیں کہ حضور اکرمؐ نے ارشاد فرمایا۔ پیروی کرو ان کی جو میرے بعد ہونگے میرے صحابہ میں سے یعنی حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمر ابن خطابؓ۔ (ترمذی و حاکم)

ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تین مرتبہ حضرت عمرؓ کے سینہ پر ہاتھ پھیرا اور فرمایا۔ یا اللہ عمرؓ کے سینہ میں جس قدر کینہ تھا اس کو ایمان سے بدل دے۔ (واقعہ وقت قبول اسلام)

ایک مرتبہ آپؐ نے دعا مانگی کہ یا اللہ عمر بن خطابؓ سے دین کو قوت عطا فرما۔ (حاکم)

حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ آنحضرتؐ نے ارشاد فرمایا کہ میں جنت میں داخل ہوا تو سونے کا ایک محل دیکھا، میں نے پوچھا یہ کس کے لئے بنایا گیا

ہے، فرشتوں نے کہا، عمر ابن خطابؓ کے لئے۔ (ترمذی)

حضرت عمار بن یاسرؓ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ آنحضرتؐ نے ارشاد فرمایا کہ حضرت جبریلؑ نے میرے پوچھنے پر فرمایا یا رسول اللہ! اگر میں حضرت عمرؓ کے فضائل اتنے عرصہ تک بیان کرتا رہوں جتنے عرصہ حضرت نوحؑ اپنی امت میں رہے تب بھی عمرؓ کے فضائل ختم نہیں ہوں گے، مگر ابو بکرؓ کی نیکیوں میں سے عمرؓ ایک نیکی ہیں۔ (ازالۃ الخفاء)

ایک مرتبہ آنحضرتؐ نے حضرت ابو بکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ سے فرمایا ـــــ اگر تم دونوں کسی مشورہ پر متفق ہو جاؤ تو میں تمہاری مخالفت نہیں کروں گا۔ (امام احمد)

حضرت ابی ابن کعبؓ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن سب سے پہلے اللہ تعالےٰ جس شخص سے معانقہ ومصافحہ کرے گا وہ عمر ابن خطابؓ ہیں اور جسے فرشتے سب سے پہلے ہاتھ پکڑ کر جنت میں لے جائیں گے وہ عمر ابن خطابؓ ہیں۔

(حاکم بروایت یحییٰ بن سعید وسعید بن مسیبؓ)

صحابہؓ کی نظر میں

حضرت علی ابن ابی طالبؓ نے ایک مرتبہ برسر منبر ارشاد فرمایا کہ اس امت میں آنحضرتؐ کے بعد سب سے بہتر حضرت ابو بکرؓ ہیں اور ان کے بعد حضرت عمرؓ ہیں ـــــ ایک مرتبہ منبر پر بیٹھے اللہ ورسولؐ کی تعریف کی، آنحضرتؐ پر درود بھیجا اور اس کے بعد فرمایا، اللہ کے نبی کے بعد

بہترین امت حضرت ابوبکرؓ ہیں اور دوسرے درجہ میں حضرت عمرؓ ہیں اور اس کے بعد جسے اللہ چاہے بہترین امت بنائے۔ حضرت علیؓ نے جنگ جمل کے دن فرمایا، آنحضرتؐ نے خلافت کے معاملہ میں ہمیں کوئی وصیت نہیں فرمائی، ہم سب نے اپنی ذاتی رائے سے کام لیا، چنانچہ حضرت ابوبکرؓ خلیفہ ہوئے، اللہ ان پر اپنی رحمت نازل فرمائے انہوں نے دین کو قائم کیا اور خود بھی قائم رہے، پھر حضرت عمرؓ خلیفہ بنائے گئے، اللہ ان پر رحم فرمائے، انہوں نے بھی دین کو خوب مضبوط کیا اور خود بھی قائم اور مضبوط رہے یہاں تک کہ دین کمال کو پہنچ گیا۔

حضرت علیؓ نے ارشاد فرمایا۔ جو شخص مجھے حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ پر فضیلت دے گا میں اس کے اسّی درّے مارونگا۔

(امام احمد۔ استیعاب)

حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اپنی وفات کے وقت حضرت عمرؓ کو بلوایا تاکہ اپنے بعد ان کو خلیفہ بنائیں، حاضرین نے عرض کیا، آپ ہم پر ایسے شخص کو خلیفہ بنا رہے ہیں جو اپنے مزاج میں بہت سخت ہے اور حاکم بنے گا تو اور بھی سخت ہو جائے گا تو جب آپ اپنے رب سے ملیں گے تو کیا جواب دیں گے؟ حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا۔ تم مجھ کو اللہ کا خوف دلاتے ہو، سنو! میں اپنے رب سے کہونگا کہ یا اللہ میں نے ان پر ایسے شخص کو خلیفہ بنایا ہے جو سب میں بہتر ہے۔ (ازالۃ الخفا)

ایک مرتبہ آپ نے حضرت عمرؓ کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا،

اے عمر! تم میری تعریف کرتے ہو حالانکہ میں نے آنحضرتؐ کو فرماتے سنا ہے کہ آفتاب نے عمرؓ سے بہتر شخص پر طلوع نہیں کیا۔ (ترمذی)

حضرت عثمان ابن عفانؓ نیند سے بیدار ہوئے اور فرمایا۔ میری قوم مجھے قتل کرے گی، بیوی صاحبہ نے کہا کہ ایسا نہیں ہوگا، قوم آپ سے خوش ہے، فرمایا۔ یہ ضرور ہوگا۔ میں نے ابھی خواب میں آنحضرتؐ کو دیکھا ہے اور ان کے ہمراہ حضرت صدیقؓ اور حضرت عمرؓ بھی تھے حضور اکرمؐ نے مجھ سے ارشاد فرمایا اے عثمان آج تم ہمارے پاس اپنا روزہ افطار کرو گے۔ (امام احمد)

حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ فرماتے تھے کہ میرا حضرت عمرؓ کی صحبت میں گھڑی بھر بیٹھنا ایک سال کی عبادت سے بہتر ہے — ایک مرتبہ آپ نے فرمایا۔ اللہ کی قسم ہم کعبہ کے پاس نماز نہیں پڑھ سکتے تھے یہاں تک کہ حضرت عمرؓ اسلام لائے — آپ نے فرمایا، جب عمرؓ ایمان لائے تو ہم سب غالب ہوتے چلے گئے۔ (ازالۃ الخفا)

ایک مرتبہ حضرت حذیفہ بن الیمانؓ نے کہا کہ فتویٰ دینا اس شخص کا کام ہے جو قرآن کے ناسخ و منسوخ کو بخوبی جانتا ہو، لوگوں نے پوچھا ایسا شخص کون ہے۔ فرمایا عمر ابن خطابؓ۔ (دارمی)

حضرت ابن مسعودؓ فرماتے تھے کہ اگر تمام عرب کا علم ایک پلہ میں رکھا جائے اور حضرت عمرؓ کا علم ایک پلہ میں رکھا جائے تو عمرؓ کا پلہ بھاری رہے گا۔ (استیعاب)

حضرت ابن عباسؓ سے جب کوئی مسئلہ پوچھا جاتا تھا تو... قرآن میں دیکھتے، نہ ملتا تو آنحضرتؐ کے اقوال میں تلاش کرتے اور وہاں بھی نہ ملتا تو حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے اقوال میں تلاش کرتے اس کے بعد اپنی رائے سے کام لیتے تھے۔ (دارمی)

حضرت محمد بن سیرینؒ فرماتے تھے کہ میں کبھی یہ خیال بھی نہیں کرسکتا کہ جو شخص حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کو برا کہتا ہے وہ آنحضرتؐ سے محبت کرسکتا ہے یا محبت رکھتا ہے۔ (ترمذی)

محب طبری کہتے ہیں کہ ابن السمان نے امام حسنؓ کی ایک تحریر نکالی جس میں لکھا ہوا تھا کہ حضرت علیؓ نے حضرت عمرؓ کی کبھی مخالفت نہیں کی نہ مدینہ میں اور نہ کوفہ میں اور نہ ان باتوں میں کوئی تغیر کیا جو حضرت عمرؓ نے جاری کی تھیں۔

صحابۂ کرامؓ کے علاوہ سادات عظام میں ایسے بہت سے بزرگ ہیں جو حضرت عمرؓ کی تعریف میں ہمیشہ رطب اللسان رہے چنانچہ حضرت امام باقر ابن امام زین العابدینؒ روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ مدینہ کی ایک گلی میں حضرت عمرؓ کو حضرت علیؓ ملے۔ ساتھ میں امام حسنؓ اور امام حسینؓ بھی تھے، حضرت علیؓ نے حضرت عمرؓ کو سلام کیا اور ان کا ہاتھ پکڑ لیا، دونوں صاحبزادے بھی داہنے بائیں کھڑے ہو گئے، حضرت عمرؓ رونے لگے، حضرت علیؓ نے پوچھا روتے کیوں ہو؟ کہنے لگے، یا علی! میں اس امت کا والی بنایا گیا ہوں، مجھے نہیں معلوم کہ میں کام ٹھیک کرتا ہوں یا غلط

کرتا ہوں، حضرت علیؓ نے فرمایا۔ خدا کی قسم آپ جو کچھ کرتے ہیں وہ ٹھیک ہوتا ہے مگر وہ روتے ہی رہے، امام حسنؓ نے بھی تعریف کی مگر خاموش نہ ہوئے، پھر حضرت امام حسینؓ نے ان کے عدل و انصاف اور کارناموں کو سراہا۔ حضرت عمرؓ خاموش ہو گئے اور کہنے لگے اچھا اے میرے بھتیجو! کیا تم میرے عدل و انصاف کی اللہ کے سامنے گواہی دو گے، صاحبزادے کچھ بولنے بھی نہ پائے تھے کہ حضرت علیؓ نے فرمایا۔ ہاں تم گواہ رہو اور میں بھی تمہارے ساتھ گواہ ہوں۔

حضرت ابو حازم کا بیان ہے کہ ایک شخص نے امام زین العابدینؒ سے پوچھا کہ آنحضرتؐ کی بارگاہ میں حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ کو کس قدر تقرب حاصل تھا، آپ نے بڑی متانت کے ساتھ جواب دیا کہ جسقدر اب تم دیکھتے ہو۔

حضرت عبداللہ بن حسنؒ جو حضرت علیؓ کے پوتے ہیں فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت علیؓ سے پوچھا گیا کہ حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ کے متعلق آپ کیا کہتے ہیں؟ فرمایا، اللہ ان پر اپنی رحمت نازل فرمائے اور جو ان کے لئے طلب رحمت نہ کرے اللہ اس پر اپنا رحم نہ کرے۔

امام محمد ابن ابی حفصہ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ امام باقرؒ اور امام جعفرؒ سے پوچھا گیا کہ حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے، فرمایا، وہ دونوں امام تھے، عادل تھے، ہم ان سے محبت رکھتے ہیں اور ان کے دشمنوں سے بیزاری کا اعلان کرتے ہیں۔

تاریخ خلفائے راشدین

— پھر فرمایا کہ ابوبکر صدیقؓ تو ہمارے نانا ہیں، مجھے رسول اللہ صلعم کی شفاعت نصیب نہ ہو جو میں ان سے عداوت رکھوں۔

حضرت امام باقرؒ فرماتے تھے کہ جس نے حضرت ابوبکر اور حضرت عمرؓ کے فضائل کو نہ جانا وہ سنت رسولؐ سے جاہل رہا — پھر فرمایا میں ان سے محبت رکھتا ہوں اور ان کے لئے دعائے خیر کرتا ہوں۔ میں نے اپنے گھر میں سب کو ان سے محبت کرتے دیکھا ہے — پھر فرمایا، وہ بے دین ہے جو حضرت عمرؓ اور حضرت ابوبکرؓ کو برا کہتا ہے۔

ایک مرتبہ ارشاد فرمایا، حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ سے بغض رکھنا نفاق ہے — آپ نے فرمایا کہ ایک دن حضرت ابوبکرؓ کے کولھے میں درد تھا تو حضرت علیؓ ان کے کولھے کو اپنے ہاتھ سے سینک رہے تھے — فرمایا، ان ہی حضرات کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی ہے — وَنَزَعْنَا مَا فِي صُدُورِهِم مِّنْ غِلٍّ (الی آخر سورۃ الحجر)، یعنی ہم نے نکال دیا جو کچھ کینہ ان کے دلوں میں تھا، وہ بھائی بھائی بن گئے جنت میں تختوں پر ایک دوسرے کے سامنے بیٹھے ہوں گے۔

(حاکم، احمد، ازالۃ الخفا)

اقوال وارشادات

حضرت فاروق اعظمؓ کے ارشادات اور حکیمانہ مقولے اس کثرت سے کتابوں میں موجود ہیں کہ اگر ان سب کو ایک جگہ جمع کیا جائے تو ایک

ضخیم کتاب تیار ہو سکتی ہے، شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے آپ کی تعلیمات کو بہت تفصیل سے ازالۃ الخفا میں سپرد قلم کیا ہے، اسی طرح امام غزالیؒ کے بیان میں بھی ارشاداتِ فاروقی کا بہت کافی ذخیرہ ملتا ہے۔ چونکہ تفصیل کی گنجائش نہیں ہے اس لئے مختصر اقوال و نصائح یہاں بیان کئے جارہے ہیں۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ کسی کی تعریف کرنا اس کو ذبح کرنے کے مترادف ہے۔ ایک شخص نے آپ کی تعریف کی تو اس سے فرمایا، تم اپنے آپ کو اور مجھے دونوں کو ہلاک کرنا چاہتے ہو۔

آپ نے فرمایا۔ زیادہ ہنسنے والوں کا رعب اٹھ جاتا ہے، زیادہ مذاق و مزاح کرنے والوں کو لوگ ہلکا اور خفیف سمجھتے ہیں۔ جو شخص زیادہ بولتا ہے زیادہ غلطیاں کرتا ہے اور غلطیوں کی کثرت حیاء کو کم کر دیتی ہے حیاء کی کمی سے تقویٰ کم ہو جاتا ہے اور جب تقویٰ کم ہو جاتا ہے تو قلب مرجاتا ہے۔ جو شخص اپنا راز پوشیدہ رکھتا ہے وہ اپنا اختیار اپنے ہاتھ میں رکھتا ہے۔

آپ نے فرمایا، جس سے تم کو نفرت ہو اس سے تم کو ڈرتے رہنا چاہئے۔ سب سے زیادہ عقلمند وہ ہے جو اپنے افعال کی بہتر تاویل کر سکتا ہے، جو کام آج کرنے کا ہے اسے کل کے لئے مت چھوڑو۔

آپ نے فرمایا، اللہ اس شخص پر اپنا رحم فرمائے جو میری برائیوں کو میرے پاس تحفے کے طور پر بھیجتا ہے، جو شخص برائی کو نہیں جانتا وہ برائی میں پھنسے گا۔ دوسروں کی فکر میں خود کو فراموش مت کرو۔ دنیا جسقدر کم ہو گی زندگی

اسیقدر آرام سے گذرے گی۔ توبہ کی تکلیف سے گناہوں کا ترک کر دینا زیادہ آسان ہے، آپ نے فرمایا جب کوئی مجھ سے گفتگو کرتا ہے تو میں اس کی عقل کا اندازہ کر لیتا ہوں۔ درہم و دینار سر بلند کئے بغیر نہیں رہتے ہیں۔ جو چیز پیچھے ہٹتی ہے پھر آگے نہیں بڑھتی ہے، آپ نے فرمایا جس نے اپنی نماز کی حفاظت کی اس نے اپنے دین کو محفوظ کر لیا اور جو نماز کو ضائع کرتا ہے وہ دُوسری چیزوں کو بھی ضائع کر دے گا۔

ایک مرتبہ حضرت ابو موسیٰ اشعری کو لکھا کہ صبر کی دو قسمیں ہیں، ایک مصیبت آنے پر دوسرا ترک گناہ پر اور دُوسری قسم پہلی سے بہتر ہے اور وجہ ایمان ہے۔ آپ نے فرمایا۔ دو چیزیں چھوڑے جاتا ہوں، فیصلے میں انصاف اور تقسیم میں انصاف، جب تک یہ دونوں چیزیں تم میں رہیں گی بھلائی رہے گی جس راستے پر میں تم کو چھوڑ رہا ہوں اس پر نشان قدم موجود ہیں جو ان نشانوں کو چھوڑے گا وہ راستہ سے بہک جائے گا۔

آپ نے فرمایا، توبہ کرنے والوں کے پاس بیٹھا کرو کیونکہ ان کے دل نرم ہوتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے علماء کی مجلس سے زیادہ بزرگ کوئی جگہ نہیں بنائی لہٰذا علماء کی مجلس کو کبھی مت چھوڑا کرو۔ جو عالم دنیا سے محبت رکھتا ہو اس کی دین کی باتوں پر اعتبار مت کرو۔ ایک عالم کی موت ہزار عابدوں کی موت سے زیادہ ہے۔ آپ نے فرمایا سب سے زیادہ جاہل ہے جو آخرت کو دنیا کی خاطر فروخت کرتا ہے —— سب سے زیادہ سخی وہ ہے جو اس کو دے جسے کسی نے نہیں دیا —— فرمایا۔ اگر کوئی یہ

چاہتا ہے کہ زندگی آرام سے گذرے تو اسے چاہیئے کہ اپنے باپ کے دوستوں سے اچھا سلوک کرے ۔۔ فرمایا۔ کام وہ کیا کرو جسے کرتے ہوئے کوئی تم کو دیکھ لے اور تم کو برا نہ معلوم ہو ۔۔ گناہوں کی کمی موت کو آسان کر دیتی ہے ۔

آپ نے فرمایا۔ گمراہ ہونے کے لئے یہ کافی ہے کہ غیر میں عیب نکالے، اپنے عیبوں کو نہ دیکھے اور اپنے ندیم وجلیس کو تکلیف دے ۔۔ فرمایا مشورہ ان سے لیا کرو جو اللہ سے ڈرتے ہیں، دشمن سے دور رہو مگر دوست سے بھی بے خبر مت رہو۔

ایک دن وَاِذَا النُّفُوْسُ زُوِّجَتْ کی تفسیر میں فرمایا۔ جنت میں صالح کو صالح کے ساتھ اور دوزخ میں گنہگار کو گنہگار کے ساتھ رکھا جائے گا۔

ایک مرتبہ زیادہ مال دیکھ کر فرمایا۔ یہی وہ چیز ہے جو لوگوں کے درمیان بغض وعداوت پیدا کرتی ہے، پھر آبدیدہ ہوتے رہے، آپ نے فرمایا کہ کوئی دعا قبول نہیں ہوتی جب تک آنحضرتؐ پر درود نہ پڑھا جائے،

محب طبری بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمرؓ اپنے نفس کی طرف مخاطب ہو کر فرماتے، آج میں نے کیا کیا، آج میں نے یہ یہ کام کیئے اس کے بعد اپنی پشت پر دُرّے مارتے تھے۔ جب کوئی کہتا کہ اللہ تعالےٰ سے ڈریئے تو بہت خوش ہوتے تھے اور اس کا شکریہ ادا کرتے تھے۔

آپ نے فرمایا۔ خبردار عورتوں کے مہر کو نہ بڑھاؤ ۔۔ ایک دن زمین سے ایک تنکا اٹھا لیا اور فرمایا، کاش میں اس تنکے کی طرح ہوتا اور میری ماں

مجھسے نہ بنتی تو اچھا ہوتا۔ آپ نے فرمایا جو خدا سے ڈرتا ہے وہ انتقام نہیں لیتا ہے ـــــ فرمایا، دنیا کے چھوڑنے میں دل کا چین اور بدن کی راحت ہے ۔ ایک بلند مکان کو دیکھ کر فرمایا۔ روپیہ سر نکالے بغیر نہیں رہتا۔ فرمایا حساب سے پہلے اپنا حساب کر لو۔ اعمال تولے جانے سے پہلے خود ان کو تول لو اور خدا کے سامنے پیش ہونے کے لئے تیار ہو جاؤ۔

آپ نے فرمایا۔ اسلام کے بعد اچھے دوست سے بہتر کوئی چیز نہیں، جب تم کسی کی طرف سے محبت کو دیکھو تو اسے مضبوط پکڑ لو کیونکہ دوست بہت کم ملتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ مومن کی شان یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ اس کی حفاظت فرماتا ہے ـ آپ نے فرمایا، نجوم سیکھو مگر اتنا کہ تم اس کے ذریعہ قبلہ کی سمت اور راستہ معلوم کر سکو۔

ایک مرتبہ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کو لکھا کہ میں تم کو وہی حکم دیتا ہوں جو قرآن نے تم کو دیا ہے اور اس بات سے منع کرتا ہوں جس سے تم کو آنحضرتؐ نے منع فرمایا ہے اور میں تم کو اتباع فقہ و سنت اور تفہیم فی العربیت کا حکم دیتا ہوں ـــــ دیکھو جب تم میں سے کوئی خواب دیکھے اور اپنے مسلمان بھائی سے بیان کرے تو اس کو چاہئیے کہ وہ یہ کہے "خَيْرٌ لَنَا وَشَرٌّ لِأَعْدَائِنَا۔"

امام بغوی زہری سے روایت کرتے ہیں۔ کہ فاروق اعظم کی مجلس نوجوان اور بوڑھے سبھی قسم کے قرّاء شریک ہوا کرتے تھے، تو کبھی کبھی آپ ان سے مشورہ کرتے تھے اور فرماتے تھے، تم میں سے کسی کو مشورہ دینے

میں تامل نہیں ہونا چاہیئے کیونکہ علم نہ بوڑھوں پر منحصر ہے اور نہ نوجوانوں پر۔ مگر اللہ جس کے سینہ میں چاہتا ہے رکھ دیتا ہے۔

آپ نے فرمایا۔ تین باتوں سے دلوں میں محبت پیدا ہوتی ہے اور وقار بڑھتا ہے۔ ملاقات کے وقت سلام کرنے میں ابتداء کرے، اور لوگوں کو اس نام سے پکارے جو ان کو زیادہ پسند ہوں اور جب وہ آئیں تو ان کے لیے مجلس میں جگہ بنائیں۔ (ازالۃ الخفاء، احیاء العلوم، امام غزالی)

ازواج و اولاد

حضرت فاروق اعظمؓ نے اپنی زندگی میں کئی شادیاں کیں۔ پہلی شادی قبل اسلام عثمان ابن مظعونؓ کی بہن جناب زینبؓ سے ہوئی تھی، یہ محترمہ بھی مسلمان ہوگئی تھیں۔ مکہ میں انتقال کیا، عبداللہ ابن عمرؓ اور ام المومنین حضرت حفصہؓ ان ہی سے پیدا ہوئے تھے، دوسری شادی قریبہ بنت امیہ مخزومی سے ہوئی مگر ان کو ۶ھ میں اس بنا پر طلاق دیدی کہ [redacted] سابقہ مذہب کو چھوڑنے پر تیار نہیں ہوئیں۔ ام المومنین حضرت ام سلمہؓ ان کی سگی بہن تھیں تیسری شادی ملیکہ بنت جرول خزاعی سے کی اور ان کو بھی خلاف مزاج پا کر طلاق دیدی، چوتھی شادی مدینہ کے انصار میں کی [redacted] عاصم بن ثابتؓ کی بیٹی تھیں لیکن نبھاؤ نہیں ہوسکا —— پانچویں شادی آپ نے اپنی چچا زاد بہن عاتکہ سے ۱۲ھ میں کی، یہ پہلے حضرت ابوبکرؓ کے بیٹے

عبداللہؓ کے نکاح میں تھیں، عبداللہ طائف میں شہید ہوئے، عاتکہؓ تین برس عبداللہ کے غم میں بیٹھی رہیں آخر حضرت عمرؓ کے نکاح میں آگئیں حضرت علیؓ نے ولیمہ کا انتظام کیا تھا۔

چھٹی اور آخری شادی آپ کی حضرت ام کلثومؓ سے ۱۷ھ میں ہوئی۔ یہ حضرت علیؓ کی صاحبزادی اور حضرات حسنینؓ کی حقیقی بہن تھیں، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے ۵ برس بعد نکاح میں آئیں، چالیس ہزار درہم مہر مقرر ہوا۔ حضرت فاروق اعظمؓ کئی شادیاں کر چکے تھے مگر ان کی دلی تمنا یہ تھی کہ خاندان مصطفےٰ سے وابستہ ہو جائیں تاکہ شرف و امتیاز میں ایک حسین اضافہ کے ساتھ آخرت کے لحاظ سے بھی باعث برکت و نجات ثابت ہو، اور جب حضرت علیؓ نے ان کی درخواست منظور کر لی تو ان کی مسرت کی کوئی حد نہیں رہی مسلمانوں کا ایک گروہ اس شادی کے قبول کرنے سے انکار کرتا ہے اور ایسے اس شادی میں اپنی انتہائی توہین نظر آتی ہے حالانکہ حضرت علیؓ نے بڑی خوشی سے اس رسم کو انجام دیا تھا، دراصل اس گروہ نے بہت سے حقائق پر پردہ ڈالنے کی کوشش کی ہے اور تاریخ کے مسلم واقعات سے انکار کر کے اور ان کو جھوٹا کہہ کر خلفائے ثلاثہ کو بارگاہ نبوت سے دور لے جانے کی کوشش میں صدیوں سے لگے ہوئے ہیں مگر یہ نہیں جانتے کہ آفتاب کسی گرد و غبار کو قبول نہیں کرتا ہے۔ کاش ان کو دیکھتا کہ نواسئ رسولؐ حضرت ام کلثوم کی شادی کو علامہ طبریؒ نے تاریخ

کبیر میں، ابن حبان نے کتاب النقاۃ میں، ابن قتیبہ نے معارف میں، ابن اثیر نے کامل میں بڑی تفصیل اور تصریح سے لکھا ہے نیز اسد الغابہ اور بخاری نے بھی اس شادی کا تذکرہ کیا ہے۔

اولاد میں حضرت حفصہؓ اور حضرت عبد اللہؓ نے غیر معمولی شہرت و مرتبہ حاصل کیا۔ حضرت حفصہؓ آنحضرتؐ کے نکاح میں آئیں اور ام المومنین کے لقب سے نوازی گئیں، ان کا پہلا نکاح خنیسؓ شہید احد کے ساتھ ہوا تھا، ۳ھ میں آنحضرتؐ کے حرم میں آئیں اور ۴۵ھ میں امیر معاویہؓ کے زمانہ میں ۶۳ برس کی عمر کو پہنچ کر وفات پائی۔ عبد اللہ ابن عمرؓ اپنے والد کے ساتھ مکہ میں مسلمان ہو گئے تھے، قرآن حدیث اور فقہ کے بہت بڑے عالم تھے۔ بہت سے غزوات میں آنحضرتؐ کے ساتھ شریک جہاد رہے، بڑے بے باک، حق گو اور صاحب فہم ذکی تھے، حجاج بن یوسف کعبہ میں خطبہ دے رہا تھا کہ آپ نے اسی حالت میں کھڑے ہو کر فرمایا، لوگو! یہ ظالم اور دشمن خدا ہے اس نے بہت سے اللہ کے دوستوں کو قتل کیا ہے، جس زمانہ میں حضرت علیؓ اور امیر معاویہؓ کے معاملہ پر مجلس حکم غور کر رہی تھی، آپ سے لوگوں نے خلافت پر بیعت کرنا چاہی تو آپ نے صاف انکار کر دیا اور کہا کہ ایسی خلافت جو مسلمانوں کے خون کے بدلے خریدی جائے میں پسند نہیں کرتا ہوں۔"

آپ کے صاحبزادے حضرت سالمؓ بھی نامور عالم، محدث اور فقیہ تھے، مدینہ کے سات فقہا میں سے ایک تھے، میں نے ان کا مفصل تذکرہ

اور دوسرے بہت سے حضرات کا ذکر اپنی کتاب "علمائے تابعین" میں تفصیل سے کیا ہے۔ حضرت عبداللہؓ حضرت فاروق اعظمؓ کے دوسرے اور نامور صاحبزادے تھے، علمی دنیا میں کم مگر فن پہلوانی میں بہت نام پیدا کیا تھا، بڑے قد آور اور مضبوط جسم کے تھے، مزاج میں شدت تھی مگر اسلام نے نرم بنا دیا تھا۔

حضرت عاصمؓ یہ حضرت فاروق اعظمؓ کے تیسرے نامور فرزند تھے، تقوای و طہارت اور علم و فضل میں یگانۂ زمانہ تھے، بڑے بھائی حضرت عبداللہؓ کو ان سے بے پناہ محبت تھی، چنانچہ جب آپ نے انتقال کیا تو حضرت عبداللہؓ کو اتنا صدمہ ہوا کہ مدتوں یہ حال رہا کہ جب عاصمؓ کا ذکر آجاتا تو زار و قطار رونے لگتے، ایک مرتبہ اسی غم میں ایک طویل مرثیہ بھی لکھ ڈالا جس میں کہا تھا۔

"کاش! عاصمؓ کو موت نہ لے جاتی اور ہم سب ساتھ رہتے اور اگر موت کو لے ہی جانا تھا تو ہم کو بھی لے جاتی تو اچھا ہوتا۔"

حضرت عاصمؓ ہی وہ بزرگ ہیں جن کی شادی آپ کے والد حضرت فاروق اعظمؓ نے دودھ والے کی لڑکی فاطمہ سے کی تھی جس کا ذکر پچھلے صفحات میں کیا گیا ہے، بنی امیہ کے مشہور اور نیک طینت خلیفہ حضرت عمر ابن عبدالعزیزؒ آپ ہی کے نواسے تھے —— حضرت فاروق اعظمؓ کی اولاد میں حضرت زیدؓ، حضرت مجیرؓ اور ابو شحمہ عبدالرحمٰن کے نام بھی ملتے ہیں، ابو شحمہ کا ذکر ہو چکا ہے حضرت زیدؓ نے اپنے والد کے سامنے وفات پائی اور ایک بچہ چھوڑا جسے

حضرت عمرؓ اکثر گود میں لئے رہتے تھے۔

حضرت فاروق اعظمؓ کا قد لانبا تھا اور ہر مجمع میں وہ سب سے نمایاں نظر آتے تھے، چہرہ پر گوشت کم تھا، ڈاڑھی گھنی تھی اور مونچھیں قدرے بڑی تھیں مگر سامنے سے لبیں کٹی رہتی تھیں، چہرہ پر رعب تھا اور سر کے بال بہت کم تھے، سامنے سے سر کی جلد صاف نظر آتی تھی

لباس میں معمولی اور سادہ قمیص، تسمے دار جوتی، کپڑے کی سر سے چپکی ہوئی ٹوپی، کبھی عمامہ بھی باندھ لیتے تھے، پیوند لگا ہوا کپڑا پہننے سے کوئی جھجک نہیں ہوتی تھی، آپ کے نزدیک ذریعہ عزت اسلام تھا لباس نہیں۔

(بخاری، طبری، فتوح البلدان، خلفائے راشدین)

حضرت عثمان ابن عفان رضی اللہ عنہ

ولادت و خاندان

حضرت عثمان غنیؓ کی پیدائش مکہ میں اصحاب فیل کے واقعہ کے چھٹے سال ہوئی۔ آنحضرتؐ سے عمر میں پانچ سال چھوٹے تھے، جوان ہوتے ہوتے لکھنا پڑھنا سیکھ لیا تھا، سلسلۂ نسب پانچویں پشت میں آنحضرتؐ سے ملتا ہے جس میں حسب ذیل نام آتے ہیں۔ عثمان ابن عفان ابن ابی العاص ابن امیہ ابن عبد شمس ابن عبد مناف۔ والدہ کا نام اروی تھا اور ان کا سلسلہ نسب بھی پانچویں پشت میں آنحضرتؐ تک پہونچتا ہے یعنی اروی بنت

کریز ابن ربیعہ ابن حبیب ابن عبد شمس ابن عبد مناف، گویا ماں باپ دونوں کی طرف سے سلسلہ نسب آنحضرتؐ سے ملتا ہے، آپ کی نانی جن کا نام بیضاء تھا وہ آنحضرتؐ کی حقیقی پھوپھی تھیں۔ حضرت عثمان کے خاندان کو مکہ میں کافی عزت حاصل تھی، امیہ ابن عبد شمس نامور رئیسوں میں شمار کئے جاتے تھے۔ قریش کا علم اسی خاندان کے ہاتھ میں رہا کرتا تھا۔ ظہور اسلام کے بعد اس خاندان بنو امیہ میں عقبہ بن معیط اور ابوسفیان نے بڑی شہرت وعزت حاصل کی۔

پورے عرب میں عزت وشرافت اور دولت واقتدار کے لحاظ سے صرف دو خاندان تھے، ایک آنحضرتؐ کا خاندان بنی ہاشم۔ دوسرے حضرت عثمان کا خاندان بنو امیہ۔ ان دونوں خاندانوں میں چشمک چلی آتی تھی، دنیوی اعتبار سے بنی امیہ کو اور مذہبی اعتبار سے بنی ہاشم کو اقتدار حاصل تھا، اہل عرب کی عقیدت مندانہ نظریں بنی ہاشم کی طرف اٹھا کرتی تھیں، تفصیل کے لئے دیکھئے میری کتاب تاریخ مصطفےٰ۔ حضرت عثمان جیسے جیسے ہوشیار ہوتے گئے تجارت میں نام پیدا کرتے گئے، یہاں تک کہ بہت جلدی پورے عرب میں اپنی کاروباری سوجھ بوجھ اور صداقت کی بدولت مشہور ہو گئے۔ (ابن سعد، فتح الباری)

اسلام اور شادی

حضرت عثمانؓ کی عمر چونتیسویں منزل میں تھی کہ آفتاب اسلام طلوع ہوا، آنحضرت نے توحید کی صدائے دلنواز بلند کی۔ گھر والوں کے بعد مکہ

والوں میں سب سے پہلے حضرت صدیق رضؓ نے صدائے حق کو لبیک کہا اور ساتھ ہی دوستوں اور ملنے والوں میں اسلام کی تبلیغ شروع کر دی۔

حضرت ابو بکر صدیقؓ آپ سے بھی ملے، دیر تک اسلام موضوع گفتگو رہا حضرت عثمانؓ اسقدر متاثر ہوئے کہ اسیوقت آنحضرتؐ کی خدمت میں جانے کے لئے تیار ہو گئے، ابھی گھر سے باہر قدم رکھنے بھی نہ پائے تھے کہ آنحضرتؐ بھی تشریف لے آئے، دونوں بزرگوں نے استقبال کیا، آنحضرتؐ نے حضرت عثمانؓ کی طرف دیکھا اور محبت بھرے انداز میں فرمایا۔ عثمان! میں مخلوق خدا کی ہدایت کے لئے مبعوث کیا گیا ہوں، کیا تم خدا کی جنت قبول کرو گے؟ حضرت عثمانؓ جن کا دل پہلے ہی مائل اسلام ہو رہا تھا بلا کچھ کہے کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو گئے۔

یہ وہ زمانہ تھا جبکہ حضرت عمرؓ اپنے کفر پر جمے ہوئے تھے اور حضرت ابو عبیدہ بن جراحؓ اور حضرت عبدالرحمٰن ابن عوفؓ کے مسلمان ہونے میں صرف ایک دن کی دیر تھی صرف ۳۵ یا ۳۶ مرد و عورت اسلام قبول کر چکے تھے۔ حضرت عثمان پہلے شخص ہیں جنہوں نے خاندانی تعصب و عداوت کو نظر انداز کر دیا اور آنحضرتؐ سے وابستہ ہو گئے۔ خاندان بنو امیہ میں حضرت عثمان کے اسلام سے تہلکہ مچ گیا، عقبہ و ابو سفیان کے پیروں تلے سے زمین نکل گئی، حضرت عثمانؓ کے چچا حکم بن عاص سے شکایت کی اور سب نے باہمی مشورہ سے حضرت عثمانؓ کو رسیوں سے جکڑ کر گھر میں ڈالدیا اور کہا کہ جب تک اسلام کو ٹھکرا کر باپ دادا کے

دین پر نہیں آؤ گے اسی طرح بندھے پڑے رہو گے، اس درمیان میں مارا، پیٹا اور بھوکا بھی رکھا مگر حضرت عثمانؓ پر کسی سختی و تنگی کا کوئی اثر نہیں ہوا وہ بدستور اسلام پر قائم رہے آخر عاجز آ کر گھر والوں نے رسیاں کاٹ دیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت عثمانؓ سے ان کے ایمان و استقلال کی بنا پر اس درجہ انس تھا کہ آپ نے تھوڑے ہی دن بعد اپنی صاحبزادی حضرت رقیہؓ کا نکاح حضرت عثمانؓ سے کر دیا۔ حضرت رقیہؓ آنحضرتؐ کی منجھلی صاحبزادی تھیں، ان کی بڑی بہن کا نام زینبؓ تھا جن کی شادی ابوالعاص کے ساتھ ہوئی تھی، حضرت رقیہؓ کا پہلا نکاح ابولہب کے بیٹے عتبہ کے ساتھ ہوا تھا مگر ابولہب کو اسلام سے اتنا بغض تھا کہ اس نے بیٹے سے حضرت رقیہؓ کو طلاق دلوا دی۔ (ابن ہشام، ابن سعد، اصابہ)

ہجرت حبشہ و مدینہ

مکہ میں جیسے جیسے اسلام پھیلتا جاتا تھا مخالفین کی عداوتیں بڑھتی جاتی تھیں، ایک دو کے علاوہ کوئی بھی مسلمان ایسا نہیں تھا جس کو مخالفین نے اپنے ظلم و ستم کا نشانہ بنایا ہو اور جب وہ مسلمانوں کے استقلال کو دیکھتے تو ان کے غیظ و غضب کی آگ اور بھڑک اٹھتی تھی۔ آنحضرتؐ کے لئے اپنے جان نثاروں کی یہ تکلیف سوہان روح بنی ہوئی تھی آخر جب آپ نے دیکھا کہ ظلم بھی حد سے بڑھ چکا ہے اور برداشت کی قوت بھی جواب دے رہی ہے تو آپ نے مظلوم صحابہ سے ارشاد فرمایا کہ جو کوئی

ہجرت کا خواہشمند ہو وہ حبشہ چلا جائے تاکہ وہاں کے عیسائی مگر نیک طینت اور انصاف پسند بادشاہ کی رعیت بن کر اطمینان سے زندگی گذار سکے۔ چنانچہ ۱۲ مردوں اور چار عورتوں کا پہلا قافلہ حبشہ جانے کے لئے تیار ہوا سب سے پہلے حضرت عثمانؓ اور آپ کی زوجہ محترمہ حضرت رقیہؓ مکہ سے نکلیں، آنحضرتؐ نے ارشاد فرمایا کہ لوط علیہ السلام کے بعد عثمانؓ پہلے شخص ہیں جو اپنی بیوی کے ساتھ راہ خدا میں ہجرت کر رہے ہیں۔

چونکہ مخالفین کا زور تھا اور دشمنوں کی نظریں مسلمانوں کی کڑی نگرانی کر رہی تھیں اس لئے سب لوگ ایک ساتھ روانہ نہیں ہوئے بلکہ ایک ایک اور دو دو کر کے رات کی تاریکی میں مکہ سے نکلے اور بندرگاہ پر پہنچ گئے، اتفاق سے دو تجارتی جہاز حبشہ جانے کے لئے تیار کھڑے تھے لہذا یہ اللہ کے پاکیزہ نفوس بندے کرایہ ادا کر کے حبشہ پہنچ گئے۔

مکہ والوں کو صبح کے وقت معلوم ہوا کہ فلاں فلاں لوگ بندرگاہ کی طرف گئے ہیں، بھاگے ہوئے بندرگاہ پہنچے مگر دونوں جہاز روانہ ہو چکے تھے۔ واپس آئے مگر جذبۂ عناد و مخالفت پہلے سے بھی زیادہ بڑھ چکا تھا، یہاں یہ بتا دینا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ زمانہ نبویؐ میں مکہ کی بندرگاہ جدہ نہیں تھی بلکہ تمام جہاز شعیبہ میں لنگر انداز ہوا کرتے تھے، جدہ کو بندرگاہ حضرت عثمانؓ نے اپنے عہد خلافت میں بنایا۔

اس میں شک نہیں کہ حبشہ مظلوم صحابہ کے اس پہلے قافلے کے لئے باعث راحت وسکون ثابت ہوا مگر تھوڑے سے ہی دن بعد کسی نے حبشہ میں یہ خبر مشہور کردی کہ مکہ والے سب کے سب مسلمان ہو گئے ہیں، اس خبر نے مہاجرین میں مسرت کی لہر پیدا کر دی، بہت سے حضرات حبشہ سے مکہ واپس آگئے، ان میں حضرت عثمانؓ اور آپ کی بیوی صاحبہ بھی تھیں مگر یہاں پہنچے تو پتہ چلا کہ یہ خبر دشمنوں کی اڑائی ہوئی تھی تاکہ مسلمان مکہ واپس آجائیں اور اسلام دوسرے ملکوں میں روشناس نہ ہو سکے، مکہ میں بدستور مسلمانوں کے لئے عرصۂ حیات تنگ تھا، بہت سے حضرات اس صورت حال کو دیکھ کر دوبارہ حبشہ چلے گئے مگر حضرت عثمانؓ اور ان کی بیوی نے واپس جانے سے انکار کر دیا مکہ ہی میں رہے اور جب آنحضرتؐ نے مدینہ کی ہجرت کا مسلمانوں کو حکم دیا تو یہ حضرت رقیہؓ کے ساتھ مکہ سے مدینہ تشریف لے آئے اور اوس بن ثابتؓ کے مہمان ہوئے۔

حضرت اوسؓ حضرت حسانؓ کے حقیقی بھائی تھے، آنحضرتؐ جب مدینہ تشریف لائے اور مسلمانوں کے درمیان بھائی چارہ قائم کیا تو حضرت اوسؓ اور حضرت عثمانؓ کو بھائی بھائی بنا دیا۔

(مستدرک حاکم، طبقات ابن سعد، اصابہ)

شرکت غزوات

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اگرچہ فطرتاً رحم دل واقع ہوئے تھے مگر پھر بھی مدینہ آنے کے بعد آنحضرتؐ کو مکہ والوں سے جس قدر معرکے لڑنا پڑے آپ سبھی

میں شریک رہے۔ البتہ پہلا معرکہ غزوۂ بدر جو ۲ھ میں پیش آیا اس میں آپ نہیں شریک ہو سکے۔ اس کی وجہ یہ ہوئی کہ آپ کی بیوی حضرت رقیہ بیمار تھیں اور آنحضرتؐ نے آپ کو ان کی تیمارداری کے لئے مدینہ میں رہنے کا حکم دیا تھا۔ آنحضرتؐ جب بدر سے فاتح ومنصور ہو کر واپس مدینہ تشریف لائے تو حضرت رقیہؓ انتقال کر چکی تھیں اور مسلمان ان کی تجہیز و تکفین میں مصروف تھے۔

حضرت عثمانؓ پر دوہرا غم تھا ایک یہ کہ معرکہ میں شریک ہونے کی سعادت حاصل نہیں کر سکے دوسرے یہ کہ حضرت رقیہؓ کی وجہ سے آنحضرتؐ کے ساتھ جو رشتہ کی عزت ان کو حاصل تھی وہ منقطع ہو چکی تھی، چنانچہ ایک مرتبہ حضرت عمرؓ نے غم زدہ دیکھ کر کہا "اب آپ کو صبر کرنا چاہئے جو ہونا تھا وہ ہو گیا؟ حضرت عثمانؓ نے فرمایا۔ افسوس! یہ غم دور نہیں ہو سکتا، آنحضرتؐ سے رشتہ منقطع ہو گیا؟

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی بے چینی کو اس درجہ محسوس فرمایا کہ ان کو مجاہدین بدر میں شامل فرما کر مال غنیمت میں سے ان کو بھی اتنا ہی حصہ عطا فرمایا جتنا دوسرے مجاہدین بدر کو دیا گیا تھا، ساتھ ہی ارشاد ہوا کہ عثمانؓ ثواب میں کسی سے کم نہیں ہیں۔ دوسری عنایت آنحضرتؐ نے ان کے حال زار پر یہ فرمائی کہ حضرت رقیہؓ کی چھوٹی بہن ام کلثومؓ یعنی اپنی دوسری صاحبزادی بھی ان کے نکاح میں دیدی، حضرت عثمانؓ رحمۃ للعالمینؐ کے اس اکرام والطاف پر پھولے نہیں سماتے تھے کیونکہ

مجاہدین بدر میں بھی شامل کیئے گئے اور پھر سب سے بڑھ کر یہ کہ دو بارہ دامادئ رسولؐ کے شرف و اعزاز سے نوازے گئے۔ صحابہؓ کرامؓ میں یہ انفرادیت انعام خداوندی نہیں ہے تو اور کیا ہے ——!

۳ھ میں بدر کے بعد احد کا معرکہ پیش آیا، مکہ والے بڑے لاؤ لشکر اور قوت کے ساتھ چڑھ کر آئے، آنحضرتؐ بھی سات آٹھ سو جانثاروں کے ساتھ مدینہ سے مقابلہ کے لیئے نکلے، احد کے دامن میں میدان کارزار گرم ہوا مسلمانوں نے پہلے ہی حملہ میں دشمنوں کے چھکے چھڑا دیئے، میدان سے پاؤں اکھڑ گئے، راہ فرار تلاش کر رہی رہے تھے کہ آنحضرتؐ کے متعین کردہ حفاظتی دستے نے یہ خیال کر کے کہ دشمن بھاگ رہے ہیں اپنی جگہ چھوڑ دی اور مال غنیمت لوٹنے میں لگ گئے، پچھلی جانب کا مورچہ خالی پاکر دشمن پلٹ پڑے اور بے خبری میں مسلمانوں پر ایسا حملہ کیا کہ مسلمان اوسان کھو بیٹھے، جمعیت اسلامیہ کچھ ایسی منتشر ہوئی کہ کسی کو کسی کی خبر نہیں رہی، اسی عالم میں ایک چالاک دشمن نے آنحضرتؐ کی شہادت کا اعلان کردیا، اس آواز نے مسلمانوں کے رہے سہے حواس بھی گم کر دیئے ہر شخص اپنی جگہ کھڑا سوچ رہا تھا کہ یہ کیا ہو رہا ہے؛ دشمن پوری قوت سے تیر برسا رہے تھے اور ان کا رخ ہر طرف سے ہٹ کر آنحضرتؐ کی طرف ہوگیا تھا۔ آخر حضور اکرمؐ کا چہرہ زخمی ہوگیا، دانت شہید ہوگئے اور آپ اس صدمہ سے نڈھال ہو کر ایک گڑھے میں گر پڑے،

کافروں نے چاہا کہ بڑھ کر ذات رسالتؐ کا خاتمہ کردیں مگر حضرت

مصعبؓ بن عمیرؓ نے دشمنوں کو آنحضرتؐ تک پہنچنے سے روکا یہاں تک کہ جان دیدی، پھر حضرت علیؓ آگئے، حضرت مصعبؓ کا گرا ہوا علم اٹھا لیا اور ایسے جم کر لڑے کہ دشمنوں کو بھاگنے پر مجبور کر دیا۔ درحقیقت عقب سے حملہ کی نوعیت کچھ ایسی تھی کہ گھبراہٹ اور انتشار سے کوئی بھی محفوظ نہیں رہا یہی وجہ تھی کہ آنحضرتؐ پر دشمن ٹوٹ پڑے، چہرہ زخمی کر دیا اور دانت شہید ہو گئے، حضرت عثمانؓ کیا سبھی کو شرمندگی اور ندامت تھی، چونکہ ایک حفاظتی دستہ کی غلطی سے یہ حادثہ پیش آیا تھا پھر یہ کہ آنحضرتؐ کی حفاظت کرنے میں بھی اس درجہ کوتاہی ہوئی کہ آپ کو زخم کھا کر گڑھے میں گرنے کی اذیت برداشت کرنا پڑی اس لئے سبھی شرمند و ملول تھے مگر اللہ تعالےٰ نے مسلمانوں کی اس خطا کو معاف فرما دیا اور ارشاد فرمایا ——— "شیطان نے ان کے بعض اعمال کے بدلے میں ان کو پھسلا دیا مگر اللہ نے ان کو معاف کر دیا۔"

غزوۂ احد کے بعد آنحضرتؐ کو کفار مکہ اور یہود مدینہ و خیبر کے ساتھ جسقدر بھی معرکے پیش آئے حضرت عثمانؓ سب میں شریک و موجود تھے، ۳ھ میں ذات الرقاع میں وہ شریک ہونا چاہتے تھے مگر آنحضرتؐ نے فرمایا، تم مدینہ میں میری قائم مقامی کرو، چنانچہ آنحضرتؐ تشریف لے گئے اور حضرت عثمانؓ مدینہ میں مقیم رہے، بنو نضیر کی جلاوطنی اور معرکۂ خندق میں شریک ہونے کے بعد جب آنحضرتؐ ۶ھ میں عمرہ کی نیت سے مکہ تشریف لے گئے تو حضرت عثمانؓ آپ کے

ہمراہ تھے، آنحضرتؐ جاں نثاروں کے ساتھ جب حدیبیہ پہنچے تو معلوم ہوا کہ مشرکین تلے بیٹھے ہیں اور وہ کسی بھی صورت میں آنحضرتؐ اور مسلمانوں کو مکہ میں داخل نہیں ہونے دینگے، آنحضرت چونکہ عمرے کی نیت سے آئے تھے، جنگ مقصود نہیں تھی اس لئے آپ نے کفار مکہ کو سمجھانے اور یہ بتانے کے لئے کہ ہم صرف عمرہ کرنے آئے ہیں جنگ کرنے نہیں آئے ہیں، حضرت عثمانؓ کو اپنی طرف سے نمائندہ بنا کر مکہ والوں کے پاس بھیجا تاکہ وہ ان کو مطمئن کردیں۔ حضرت عثمانؓ مکہ گئے، بات چیت کرنا چاہی مگر اہل مکہ نے کوئی جواب دینے کے بجائے آپ کو قید کردیا۔ ممکن تھا کہ وہ حضرت عثمانؓ کو قتل کردیتے مگر مسلمانوں کی ہیبت دلوں پر بیٹھ چکی تھی، دو تین دن بند رکھنے کے بعد بھی وہ ہمت نہ کرسکے کہ آپ کو کوئی جانی نقصان پہنچائیں۔ حضرت عثمانؓ کو جب واپس آنے میں دو دن سے زیادہ وقت لگ گیا تو مسلمانوں میں بے چینی بڑھنے لگی اور آہستہ آہستہ اس اندیشہ نے یقین کی شکل اختیار کرلی کہ اہل مکہ نے حضرت عثمانؓ کو قتل کردیا، آنحضرتؐ صورت حال سے اسدرجہ متاثر ہوئے کہ آپ نے ایک کیکر کے درخت کے سایہ میں بیٹھ کر ۱۴۰۰ سو مسلمانوں سے اس بات پر بیعت لی کہ حضرت عثمانؓ کے خون ناحق کا بدلہ لیا جائے، مسلمانوں میں بے پناہ جوش پایا جاتا تھا اور ہر مسلمان چاہتا تھا کہ حضرت عثمانؓ کے خون کا انتقام لینے کے لئے بلا پس و پیش مکہ کی آبادی کو تہ و بالا کردیا جائے، خود آنحضرتؐ کا یہ حال تھا کہ جیسے جیسے حضرت عثمانؓ کی واپسی میں دیر ہورہی تھی

آپ کی بے چینی بڑھتی جا رہی تھی حیات مبارکہ میں یہ پہلا اتفاق تھا کہ آپ نے لوگوں سے جان دینے اور انتقام لینے پر بیعت لی تھی۔ چونکہ حضرت عثمانؓ موجود نہیں تھے اس لئے آنحضرتؐ نے اپنے ہاتھ کو ان کا ہاتھ قرار دیکر ایک ہاتھ کو دوسرے ہاتھ پر رکھ کر بیعت لی اور فرمایا، یہ بیعت عثمانؓ کی طرف سے ہے، مکہ والوں پر مسلمانوں کے جوش اور بیعت کا اتنا اثر ہوا کہ انہوں نے حضرت عثمانؓ کو آزاد کر دیا اور ساتھ ہی اپنا ایک نمائندہ آنحضرتؐ کی خدمت میں بھیجا جس نے اس بات پر آنحضرت کو راضی کر لیا کہ اس سال آپ واپس چلے جائیں اور آئندہ سال عمرہ کے لئے تشریف لائیں، رسول اکرمؐ صلی اللہ علیہ وسلم جان نثاروں کو لیکر مدینہ واپس آ گئے۔ اسلام کی تاریخ میں اس بیعت کو بیعت رضوان کہا جاتا ہے۔

قرآن کریم میں اللہ تعالےٰ نے مسلمانوں کی جان نثاری اور فدویت کو پسند کرتے ہوئے ارشاد فرمایا۔

لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ	اللہ مومنوں سے راضی ہوا جبکہ وہ درخت
اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ۔	کے نیچے آپؐ کے ہاتھ پر بیعت کر رہے تھے۔

صلح کا معاہدہ مکہ سے ایک منزل کے فاصلہ پر حدیبیہ کے مقام پر لکھا گیا تھا جو ایک کنوئیں کا نام ہے اس لئے تاریخ میں اس واقعہ کو صلح حدیبیہ بھی کہا جاتا ہے۔

بیعت رضوان کے بعد ۷ھ میں خیبر کا اور ۸ھ میں فتح مکہ کا معرکہ پیش آیا، اس کے فوراً بعد ہوازن وحنین اور طائف کے واقعات پیش آئے،

حضرت عثمانؓ ہر جگہ اور ہر موقعہ اور معرکہ میں آنحضرتؐ کے ساتھ سایہ کی طرح لگے رہے۔

۹ھ میں آنحضرتؐ کو اطلاع ملی کہ قیصر روم اپنی بے پناہ قوت کو لئے مدینہ پر حملہ کی غرض سے آرہا ہے مسلمانوں کے لئے یہ خبر بڑی تشویش ناک تھی، اس لئے نہیں کہ وہ حق کے نام پر جان دینے سے گھبراتے تھے بلکہ اس لئے کہ ابھی تک مسلمانوں کی طاقت اتنی زیادہ نہیں ہوئی تھی کہ وہ قیصر کی فوج سے مقابلہ کر سکیں، نہ تو مسلمانوں کی تعداد ہی زیادہ تھی اور نہ ان کے پاس اس قسم کا سامان جنگ تھا جسے قیصر کے مقابلہ کے لئے استعمال کیا جائے، آنحضرتؐ نے جنگی سامان کی قلت کے پیش نظر نیز مسلمانوں کی تنظیم کے خیال سے صحابہ کرامؓ سے اس اہم صورت حال پر گفتگو فرمائی اور مسلمان جس پریشانی اور عسرت سے گذر رہے تھے صحابہ کرامؓ کے سامنے اس کا تذکرہ کیا، آنحضرتؐ کے ارشادات سے صحابہ کرامؓ اسدرجہ متاثر ہوئے کہ نہ صرف بڑی بڑی قمیں دینا شروع کر دیں بلکہ ایسے حضرات بھی تھے جنہوں نے اپنے گھر کا کل اثاثہ بارگاہ رسالت میں حاضر کر دیا۔ حضرت عثمانؓ کی مالی حالت سب سے اچھی تھی اور ان کا تجارتی قافلہ ملک شام سے کافی منافع کما کر واپس آیا تھا، لہذا انہوں نے دس ہزار سے زیادہ اسلامی فوج کے تمام اخراجات اور ضروریات اپنے ذمہ لے لئے، نیز ایک ہزار اونٹ، ستر گھوڑے اور ایک ہزار اشرفیاں آنحضرتؐ کی خدمت میں پیش کیں۔

اللہ کے حبیبؐ سخاوت عثمانیؓ سے اس درجہ خوش ہوئے کہ اشرفیوں کو ایک ہاتھ سے دوسرے ہاتھ میں لیتے جاتے تھے اور فرماتے جاتے تھے کہ آج کے بعد عثمان کو کسی کام میں نقصان نہیں اٹھانا پڑے گا۔

غرض آنحضرتؐ سامان جنگ سے مسلح ہو کر تیس ہزار مسلمانوں کی جمعیت کے ساتھ مدینہ سے نکلے، مقام تبوک میں پہنچ کر قیام فرمایا، کئی دن انتظار کے بعد پتہ چلا کہ رومی لشکر واپس چلا گیا اور اس کی جرأت نہ ہو سکی کہ وہ مسلمانوں کے مقابلہ پر آئے۔

آنحضرتؐ نے اس علاقہ میں ایک مسجد تعمیر کی، آس پاس کے لوگوں میں اسلام کی تبلیغ فرمائی کئی قبائل اسلام سے متاثر ہوئے، اور والیٔ ایلہ یوحنا خود حاضر خدمت ہوا اور جزیہ دینے اور اطاعت کرنے کا وعدہ کر کے واپس چلا گیا۔ آنحضرتؐ دس دن تبوک میں مقیم رہے اور اس کے بعد صحابۂ کرامؓ کو لئے ہوئے مدینہ طیبہ واپس تشریف لے آئے۔

سنہ ۱۰ھ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حجۃ الوداع کے لئے تشریف لے گئے۔ حضرت عثمانؓ اس مبارک سفر میں آنحضرتؐ کے ہمراہ تھے اور جب سنہ ۱۱ھ میں ربیع الاول کے مہینہ کی ۱۲ تاریخ کو آفتاب نبوت نے پردہ کیا تو حضرت عثمانؓ کی بیقراری دیکھی نہیں جاتی تھی۔

(بخاری، ترمذی، طبقات ابن سعد، ابن ہشام)

منصب خلافت

خلیفۂ اول حضرت ابوبکر صدیقؓ اور خلیفۂ ثانی حضرت عمر فاروقؓ کے

زمانہ خلافت میں حضرت عثمان غنیؓ خلافت اسلامیہ کے ساتھ اسی طرح وابستہ رہے جس طرح وہ آنحضرت ﷺ کے ساتھ شروع سے چلے آ رہے تھے، ہر موقعہ پر حاضر اور ہر مشورہ میں شامل، اس تمام عرصہ میں ان کو یہ خیال بھی کبھی نہیں آیا کہ وہ بھی خلیفہ ہو سکتے ہیں یا یہ کہ ان کو بھی خلیفہ ہونے کی کوشش کرنا چاہیئے۔

حضرت ابو بکر صدیقؓ جب اپنے آخری وقت میں حضرت عثمانؓ سے وصیت نامہ لکھوا رہے تھے اور وہ اپنی جگہ خلیفہ ہونے کے لیئے کسی کا نام لکھانا ہی چاہتے تھے کہ بیہوش ہو گئے، حضرت عثمانؓ نے اپنی طرف سے حضرت عمرؓ کا نام لکھ دیا، ہوش آنے پر پوچھا کیا لکھا ہے سنایئے؟ حضرت عثمانؓ نے پڑھ کر سنایا اور وہ بھی پڑھ دیا جو انہوں نے اپنی طرف سے لکھا تھا، حضرت ابو بکر صدیقؓ نے جب حضرت عمرؓ کا نام سنا تو بہت خوش ہوئے اللہ کی تعریف کی اور حضرت عثمانؓ کی اس عقلمندی اور دور اندیشی پر اپنی مسرت کا اظہار کیا۔

اس واقعہ سے یہ اندازہ لگانا کوئی مشکل نہیں ہے کہ حضرت عثمانؓ حضرت عمرؓ کو خلافت کا اہل اور اس منصب عظیم پر فائز ہونے کے لیئے صحابہؓ میں سب سے بہتر اور موزوں سمجھتے تھے، اگر ایسا نہ ہوتا تو وہ حضرت ابو بکر صدیقؓ کو کوئی دوسرا مشورہ بھی دے سکتے تھے اور یہ حق بھی ان کو حاصل تھا کیونکہ وہ مجلس شوریٰ کے رکن تھے اور اگر ان کی بات نہیں مانی جاتی تو کم از کم استخلاف کی بحث شوریٰ میں آ جاتی ــــــ مگر انہوں نے

ایسا نہیں کیا بلکہ انتہائی خلوص اور حفظ مقام کو ملحوظ رکھتے ہوئے بڑی سادگی سے حضرت عمرؓ کا نام لکھ دیا اور ان کا یہ فعل مسلمانوں کی نگاہ میں اتنا مستحسن تھا کہ کسی ایک نے بھی اعتراض نہیں کیا اور اگر کسی نے یہ اندیشہ ظاہر کیا کہ عمرؓ سخت مزاج واقع ہوئے ہیں تو حضرت صدیقؓ نے یہ فرما کر ان کی تسلی کر دی کہ "خلافت کا بوجھ ان کے مزاج میں نرمی پیدا کر دے گا" چنانچہ مشاہدات بتاتے ہیں کہ فاروق اعظمؓ نے خلافت کے طویل زمانہ کو جس نیکی، نرمی اور محبت و اخلاق کے ساتھ گذارا تاریخ اس کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ واقعات پر اگر نظر ڈالی جائے تو صاف ظاہر ہوتا ہے کہ خلفائے راشدین میں خلافت، امارت اور اقتدار کا کوئی بھی بھوکا نہیں تھا بلکہ میں سمجھتا ہوں کہ اگر ان حضرات اربعہؓ میں سے ایک بھی خلیفہ نہ ہوتا تو کسی ایک کے بھی اس مقام و مرتبہ میں مطلق فرق نہ آتا جو ان کے لئے اللہ و رسولؐ نے وضع کیا تھا۔

غرض حضرت فاروق اعظم جب زخموں سے نڈھال ہو کر سفر آخرت کی تیاریاں کر رہے تھے تو لوگوں نے ان سے درخواست کی کہ آپ بھی حضرت صدیقؓ کی طرح اپنی زندگی میں کسی کو خلافت کے لئے نامزد کر دیجئے تاکہ مسلمانوں میں کوئی اختلاف نہ ہو اور سب لوگ آپکی زندگی ہی میں کسی ایک کی خلافت پر اتفاق کر لیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ میری نظر میں چھ حضرات ہیں اور وہ سب خلافت کے مستحق ہیں ان میں سے پانچ آدمی جسے پسند

کریں اور چن لیں وہی مسلمانوں کا خلیفہ ہے۔ یہ کہکر آپ نے چھ حضرات کے نام لئے۔

حضرت علیؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت زبیرؓ، حضرت طلحہؓ، حضرت سعد بن ابی وقاصؓ اور حضرت عبدالرحمٰن ابن عوفؓ۔

آپ نے یہ بھی فرمایا کہ انتخاب میں دیر مت لگانا اور تین دن سے کم میں اس مسئلہ کو طے کر لینا۔ فاروق اعظمؓ دنیا سے تشریف لے گئے، مسلمان دفن سے فارغ ہو کر مسئلۂ خلافت کی طرف متوجہ ہوئے۔ دو دن بحث چلتی رہی اور تیسرے دن حضرت عبدالرحمٰن ابن عوف نے حسن تدبیر سے معاملہ اپنے ہاتھ میں لے لیا۔

مسئلۂ خلافت چھ حضرات میں تھا اور ان ہی چھ میں سے ایک کو اس منصب کے لئے انتخاب کرنا تھا حضرت عبدالرحمٰنؓ نے فرمایا: "میرے خیال میں خلافت کو تین شخصوں میں محدود کر دینا چاہئیے"۔ گویا ان کے خیال میں تین امیدوار تھے، حضرت علیؓ، حضرت عثمانؓ اور وہ خود۔ اس کے بعد حضرت عبدالرحمٰنؓ نے فرمایا کہ "اب جو جسکو پسند کرتا ہے وہ اپنی رائے ظاہر کرے"۔ حضرت زبیرؓ نے حضرت علیؓ کا نام لیا، حضرت طلحہؓ نے حضرت عثمانؓ کا نام لیا اور حضرت سعدؓ نے حضرت عبدالرحمٰنؓ کا نام لیا۔ حضرت عبدالرحمٰنؓ نے فرمایا کہ میں اپنا نام امیدواری سے واپس لیتا ہوں اور اب صرف دو حضرات رہ جاتے ہیں ایک حضرت علیؓ دوسرے حضرت عثمانؓ اور یہ کہکر آپ نے حضرت عثمانؓ اور حضرت

علیؓ سے فرمایا کہ آپ دونوں حضرات یہ فیصلہ میرے اوپر چھوڑ دیجئے، میں جسے بھی منتخب کروں اسے میرے فیصلہ کو قبول کرنا چاہیئے۔ دونوں حضرات نے اپنی رضامندی کا اظہار کیا، حضرت عبدالرحمٰنؓ نے پہلے تقریر کی اور اس کے بعد حضرت عثمان غنیؓ کے ہاتھ پر بیعت کرلی، ان کے بعد حضرت علیؓ بیعت کے لئے بڑھے اور پھر عام بیعت شروع ہوگئی اور اس طرح حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ۴ محرم ۲۴ھ کو دوشنبہ کے دن جانشین رسول اللہ کی حیثیت سے مسند خلافت سنبھال لی۔

حضرت عثمانؓ کے انتخاب کے سلسلہ میں بہت سی روایتیں پائی جاتی ہیں، ان میں ایسی بھی ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ کی ذاتی رائے حضرت علیؓ کے حق میں تھی اور اس میں کوئی شبہ بھی نہیں، یہی وجہ تھی کہ چھ آدمیوں کے نام لیتے وقت سب سے پہلا نام ان کی زبان پر حضرت علیؓ کا آیا تھا، ہوسکتا تھا کہ طریقۂ انتخاب کو منحصر نہ کیا جاتا تو حضرت علیؓ تیسرے خلیفہ کی حیثیت سے مسند خلافت پر آجاتے لیکن حضرت عبدالرحمٰنؓ کی سرگرمیوں سے واضح ہوتا ہے کہ وہ حضرت عثمانؓ کو خلیفہ بنانا چاہتے تھے، ان کی اپنی نامزدگی اور اس کے بعد واپسی میں یہی خیال کارفرما نظر آتا ہے۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ حضرت عبدالرحمٰنؓ نے حضرت علیؓ سے مجمع عام میں پوچھا کہ کیا آپ سنت رسولؐ اور طریقۂ خلفاء کی پیروی کریں گے؟ حضرت علیؓ خاموش رہے تو حضرت عبدالرحمٰنؓ نے فوراً ہی حضرت عثمانؓ سے پوچھا کہ کیا آپ سنت رسولؐ اور طریقۂ خلفاء کی پیروی کرنے کے لئے

تیار نہیں؟ حضرت عثمانؓ نے اقرار کیا اور حضرت عبدالرحمٰنؓ نے بیعت کے لئے ہاتھ میں ہاتھ دیدیا ــــ اس قسم کی روایتوں کی تاریخ اسلام میں کوئی کمی نہیں ہے اگر تفصیلات میں جایا جائے تو بہت سی روایتیں سامنے آسکتی ہیں اور صدہا خیالات قائم کئے جا سکتے ہیں مگر اب جبکہ نظام خلافت کے اختتام کو تیرہ سو چالیس برس سے زیادہ گذر گئے اور دنیا کے کسی حصہ کے مسلمانوں میں طریقۂ خلفاء کے کوئی آثار نہیں پائے جاتے اس بحث کو طول دینا کوئی سود مند کام نہیں ہے۔ البتہ یہ ضرور تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ تیسری خلافت کے وقت حضرت علیؓ کی مخالفت میں اور حضرت عثمانؓ کی حمایت میں بنی امیہ کے بعض افراد درپردہ اس بات کی سخت کوشش کر رہے تھے کہ فیصلہ حضرت عثمانؓ کے حق میں ہوتا کہ ذوالنورینؓ کی رحم دلی اور نیک مزاجی سے پورے طور پر فائدہ اٹھایا جاسکے اور وہ بڑی حد تک کامیاب بھی ہوئے۔

حضرت علیؓ تیسرے خلیفہ نہیں ہو سکے مگر ان کو کوئی غم نہیں ہوا۔ انہوں نے بڑی فراخ دلی سے حضرت عثمانؓ کے ہاتھ پر بیعت کرلی اور اپنے پاکیزہ طرزِ عمل سے ثابت کردیا کہ مقام علیؓ خلافت سے ہٹ کر بھی اتنا بلند و بالا ہے کہ اللہ کی نظر میں اسد اللہ ہے تو رسول اللہؐ کی نظر میں بمنزلہ ہارونؑ ہے اور مسلمانوں کی نظر میں ان کا مولیٰ ہے۔

باغیوں کی سرکوبی

حضرت عثمان غنیؓ نے مسند خلافت پر قدم رکھنے کے بعد کوئی

نیا راستہ اختیار نہیں کیا بلکہ ان کے سامنے وہی شاہ راہ تھی جو حضرت صدیق وفاروق نے اپنے بہترین طرز عمل سے بنائی تھی، چنانچہ ان کو امور خلافت میں کچھ زیادہ سوچنا نہیں پڑا، فاروق اعظمؓ نے جس دستور کی تدوین کی تھی حضرت عثمانؓ نے اس کو شعار بنایا اور بڑے اطمینان سے خلافت کو چلاتے رہے، مصر، شام اور ایران حضرت عمرؓ کے زمانہ میں فتح ہو چکے تھے، حضرت عثمانؓ کو جدید فتوحات کے علاوہ مفتوحہ ممالک کی طرف بھی توجہ کرنا پڑی۔ کیونکہ کئی علاقے حضرت عمرؓ کی وفات کے بعد باغی ہو گئے تھے۔

چنانچہ آذربائیجان کی بغاوت کو ولید بن عقبہ نے دبایا۔ ہمدان نے بغاوت پر کمر باندھی تو حضرت مغیرہ بن شعبہؓ نے اسے ٹھنڈا کیا، رتے والوں کی بغاوت کو حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ اور حضرت براء بن عازبؓ کی متحدہ کوششوں نے مل کر ختم کیا، اسکندریہ میں بغاوت کی آگ کو دبانے کے لئے حضرت عمرو بن عاصؓ نے قدم اٹھایا، اسی طرح آرمینیہ اور آرسیسیہ کی بغاوتیں بھی ٹھنڈی کرنے کے لئے پوری کوشش کی گئی۔ رومیوں نے بھی سر اٹھایا اور ان کی چھیڑ چھاڑ کی اطلاع بھی دربار خلافت کو پہنچی، حضرت عثمانؓ نے اسیوقت سلمان بن ربیعہؓ کو چھ ہزار فوج کے ساتھ امیر معاویہؓ کی مدد کے لئے شام روانہ کیا۔

مسند خلافت پر قدم رکھتے ہی ان بغاوتوں کے دبانے اور شریروں کی سرکوبی کرنے کے سلسلہ میں حضرت عثمان کو وہی صورت حال پیش

آئی جو خلیفۂ اول کی خلافت کے وقت آنحضرتؐ کی وفات شریف کی خبر نے پیدا کر دی تھی مگر حضرت عثمانؓ نے بڑی متعدی سے صورت حال کا مقابلہ کیا اور خلافت کے پہلے ہی سال میں ان تمام عناصر کو کچل کر رکھ دیا جو خلافت اسلامیہ اور ممالک مفتوحہ کے لئے پریشانی کا باعث ہو رہے تھے۔

میرا خیال ہے کہ اگر حضرت عثمان غنیؓ خلافت کے سال اول میں باغیوں کی سرکوبی کے لئے اتنی جرأت سے کام نہ لیتے تو بلاشبہ دور فاروقی میں جو ممالک خلافت اسلامیہ کے زیر نگیں آئے تھے اور جن کو صحابہ کرامؓ کی سرپرستی میں مسلمانوں نے انتہائی شجاعت اور دلیری کا ثبوت دے کر فتح کیا تھا ایک ایک کر کے نکل جاتے۔ مگر یہ جرأت عثمانیؓ کا کرشمہ ہے کہ نہ صرف باغیوں کی سرکوبی کی گئی بلکہ دیگر فتوحات کے سلسلہ میں مجاہدین کے گھوڑے افریقہ کے صحراؤں میں دوڑتے نظر آنے لگے۔

(ابن اثیر، تاریخ طبری، خلفائے راشدین)

فتوحات

طرابلس

۲۵ھ میں مصر کے گورنر اور افسر عام عبداللہ بن ابی سرحؓ نے حضرت عثمانؓ کے حکم سے طرابلس کی فتح کے لئے قدم اٹھایا مگر بعض حالات کی بنا پر

کچھ عرصہ ٹھیرنا پڑا، آخر ۲۷ھ میں حضرت عثمان غنیؓ نے یہ دیکھ کر کہ ابھی تک طرابلس کی طرف پوری توجہ نہیں کی گئی ہے، مدینہ طیبہ سے ایک فوجی لشکر عبداللہ بن ابی سرحؓ کی مدد کے لئے روانہ فرمایا تاکہ طرابلس کی مہم میں دیر نہ کی جائے، یہ امر قابل ذکر ہے کہ حضرت عثمانؓ کے بھیجے ہوئے لشکر میں صرف جنگ جو سپاہی نہیں تھے بلکہ نامور صحابہؓ میں سے حضرت عبدالرحمٰنؓ ابن ابو بکرؓ حضرت عبداللہ ابن زبیرؓ اور حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ بھی شریک و شامل تھے۔ اس لشکر کے پہنچتے ہی عبداللہ بن ابی سرحؓ نے اسلامی فوجیں طرابلس کی طرف بڑھائیں۔ اسلامی فوجوں نے طرابلس کے میدانوں میں ڈیرے ڈال دیئے۔ ایک عرصہ تک مسلمان طرابلس کے بہادروں سے جنگ آزما رہے آخر دشمن کے قدم اکھڑ گئے اور ان کے لئے میدان میں مسلمانوں کے مقابل ٹھیرنا مشکل ہو گیا، اس کے ساتھ عبداللہ بن ابی سرحؓ نے اسلامی فوج کو کئی حصوں میں بانٹ دیا اور وہ حکم ملتے ہی پورے طرابلس میں پھیل گئے۔ ہر طرف مسلمان ہی مسلمان نظر آتے تھے۔ اہل طرابلس کے لئے یہ صورت حال اتنی پریشان کن ثابت ہوئی کہ انہوں نے ہتھیار ڈال دیئے اور امرائے طرابلس نے ۲۵ لاکھ دینار سالانہ ادا کرنے پر مسلمانوں سے صلح کر لی۔ اسی زمانہ میں اندلس بھی اسلام کے زیر نگیں آیا۔ طرابلس والے ۳۴ھ تک اپنا سالیانہ ادا کرتے رہے مگر ۳۴ھ میں ان کے جذبات میں پھر ہیجان پیدا ہوا۔ بغاوت اور ملک میں نقض امن پر کمر باندھی مگر حضرت عبداللہ بن ابی سرحؓ نے بڑی عجلت

کے ساتھ ایک لشکر جرار روانہ کیا جس نے آتے ہی باغیوں کی اچھی طرح سرکوبی کی اور طرابلس میں دوبارہ امن و امان قائم کر دیا۔

الجزائر اور مراکش

یہ افریقہ کے مشہور علاقے ہیں اور اسی نام سے آج کل موسوم ہیں، افریقہ کی فتح کے تذکرے سے یہی علاقے مراد ہیں۔ ۲۶ھ میں حضرت عبداللہ بن زبیرؓ خلافت اسلامیہ کے اشارے پر ان علاقوں کی طرف متوجہ ہوئے اور بہت جلدی افریقہ کے صحراؤں کو روندتے ہوئے ان ممالک کو زیروزبر کر ڈالا، بڑے بڑے سخت معرکے پیش آئے، حضرت عبداللہ ابن زبیرؓ نے عزم و استقلال اور جرأت و شجاعت کے وہ جوہر دکھائے کہ افریقی فوج کو میدان جنگ سے منہ پھیر کر بھاگنا پڑا، اسلامی فوج نے الجزائر اور مراکش پر قبضہ کر کے اپنی کامیابی کا علم گاڑ دیا۔

اس کے بعد حضرت عثمانؓ نے اسلامی لشکر کو اسپین کی طرف بڑھنے کا حکم فرمایا اور عبداللہ بن نافع بن حصین اور عبداللہ بن نافع بن عبدقیس کو اس مہم کے لئے متعین فرمایا۔ یہ دونوں حضرات اپنی مہم کو سر کرنے میں مصروف تھے اور بہت کچھ فتوحات بھی حاصل کر لی تھیں مگر دربار خلافت نے کسی مصلحت کے پیش نظر اس مہم کو روک دیا۔ عبداللہ بن ابی سرح مصر واپس آگئے اور عبداللہ بن نافع بن عبدقیس کو افریقی علاقوں پر حاکم مقرر کر دیا گیا۔

قبرص: یہ بحر روم میں شام سے متصل بڑا زرخیز اور مشہور جزیرہ تھا

اس کی اہمیت کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ مصر و شام کی حفاظت اور رومیوں کے چڑھ آنے کے خطرے اس وقت تک دور نہیں ہو سکتے تھے جب تک یہ جگہ ہاتھ میں نہ آئے۔ حضرت امیر معاویہ نے اس خطرے کو بہت پہلے محسوس کر لیا تھا اور وہ چاہتے تھے کہ قبرص پر قبضہ کر لیا جائے مگر حضرت عمرؓ نے جو بحری لڑائیوں کو پسند نہیں کرتے تھے اجازت نہیں دی، مگر حضرت عثمانؓ کے مسند خلافت پر آتے ہی حضرت امیر معاویہؓ نے اپنے پرانے خیال کو عملی جامہ پہنانے کے لئے دربار خلافت سے مراسلت شروع کر دی، اگرچہ حضرت عثمانؓ بھی تیار نہیں ہوتے تھے مگر امیر معاویہؓ نے قبرص کی اہمیت کو سمجھانے اور یہ بتانے پر بہت زور دیا کہ بحری جنگ کو جس قدر خوفناک خیال کیا جاتا ہے در حقیقت ایسی ہے نہیں۔ آخر حضرت عثمانؓ راضی ہو گئے اور ساتھ ہی فرمایا کہ اس مہم میں کسی کو اس کی مرضی کے خلاف شریک نہ کیا جائے۔ حضرت امیر معاویہؓ نے اجازت ملتے ہی اسلامی بحری بیڑا ترتیب دیا۔ عبداللہ بن قیس حارثی امیر البحر بنائے گئے وہ اسلامی لشکر کو لئے قبرص پہنچے اور لنگر ڈال دیئے۔

اہل قبرص سے جنگ چھڑے تھوڑی ہی دیر ہوئی تھی کہ ابن قیس ایک اتفاقی حادثہ میں شہید ہو گئے، اسلامی لشکر سے عوف بن ازدی نے نکل کر علم اٹھا لیا اور اس شان سے لڑے کہ بہت جلدی اہل قبرص کو صلح کی پیشکش کرنا پڑی۔ عوف بن ازدی نے ان شرائط پر صلح کر لی

کہ (۱) اہل قبرص کو سات ہزار سالانہ خراج دینا ہوگا (۲) مسلمان کسی دوسرے حملہ آور سے قبرص کو بچانے کے ذمہ دار نہیں ہونگے تیسرے یہ کہ مسلمانوں کو جو بحری لڑائیاں پیش آئیں گی ان میں قبرص والے مسلمانوں کو دشمن کی نقل و حرکت سے ہمیشہ مطلع کرتے رہیں گے ـــ یہ ۲۸ھ کا واقعہ ہے، قبرص والے پانچ سال اس معاہدے پر قائم رہے مگر ۳۳ھ میں وہ معاہدہ کو توڑ کر رومیوں کو مسلمانوں کے خلاف مدد دینے لگے۔ حضرت امیر معاویہؓ نے جب یہ حال دیکھا تو اسلامی فوج کو لیکر قبرس کو اپنے قبضہ میں لے لیا اور قبرص کے باشندوں کو سخت تنبیہ کردی کہ وہ آئندہ رومیوں کے ساتھ کسی قسم کا تعلق نہیں رکھنے پائینگے۔

حضرت امیر معاویہؓ نے جس بحری جنگ کا سلسلہ شروع کیا اس کے متعلق یہ امر قابل ذکر ہے کہ آنحضرتؐ بہت پہلے اس کی پیشین گوئی فرما چکے تھے چنانچہ معتبر روایت ہے کہ ایک دن آنحضرتؐ دوپہر کے آرام کے بعد بیدار ہوئے تو مسکراہٹ و مسرت ہونٹوں پر کھیل رہی تھی، حضرت ام حرامؓ نے مسکراہٹ کی وجہ پوچھی تو ارشاد فرمایا "اسوقت میں اپنی امت کے کچھ لوگوں کو سمندر میں جہازوں پر بیٹھے ہوئے دیکھ رہا ہوں، ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے بادشاہ تختوں پر جلوہ گر ہیں، پھر ارشاد فرمایا۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کے لیئے جنت واجب ہو چکی ہے" حضرت ام حرامؓ نے عرض کیا، یارسول اللہ! دعا فرمایئے کہ میں بھی اس جماعت میں شامل ہوں، فرمایا۔ ہاں تم بھی اس جماعت میں شریک ہوگی،

چنانچہ ام حرامؓ اس بحری معرکہ میں اپنے شوہر حضرت عبادہ بن صامتؓ کے ساتھ گئیں تھیں اور میدان جہاد میں گھوڑے سے گر کر اور کچل کر شہید ہو گئیں، ام حرامؓ کے والد کا نام ملحان بن خالد تھا، قبیلہ نجار کی تھیں، بہن کا نام حضرت ام سلیمؓ تھا، یہ انسؓ کی ماں اور حضرت ابو طلحہؓ کی بیوی تھیں۔

طبرستان وخراسان وغیرہ

۳۰ھ میں مسلمانوں کی نظریں طبرستان وخراسان کی طرف اٹھیں، بصرہ کے گورنر عبداللہ بن عامرؓ نے قدم اٹھایا ہی تھا کہ سعید بن العاصؓ نامور صحابہ کرامؓ جیسے حضرت امام حسنؓ، امام حسینؓ، عبداللہ بن عباسؓ، عبداللہ بن عمرؓ اور عبداللہ بن زبیرؓ کو ساتھ لئے ان سے بھی پہلے پہنچ گئے اور جرجان، خراسان اور طبرستان کو فتح کر لیا۔ ممکن تھا کہ وہ اور آگے بڑھتے مگر دربار خلافت سے ان کو کوفہ کی گورنری کا پروانہ ملا اور وہ اس مہم سے کوفہ آئے اور ولید بن عقبہ سے کوفہ کا چارج لے لیا، ولید بن عقبہ کے متعلق شراب پینے کی شکایت کی گئی تھی اس لئے ان کو معزول کر دیا گیا تھا، عبداللہ بن عامرؓ والی بصرہ بھی پہنچ چکے تھے۔ مگر حضرت سعیدؓ کے واپس کوفہ آنے کے بعد بھی انہوں نے اپنی مہم کو آگے بڑھایا اور بہت جلدی ہرات، کابل، سجستان، ارغیان، بست، اشبندورخ، خواف، البرائن وغیرہ کو فتح کرتے ہوئے نیشاپور پہنچ گئے۔ نیشاپور والے بہت جم کر لڑے، مہینوں جنگ کرتے رہے آخر مجبور ہو کر سات لاکھ درہم سالانہ خراج دینے پر مسلمانوں سے صلح کر لی۔ نیشاپور کے بعد بھی عبداللہ بن عامرؓ نے اپنی سرگرمیوں

کو بند نہیں کیا بلکہ انہوں نے اپنی فوج کے دو حصہ کر دیئے، عبداللہ بن حازم کو ایک دستہ فوج کے ساتھ سرخس کی طرف روانہ کیا اور خود تھوڑی فوج کو لیکر ماوراء النہر کی طرف روانہ ہو گئے، سرخس والوں نے بھی ہتھیار ڈالدیئے اور ماوراالنہر والوں نے بھی اطاعت قبول کر لی، حضرت عبداللہ بن عامرؓ بہت سے قیمتی کپڑے اور دوسرا سامان بطور تحفہ اپنے ہمراہ لیکر دار الخلافہ تشریف لے آئے اور قیس بن الہیثم کو بصرہ میں اپنا قائم مقام بنا آئے۔

معرکہ ہائے افریقہ کے سلسلہ میں یہ بیان کر دینا بھی ضروری معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عثمانؓ نے عبداللہ بن سعدؓ سے فرمایا تھا کہ افریقہ کے مال غنیمت کا ۲۵ واں حصہ تم کو بطور انعام کے دیا جائے گا، یہ وہ زمانہ تھا جبکہ قیصر روم کی طرف سے افریقہ کی حکومت جرجیر کے ہاتھ میں تھی طرابلس سے طنجہ تک پھیلے ہوئے علاقہ کا یہ انتہائی مغرور اور دشمن اسلام حاکم ایک لاکھ بیس ہزار سے زائد فوج کو لیکر مسلمانوں کے مقابل آیا، چالیس دن متواتر معرکہ کارزار گرم رہا اسی عرصہ میں عبداللہ بن زبیرؓ ایک تازہ دم لشکر لئے ہوئے مسلمانوں کی مدد کو آ گئے عبداللہ بن سعدؓ کچھ مغموم ہو رہے تھے پوچھنے پر معلوم ہوا کہ جرجیر نے اعلان کرا دیا ہے کہ جو شخص عبداللہ بن سعدؓ کا سر کاٹ کر لائے گا اسے اپنی بیٹی بھی دونگا اور ایک لاکھ اشرفی بھی

عبداللہ بن زبیرؓ نے جرجیر کی فوجوں کو دم نہیں لینے دیا، ایسی خوفناک جنگ ہوئی کہ جرجیر کی فوجوں کے چھکے چھوٹ گئے آخر جرجیر عبداللہ بن

زبیرؓ کے ہاتھوں مارا گیا، مال غنیمت اس کثرت سے ملا کہ خمس الگ کرنے کے بعد بھی ہر ایک سوار کو ۳ ہزار اور پیادہ کو ایک ہزار اشرفیاں دی گئیں۔ اس جنگ کو اسلامی تاریخ میں حرب العبادلہ کہتے ہیں کیونکہ فوج کے سردار عبداللہ بن سعد تھے، میمنہ پر عبداللہ بن عمرؓ، میسرہ پر عبداللہ بن زبیرؓ اور مقدمۃ الجیش کے افسر اعلیٰ حضرت عبداللہ بن عباسؓ تھے۔

اس سلسلہ میں یہ بھی روایت ہے کہ حضرت عثمانؓ نے عبداللہ بن ابی سرحؓ سے وعدہ کیا تھا کہ افریقہ کی فتح کے صلہ میں تم کو مال غنیمت کا پانچواں حصہ دیا جائے گا چنانچہ فتح کے بعد ابن ابی سرح نے اپنا حصہ نکال کر بقیہ دربار خلافت میں پیش کر دیا مگر مسلمانوں کو علم ہوا تو وہ اتنی بڑی رقم دینے پر رضامند نہ ہوئے آخر حضرت عثمانؓ نے ان سے وہ حصہ واپس لے کر بیت المال میں ڈال دیا اور فرمایا کہ مسلمان اس سے خوش نہیں ہیں۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ افریقہ کی فتح کا خمس جب مدینہ آیا تو مروان نے پانچ لاکھ دینار میں اس کو خرید لیا۔

بحری جنگ کے سلسلہ میں ایک اور عظیم جنگ واقع ہوئی قیصر روم جس کی قوت کو دور فاروقی میں پامال کر دیا گیا تھا، اس نے آہستہ آہستہ ابھرنا شروع کیا، ساحلی علاقوں میں اس کی فوجی سرگرمیاں برابر بڑھتی جارہی تھیں، چنانچہ اس نے ایک عظیم جنگی بیڑہ جس میں پانچ سو جہاز شامل تھے سواحل شام پر مسلمانوں کے مقابلہ کے لئے روانہ کیا، یہ اتنی بڑی طاقت تھی کہ اس سے قبل رومیوں کی جانب سے دیکھنے

میں نہیں آئی تھی، مسلمانوں کے حوصلے بہت بڑھے ہوئے تھے، عبداللہ بن ابی سرح نے امیر البحر کی حیثیت میں مسلمانوں کے بحری بیڑے کو آگے بڑھنے کا حکم دیا۔ دوسرے ہی دن سطح سمندر پر دونوں بیڑے ایک دوسرے کے برابر آگئے، دونوں جانب سے ایسی تلوار چلی جو اس سے پیشتر دیکھنے میں نہ آئی تھی، مسلمانوں نے بڑی بہادری اور دلیری سے دشمنوں کو کاٹا، رومی اس کثرت سے مارے گئے کہ سطح سمندر پر خون کے فواروں نے آگ لگا دی، بہت کم رومی زندہ بچے، قسطنطین رومی امیر البحر زخموں سے چور ہو کر بھاگ کھڑا ہوا اور مسلمان فتح وظفر کے پرچم اڑاتے واپس آگئے۔ یہ ۳۱ھ کا واقعہ ہے، اس زمانہ میں آرمینیہ نے سر اٹھایا، حبیب بن مسلمہ فہری نے پیش قدمی کی اور بہت جلدی آرمینیہ کو راہ راست پر لا کر ممالک محروسہ میں شامل کر لیا۔

پچھلے صفحات میں بیان کیا جا چکا ہے کہ بحری جنگوں کا سلسلہ سب سے پہلے حضرت امیر معاویہؓ نے چھیڑا تھا، قبرص وغیرہ کو زیر کرنے کے بعد بھی چاہتے تھے کہ اس سلسلہ کو مزید آگے بڑھایا جائے، چنانچہ وہ اس خیال کے تحت ۳۲ھ میں اٹھے اور قسطنطنیہ تک بڑھتے چلے گئے مگر حالات کچھ ایسے ناساعد ہوئے کہ اس مہم کو دوسرے وقت کے لئے اٹھا رکھا، جس کی تفصیلات آپ اس سلسلہ کی چوتھی جلد "تاریخ بنی امیہ" میں پڑھیں گے۔ اسی واقعہ کے تھوڑے دن بعد حضرت امیر معاویہ نے ۳۳ھ میں ارض روم کو پھر ایک بار روندا اور حصن المرأة

کو زیر و زبر کر ڈالا۔

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے آخری عہد خلافت میں حضرت عبداللہ بن عامرؓ نے طالقان، فاریاب، جوزجان اور مرورود کو فتح کیا اس کے علاوہ ان ہی ایام میں بعض مفتوحہ ممالک نے علم بغاوت بلند کیا مگر بہت جلدی ان کی سرکوبی کردی گئی، عبداللہ بن ابی سرح اور احنف بن قیسؓ نے ۳۴ھ کے آخر تک ان تمام بغاوتوں کا خاتمہ کر دیا اور بگڑے ہوئے علاقہ دوبارہ مطیع ہو گئے۔ (ابن اثیر جلد ۳۔ تاریخ طبری، فتوح البلدان، تاریخ اسلام)

بغاوت و شرارت

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے سلسلہ میں سب سے پہلے ان حالات پر نظر ڈالنا چاہیئے جو اس تیسری خلافت کے زمانہ میں پیدا ہو چکے تھے، سب سے بڑی اور اہم بات یہ تھی کہ مسلمانوں میں سادگی، قناعت اور صبر و شکر کا جذبہ باقی نہیں رہا تھا، ملکی فتوحات اور کثرت مال نے ان کی آنکھیں کھول دی تھیں، قومی وحدت و مودت ٹوٹ چکی تھی، لوگوں کی نظریں معمولی لباس، غذا اور سادے مکان سے ہٹ کر شان و شوکت اور مال و اسباب پر پڑنے لگی تھیں۔ اخلاق و اعمال کی پاکیزگیاں اور فقر و فاقہ میں رہ کر اسلام کو باعث عزت سمجھنے کا خیال بہت حد تک آپس کی چشمک اور بغض و عناد سے بدل چکا تھا، یہی وہ اندیشہ تھا جسے آنحضرتﷺ نے بارہا محسوس کرتے ہوئے فرمایا تھا

کہ "مجھے تمہارے فقر و فاقہ اور غربت سے کوئی اندیشہ نہیں ہے بلکہ میں اس بات سے ڈرتا ہوں کہ دنیا تم کو گھیر لے اور دولت کے اثرات تمہارے گرد منڈلانے لگیں"۔ تیسری خلافت کا زمانہ ایسا ہی زمانہ تھا غذا اور لباس کی سادگی کہیں ڈھونڈے نہیں ملتی تھی نہ کھانے کی کمی تھی اور نہ لباس کی قلت، ہر شخص خوش حال اور درہم و دینار کا مالک تھا چونکہ دولت و قناعت ایک جگہ نہیں رہ سکتی ہیں اس لئے مال کی کثرت نے مال کی محبت اس درجہ پیدا کر دی کہ لوگ دنیاوی اعتبار سے ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرنے لگے۔ جن کے پاس کم تھا وہ زیادہ کی فکر میں لگ گئے اور جن کے پاس زیادہ تھا وہ دوسروں کو اپنے سے کمتر دیکھنے کی آرزو کرنے لگے، ان حالات نے بڑی حد تک جذبۂ اخوت و اخلاق کو ختم کر دیا۔

دوسری بڑی وجہ یہ تھی کہ آنحضرتؐ کے زمانۂ حیات اور اس کے بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت فاروق اعظمؓ کے دور خلافت تک اسلامی اخلاق و اعمال کی جس زور شور سے تبلیغ کی جاتی رہی وہ بہت حد تک بند ہو گئی کچھ صحابی بوڑھے ہو کر گوشہ گیر ہو گئے، کچھ ایسے تھے جو بدلتے ہوئے حالات کے پیش نظر یکسوئی اور خاموشی کو ہی مناسب سمجھ کر اپنا وقت عبادت و ریاضت میں صرف کرنے لگے اور کچھ وہ تھے کہ جن کو فوجی مہمات اور دور دراز کے سفر نے نیز ذمہ دار عہدوں کی مصروفیات نے اتنا وقت ہی نہیں دیا کہ وہ فوجی مہمات سے

ہٹ کر نیکی و بھلائی کی اشاعت و تبلیغ کی طرف توجہ کرتے۔

تیسری اور اہم وجہ جس نے پوری مملکت اسلامیہ کو ذہنی کشمکش اور خلجان میں مبتلا کر دیا تھا وہ یہ تھی کہ حضرت عثمان غنیؓ نے مسند خلافت پر قدم رکھتے ہی ان عناصر کو زیادہ قریب کر لیا جو شان و شوکت اور دولت و حکومت کے سہارے جینے کو ہی مذہب پر ترجیح دیا کرتے تھے۔ یہ مکہ کا مخصوص گروہ بنی امیہ تھا جس کی صدیوں سے یہ کوشش چلی آ رہی تھی کہ مذہبی تفوق رکھنے والوں کو دولت و اقتدار کے تحت لایا جائے اور دنیادی جاہ و جلال کے اڑتے ہوئے پھریروں کو کسی وقت سرنگوں نہ ہونے دیا جائے، درحقیقت اس گروہ کی نظریں دولت و حکومت کو زیادہ تکا کرتی تھیں مذہبی اقدار کا اقرار تو تھا مگر لگاؤ نہیں تھا۔ حضرت عثمان غنیؓ خود بھی خاندان بنی امیہ سے تعلق رکھتے تھے مگر اسلام سے دیرینہ رشتے اور آنحضرتؐ کے فیض صحبت نے ان کو ایسا متقی اور زاہد بنا دیا تھا کہ وہ دولت کے ہوتے ہوئے سادگی اور قناعت پر جان دینے لگے، ان کی نظروں میں دولت کا وجود صرف اس لئے ضروری تھا کہ اس کے ذریعہ دینی و قومی ضروریات کو پورا کیا جائے، حاجتمندوں کے کام آئے اور کسی حالت میں بھی ذاتی وجاہت و شوکت کا ذریعہ نہ بننے پائے۔

واقعات شاہد ہیں کہ حضرت عثمانؓ کی زندگی اس سے بھی آگے تھی مگر مسند خلافت پر قدم رکھنے کے بعد ہی خاندان کے وہ افراد جن کی نگاہوں میں دولت و اقتدار ہی سبھی کچھ تھا زیادہ سے زیادہ قریب آنے

اور سادہ دل خلیفہؓ کو اپنے مشوروں پر چلانے کی کوشش میں مصروف و مشغول نظر آنے لگے، اس میں شک نہیں کہ حضرت عثمانؓ کو اپنے رشتہ داروں سے محبت تھی اور یہ بات کوئی ان ہی کے ساتھ مخصوص نہیں ہے۔ بلکہ فطرت انسانی ہی یہ ہے کہ وہ غیروں کے مقابلہ میں اپنوں سے زیادہ محبت کرتا ہے اور کرنا بھی چاہیئے اسلامی تعلیم میں رشتہ داروں سے محبت وانس پر جسقدر زور دیا گیا ہے وہ کسی سے پوشیدہ نہیں ہے۔ یہی وجہ تھی کہ آنحضرتؐ بھی اپنے رشتہ داروں سے محبت کرتے تھے، حضرت صدیقؓ اور حضرت فاروقؓ کوئی بھی اس وصف سے محروم نہیں تھے، بات یہ تھی کہ اسلام ان کی نظروں میں اتنا عزیز تھا کہ وہ قریب ترین رشتہ کو بھی اسلام کی قربان گاہ پر بھینٹ چڑھانے میں دیر نہیں لگایا کرتے تھے، ان کی نظروں میں پہلے اسلام اور اس کے بعد پھر کسی دوسری چیز کا درجہ ومرتبہ ہوا کرتا تھا، کیا بدر و اُحد میں علیؓ، صدیقؓ اور فاروقؓ نے اپنے رشتہ داروں کو قتل نہیں کیا، بیٹا، بھائی، ماموں اور چچا اس سے زیادہ قریب کے رشتے اور کیا ہو سکتے ہیں، مگر تاریخ گواہ ہے کہ وہ آنحضرتؐ کے ہی جاں نثار اور اسلام کے شیدائی تھے جو تلوار وں کی چکا چوند میں جان سے بے پروا ہو کر اپنے ہاتھ سے اپنے رشتہ داری کو کاٹ رہے تھے۔

بہرحال خاندان کے کچھ شاطر افراد نے ذوالنورین کی سادہ لوحی سے اسقدر فائدہ اٹھایا کہ وہ بری طرح ان کے گرد جمع ہو گئے اور انہوں

نے ہر ممکن طریقہ سے یہ یقین پیدا کرا دیا کہ اس تیسری خلافت کے نظم و نسق کو ہم سے بہتر نہ کوئی سمجھ سکتا ہے اور نہ کوئی چلانے کے لئے مفید مشورے دے سکتا ہے، مجلس شوریٰ جو دورِ صدیقی و فاروقی سے کام کرتی چلی آ رہی تھی اب بھی موجود تھی مگر ہوتا وہ تھا جو ان سے قریب رہنے والے چاہتے تھے۔

چونکہ حضرت عثمان غنیؓ اموی خاندان سے تعلق رکھتے تھے اس لئے امویوں کے حوصلے بہت بڑھ گئے تھے، جو لوگ پہلی اور دوسری خلافت کے زمانے میں کان دبائے کام کر رہے تھے اب وہ بھی کان کھڑے کر رہے تھے، حضرت امیر معاویہ اور مروان بن حکم جیسے لوگوں کی انتہائی کوشش یہ تھی کہ جس طرح بھی ہو سکے خلافت کی مشینری میں بنی امیہ کے افراد بطور کل پرزوں کے کام کریں تاکہ امویوں کی دیرینہ آرزو پوری ہو اور حکومت و اقتدار ہمیشہ کے لئے اسی خاندان میں سمٹ کر رہ جائے۔

حضرت عثمان غنیؓ کے دورِ خلافت میں بے چینی اور بغاوت کی ایک اور اہم وجہ یہ بھی تھی کہ مملکت اسلامیہ کے حدود کابل سے مراکش تک قائم ہو چکے تھے، صدہا قومیں اور قبیلے مسلمانوں کے زیرِ اقتدار آ چکے تھے، ان کی قدیم آزادیاں چھن چکی تھیں، وہ یا تو مکمل طور پر محکوم و مفتوح رعایا کی حیثیت رکھتے تھے یا اسلام کے اطاعت گذار اور باجدار رہ کر زندگی گذار رہے تھے، اس کے ساتھ ہی ایک بڑی غفلت یہ ہوئی تھی کہ جس

سرعت کے ساتھ ملکوں، شہروں اور بستیوں کو اسلام کے زیرِ نگیں لایا گیا اسی اعتبار سے ان میں اسلام کو روشناس نہیں کرایا گیا۔ وہ اسلام کے ماتحت تو ضرور آ گئے لیکن ان کے دلوں میں اسلام کوئی جگہ پیدا نہ کر سکا۔ ظاہر ہے کہ کسی قوم کے صرف اسلامی مملکت میں آجانے سے اس کے اخلاق و اعمال میں کوئی تبدیلی پیدا نہیں ہوتی تاوقتیکہ ان کے آبائی خیالات و عقائد کو بدلنے اور اسلامی اصولوں کو ان کے دلوں میں بٹھانے کے لئے تبلیغ نہ کی جائے تیسری خلافت کی ایک خصوصیت یہ بھی تھی کہ مسلمان جوڑ توڑ میں پھنس کر تبلیغ سے بالکل غافل ہو بیٹھے چنانچہ نتیجہ یہ ہوا کہ ان کے جسم ضرور محکوم ہو گئے مگر ان کے دلوں کی دنیا میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی مسلمانوں کے خلاف انتقام کا جذبہ اور ان کی متحدہ قوتوں کو توڑنے کا خیال بڑھتا ہی گیا اور وہ موقعہ کے منتظر رہے، آخر آہستہ آہستہ مسلمانوں کے خلاف سازش بڑھتی گئی اور اسلامی اتحاد کو پارہ پارہ کرنے کے لئے مجوسی اور یہودی شورش و بغاوت اور اختلاف و عداوت کو بڑھانے اور پھیلانے کے لئے درونِ خانہ پوری قوت سے مصروف ہو گئے۔

اسی سلسلہ میں یہ بات بھی نہیں بھلانا چاہیئے کہ قریش کے علاوہ دوسرے قبائل عرب جن کی تلواریں قدیم مسلمانوں کے ساتھ مل کر فتوحات میں حصہ لیتی رہیں، وہ بھی یہ سمجھنے لگے کہ آخر حکومت و اقتدار صرف قریش ہی میں کیوں محدود رہے جبکہ ہم نے بھی ہر قسم کی قربانیاں دی ہیں، لہٰذا بیت المال سے قریش کو جو فائدہ بیش از بیش پہنچ رہا ہے۔ ہم کو بھی ان ہی

کے مساوی فائدہ پہنچنا چاہیئے، چنانچہ مخالفین کے لئے ان کو بھڑکانے اور میدان میں لانے کا یہ بھی ایک اچھا موقعہ ہاتھ آگیا۔

غیر قریش عربی قبائل زیادہ تر کوفہ اور بصرہ میں آباد تھے، ان قبائلیوں کی باگ ڈور اشتر نخعی، ابن ذی الحبکہ، جندب، ابن الکوار، صعصعہ اور عمیر بن ضابی کے ہاتھ میں تھی، یہی وہ گروہ تھا جو حکومت و اقتدار میں قریش کی برابری اور ہمسری کا دعوے دار تھا، حضرت عثمانؓ نے ان حالات کے پیش نظر اور ذمہ دار حکام کی شکایت پر کوفہ اور بصرے کے بہت سے شورش پسندوں کو جلا وطن کر دیا مگر اس سے حالات سنورنے کے بجائے اور بگڑ گئے، یہ گروہ کوفہ اور بصرے سے نکل کر جہاں بھی گیا وہاں اپنے خیال کی اشاعت کی چنانچہ فتنہ دبا نہیں بلکہ بڑھتا چلا گیا۔

اس شورش و سازش اور بغاوت و فساد کا سب سے بڑا مرکز مصر تھا، وہ یہودی جو صرف زبانی طور پر دکھانے کے لئے مسلمان ہو گئے تھے، پوری قوت سے تیسری خلافت کے خلاف آگ لگا رہے تھے، ان کا مقصد صرف حضرت عثمانؓ کی خلافت کا خاتمہ ہی نہیں تھا بلکہ وہ اسلام کے شیرازہ کو بکھیرنے اور مسلمانوں کی بڑھتی ہوئی طاقت و تنظیم کو برباد کرنے کے لئے رات و دن ایک کئے ہوئے تھے، ان کی ایک بڑی کوشش یہ تھی کہ مسلمانوں میں مذہبی یگانگت کو توڑ دیا جائے اور عقائد و اعمال میں ایسا اختلاف پیدا کیا جائے جس سے مسلمان نہ صرف ٹولیوں میں بٹ جائیں بلکہ آپس میں مذہبی اعتبار سے ایسے دست و گریباں ہوں کہ پھر

کسی دوسری طرف نظر اٹھا کر دیکھنے کا ان کو موقعہ ہی نہ ملے۔ نومسلم یہودیوں کی شورش کا سب سے بڑا لیڈر عبداللہ بن سبا تھا، یہ صنعا کا رہنے والا تھا اور اسلام سے اس کو جو دشمنی تھی وہ ابوجہل وابولہب سے بھی خطرناک تھی۔ یہ حضرت عثمان غنیؓ کے زمانہ میں دکھانے کے لئے مسلمان ہوگیا تھا، کچھ عرصہ تک تو یہ مکار بڑی خاموشی سے مسلمانوں کے حالات کا مطالعہ کرتا رہا، اس کے بعد مدینہ میں آکر آباد ہوگیا اور چند ہی روز کے بعد اس نے اہل بیت کی محبت، کا وظیفہ پڑھنا شروع کردیا حضرت علیؓ کے نام کا سہارا لیکر حضرت عثمانؓ کے خلاف مسلمانوں کو بھڑکانا شروع کردیا تاکہ وہ مسلمانوں میں دو گروہ علوی اور عثمانی پیدا کرنے کے بعد ان کو آپس میں ٹکرادے۔

عبداللہ ابن سبا نے بہت جلدی مدینہ میں ایک عظیم فتنہ کو برپا کرنے کے لئے زمین ہموار کرلی اور اس کے بعد بصرے چلا گیا، یہاں بھی اس نے لوگوں کو حضرت عثمانؓ کے خلاف خوب بھڑکایا اور آمادہ فساد بنایا پھر کوفہ پہنچ کر اس آگ کو بھڑکانے کی کوشش کرتا رہا، کوفہ سے دمشق پہنچا اور وہاں سے مصر آیا اور مصریوں کو اتنا اکسایا اور ابھارا کہ وہ حضرت عثمانؓ کے قتل کرنے کو اپنا سب سے بڑا قومی کارنامہ تصور کرنے لگے۔ غرض یہ ابن سبا جہاں بھی جاتا مسلمانوں کے خلاف ایک جماعت بنا کر چھوڑ دیتا جو افتراق و شورش اور منافقانہ سرگرمیوں میں سرگرم عمل رہتی۔ ابن سبا اور اس کے مقرر کردہ اور پیدا کردہ ایجنٹوں کا ایک کام یہ بھی ہوتا کہ وہ ہر جگہ کے بااثر اور معزز لوگوں کو حضرت

عثمانؓ کے طریقہ کار اور ان کے مقرر کردہ حکام کے خلاف خفیہ خط و کتابت کے ذریعہ بھڑکاتے رہتے، چنانچہ مدینہ منورہ کے اکثر لوگوں کو یہ یقین ہو چکا تھا کہ حضرت عثمانؓ نے پرانے عمال کو ہٹا کر اپنے خاندان کے جن افراد کو عہدے دیئے ہیں وہ سب نالائق اور نا اہل ہیں۔ یہ صورت حال خلافت عثمانیؓ کے چھٹے یا ساتویں سال اتنی بگڑ گئی کہ پھر بگڑتی ہی چلی گئی اور کسی طرح سنبھلنے میں نہ آئی۔ علمائے تاریخ نے عبداللہ بن سبا کی مفسدانہ کوششوں کو واضح کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اس نے مسلمانوں میں افتراق و عداوت ہی کی بنیاد نہیں ڈالی بلکہ مذہب میں بھی عجیب و غریب عقائد اختراع و ایجاد کیئے اور ان کی خفیہ طریقہ پر اس کثرت سے اشاعت کی کہ مسلمان مذہبی معاملات میں ایک دوسرے سے اختلاف کرنے لگے اور پھر چند ہی دنوں کے اندر شیعی فرقہ سبائی عقائد کی بنیاد پر وجود میں آگیا۔

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی خلافت کو بدنام کرنے، ناکام بنانے اور ان کے خلاف ملک میں شورش برپا کرنے کے سلسلہ میں جو الزامات لگائے گئے اور ان کو بغاوت و شہادت کی حد تک پہنچانے کے لئے ہوا دینے کی جو خطرناک کوشش کی گئی ہے ان میں سب سے بڑا الزام ان پر کنبہ پروری اور اقربا نوازی کا لگایا گیا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ انہوں نے دور فاروقی کے بہت سے لوگوں کو ان کے عہدوں سے ہٹا کر ان کی جگہ اپنے رشتہ داروں کو عامل و حاکم مقرر کر دیا اور

تاریخ خلفائے راشدین

ایسا کرنا کوئی ان کا نیا کام نہیں تھا، ہر ذمہ دار ہستی وقت، ضرورت اور موقعہ کے لحاظ سے اس قسم کی تبدیلیاں کیا کرتی ہے، فتح مکہ کے وقت خود آنحضرتؐ نے علم اسلام سعدؓ سے لیکر ان کے بیٹے کو دیدیا تھا یا حضرت علیؓ کو دیدیا تھا صرف اس بنا پر کہ سعدؓ نے ابوسفیان کو دیکھا تو کہا کہ آج اچھی طرح مزاج پرسی کی جائے گی، اسی طرح حضرت عمرؓ نے خالد بن ولید اور دوسرے لوگوں کو معزول کیا تھا اور اگر دیکھا جائے تو حضرت علیؓ نے بھی مسند خلافت سنبھالتے ہی بنی امیہ کے ایک دو نہیں بلکہ بہت سے افسران وعمال کو یک قلم معزول کر دیا اور کسی دوست کا مخلصانہ مشورہ بھی قبول نہیں کیا۔

حضرت عثمانؓ کے متعلق واقعات نے ثابت کر دیا ہے کہ وہ انتہائی مخلص مسلمان تھے، عاجزی، انکساری اور مزاج میں بھلائی اور نیکی کرنے کا جذبہ اتنا پایا جاتا تھا کہ وہ عواقب ونتائج کو بھی کبھی نظرانداز کر دیا کرتے تھے، وہ کیا جانتے تھے کہ جن رشتہ داروں سے وہ بہتر سلوک کر رہے ہیں ان کے دل اسلام کی محبت سے اس درجہ خالی ہیں کہ وہ ذاتی مفاد کی خاطر ملک وملت کو تباہی کی طرف لے جائیں گے، مروان کے باپ حکم کو آنحضرتؐ نے مدینہ سے نکال دیا تھا اس لئے کہ وہ شرارت پسند تھا اور اس کی ذات سے مسلمانوں کو نقصان پہنچ رہا تھا، حضرت عثمانؓ نے آنحضرتؐ کے آخر وقت میں اسکے مدینہ واپس آنے کی اجازت حاصل کر لی تھی، حضرت

صدیقؓ اور حضرت فاروقؓ نے اپنے دور میں اس کو مصلحتاً نہیں آنے دیا لیکن تیسری خلافت اس کے حق میں مبارک ثابت ہوئی حضرت عثمانؓ نے مدینہ میں داخلہ کی اجازت دیدی، باپ بیٹے دونوں چالاک تھے تیسری خلافت سے وابستہ ہوتے ہی حکومت اسلامیہ کو اپنے خاندان میں لانے کے لئے زبردست جدوجہد شروع کردی۔

حکام کی معزولی اور برطرفی۔ اپنے خاندان کے افراد کو بڑے بڑے عہدوں پر فائز کرنا یہ سب اسی لئے تھا کہ خلافت وحکومت کو بنی امیہ میں لایا جائے تاکہ اس خاندان کو مدت سے جو ناکامی ہوتی چلی آرہی ہے وہ حکومت واقتدار سے بدل جائے اور آئندہ یہ خطرہ نہ رہے کہ بنی امیہ کبھی پھر محکوم ہو سکیں گے۔

غرض مروان بن حکم اور عبداللہ ابن سبا نے حالات کچھ ایسے بگاڑے کہ حضرت علیؓ کی انتہائی کوشش کے باوجود بھی فساد و بغاوت کی آگ بڑھتی ہی چلی گئی۔ حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ نے بھی حالات کو درست کرنے میں کچھ کم کوشش نہیں کی مگر یہ بڑھتا ہوا فساد اور بھڑکتی ہوئی آگ ان کے قابو میں بھی نہ آسکی اور آخر وہی ہوا جو عبداللہ ابن سبا اور بنی امیہ کے شرارت پسند افراد اپنی آنکھوں سے دیکھنے کی آرزو میں بے چین ہو رہے تھے۔

حضرت عثمان غنیؓ نے جو کچھ کیا اس میں شک نہیں کہ ▪ ان کی فطری نیکی اور سادگی کا نتیجہ تھا مگر دو باتیں ایسی تھیں جن کو وہ بھی محسوس نہیں

کر سکے اور ان کی روک تھام کی طرف کوئی موثر قدم نہیں اٹھا سکے۔ ایک یہ کہ امیر معاویہ اور ان کے خصوصی ہمنواؤں کی یہ کوشش کہ حضرت عثمانؓ کے بعد خلافت بنی امیہ میں آنا چاہیئے اور علیؓ کسی طرح مسند خلافت پر نہ آنے پائیں ورنہ اس بات کا پھر بہت کم امکان رہ جاتا ہے کہ خلافت بنو ہاشم سے نکل کر بنی امیہ میں آسکے، یہ تھا وہ اندیشہ جس کی روک تھام کے لئے امیر معاویہؓ بھی شورش و فساد کو دبانے کی طرف زیادہ توجہ نہیں دے رہے تھے بلکہ ان کے طرزِ عمل سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ چاہتے تھے کہ حضرت عثمانؓ جلد سے جلد ختم ہوں اور میں خلافت کو مسلمانوں کی رضامندی سے نہیں تو قوت کے ذریعہ اپنے ہاتھ میں لے لوں اور اگر یہ علیؓ کی طرف جائے تو پھر خون عثمانؓ کی آڑ لیکر حالات کو علیؓ کے لئے اتنا ناگفتہ بہ بنا دیا جائے کہ اگر جلدی نہیں تو تھوڑی دیر سے ہی سہی حکومت میرے ہاتھوں میں آجائے۔

دوسرے عبداللہ بن سبا کی سرگرمیاں کچھ ایسی منظم اور خفیہ طور پر جاری رہیں کہ حضرت عثمانؓ اسے بھی نہیں سمجھ سکے، ابن سبا کی طرف سے امیر معاویہ نے قصداً لاپرواہی برتی کیونکہ ان کا مفاد اسی میں تھا کہ فساد کی آگ بڑھتی رہے اور اس تیسری خلافت کا جلد سے جلد خاتمہ ہو۔

۳۴ھ میں حالات نے جب زیادہ نازک صورت اختیار کی تو حضرت عثمانؓ چونکے اور حالات کا بغور مطالعہ کیا، اگرچہ صورت

حال بد سے بدتر ہو چکی تھی مگر آپ نے کوشش کی کہ لوگوں کو جو شکایات پیدا ہو چکی ہیں وہ دور کی جائیں چنانچہ آپ نے تمام گورنروں کے نام حکم نامے جاری فرمائے کہ وہ حج کے موقعہ پر مکہ میں حاضر ہوں تاکہ ملکی حالات پر غور کیا جائے۔ آپ بھی مدینہ سے مکہ کے لئے روانہ ہوئے اور جب وہاں پہنچے تو حکم نامہ کی تعمیل میں تمام صوبوں کے گورنر مکہ آچکے تھے، حج ہونے تک مکہ میں اور اس کے بعد مدینہ میں تمام حکام حضرت عثمانؓ کے ساتھ آئے اور یہاں مجلس شوریٰ قائم ہوئی۔ اس مجلس میں شام کے حاکم امیر معاویہؓ بصرے کے عبداللہ بن عامرؓ، مصر کے عبداللہ بن سعدؓ، کوفہ کے عبداللہ بن ابی سرحؓ اور دیگر علاقوں کے سعید بن العاصؓ اور عمرو بن العاصؓ وغیرہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

مدینہ میں کئی دن تک مجلس شوریٰ ہوتی رہی، ہر صوبہ کے گورنر نے اپنی رائے ظاہر کی اور شورش کے رخ کو بدلنے کی تجاویز پیش کیں، امیر معاویہؓ نے کہا کہ ہر عامل اپنے علاقہ میں امن قائم رکھے، میں شام کا ذمہ دار ہوں، عبداللہ بن سعد نے کہا کہ شورش پسندوں کے منہ کو مال و زر سے بھر کر خاموش کر دیا جائے، سعید بن العاص نے کہا کہ یہ سب کچھ ایک خاص گروہ کی وجہ سے ہو رہا ہے لہذا اس گروہ کے سربراہوں کو قتل کر دیا جائے عبداللہ بن عامر نے کہا کہ کسی ملک پر چڑھائی کر دی جائے تاکہ لوگوں کی توجہ جہاد کی طرف ہو جائے، غرض مختلف تدابیر سامنے آئیں مگر کوئی ایسا دستور نہ بن سکا جو فساد کی آگ کو ٹھنڈا

کرنے میں مفید ہوتا آخر حضرت عثمانؓ نے سب کو رخصت کر دیا اور خود ہی حالات پر غور کرنے اور کسی حل کو تلاش کرنے میں مصروف ہو گئے۔

ممکن تھا کہ حضرت عثمانؓ کوئی حل تلاش کر لیتے مگر آپ کا مشیر خاص مروان آپ کو کسی صحیح نکتہ پر جمنے نہیں دیتا تھا، اس کی نظریں خونِ عثمانؓ کے منظر کو دیکھنا چاہتی تھیں تاکہ علیؓ کی ہستی جلد سے جلد راستہ سے ہٹ سکے اور حکومت بنی امیہ کے ہاتھوں میں آسکے۔ یہ بہت بڑا فتنہ پرداز تھا مگر اس نیکی کو کیا کہا جائے کہ جس کو مدینہ سے نکالا گیا اسی کو حضرت عثمانؓ نے رشتہ دار سمجھتے ہوئے اپنا مشیر خاص بنا لیا، سچ تو یہ ہے کہ حضرت عثمانؓ سے جس قدر غلطیاں منسوب کی جاتی ہیں اور جو الزامات جناب عثمانؓ پر عائد کیے جاتے ہیں وہ سب اسی فتنہ پرداز کی ناپاک تحریک کا نتیجہ تھے۔ (ابن سعد، بخاری، طبری)

حملہ اور شہادت

مجلس شوریٰ کے انعقاد اور صوبوں کے گورنروں کو بلانے کی صرف ایک ہی غرض تھی کہ بڑھتے ہوئے فساد کو روکنے اور لوگوں کی شکایات کو دور کرنے کی تدابیر پر غور کیا جائے مگر حضرت عثمانؓ کو اس میں کامیابی نہیں ہوئی، صوبوں کے گورنر واپس گئے اور آپ حالات کو قابو میں لانے پر غور کرنے لگے مگر اب صورتِ حال اتنی بگڑ چکی تھی کہ اس پر قابو پانا حضرت عثمانؓ ہی نہیں بلکہ ان کے اختیار سے بھی باہر تھا جو

اس تمام فساد اور آگ کے لگانے والے تھے، ساتھ ہی عبداللہ بن سبا کی تحریک اتنی بڑھ چکی تھی کہ صرف کوفہ، بصرہ اور مصر ہی نہیں مدینہ بھی اس تحریک کا سب سے بڑا مرکز بن گیا تھا،

آخر وہ وقت آہی گیا کہ مصر، کوفہ اور بصرے کے باغی بہت بڑی تعداد میں مدینہ آکر شہر سے کچھ فاصلہ پر مقیم ہو گئے، ان باغیوں کا خیال تھا کہ حضرت عثمانؓ کو تخت خلافت سے اتار کر حضرت طلحہؓ، زبیرؓ یا حضرت علیؓ کو تخت خلافت پر بٹھا دیا جائے چنانچہ انہوں نے اس سلسلہ میں اپنے نمائندے مذکورہ بالا تینوں حضرات کے پاس بھیجے مگر یہ حضرات کب اس کو پسند کر سکتے تھے کہ حضرت عثمانؓ تخت خلافت سے معزول کر دیئے جائیں، صاف انکار کر دیا، باغیوں کو بہت ناگوار ہوا اور وہ مدینہ میں قتل و غارت کی دھمکیاں دینے لگے۔

آخر معاملہ جب زیادہ بگڑتا نظر آیا تو حضرت علیؓ سے ضبط نہ ہو سکا، آپ باغیوں کے گروہ سے ملے اور ان کو گرمی و نرمی سے اس بات پر آمادہ کر لیا کہ وہ مدینہ سے واپس چلے جائیں۔ باغی آمادہ تو ہو گئے مگر اس شرط کے ساتھ کہ مصر کے ظالم گورنر عبداللہ بن سعد کو ہٹا کر ان کی جگہ محمد بن ابو بکرؓ کو مصر کا گورنر بنا دیا جائے، حضرت علیؓ نے معاملہ حضرت عثمانؓ کے سامنے رکھا اور وہ موقعہ کی نزاکت کے پیش نظر باغیوں کے اس مطالبہ کو پورا کرنے کے لئے تیار ہو گئے اور اسی وقت اپنے رضاعی بھائی عبداللہ بن سعد کی معزولی اور محمد بن ابو بکرؓ کی تقرری کا پروانہ لکھ کر باغیوں

کے حوالہ کر دیا۔ باغی محمد بن ابو بکرؓ کو اپنے ہمراہ لے کر مدینہ سے روانہ ہو گئے۔

باغیوں کے چلے جانے کے بعد بہت حد تک لوگوں کو اطمینان ہو گیا کہ یہ بلا ٹل گئی اور اب شاید دوبارہ مدینہ کو ان باغیوں کی صورت دیکھنے کو نہ ملے گی مگر ہوا یہ کہ چوتھے ہی دن باغیوں کی جماعت نعرے لگاتی مدینہ میں گھس آئی، انتقام انتقام کی صدائیں ان کی زبانوں پر بلند ہو رہی تھیں، آتے ہی حضرت عثمانؓ کے گھر کو ہر طرف سے گھیر لیا۔ حضرت علیؓ نے بڑھ کر واپسی کا اور شور و شر مچانے کا سبب پوچھا باغی کہنے لگے کہ ہم چلے جا رہے تھے کہ دربار خلافت کا قاصد نہایت تیزی کے ساتھ مصر جاتا ہوا ہم کو ملا۔ حالت اس کی اسقدر مشتبہ ہو رہی تھی کہ ہم کو یہ شبہ ہوا کہ یہ والی مصر کی طرف ضرور کوئی فرمان لیکر جا رہا ہے چنانچہ اسے گرفتار کر لیا گیا۔ تلاشی لی گئی تو ایک فرمان برآمد ہوا جس میں لکھا تھا کہ جیسے ہی محمد بن ابو بکر اور ان کے ہمراہی مصر پہنچیں گردن مار دی جائے۔ —— لہذا ہم اس بدعہدی اور فریب کا بدلہ لینے واپس آئے ہیں صحابہ کرامؓ نے ہر چند کوشش کی کہ باغی ٹھنڈے پڑ جائیں مگر اس خط کا کیا کیا جائے جو بلوائیوں اور باغیوں کے قبضہ میں تھا اور جس پر حضرت عثمانؓ کی مہر لگی ہوئی تھی۔

حضرت علیؓ اور دوسرے صحابہؓ وہ خط اور غلام ساتھ لیکر حضرت عثمانؓ کے پاس گئے اور ان سے پوچھا کہ یہ اونٹ اور غلام آپ کا ہے؟

فرمایا۔ ہاں! پوچھا گیا کہ کیا یہ مہر آپ ہی کی ہے؟ فرمایا۔ ہاں! اس کے بعد خط کا مضمون پڑھ کر سنایا گیا اور پوچھا گیا کہ کیا یہ مضمون آپ ہی نے لکھا ہے؟ تو آپ نے قسم کھا کر ارشاد فرمایا کہ یہ میرا لکھا ہوا نہیں ہے اور نہ اس کے لکھے جانے کا مجھے کوئی علم ہے۔ تمام اصحابؓ نے حضرت عثمانؓ کی قسم کا اعتبار کر لیا اور باغیوں کو یقین دلانے کی کوشش کی کہ یہ خط حضرت عثمانؓ نے نہیں لکھا ہے، آخر لکھائی کا انداز پہچانا گیا کہ یہ کس کی تحریر ہو سکتی ہے تو پتہ چلا کہ مروان نے لکھا ہے۔ حضرت علی اور دیگر اصحاب نے باغیوں کو سمجھانے اور مدینہ سے نکالنے کی ہر چند کوشش کی مگر ان کا جوش برابر بڑھتا گیا۔ باغی اور بلوائی یہ بات بار بار دہرا رہے تھے کہ ایسے خلیفہ کو ضرور معزول کر دینا چاہئے جس کی غفلت کا یہ عالم ہو کہ اس کا مشیر خاص امت رسول کے قتل کا فرمان جاری کر دے اور اسے خبر تک نہ ہو ــــ مگر حضرت علیؓ اور دیگر صحابہؓ کے سمجھانے سے جب ان کی سمجھ میں یہ بات آگئی کہ یہ محض مروان کی چال ہے اور اسی فتنہ پرداز کی حرکت ہے تو انہوں نے کہنا شروع کر دیا کہ اچھا حضرت عثمانؓ دو باتوں میں سے ایک پر رضامند ہو جائیں، یا تو خلافت چھوڑ دیں یا مروان کو ہمارے حوالہ کر دیں۔ حضرت عثمانؓ ان دونوں باتوں کے لئے تیار نہیں ہوئے، باغیوں کا جوش بڑھتا گیا محاصرہ میں سختی آتی گئی، حضرت علیؓ نے امام حسنؓ اور امام حسینؓ کو اور حضرت زبیرؓ نے اپنے بیٹے عبد اللہ کو حفاظت کرنے اور خلیفۂ وقت

کو ہر طرح سے بچانے پر مامور کر دیا مگر باوجود اس حفاظت اور نگرانی کے باغیوں کی ایک ٹولی پڑوس کے مکان سے داخل ہو کر حضرت عثمانؓ کے گھر میں کود پڑی، محمد ابن ابوبکر جنکو مصر کا گورنر مقرر کیا گیا تھا اور پھر جن کے قتل کے لئے مروان نے خط لکھا تھا سب سے آگے تھے، حضرت عثمانؓ گھر کے دالان میں قرآن کی تلاوت کر رہے تھے، محمد ابن ابوبکر نے جاتے ہی حضرت عثمانؓ کی ڈاڑھی پکڑ لی اور بہت گستاخی سے پیش آئے۔ آپ نے ان کی طرف دیکھا اور فرمایا۔ کیا تمہارے باپ ہوتے تو تم میرے ساتھ یہی سلوک کرتے؟ محمد ابن ابوبکر شرما گئے اور ڈاڑھی چھوڑ کر باہر نکل آئے مگر دوسرے باغیوں نے تلواریں چھوڑ دیں، بیوی نے درمیان میں آکر بچانے کی کوشش کی مگر باغیوں نے ان کو دھکا دے کر ایسے وار کئے کہ اللہ کے رسولؐ کا یہ تیسرا جانشین اور داماد ذوالنورین عین تلاوت قرآن کی حالت میں جاں بحق ہو گیا، بلوائیوں کا جوش پھر بھی ٹھنڈا نہ ہوا اور انہوں نے شہید کے جسم پر کئی وار اور بھی کئے، جسم کی توہین کی اور پھر اسی راستہ سے باہر نکل گئے۔ جاتے ہوئے مکان کا سامان لوٹ لیا، کپڑے تک اتار کر برہنہ کر دیا اور پورے مدینہ میں ایسا ہنگامہ برپا کیا کہ تین دن تک کسی کو کسی کی خبر نہ ہوئی، تین دن کے بعد جب مسلمانوں نے خلیفہ کی لاش کو دفنانا چاہا تو بلوائیوں اور باغیوں نے روکنے کی کوشش کی، آخر حضرت علیؓ نے باغیوں کو سختی سے للکارا اور ڈانٹا تو ان کے حوصلے پست ہوئے حضرت علیؓ نے آدھی رات

کے وقت نماز جنازہ پڑھائی اور سپرد خاک کر دیا۔ تاریخ اسلام کا یہ خونیں واقعہ ۱۸ ذی الحجہ ۳۵ھ کو جمعہ کے دن عصر کے قریب پیش آیا۔ مسند ابن حنبل میں ہے کہ جنازہ کی نماز حضرت زبیرؓ نے پڑھائی۔ ابن سعد کہتے ہیں کہ جبیر ابن مطعمؓ نے پڑھائی اور بعض تاریخیں بتاتی ہیں کہ حضرت علیؓ نے نماز پڑھائی اور قبر میں اتارا۔ مدینہ میں مقیم صحابہ کرامؓ اس حادثہ عظیم کو سنکر اور دیکھ کر ایسے گہرے رنج و غم میں ڈوبے کہ پھر تمام زندگی چین نصیب نہیں ہو سکا۔

حضرت عثمان غنیؓ نے باغیوں کے پیہم مطالبہ کے باوجود مسند خلافت چھوڑنے سے اس لئے انکار کر دیا تھا کہ ان کو آنحضرتؐ کی پیشن گوئی کے مطابق اپنی شہادت کا یقین تھا کیونکہ آنحضرتؐ نے کئی مرتبہ ان کو اس سانحہ سے مطلع فرمایا تھا اور صبر و استقامت کی تلقین فرمائی تھی، چنانچہ جس دن شہید ہونے والے تھے اس دن آپ نے خواب دیکھا کہ آنحضرتؐ مع حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ تشریف لائے ہیں اور فرما رہے ہیں جلدی کرو، آج کا روزہ ہمارے ساتھ افطار کرنا۔ بیوی سے خواب کا ذکر کیا تو کہنے لگیں کہ ایسا نہیں ہو سکتا ہے مگر آپ نے فرمایا، یہ ہو کر رہے گا میں خواب دیکھ چکا ہوں۔ اس کے بعد کپڑے تبدیل کئے، غلاموں کو آزاد کیا اور تلاوت میں مصروف ہو گئے۔ پہلے پارہ کے آخری رکوع کی تلاوت کرتے ہوئے جب فَسَيَكْفِيكَهُمُ اللّٰهُ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ پر پہنچے تو کنانہ بن بشر، سودان بن حمران مرادی اور عمرو ابن الحمق کے پیہم

داروں نے ذوالنورین کی شمع حیات بجھادی — افسوس! دشمنوں نے سازش کا جو جال بچھایا تھا وہ ٹوٹ نہیں سکا، فتنہ وفساد اور اختلاف وافتراق کا ایسا دروازہ کھلا کہ اب قیامت تک اس کے بند ہونے کی کوئی امید نظر نہیں آتی، سرکار دو عالم کا لایا ہوا اور قائم کیا ہوا اسلام شیعہ، سبائی، خارجی اور بہت سے فرقوں میں بٹ گیا۔

صحابہ کرامؓ کی زندگیاں اس حادثۂ عظیمہ کے بعد اجڑ گئیں، حضرت علیؓ نے آسمان کی طرف نظر اٹھائی اور فرمایا۔ اے اللہ! تو خوب جانتا ہے کہ میں عثمانؓ کے خون سے بری ہوں، حضرت عمرؓ کے بہنوئی سعید بن زیدؓ نے کہا — لوگو! اگر کوہ احد ٹوٹ پڑے تو کوئی تعجب نہیں، حضرت حذیفہؓ نے فرمایا۔ یہ فتنہ اب قیامت تک نہیں رکے گا۔

ثمامہ بن عدیؓ صنعائے یمن کے حاکم نے فرمایا۔ افسوس! آنحضرتؐ کی جانشینی ختم ہوگئی۔ عبداللہ بن سلامؓ نے کہا کہ آج عرب کی قوت کا خاتمہ ہوگیا، حضرت عائشہؓ نے فرمایا عثمان کا نامۂ اعمال دھلے کپڑے کی طرح پاک تھا، زید بن ثابتؓ اور ابوہریرہؓ کی آنکھوں کے تار ٹوٹتے نہیں تھے، حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا، اگر خون عثمانؓ میں تمام خلقت شامل ہوتی تو قوم لوط کی طرح آسمان سے پتھر برستے۔

افسوس! حضرت رقیہؓ اور ام کلثومؓ دختران نبیؐ کے نامور شوہر لاکھوں مسلمانوں کے مذہبی پیشوا، خلافت راشدہ کے تیسرے رکن حضرت ذوالنورین شہیدؓ کی میت جب سوئے قبر لے جائی گئی تو جنازہ میں صرف

ستّرہ آدمی شریک تھے۔

(صحیح بخاری، ابن حنبل، ابن سعد، مستدرک حاکم)

مذہبی خدمات

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی مذہبی وسیاسی خدمات اور کارنامے اگرچہ دورِ صدیقی و فاروقی کی طرح روشن نہیں ہیں مگر پھر بھی آپ نے پوری توجہ اور کوشش سے اسلام کے ضروری اور اہم مسائل کو نظر انداز نہیں ہونے دیا، درحقیقت آپ کے دور میں حکام کی تبدیلی مروان کی اسلام کش پالیسی اور بنی امیہ کے اقتدار پسند عناصر نے حالات کچھ اتنے بگاڑ دیئے تھے کہ حضرت عثمانؓ ہی پر کیا منحصر ہے جو بھی آپ کی جگہ ہوتا اسے اسی قسم کی صورت حال کا سامنا کرنا پڑتا۔ ۱

مذہبی خدمات میں حضرت عثمانؓ کا سب سے اہم کارنامہ یہ ہے کہ آپ نے اشاعت قرآن کی تدابیر پر سب سے زیادہ توجہ فرمائی، قرآن کریم کا وہ نسخہ جو حضرت صدیق اکبرؓ، حضرت فاروق اعظمؓ اور حضرت علیؓ کی کوششوں سے جمع کیا گیا تھا اور جو حضرت حفصہؓ کے پاس محفوظ تھا، آپ نے ان سے لیکر حضرت زید بن ثابتؓ اور دوسرے لکھنے والے صحابہؓ سے اس کی کئی نقلیں کرائیں اور ان نقلوں کو مختلف ممالک میں بھجوایا اور ساتھ ہی یہ احکام صادر فرمائے کہ اس کے علاوہ جس کے پاس اور جہاں کہیں جو نوشتے موجود ہیں سب

کو اکٹھا کر کے دربار خلافت میں روانہ کر دیا جائے، چنانچہ ہر جگہ کے نوشتے جب آ گئے تو آپ نے ان کو جلوا دیا۔

حضرت عثمانؓ کو یہ قدم اٹھانے کی اس لئے ضرورت ہوئی کہ مصر، شام، عراق اور ایران وغیرہ میں ایک بڑی تعداد نو مسلموں کی تھی، ان کی مادری زبان عربی نہیں تھی، حضرت حذیفہ بن سجانؓ جو ان نو مسلم فوجوں میں شریک اور شامل تھے انہوں نے دیکھا کہ اختلاف قرأت پڑھتا جاتا ہے، عراقی و شامی، کوفی و بصری، ایرانی و مصری سب کی قرأت مختلف ہے نیز یہ کہ ہر شخص اس بات پر مصر ہے کہ جو میں پڑھتا ہوں وہی صحیح و درست ہے، حضرت حذیفہؓ کو اس اختلاف قرأت سے سخت وحشت ہوئی اور وہ میدان جہاد سے فرصت پاتے ہی مدینہ حاضر ہوئے اور حضرت عثمانؓ کو تمام حالات سے آگاہ کیا اور ساتھ ہی اپنے اس اندیشہ کا اظہار کیا کہ اگر آپ نے اس مسئلہ کو فوری طور پر حل نہیں کیا تو قرآن کریم بھی توریت و انجیل کی طرح تحریف و اختلاف سے محفوظ نہیں رہے گا اور اختلاف قرأت کی وجہ سے بے شمار جھگڑے اٹھ کھڑے ہونگے اور اس بات کا سخت احتمال ہے کہ مسلمان اس اختلاف کی وجہ سے آپس میں دست و گریباں ہو جائیں۔

حضرت عثمانؓ نے حضرت حذیفہؓ کی اطلاعات پر فوری قدم اٹھایا، حضرت زید بن ثابتؓ کے ساتھ جو دوسرے حضرات آپ نے اس کام پر لگائے وہ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ اور سعید بن العاصؓ تھے، ان

حضرات نے یہ خدمت اتنی محنت سے انجام دی کہ اصل نسخہ کے مطابق کئی نقلیں کر دیں جو ممالک اسلامیہ میں روانہ کر دی گئیں اور اس کے بعد وہ اوراق و مصاحف جو لوگوں نے اپنی یادداشتوں کی بنا پر لکھ لئے تھے اور جن میں املا کی ہزار ہا غلطیاں پائی جاتی تھیں معدوم کر دیئے۔ کون نہیں جانتا ہے کہ اگر آپ اس کارِ اہم کو انجام نہ دیتے تو قرآن کریم آج اختلاف و اغلاط کے سلسلہ میں انجیل و توریت سے کم نہ ہوتا۔

موجودہ قرآن کریم جس کی تمام دنیائے اسلام میں تلاوت کی جاتی ہے وہی قرآن ہے جس کی نقلیں حضرت عثمانؓ نے کرا کر ممالک اسلامیہ میں روانہ کی تھیں، آج قرآن میں ۱۴ سو سال گذرنے پر بھی کوئی اختلاف نہیں پایا جاتا، یہ حضرت عثمانؓ ہی کا اَمِٹ کارنامہ ہے، مسلمانوں کا ایک فرقہ جو حضرت عثمانؓ پر قرآن جلانے اور اپنی طرف سے قرآن میں تحریف و اضافہ کا الزام لگاتا ہے وہ بھی اس بات سے عاجز ہے کہ موجودہ مصحف عثمانؓ کے علاوہ کوئی دوسرا قرآن پیش کر سکے، قرآن کریم کا یہ ارشاد کہ وانالہ لحافظون اس قسم کے تمام باطل عقائد و خیالات کی تردید کے لئے کافی ہے۔

حضرت عثمانؓ کو عام طور پر جامع قرآن کہا جاتا ہے مگر صحیح یہ ہے کہ جمع قرآن صدیقیؓ و فاروقیؓ کوششوں کا نتیجہ ہے حضرت عثمانؓ کو اس جمع شدہ قرآن کا ناشر کہا جائے تو زیادہ صحیح ہوگا۔

مسجد نبویؐ کی تعمیر و ترقی سے حضرت عثمانؓ کو آنحضرتؐ کے زمانہ

سے ہی گہری دلچسپی تھی، چنانچہ ایک مرتبہ آنحضرتؐ نے اپنی حیاتِ طیبہ میں مسجد کو عدم گنجائش کی وجہ سے وسعت دینا چاہی تو حضرت عثمانؓ نے ملحقہ آراضی خرید کر خدمتِ رسولؐ میں پیش کردی، آنحضرتؐ نے عطیہ عثمانیؓ کو قبول فرمایا اور مسجد کو دوبارہ صحابہ کرامؓ کی موجودگی میں تعمیر کیا، اس کے بعد حضرت عثمانؓ نے ۲۹ھ میں مسجد کو بنانے کا ارادہ کیا، مگر کچھ لوگ اپنے ملحقہ مکانات دینے پر رضامند نہیں ہوتے تھے آخر آپ نے ایک دن جمعہ کے خطبہ میں اس خیال کو اسقدر موثر انداز میں پیش کیا کہ لوگوں نے خوشی خوشی اپنے اپنے مکانات آپ کے حوالہ کردیئے۔ آپ نے سب کو معقول معاوضہ دیا اور پھر بڑے اہتمام سے مسجد کی تعمیر شروع کی۔

دس مہینے سے زیادہ کام ہوتا رہا، اینٹ، پتھر اور چونے کا استعمال زیادہ کیا گیا، عمارت خوبصورت بنائی گئی اور لمبائی میں پچاس گز بڑھادی گئی، جب تک کام ہوتا رہا آپ بذاتِ خاص نگرانی فرماتے رہے اور جتنی دیر آپ کو دوسرے کاموں میں مصروف رہنا پڑتا تو آپ کے متعین کردہ حکام دیکھ بھال کرتے رہتے۔

مسجد نبوی کے علاوہ حضرت عثمانؓ نے اور بھی کئی مسجدیں تعمیر کرائیں مسافروں کے لئے مہمان خانے بنائے، کوفہ کے مہمان خانہ کو بنانے کے لئے آپ نے عقیلؓ اور ابن ہبارؓ سے ان کے مکانات خرید کئے اور ایک بہت شاندار مسافر خانہ تعمیر کیا جس سے باہر کے لوگوں کے

لئے کوفہ میں قیام کی بڑی سہولت پیدا ہوگئی۔ پانی کی آسائش آپ کو خاص طور پر ملحوظ رہتی تھی، ممالک اسلامیہ سے جو راستے مدینہ کو آتے تھے ان راستوں میں آپ نے متعدد کنوئیں بنوا دیئے تاکہ راہ چلنے والوں کو پانی کی تکلیف نہ ہو۔ کئی جگہ سرائے بنوائیں اور حفاظت کے خیال سے چوکیاں قائم کیں۔

آپ نے تبلیغ اسلام کا خیال کبھی دل سے نہیں نکلنے دیا مسجد نبویؐ کے منبر سے آپ کے ارشادات کا سلسلہ تو جاری ہی رہتا تھا لیکن اس کے علاوہ بھی جب آپ کے پاس لوگ آجایا کرتے تھے تو آپ ان کو اسلام کے محاسن سے روشناس فرمایا کرتے تھے، ایک مرتبہ قیدیوں کی جماعت میں پہونچ گئے اور سب کو اسلام کی دعوت دی کئی غلام اور لونڈیاں متاثر ہوکر دامن اسلام سے وابستہ ہوگئیں۔

مذہبی تعلیم کا اس درجہ احساس رہتا تھا کہ اکثر و بیشتر لوگوں کو مسائل فقہ سمجھاتے رہتے تھے، ایک مرتبہ وضو کے مسائل بیان کرتے ہوئے وضو کرکے دکھایا اور فرمایا، دیکھو! آنحضرت اس طرح وضو کیا کرتے تھے، مسجد نبوی میں صرف ایک موذن مقرر تھے، آبادی اسقدر بڑھ چکی تھی کہ آواز اذان کی بعض علاقوں میں نہیں پہنچتی تھی آپ نے ایک موذن اور بڑھا دیا تاکہ سب لوگ اذان سے مطلع ہوسکیں۔ مسجد کے انتظام اور صفوں کی درستگی پر کئی آدمی مقرر کئے جو جمعہ اور عیدین وغیرہ کے موقعوں پر بڑی مستعدی سے

خدمات انجام دیا کرتے تھے۔

حضرت عثمان غنیؓ نے دورِ خلافت کی مصروفیات میں بھی تبلیغ اسلام کو نہیں چھوڑا، مختلف ممالک میں تبلیغ کے لئے وفود روانہ فرمائے، چنانچہ مغیرہ بن شعبہؓ سابق گورنر کوفہ کی معیت میں ایک تبلیغی وفد ہندوستان بھی آیا تھا جس نے مالابار میں اشاعت اسلام کے لئے زبردست جدوجہد کی، کالی کٹ کے راجہ زمورن نے اس وفد کو اپنا مہمان خاص بنایا۔ حضرت مغیرہؓ کی زبانی اسلام اور آنحضرتؐ کے حالات سنے اور اسقدر متاثر ہوا کہ اسلام قبول کرلیا، ہندوستان میں اسلام کی اشاعت و تبلیغ دورِ عثمانیؓ کا مخصوص کارنامہ ہے۔

سیاسی کارنامے

حضرت عثمان غنیؓ کے سیاسی کارناموں کی فہرست اگرچہ اتنی طویل تو نہیں ہے جیسی دور فاروقیؓ میں نظر آتی ہے حالانکہ آپ کو وقت زیادہ ملا، اس کی وجہ وہ انتشار اور بدنظمی تھی جو بنی امیہ کے افراد نے اپنے ذاتی مقاصد کی خاطر پھیلا رکھی تھی جس کی وجہ سے اس تیسری خلافت کا زیادہ وقت جوڑ توڑ اور کسی کو گرانے اور کسی کو بٹھانے میں صرف ہوا مگر پھر بھی حضرت عثمانؓ ضروری اقدامات سے غافل نہیں رہے۔

وہ بغاوت جس نے آپ کے مسند خلافت پر قدم رکھتے ہی سر اٹھایا، خلافت اسلامیہ کے لئے جسقدر بھی خطرناک ثابت ہوئی اور حکومت

اسلامیہ کے لئے جتنی زیادہ تباہ کن ثابت ہوتی وہ کم تھا مگر حضرت عثمانؓ نے بڑی عجلت اور جرأت سے اسے دبانے اور ختم کرنے کے لئے احکامات صادر فرمائے اور جب تک باغیوں کی سرکوبی کر کے ملک میں امن و امان قائم نہیں کرا دیا اطمینان سے نہیں بیٹھے۔

پچھلے صفحات میں آپ پڑھ چکے ہیں کہ مصر نے بغاوت پہ کمر باندھی آذربائیجان اور آرمینیہ والوں نے خراج دینے سے گریز کیا، خراسان پھر سے کفن بردوش میدان میں کود پڑا، اسکندریہ، قبرص اور طرابلس کوئی ایسا نہیں تھا جسکی سرکوبی نہ کرنا پڑی ہو۔ مختلف گروہ اور خاندان اور پھر یہودی و مجوسی بھی شورش پر اتر آئے تھے، سب کی کوشش تھی کہ ہم کو عہدے اور جاگیریں ملیں اور مسلمانوں کی اطاعت کا جوا ہم کاندھے سے اتار پھینکیں چنانچہ اس مقصد کے لئے ملک میں سازشوں اور بغاوتوں کا جال ایسا پھیلا کہ انتہائی کوشش کے باوجود بھی یہ عناصر اندر اندر منظم ہوتے رہے وہ آگ جس کے بھڑکانے کی زبردست کوششیں شروع کی گئی تھیں پورے طور پر بجھ نہیں سکی اور دشمنوں نے اس سلسلہ کو اتنا بڑھایا کہ آخر حضرت عثمانؓ کی شہادت کا دردناک منظر دیکھنا پڑا۔

غرض حضرت عثمانؓ باوجود نیک اور نرم دل ہونے کے ان حالات سے مرعوب نہیں ہوئے، ممالک مفتوحہ کی بغاوتوں اور شورش پسندوں کی خود سری کو اس طرح دبا یا کہ جب مسلمان باہم دست و گریبان ہو رہے تھے اسوقت بھی ان کو یہ جرأت نہیں ہوسکی کہ دوبارہ سر اٹھا سکیں،

فتوحات کا سلسلہ اتنا بڑھا کہ اسلامی حدود کا سلسلہ کوہ قاف تک پہنچ گیا۔ افریقہ میں طرابلس، برقہ، مراکش اور ایران اور اس سے متصل علاقوں میں افغانستان، خراسان اور ترکستان نیز یہ کہ ایشیائے کوچک کا ایک بہت بڑا علاقہ شام میں شامل کیا گیا۔

بحری فتوحات حضرت عثمانؓ کی جرأت کا نتیجہ ہیں، جزیرۂ قبرص پر اسلامی عَلم لہرایا۔ قیصر روم کے عظیم بحری لشکر کو شکست کا اس طرح منہ دیکھنا پڑا کہ پھر دوبارہ سر اٹھانے کی ہمت نہ ہو سکی۔ درحقیقت بحری جنگ کے سلسلہ میں حضرت عثمانؓ کی جرأت تاریخ اسلام کا نمایاں باب ہے، حضرت عمرؓ جس اقدام سے پہلوتہی فرماتے رہے اور بحری جنگوں کے سلسلہ کو نہ چھیڑ سکے حضرت عثمانؓ نے امیر معاویہؓ کو بڑی جلدی اجازت دیدی اور آنحضرتؐ کی اس پیشین گوئی کو پورا کر دیا کہ "میں مسلمانوں کو سمندر میں چلتا دیکھ رہا ہوں"۔

باوجود اس کے کہ مروان جیسا چالاک اپنی من مانی کرنے میں ہمہ وقت مصروف اور کوشاں رہتا تھا حضرت عثمانؓ نے خلفائے سابق کے طریقۂ کار اور آنحضرتؐ کے ارشادات کو نظروں سے اوجھل نہیں ہونے دیا ولید بن عقبہؓ پر الزام لگایا گیا کہ انہوں نے مے نوشی کی ہے آپ نے واقعات معلوم کرنے کے بعد فوراً معزول کر دیا اور شرعی حد جاری کرنے میں ذرا تامل نہیں کیا حالانکہ ولید آپ کے ماں شریک بھائی تھے۔

نظامِ خلافت کو برقرار رکھنے کے سلسلہ میں آپ نے کسی کے مشورہ کو ٹھکرایا نہیں بلکہ اس بات کی کوشش کی کہ صحیح مشورہ پر داد دی جائے اور اسے عملی اعتبار سے نافذ کیا جائے چنانچہ حضرت طلحہؓ نے عرض کیا کہ ملکی حالات کی تحقیقات کے لئے کچھ وفود روانہ کئے جائیں آپ نے ان کے مشورہ کو پسند کیا اور کئی وفود ملک کے مختلف حصوں میں روانہ فرمائے تاکہ بگڑے ہوئے حالات کی دربارِ خلافت میں صحیح اطلاع مل سکے۔

ملکی اصلاحات کے سلسلہ میں ذمہ دار حکام کی مجلسِ شوریٰ کا انعقاد سب سے پہلے آپ ہی نے کیا اور ان کو ہدایت کی کہ وہ اپنے علاقہ کے حالات سے وقتاً فوقتاً دربارِ خلافت کو مطلع کرتے رہیں، بعض اوقات فوری طور پر بھی ان سے مشورے طلب کئے جاتے تھے اور مفصل رپورٹ مانگی جاتی تھی، شدید ضرورت کے موقعہ پر ان کو مدینہ میں طلب کیا جاتا تھا اور اس موقعہ پر دوسرے اہل الرائے بھی شریکِ شوریٰ کئے جاتے تھے چنانچہ ۳۴ھ میں تمام حکام کی پہلی کانفرس مدینہ میں بلائی گئی تھی۔

صوبجات کی تقسیم کو آپ نے دورِ فاروقی کے مطابق باقی رکھا تھا البتہ دمشق، اردن اور فلسطین کو ملا کر ایک صوبہ بنا دیا تاکہ یہ الگ الگ ٹکڑے اور حصے باہم مل کر ایک وسیع اور مضبوط صوبہ کی شکل میں آجائیں۔ اس وحدت سے ایک بڑا فائدہ یہ ہوا کہ براہ راست

مرکز سے سب کی وابستگی نے وہ تمام جذبات ختم کر دیئے جو فتنہ و فساد کا سبب بنے ہوئے تھے۔

جدید فتوحات میں طرابلس، قبرص، آرمینیہ اور طبرستان کو آپ نے علیحدہ علیحدہ صوبہ قرار دیا تاکہ وہاں کے عامل اس جدید علاقوں کو پورے طور پر قابو میں رکھ سکیں اور شورش پسند عناصر کو سر اٹھانے اور فساد پھیلانے کا موقعہ نہ مل سکے۔

حضرت عثمانؓ اگرچہ فطرتاً نرم اور نیک تھے، چشم پوشی اور درگذر اگرچہ داخل مزاج تھی مگر آپ ملکی معاملات میں کسی نرمی کو پسند نہیں کرتے تھے، سعد بن ابی وقاصؓ نے بیت المال سے ایک بڑی رقم قرض لی اور پھر ادا کرنے میں تساہل کرنے لگے آپ نے سختی سے تقاضا کیا اور جب ادا نہیں کر سکے تو آپ نے معزول کر دیا۔ حضرت ابو موسٰی اشعریؓ نے سادگی سے ہٹ کر عیش و عشرت کو اپنا شعار بنایا تو ان کو بھی معزول کر دیا گیا، حضرت عمرو بن العاصؓ نے مصر سے خراج وصول کرنے میں غفلت برتی اور لکھا کہ "اونٹنی اس سے زیادہ دودھ نہیں دے سکتی"۔ تو آپ نے ان کو عہدہ سے اتار دیا۔

آپ نے ملک کے حالات معلوم کرنے کے لئے عبداللہ ابن عمرؓ، محمد بن مسلمہؓ اور اسامہ بن زیدؓ جیسے جلیل القدر صحابہ کو پورے ملک میں تحقیقاتی کمیشن کی حیثیت سے مامور فرمایا تاکہ وہ عام حالات کا اندازہ لگائیں اور جو خرابیاں پیدا ہو رہی ہیں اس کی وجہ معلوم کریں۔

آپ کی عادت تھی کہ جمعہ کے دن منبر پر بیٹھ کر لوگوں سے ان کی شکایات سنا کرتے تھے اور باہر کے لوگوں سے ان کے علاقوں کے حالات معلوم کیا کرتے تھے، لوگ بڑی بے تکلفی سے اپنے خیالات ظاہر کرتے اور اگر کسی کو کسی سے کوئی شکایت ہوتی تو آپ اس کو دور کرنے کی طرف توجہ فرماتے تھے۔

ایران اگرچہ فتح ہو چکا تھا مگر پھر بھی اس کی نظریں مسلمانوں کو نقصان پہنچانے اور ان کی گرفت سے آزاد ہونے کے لئے موقعہ تلاش کرتی رہتی تھیں، حکومت اسلامیہ کی داخلی کمزوریوں اور انتشار کو دیکھتے ہوئے ایرانی پھر سے میدان میں کودنے کو تیار ہو گئے، یزدجرد نے ایک بہت بڑی فوج مہیا کر لی جس کی تعداد اسی ہزار کے قریب تھی، عبداللہ بن معمرؓ مقابلہ کے لئے نکلے تو شہید کر دیئے گئے۔ عبداللہ بن عامر والئ بصرہ نے مسلمانوں کو آگے بڑھایا اور ایسی خونریز لڑائی لڑی کہ اسیر یہ نینوا اصطخر اور جودستبھی فتح کر لئے، یزدجرد کرمان کی طرف بھاگا، مسلمانوں نے کرمان، خراسان، مرو اور اصفہان بھی فتح کر لئے، بلخ میں یزدجرد سے مسلمانوں کو سخت مقابلہ کرنا پڑا مگر ایرانی جم نہیں سکے۔ یزدجرد بھاگ کر ایک پن چکی والے کے گھر میں پناہ گزیں ہوا مگر رات کو چکی والے نے جواہرات کے لالچ میں یزدجرد کا خاتمہ کر دیا اور لاش کو نہر میں ڈال دیا۔

حضرت عثمانؓ کے سیاسی کارناموں میں ایران کی مکمل فتح کو کبھی نہیں بھلایا جا سکتا، اگرچہ ایران پر حملہ کی ابتداء حضرت صدیقؓ کے زمانہ

میں ہوئی تھی، فاروق اعظمؓ کے دور میں ایران کے ایک بڑے حصہ کو فتح کرلیا گیا تھا مگر مکمل فتح کا سہرا تیسری خلافت کے سر بندھا اور پھر ۳۱ھ کے بعد ایران کو سر اٹھانے کی جرأت نہ ہوسکی۔

حضرت عثمان غنیؓ نے باوجود بہت سی تبدیلیوں اور تبادلوں کے حضرت عمرؓ کے دستور حکومت کو بدلنے کی کبھی کوشش نہیں کی بلکہ حضرت عمرؓ نے جس قدر شعبے قائم کئے تھے آپ نے ان کو زیادہ مضبوط اور منظم بنایا۔

بیت المال کی آمدنی میں اضافہ کی طرف اتنی زیادہ توجہ دی کہ صرف مصر کی آمدنی ۲۰ لاکھ سے بڑھکر ۴۰ لاکھ دینار ہوگئی، اس کے ساتھ آپ نے لوگوں کے وظائف میں بھی اضافے کئے اور رمضان المبارک میں ہر شخص کو ایک خصوصی وظیفہ عنایت کیا، بہت سے لوگ ایسے تھے جن کو دو وقتہ بیت المال سے کھانا دیا جاتا تھا۔

خیبر کی جانب سے مدینہ کو ہمیشہ سیلاب کا خطرہ لاحق رہتا تھا، حضرت عثمانؓ نے مدینہ طیبہ سے کچھ فاصلہ پر ایک نہر کھدوا کر ہمیشہ کے لئے سیلاب کے اندیشہ کا خاتمہ کردیا، رفاہ عامہ کے کاموں کے سلسلہ میں یہ بند جسے مہروز کہا جاتا تھا حضرت عثمانؓ کا مشہور کارنامہ ہے۔

بنی امیہ اور مروان کی انتہائی نازیبا حرکات کے باوجود ایسی حالت میں جبکہ حضرت عثمانؓ کے خیالات و اختیارات پر مفاد پرستوں

نے غلبہ پانے کی کوئی تدبیر باقی نہیں چھوڑی تھی حضرت عثمانؓ کی یہ کوشش ان کے دور کا اہم ترین کارنامہ ہے کہ آپ نے جمہوریت کو مرنے نہیں دیا، عوام نے جب بھی نکتہ چینی کی آپ نے اس کو غور سے سنا اور ان کی شکایت کو رفع کرنے کی کوشش کی۔ عبداللہ بن ابی سرح کو طرابلس کی فتح کے بعد مال غنیمت کا پانچواں حصہ آپ نے حسب وعدہ دیدیا مگر مسلمانوں نے اعتراض کیا کہ اتنی بڑی رقم ایک آدمی کو کس طرح دی جا سکتی ہے، حضرت عثمانؓ نے اپنے وعدہ کا خیال نہیں کیا اور عوام کے مطالبہ کو سامنے رکھتے ہوئے وہ حصہ واپس لے لیا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے گھوڑوں، اونٹوں اور جانوروں کے لئے جو چراگاہیں قائم کی تھیں، حضرت عثمانؓ نے اپنے زمانہ میں ان کو بہت وسعت دی، چراگاہوں کے قریب میں پانی کے چشمے بنوائے، اور ایک بہت بڑا چشمہ جو بنی صبیہ کے قبضہ میں تھا خرید فرما کر ان چراگاہوں کے لئے خاص کر دیا، پھر بھی پانی کی قلت کو دیکھتے ہوئے آپ نے خود اپنے انتظام سے ایک چشمہ تیار کرایا اور یہ تکلیف ہمیشہ کے لئے دور کر دی۔

چشموں کی تعمیر و خرید کے ساتھ آپ نے یہ بھی کیا کہ چراگاہ کے محافظین کی رہائش کے مسئلہ کو بھی حل کیا اور ان کے رہنے کے لئے چراگاہوں سے متصل مکانات بنوائے تاکہ یہ لوگ مع بیوی بچوں کے سکون کے ساتھ رہ سکیں۔

فوجیوں کی خدمات کو آپ نے ہمیشہ ملحوظ رکھا، ان کے وظائف میں اضافہ کیا، جو عطیے بڑھائے اور اس مخصوص صیغہ کو انتظامیہ سے الگ کرکے فوج کو ایسی یکسوئی بخشی کہ ان کے لئے کسی بھی محاذ پر پہنچ جانے میں مطلق دیر نہیں لگتی تھی۔

(ابوداؤد، مسند ابن حنبل، طبری، ابن اثیر، خلاصۃ الوفا)

علم و نظر

حضرت عثمان غنیؓ قبل اسلام ہی لکھنا پڑھنا جانتے تھے، اسلام لانے تو کام کی ضرورت وکثرت نے اور بھی مشاق کردیا، لکھنے کی مہارت کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ آنحضرتؐ نے آپ کو خاص طور پر وحی لکھنے پر مقرر فرمایا۔ اس خدمت عظیمہ کو آپ نے بڑی مستعدی سے انجام دیا۔ دن ہو یا رات وحی جس وقت بھی نازل ہوتی آنحضرتؐ آپ کو بلاکر لکھنے کا حکم فرماتے۔

قرآن کریم آپ کو حفظ تھا اور ساتھ ہی آیات کے شان نزول اور اس کے مفہوم سے پورے طور پر واقف تھے، قرآن کریم کو ان پڑھ اور نو وارد مسلمانوں کے اختلافات سے آپ نے محفوظ رکھنے میں جس ہوشمندی کا ثبوت دیا وہ آپ کا خصوصی کارنامہ ہے۔ قرآن کریم سے ان کے دلی لگاؤ کے لئے یہی لکھنا کافی ہے کہ وہ زیر خنجر بھی تلاوت کر رہے تھے۔

قرآن کریم کی آیات سے استدلال اور مسائل حیات میں کتاب سے استنباط کرنے میں آپ امتیازی درجہ رکھتے تھے، قرآن کریم کی آیات میراث کو سمجھنے میں آپ کی وسعت نظر کی یہ کیفیت تھی کہ حضرت صدیقؓ وفاروقؓ کے سامنے جب کوئی میراث کا جھگڑا پیش ہوتا تو آپ ہی کو بلایا جاتا۔ چونکہ آپ حساب میں بھی مہارت رکھتے تھے اس لئے آپ نے صحابہ کے اصرار کرنے پر زید بن ثابتؓ کے تعاون سے علم فرائض کی بنیاد رکھی، صحابہ کرامؓ میں حضرت عثمانؓ اور زید بن ثابتؓ علم فرائض میں گہری نظر رکھتے تھے۔ بعض صحابہؓ کو تو یہاں تک کہتے سنا گیا کہ حضرت زیدؓ اور حضرت عثمان کے بعد شاید فرائض کا علم معدوم ہو جائے۔

حدیث کی روایت کرتے ہوئے ڈرتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ سے بہت کم مرفوع احادیث مروی ہیں، بخاری میں آٹھ، مسلم میں پانچ یعنی ان دونوں میں صرف تیرہ حدیثیں ہیں، آپ کی کل روایتوں کی تعداد ۱۴۶ بیان کی گئی ہے، عبدالرحمٰن بن حاطب کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عثمانؓ سے زیادہ کسی کو پوری بات جیسی کہ وہ ہوئی ہو بیان کرتے ہوئے نہیں دیکھا مگر اس کے باوجود ان کی یہ حالت تھی کہ حدیث بیان کرتے ہوئے خوف کھاتے تھے، فرماتے تھے کہ میں نہیں چاہتا کہ حضور کے فرمانے کے مطابق میں کسی غلط بات کو آنحضرتؐ کی طرف منسوب کر کے دوزخ میں اپنا ٹھکانہ بنالوں۔

فقہی مسائل میں وہ مجتہدانہ نظر رکھتے تھے، مسائل حج میں ان کی نظر بہت وسیع تھی، دور صدیقیؓ و فاروقیؓ میں وہ فتویٰ دیتے تھے اور

الجھے ہوئے مسائل میں ان کی رائے کو اہمیت دی جاتی تھی، کتاب الخراج میں آپ کے اجتہادی مسائل میں یہ بات خاص طور پر بیان کی گئی ہے کہ دیت میں اونٹ دینے کا رواج تھا مگر آپ نے اونٹ کی قیمت کو بھی جائز قرار دیا۔ بعض صحابہ کرامؓ اور خصوصاً حضرت علیؓ کو آپ کے اجتہاد سے اختلاف ہوتا تھا مگر اس کی نوعیت صرف علمی و نظری ہوا کرتی تھی، ذاتیات اور نفسانیات سے یہ حضرات کوسوں دور تھے، مورخین نے آپ کے بہت سے اجتہادی مسائل کا تذکرہ کیا ہے اور صحابہ کے اختلاف کا ذکر بھی کیا ہے مگر بخوف طوالت ان کو بیان نہیں کیا جا رہا ہے۔

حرم محترم میں اجتہاد کے ایک عجیب و غریب واقعہ کا مورخین نے ذکر کیا ہے، کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے ایک مرتبہ خانہ کعبہ کے پاس کھڑے ہوئے ایک شخص کو اپنی چادر اڑھا دی، اتفاق سے ایک کبوتر چادر پر آ کر بیٹھ گیا، حضرت عمرؓ نے اس خیال سے چادر پر بیٹ نہ کر دے کبوتر کو اڑا دیا۔ کبوتر اڑ کر ایک ایسی جگہ بیٹھا جہاں اسے سانپ نے ڈس لیا اور وہ فوراً مر گیا، معاملہ زیر بحث آیا، حضرت عثمانؓ کے سامنے بھی مسئلہ پیش ہوا، آپ نے فرمایا کہ حضرت عمرؓ چونکہ کبوتر کو اڑانے اور غیر محفوظ مقام پر بٹھانے کے باعث ہوئے اس لئے ان کو کفارہ دینا چاہیے، حضرت عمرؓ نے آپ کے اجتہاد کو قبول کرتے ہوئے کفارہ ادا کر دیا۔

تقریر کرنے میں مہارت نہیں تھی ویسے بھی کم گو تھے، منبر پر جاتے تو بہت مختصر الفاظ میں اپنے مطلب کو بیان کر کے خاموش ہو جاتے کبھی

پوری بات بھی کہتے نہ بن پڑتی تھی، چنانچہ ایک مرتبہ بہت کچھ کہنا چاہتے تھے مگر گویائی نے ساتھ نہیں دیا، پھر فرمانے لگے، بات یہ ہے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمرؓ پہلے سے تیاری کر لیا کرتے تھے، میں کوشش کرونگا کہ آئندہ ایسا ہی کیا کروں، پھر فرمانے لگے مگر کام ہونا چاہئے کیونکہ تقریر کرنے والے امام سے زیادہ کام کرنے والے امام کی ضرورت ہے۔

البتہ تحریر میں آپ کو خاص مہارت حاصل تھی، مختصر بھی لکھتے تو جملے بلیغ و موثر ہوا کرتے تھے، علامہ طبری نے آپ کے وہ احکام جو عاملین صوبہ کو بھیجے جاتے تھے قلم بند کئے ہیں اور جن کے مطالعہ سے انداز تحریر کی خوبیاں۔ کلام کی جامعیت و بلاغت واضح ہوتی ہے۔

مقام و مرتبہ

قرآن کریم میں جسقدر بھی آیات مہاجرین سابقین کے فضائل میں نازل ہوئی ہیں ان میں حضرت عثمانؓ کو کسی ایک سے بھی علیحدہ نہیں کیا جاسکتا۔ حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے ازالۃ الخفا میں بہت سی آیات سے خلافت راشدہ کا استدلال کیا ہے، حضرت عثمانؓ کے فضائل میں یہ بھی ایک خصوصی اضافہ ہے۔

جنگ احد میں عفو عام کے متعلق جو آیت لَقَدْ عَفَا اللّٰهُ عَنْهُمْ نازل ہوئی اس میں حضرت عثمان بھی شامل ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نظروں میں حضرت عثمانؓ کو جو مرتبہ حاصل تھا اس کے اندازہ کے لئے

یہ معمولی بات نہیں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دو بیٹیاں یکے بعد دیگرے آپ کے نکاح میں دیں، مکہ سے حبش ہجرت کر کے گئے تو ارشاد فرمایا۔

ان عثمان اول من ھاجر باھلہ یعنی من ھذہ الامۃ۔ یعنی میری امت میں حضرت عثمان پہلے شخص ہیں جو اپنے اہل و عیال کے ساتھ ہجرت کر کے گئے۔

سنہ ۴ھ میں آنحضرتؐ جب غزوۂ ذات الرقاع میں تشریف لے گئے تو مدینہ میں حضرت عثمانؓ کو اپنا قائم مقام بنا گئے ۔۔ حدیبیہ میں حضرت عثمانؓ کو مکہ سے آنے میں دیر ہوئی تو اپنے ہاتھ کو ان کا ہاتھ قرار دے کر بیعت فرمائی۔

غزوۂ تبوک میں اس کثرت سے مال پیش کیا کہ آنحضرتؐ خوشی سے اشرفیاں اچھالتے ہوئے ارشاد فرما رہے تھے کہ آج کے بعد عثمانؓ کو ان کا کوئی کام نقصان نہیں پہنچائے گا۔

آنحضرتؐ نے حضرت عثمانؓ کی شہادت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا، اے عثمان! اللہ تم کو ایک قمیص پہنائے گا اگر لوگ اسے اتارنا بھی چاہیں تو تم مت اتارنا۔

ترمذی کی حدیث ہے کہ آنحضرتؐ نے عثمانؓ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا، جو فتنہ پیدا ہونے والا ہے یہ اس میں ظلماً قتل کیے جائیں گے۔

حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ آنحضرتؐ نے ارشاد فرمایا، اللہ کی تلوار

اسوقت تک نیام میں رہے گی جب تک عثمانؓ زندہ ہیں اور جب یہ شہید کر دیئے جائیں گے تو وہ تلوار نیام سے باہر آجائے گی اور پھر قیامت تک نیام میں نہیں جائے گی، اس روایت کو شاہ صاحبؒ نے ازالۃ الخفا میں نقل کیا ہے۔

حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ آنحضرتؐ نے فرمایا۔ میں اس سے کیوں نہ شرماؤں جس سے فرشتے حیا کرتے ہیں، اس روایت کو بخاری و مسلم دونو نے روایت کیا ہے۔

ترمذی میں حضرت طلحہؓ بن عبد اللہ سے روایت ہے کہ آنحضرتؐ نے ارشاد فرمایا —— ہر نبی کے جنت میں رفیق ہوتے ہیں اور میرا رفیق عثمانؓ ہوگا۔

عشرۂ مبشرہ کی جو حدیث بخاری و مسلم میں آئی ہے اس میں ۹ آدمیوں کو آپؐ نے جنت کی بشارت سنائی اور حضرت عثمانؓ کو جب یہ بشارت سنائی تو ارشاد فرمایا۔ یہ بھی جنتی ہیں مگر ایک مصیبت جان کو پہنچے گی۔

ترمذی نے روایت کیا ہے کہ حضرت عثمانؓ جب حدیبیہ سے مکہ آنحضرتؐ کے سفیر و قاصد کی حیثیت سے گئے اور پھر ان کی غیر موجودگی میں بیعت کی ضرورت پیش آئی تو آپؐ نے فرمایا عثمانؓ اللہ اور رسولؐ کے کام سے گئے ہوئے ہیں صحیح بخاری کی روایت ہے کہ آنحضرتؐ کوہ احد پر تشریف لے گئے اور آپ کے ہمراہ حضرت صدیقؓ حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ بھی تھے، پہاڑ ہلنے لگا تو آپ نے فرمایا۔

ٹھہر جا کیونکہ تیرے اوپر ایک نبی ایک صدیق اور دو شہید ہیں۔ اس کو حضرت انسؓ نے روایت کیا ہے۔

ابن ماجہ کی روایت ہے کہ آنحضرتؐ نے مسجد کے دروازہ پر حضرت عثمانؓ سے فرمایا۔ یہ جبریل کھڑے ہوئے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ اللہ تعالےٰ نے حضرت ام کلثومؓ کا نکاح تمہارے ساتھ کر دیا۔ اسی مہر پر جو حضرت رقیہؓ کا تھا اور اس شرط پر کہ تم ان کے ساتھ بھی اتنا ہی اچھا برتاؤ کرنا جیسا حضرت رقیہؓ کے ساتھ کیا تھا۔

ام المومنین حضرت عائشہؓ نے حضرت عثمانؓ کی شہادت کا حال سنکر ارشاد فرمایا، افسوس! عثمانؓ کو لوگوں نے قتل کر دیا حالانکہ وہ سب سے زیادہ خدا سے ڈرنے والے اور صلہ رحم کرنے والے تھے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو جنگ جمل کے دن فرماتے سنا گیا کہ۔۔ اے اللہ! میں خون عثمانؓ سے تیرے سامنے بیزاری ظاہر کرتا ہوں۔ ہاں جسدن عثمان شہید ہوئے تو غم نے میری عقل زائل کر دی اور مجھے میری زندگی بری معلوم ہونے لگی، لوگ مجھ سے بیعت کرنے پر اصرار کر رہے تھے اور میں ان سے کہہ رہا تھا کہ میں شرم محسوس کرتا ہوں کہ میں ان لوگوں سے بیعت لوں جو قتل عثمانؓ کے باعث ہوئے وہ عثمانؓ جن کی شان میں آنحضرتؐ نے ارشاد فرمایا کہ فرشتے ان سے حیا کرتے ہیں۔

ایک مرتبہ محمد بن حاطبؓ سے حضرت علیؓ نے فرمایا کہ حضرت عثمانؓ کے لئے تم سے کوئی پوچھے تو کہہ دینا کہ وہ اس آیت کے

مصداق تھے۔ امنوا ثم اتقوا و احسنوا واللہ یحب المحسنین۔

حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ نے ایک دن خطبہ کے دوران ارشاد فرمایا۔ لوگو! میں نے خواب دیکھا کہ اللہ تعالےٰ عرش پر جلوہ فرما ہے، پھر آنحضرتؐ تشریف لائے اور عرش کے ایک پائے کے ساتھ کھڑے ہو گئے، پھر ابو بکر صدیقؓ آئے اور آنحضرتؐ کے شانے پر ہاتھ رکھ کر کھڑے ہو گئے۔ پھر حضرت عمرؓ آئے اور حضرت ابو بکرؓ کے شانے پر ہاتھ رکھ کر کھڑے ہو گئے، پھر حضرت عثمانؓ آئے مگر اس طرح کہ ان کا سر ان کے ہاتھ میں تھا اور زبان سے کہہ رہے تھے کہ اے اللہ! اپنے بندوں سے پوچھ کہ انہوں نے مجھے کس جرم میں قتل کیا ہے۔ اس کہنے کے ساتھ ہی زمین پر خون کے دو پرنالے بہنے لگے، کسی نے امام حسنؓ کے اس خواب کو حضرت علیؓ سے نقل کیا تو آپ نے فرمایا، ٹھیک ہے جو کچھ انہوں نے دیکھا ہے وہ کہتے ہیں۔

حضرت ابن عباسؓ فرماتے تھے کہ اگر تمام لوگ قتل عثمانؓ پر متفق ہو گئے ہوتے تو آسمان سے پتھر برستے۔

حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا کہ اب لوگ حضرت عثمانؓ کا بدل نہ پائیں گے۔ حضرت سعید بن زیدؓ فرماتے تھے کہ اے لوگو! تم نے حضرت عثمانؓ پر جو ظلم کیا ہے اگر احد پہاڑ بھی اپنی جگہ سے ہٹ جاتا تو ٹھیک تھا۔

حضرت عبداللہ بن سلامؓ نے فرمایا۔ افسوس لوگوں نے فتنہ کا دروازہ کھول لیا جو اب قیامت تک بند نہ ہوگا۔ آپ نے یہ بھی

فرمایا کہ خلیفۂ نبیؐ کے قتل پر ۳۵ ہزار آدمی قتل ہوتے ہیں۔

حضرت ابوذر غفاریؓ فرماتے تھے کہ اگر حضرت عثمانؓ مجھے سر کے بل چلنے کا حکم دیتے تو میں ضرور ان کے حکم کی تعمیل کرتا۔

حضرت حذیفہؓ نے فرمایا کہ قاتلانِ عثمانؓ دوزخ میں جائیں گے مگر حضرت عثمانؓ جنتی ہیں ـــــ حضرت زید بن ثابتؓ شہادت حضرت عثمانؓ پر اسقدر روئے کہ آنسو نہیں تھمتے تھے۔ حضرت ابوہریرہؓ فرماتے تھے کہ مجھے دو غم ہیں ایک شہادت عثمانؓ کا اور دوسرے اس تھیلی کے گمنے کا جو آنحضرتؐ نے عطا فرمائی تھی۔

حضرت امام مالکؒ روایت کرتے ہیں کہ ایک دن حضرت عثمانؓ نے اپنی قبر کی جگہ کو دیکھا اور فرمایا کہ عنقریب یہاں کوئی اللہ کا نیک بندہ دفن کیا جائے گا چنانچہ وہ خود ہی دفن کئے گئے۔

(مستدرک حاکم، اصابہ - ابن سعد، ازالۃ الخفا)

اخلاق و عادات

حضرت عثمان غنیؓ پیدائشی نیک تھے شرم و حیا ان کا وہ خصوصی وصف تھا جس کی آنحضرتؐ بھی تعریف کیا کرتے تھے، قبل اسلام بھی ان کی زندگی کبھی آلودۂ معصیت نہیں ہوئی، وہ گناہ جو عربوں کی عادت ثانیہ بن کر رہ گئے تھے مثلاً شراب، جوا، زنا اور قتل و غارت آپ کو ان سے سخت نفرت تھی۔

مزاج میں قبول سعادت کی استعداد اسدرجہ پائی جاتی تھی کہ حضرت ابو بکرؓ نے جیسے ہی اسلام پیش کیا بلا کسی حیل وحجت کے معًا قبول کرلیا، صحبت رسولؐ نے ان کی زندگی کو محاسن کا گہوارہ بنادیا تھا۔

آنحضرتؐ کا ادب اسقدر ملحوظ رہتا تھا کہ جو ہاتھ قبول اسلام کے وقت آنحضرتؐ کے ہاتھ میں دیا تھا، زندگی بھر اس ہاتھ کو نجاست نہیں لگنے دی۔ آنحضرتؐ کی صحبت اور وعظ و نصیحت کے اثر نے عظمت الٰہی سے ان کے سینہ کو لبریز کردیا تھا، خوف خدا سے ہمہ وقت کانپتے اور لرزتے رہتے تھے، آخرت کے تصور اور قبر کی تنہائی کے خیال سے کبھی اتنا روتے تھے کہ ریش مبارک آنسوؤں سے تر ہوجاتی تھی، آپ اکثر و بیشتر لوگوں سے فرمایا کرتے تھے کہ میں نے آنحضرتؐ کو فرماتے سنا ہے کہ قبر آخرت کی پہلی منزل ہے اگر اس منزل میں سکون میسر آگیا تو ہر منزل آسان ہے ورنہ پریشانیاں ہی پریشانیاں ہیں۔

اپنے ذاتی مال سے آنحضرتؐ کی خدمت کرنے کو سب سے بڑی سعادت سمجھتے تھے، کبھی تنگ دستی و غربت کی کیفیت سامنے آتی تو بے چین ہوجاتے تھے، بارہا آپ نے آنحضرتؐ کی خدمت میں درہم و دینار اور تحفے تحائف پیش کیے تاکہ آپؐ گھریلو زندگی اطمینان سے گذار سکیں، یہی حال اہلبیت کی الفت و خدمت اور ازواج مطہراتؓ کی عزت و احترام کا تھا۔

زندگی کا بہترین مشغلہ سنت رسولؐ کی پیروی تھی، ان کی یہ کوشش

ہمیشہ جاری رہی کہ اخلاق و اعمال میں آنحضرتؐ کی پیروی کبھی چھوٹنے نہ پائے، ایک مرتبہ وضو سے فارغ ہو کر مسکرانے لگے، لوگوں نے وجہ پوچھی تو فرمایا۔ بات تو کچھ نہیں ہے آنحضرتؐ کو ایک مرتبہ وضو کے بعد مسکراتے ہوئے دیکھا تھا۔ ایک مرتبہ مسجد کے دروازہ پر بیٹھ کر بھنا ہوا گوشت کھایا، پھر وضو کیے بغیر نماز شروع کر دی اور نماز کے بعد فرمانے لگے کہ میں نے آنحضرتؐ کو بھی ایسا ہی کرتے دیکھا تھا۔ شرم و حیا اسلامی اخلاق و عادات میں خصوصی وصف ہے، حضرت عثمانؓ نے اس وصف کو اپنی زندگی میں اسدرجہ سمویا تھا کہ ان کی ذات تمام صحابہؓ میں ممتاز معلوم ہوتی تھی۔ آنحضرتؐ ان کی اس عادت کی اتنی رعایت فرماتے تھے کہ جب آپؐ کو یہ معلوم ہوتا کہ حضرت عثمانؓ آرہے ہیں تو سنبھل کر بیٹھ جاتے تھے۔

ایک مرتبہ آنحضرتؐ پلنگ پر لیٹے ہوئے تھے، پنڈلی کا تھوڑا سا حصہ کھلا ہوا تھا۔ حضرت ابوبکرؓ اور چند دوسرے صحابہؓ پاس بیٹھے ہوئے تھے، حضرت عثمانؓ آتے نظر آئے تو آنحضرتؐ نے جلدی سے تہبند سے پنڈلی کو چھپا لیا اور فرمایا۔ حضرت عثمانؓ سے حیا کرنا چاہیئے۔

حضرت عثمان غنیؓ اگرچہ دولت مند گھرانے کے فرد تھے اور خود بھی اچھی خاصی دولت و ثروت کے مالک تھے، چاہتے تو بڑے عیش و عشرت کی زندگی گذار سکتے تھے مگر اس کے باوجود زہد، تواضع اور سادگی کا یہ عالم تھا کہ مسجد نبویؐ میں زمین پر چادر سر کے نیچے رکھ

کر سو جاتے تھے، حسن بصریؒ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عثمانؓ کو دیکھا کہ مسجد کی زمین کی مٹی اور کنکریاں جسم میں چبھ گئی تھیں اور لوگ آپ کی طرف اشارہ کر کے آپس میں کہہ رہے تھے کہ یہ امیر المومنین حضرت عثمانؓ ہیں۔

کبھی ایسا لباس زیبِ جسم نہیں کیا کہ جس کو دیکھ کر لوگ شان و شوکت کا اندازہ لگائیں، خود بھی قیمتی کپڑا استعمال نہیں کرتے تھے اور گھر والوں کو بھی اسی سادگی سے زندگی گذارنے کی تلقین فرماتے رہتے تھے۔

بہت سے خدمت گار اور لونڈی غلام موجود تھے مگر جہاں تک ہوتا اپنا کام خود ہی کر لیا کرتے تھے، کبھی کسی سوتے ہوئے غلام کو کام کے لئے نہیں جگایا۔ عاجزی و فروتنی کے لئے اتنا ہی لکھ دینا کافی ہے کہ ایک مرتبہ عمرو بن العاصؓ نے ان کے والد کی شرافت پر طعنہ زنی کی تو آپ نے بڑے نرم لہجے میں جواب دیا کہ جاہلیت کی باتیں زمانۂ اسلام میں کر رہے ہو؟ منصب خلافت پر فائز ہوتے ہوئے بھی آپ نے کبھی سختی سے کام نہیں لیا، ایک مرتبہ عین جمعہ کے خطبہ میں ایک شخص نے ٹوکا اور کہا، عثمان! توبہ کرو اور بے اعتدالیوں سے باز آؤ۔ آپ نے اس وقت قبلہ رخ ہو کر فرمایا ـــــ اے اللہ میں توبہ کرتا ہوں اور تیری طرف متوجہ ہوتا ہوں۔ اللہ تعالٰی نے دولت کے ساتھ فیاضی بھی عطا فرمائی تھی، بیر رومہ مدینہ میں یہودیوں کا مشہور میٹھے پانی کا کنواں آپ نے ۳۵ ہزار درہم میں خرید فرما کر مسلمانوں کے لئے وقف

تاریخ خلفائے راشدین

کردیا، مسجد نبویؐ کی تعمیر پر دل کھول کر پیسہ صرف کیا، جنگ تبوک میں سخاوت کا حال آپ پڑھ چکے ہیں۔

اسلام لانے کے بعد ہر جمعہ کو ایک غلام آزاد فرماتے تھے اگر کبھی ناغہ ہوگیا تو دوسرے جمعہ میں دو غلام آزاد کیا کرتے تھے، یہ نیکی اس دن تک جاری رہی جس دن آپ شہید کئے گئے۔ ایک مرتبہ ایک غلام کے کان اینٹھے، پھر خیال آیا کہ میں نے زیادتی کی ہے غلام کو بلاکر فرمایا۔ میں چاہتا ہوں کہ تم بدلہ لے لو، غلام تیار نہیں ہوتا تھا مگر آپ نے مجبور کیا، اس نے کان پکڑے مگر آہستہ سے پکڑے، آپ نے فرمایا زور سے کھینچو کیونکہ دنیا کا قصاص آخرت کے عذاب سے سستا ہے،

رشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک کا یہ حال تھا کہ حکم بن العاص جو آپ کے چچا تھے، آنحضرتؐ نے ان کو شہر بدر کردیا تھا۔ آپ نے کوشش کرکے آنحضرتؐ سے خطا معاف کرالی اور زمانہ خلافت میں ان کو مدینہ آنے کی اجازت دیدی، وہ مدینہ آئے تو ان کے بیٹے مروان سے اپنی بیٹی کا نکاح کردیا، یہ دوسری بات ہے کہ قرابت داروں نے آپ کے حسن سلوک کی قدر نہیں کی اور خلافت کے لئے پریشانیاں پیدا کردیں۔

مظلوم کی حمایت، یتیموں کی پرورش، بیواؤں کی خبر گیری اور مفلوک الحال انسانوں سے آپ کی ہمدردیاں اس درجہ وابستہ تھیں کہ ان کی کسی تکلیف کو دیکھ نہیں سکتے تھے، یہی وہ دریا دلی و فیاضی تھی جس کی بنا پر بارگاہ نبوتؐ

سے غنی کا خطاب عطا کیا گیا تھا، ایک مرتبہ میدان جہاد میں مسلمانوں کے چہرے بھوک سے اتر رہے تھے، آپ نے اسی وقت چودہ اونٹوں پر سامان خورد و نوش لدوا کر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں پیش کیا اور عرض کیا کہ اس کو مسلمانوں میں تقسیم کر دیجئے۔

ایک مرتبہ خلافت صدیقی میں قحط پڑا، مسلمانوں کو فاقہ کی نوبت آگئی، غلہ کا نام و نشان مدینہ میں نہیں رہا، اتفاق سے اسی زمانہ میں آپ کے ایک ہزار اونٹ اناج سے لدے ہوئے آگئے، تاجروں نے بڑی قیمت پر خریدنا چاہا۔ مگر آپ نے انکار کر دیا اور تمام اناج مسلمانوں میں تقسیم کرا دیا۔

صبر و تحمل اور رعایت و مروت کا مجسم پیکر تھے، مصائب کے وقت بھی صبر کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑا، باغیوں نے گھر کو ہر طرف سے گھیر لیا، دانہ پانی تک گھر میں نہیں جانے دیا، جاں نثاروں نے ہر چند مقابلہ کی اجازت مانگی مگر آپ نے خونریزی کے مقابلہ میں صبر و سکون سے جان دینے کو پسند کیا۔ حضرت طلحہؓ نے ایک مرتبہ معقول رقم آپ سے قرض لی، کچھ دن بعد ادا کرنے آئے تو فرمایا اسے رہنے دو مروت کے خلاف ہے،

مزاج میں صفائی و نفاست اس درجہ پائی جاتی تھی کہ ہر روز غسل فرماتے اور عطر لگاتے تھے، لباس اگرچہ قیمتی نہیں ہوتا تھا مگر صاف و شفاف رہتا تھا، غذا میں تکلف کو دخل نہیں ہوتا تھا البتہ دسترخوان وسیع ہوا کرتا تھا دوست احباب اور مہمان سب کے لئے ایک

ہی قسم کا کھانا موجود ہوتا تھا۔ مسجد نبویؐ سے متصل رہنے کے لئے پختہ مکان تعمیر کرایا تھا، اس سے قبل برسوں اپنے دینی بھائی اوس بن ثابتؓ کے مکان میں رہتے رہے۔

(بخاری، مسند امام حنبل، طبری، خلفائے راشدین)

اقوال و ارشادات

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلویؒ نے ازالۃ الخفا میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے حکیمانہ اقوال اور کلمات نصیحت قلم بند کئے ہیں جو یہاں درج کئے جاتے ہیں۔

آپ نے ارشاد فرمایا۔ جو تجارت اللہ کے ساتھ کی جاتی ہے وہ بہت نفع بخش ہوتی ہے لہذا اللہ سے تجارت کا سلسلہ قائم کرو اور نفع اٹھاؤ۔

ارشاد فرمایا کہ۔ عبودیت کی شان یہ ہے کہ احکام الٰہی کی حفاظت کرے، جو عہد و پیمان کسی سے کئے ہوں ان کو پورا کرے جو موجود ہو اور مل جائے اس پر راضی رہے اور جو نہ ملے اور معدوم ہو اس پر صبر کرے۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ ــــ موت آنے سے پہلے ہی نیکی کر لینا چاہئے اور یہ بات کبھی نہیں بھلانا چاہئے کہ دنیا باطل اور ضائع ہونے والی ہے لہذا شیطان کے دھوکہ میں نہ آؤ، دنیا کی خواہشات باطل اور تاریک ہیں اور آخرت کی خواہش نور ہے۔

آپ ارشاد فرماتے تھے کہ متقی کی علامت یہ ہے کہ وہ خود کو گنہگار اور ہلاک ہونے والا سمجھتا رہے اور دوسرے لوگوں کے لئے سمجھے کہ وہ نجات پانے والے ہیں۔

آپ نے ارشاد فرمایا کہ سب سے زیادہ بربادی یہ ہے کہ کسی کو عمر لمبی ملے مگر وہ آخرت کی فکر سے خالی رہے۔ آپ نے فرمایا، بہترین آدمی وہ ہے جو پرہیزگار ہو اور اللہ تعالےٰ کی کتاب پر عمل کرتا ہو۔ آپ نے فرمایا کہ ــــ عارف کی پہچان یہ ہے کہ اس کا دل امید و بیم میں ہو اور اس کی زبان حمد الٰہی کر رہی ہو۔ آپ نے فرمایا کہ جو لوگ دنیا کو قید خانہ سمجھتے ہیں ان کے لئے قبر گوشۂ راحت ثابت ہوتی ہے ــــ

ازواج و اولاد

پہلی شادی مکہ میں حضرت رقیہؓ کے ساتھ ہوئی یہ آنحضرتؐ کی نورِ نظر تھیں، غزوۂ بدر کے وقت مدینہ میں انتقال کیا ایک صاحبزادے عبداللہ پیدا ہوئے مگر بچپن میں ہی انتقال کر گئے۔ دوسری شادی بھی آنحضرتؐ کی صاحبزادی حضرت ام کلثومؓ کے ساتھ مدینہ میں ۳ھ میں ہوئی، ۹ھ میں ان کا بھی انتقال ہو گیا، آپ سے کوئی اولاد نہیں ہوئی۔ فاختہ بنت غزدان، یہ آپ کی تیسری بیوی تھیں اور کوئی اولاد نہیں چھوڑی۔

ام عمر بنت جندب، یہ آپ کی چوتھی بیوی تھیں، ان کے بطن

سے عمرو، خالد، ابان اور مریم پیدا ہوئے فاطمہ بنت ولید، یہ آپ کی پانچویں بیوی تھیں ولید اور سعید ان ہی سے پیدا ہوئے۔

ان کے علاوہ ام البنین بنت عینیہ، رملہ بنت شیبہ اور نائلہ بنت فرافصہ بھی آپ کے نکاح میں آئیں۔ حضرت نائلہ شہادت کے وقت موجود تھیں اور حملہ کو روکنے کے سلسلہ میں انگلیاں کٹ گئیں تھیں۔ اولاد میں صرف حضرت ابان نے شہرت حاصل کی۔

اللہ تعالےٰ نے حضرت عثمان غنیؓ کو نہایت مناسب و موزون رنگ و قد اور جسم عطا فرمایا تھا۔ میانہ قد، گندمی رنگ، بلند ناک ایک سمت کو قدرے جھکی ہوئی، چہرہ بھرا ہوا، گھنی ڈاڑھی اور سر پر زلفیں، دانت ہمیشہ صاف اور چمکتے رہتے تھے، آخر میں جب ہلنے لگے تو سونے کے تار سے بندھوا لئے تھے، چہرہ روشن و تاباں تھا جسے چیچک کے ہلکے داغوں نے اور بھی خوبصورت بنا دیا تھا۔ بال بڑھ کر کبھی کاندھوں تک آجاتے تھے۔ آپ نے تمام زندگی تہبند کا استعمال کیا مگر جس دن شہید ہونے والے تھے اسدن پاجامہ پہن لیا تھا بخاری کی روایت ہے کہ آنحضرتؐ کی انگوٹھی جس پر "محمد رسول اللہ" لکھا ہوا تھا۔ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے بعد آپ کے پاس آئی، جب تک وہ آپ کے ہاتھ میں رہی امور خلافت میں کوئی فساد پیدا نہیں ہوا مگر جب وہ بیر اریس میں گر گئی اور تلاش کے بعد بھی نہیں ملی تو اس وقت سے حالات بگڑنے لگے یہاں تک کہ آپ کو فسادیوں کے ہاتھ سے جام شہادت نوش کرنا پڑا۔

(مستدرک، ابن حنبل ازالۃ الخفا سیرت خلفائے راشدین)

حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ

ابتدائی حالات

حضرت علی کرم اللہ وجہہ آنحضرتؐ کی عمر کے ۳۲ ویں سال مکہ میں پیدا ہوئے، خانہ کعبہ میں ولادت ہوئی رجب کی ۱۳ تاریخ اور جمعہ کا دن تھا۔ آپ کی والدہ فاطمہ بنت اسدؓ نے حیدرؓ نام رکھا، ابو طالب نے علیؓ رکھا اور کہا کہ یہ نام عرب میں کسی کا نہیں ہے اس لئے یقیناً یہ القائے الٰہی ہے، آگے چل کر ابوالحسن اور ابو تراب کنیت اختیار کی اور اسد اللہ کے لقب سے مشہور ہوئے۔

صاحب ازالۃ الخفا فرماتے ہیں کہ پہلی مرتبہ یہ شرف حضرت علیؓ کو حاصل ہوا کہ وہ ماں اور باپ دونوں کی طرف سے ہاشمی تھے اور اس کے بعد یہ شرف حضرت امام حسینؓ کو پھر امام محمد باقرؒ کو اور ان کے بعد عبداللہ محض اور ان کے دوسرے بھائیوں کو حاصل ہوا۔

یہ خصوصیت بھی حضرت علیؓ کی ہے کہ ان سے پہلے اور بعد سوائے ان کے کوئی خانہ کعبہ میں نہیں پیدا ہوا، مورخین کا بیان ہے کہ فاطمہ بنت اسدؓ طواف کے لئے آئیں تھیں کہ اسی حالت میں آثار ولادت ظاہر ہوئے، وہ کعبہ کے اندر گئیں اور تھوڑی ہی دیر کے بعد حضرت علیؓ پیدا ہو گئے۔ سلسلہ نسب وہی ہے جو آنحضرتؐ کا تھا۔

فاطمہ بنت اسدؓ ابو طالب کے چچا کی لڑکی تھیں اور حضرت علیؓ

آنحضرت ؐ کے چچازاد بھائی تھے، ابو طالب ۵۲۶ء میں پیدا ہوئے تھے اور ۵۷۸ء میں رئیس مکہ کے لقب سے سرفراز کیئے گئے، آپ کے والد حضرت عبدالمطلب کی وفات کے بعد خاندانی سیادت ان ہی کے حصہ میں آئی چنانچہ مکہ میں ہاشمی خاندان میں سب سے زیادہ ذی اثر ذات آپ ہی کی تھی۔ آنحضرت ؐ نے آٹھ برس کی عمر سے آپ ہی کی آغوش میں پرورش پائی تھی۔ یہاں تک کہ چالیس سال کی عمر کو پہنچے اور منصب رسالت سے سرفراز کیئے گئے۔

حضرت علیؓ پانچ سال کے تھے جب مکہ میں قحط پڑا، ابو طالب چونکہ نادار اور کثیر العیال تھے اس لئے آنحضرت ؐ نے علیؓ کو اپنی پرورش میں لے لیا اور جعفرؓ حضرت عباسؓ کے گھر رہنے لگے عقیل بدستور اپنے والد ہی کے پاس رہے۔ (مسلم، سیرۃ ابن ہشام، ازالۃ الخفا)

حضرت علیؓ کی عمر دس برس کے قریب تھی جب آنحضرت ؐ کو مرتبۂ نبوت عطا کیا گیا، آپ غار حرا سے گھر تشریف لائے، اپنی بیوی حضرت خدیجہؓ سے ذکر کیا، حضرت علیؓ بھی موجود تھے، دونوں مسلمان ہو گئے، حضرت خدیجہؓ کی عمر اسوقت پچاس برس سے زائد تھی۔ تھوڑے ہی دن بعد حضرت علیؓ کی والدہ فاطمہ بنت اسدؓ نے بھی اسلام قبول کر لیا، ابو طالب کے اسلام لانے کے متعلق متضاد روایات پائی جاتی ہیں مگر قرین قیاس یہ ہے کہ ابو طالب نے بھی اسلام قبول کر لیا تھا جیسا کہ سیرت ابن ہشام میں حضرت عباسؓ کی روایت سے ظاہر ہوتا ہے کہ ابو طالب نزع کے وقت کلمۂ توحید پڑھ رہے تھے۔

مندرجہ بالا روایت کے علاوہ ابو طالب کے اسلام کی ایک بڑی دلیل یہ ہے کہ انہوں نے زندگی بھر آنحضرتؐ کو جان سے زیادہ عزیز رکھا، اسلام کی حمایت میں ان کی سرگرمی کا یہ عالم تھا کہ ایک مرتبہ انہوں نے دیکھا کہ آنحضرتؐ نماز پڑھ رہے ہیں اور حضرت علیؓ پہلو میں کھڑے ہیں، یہ دیکھ کر جعفر سے کہنے لگے کیا تم نہیں دیکھتے ہو کہ تمہارے بھائی محمدؐ کا ایک پہلو خالی ہے؟ جاؤ خالی پہلو میں تم کھڑے ہو جاؤ اور نماز پڑھو۔

ابو طالب کے اسلام کے متعلق اگر یہ بات مان بھی لی جائے کہ انہوں نے علی الاعلان اسلام کا اظہار نہیں کیا تب بھی اسلام اور آنحضرتؐ سے ان کی سچی محبت اور حمایت قریش سے شدید مخالفت اور ترک تعلق کی بنا پر مصائب و آلام کو برداشت کرنا اور پھر بھی آنحضرتؐ کا ساتھ نہ چھوڑنا اس بات کی واضح دلیل ہے کہ دل سے اسلام کو پسند کرتے تھے اگرچہ مصلحتاً زبان خاموش تھی، بہرحال ابو طالب مسلمان ہوئے یا اپنے آبائی دین پر قائم رہے مگر یہ سب تسلیم کرتے ہیں کہ وہ آنحضرتؐ کے فدائی اور تحریک اسلام کے خیر خواہ تھے۔

ابو طالب کی بیوی فاطمہ بنت اسد بھی اپنے شوہر کی طرح آنحضرتؐ سے محبت کرتی تھیں، آنحضرتؐ کی پرورش کے سلسلہ میں انہوں نے وہ روایات قائم کیں جو ماں کی محبت میں ملتی ہیں، اسلام لانے کے بعد ہجرت کر کے مدینہ گئیں اور جب فوت ہوئیں تو آنحضرتؐ نے ان کے کفن کے ساتھ اپنا کرتہ لپیٹا، ان کی قبر میں لیٹے اور اپنے جسم کی برکت

سے گوشۂ قبر کو ان کے لئے دائمی راحت کدہ بنا دیا اور جب لوگوں نے اس مہربانی کی وجہ پوچھی تو ارشاد فرمایا کہ ابوطالب کے بعد سب سے زیادہ میں اس نیک سیرت خاتون کا ممنون احسان ہوں۔

جس طرح ابتدائی زمانہ سے آج تک ابوطالب کا اسلام زیر بحث چلا آرہا ہے اسی طرح یہ بات بھی مرکز بحث بنی رہی ہے کہ حضرت خدیجہؓ کے بعد اسلام لانے والوں میں علیؓ پہلے ہیں یا حضرت ابوبکرؓ؟ روایات کی چھان بین کی جائے تو دونوں قسم کی روایتیں ملتی ہیں مگر سنجیدگی سے غور کرنے کے بعد صرف ایک ہی بات سامنے آتی ہے اور وہ یہ کہ گھر والوں میں حضرت خدیجہؓ کے بعد سب سے پہلے حضرت علیؓ ایمان لائے اور مکہ والوں میں سب سے پہلے آنحضرتؐ کے رفیق قدیم حضرت ابوبکرؓ مسلمان ہوئے۔ اسلام لانے میں دونوں کو اولیت حاصل ہے، فرق صرف اتنا ہے کہ ایک نے گھر کے اندر اولیت حاصل کی اور دوسرے نے گھر کے باہر۔ البتہ دیکھنا یہ ہے کہ آنحضرتؐ کی تعلیمات اور آپ کی زندگی کو دیکھنے اور سمجھنے کا کسے زیادہ موقعہ ملا تو اس سلسلہ میں یہ امر بدیہی ہے کہ حضرت ابوبکرؓ عمر رسیدہ ہونے کی وجہ سے آنحضرتؐ کو زیادہ سمجھ سکتے تھے برخلاف اس کے حضرت علیؓ اگرچہ گھر کے آدمی اور آغوش رسالت کے پروردہ تھے مگر دس سال کے تھے، ظاہر ہے کہ اتنی کم عمری میں ۳۸ سالہ ابوبکرؓ کی فہم و فراست ان میں کہاں سے آسکتی تھی؟ چنانچہ صاحب اسد الغابہ حضرت علیؓ کے تذکرہ میں یہاں تک لکھتے ہیں کہ حضرت علیؓ نے آنحضرتؐ اور حضرت

خدیجہؓ کو عبادت کرتے دیکھا تو پوچھا "یہ آپ کیا کر رہے ہیں — ؟"
آنحضرتؐ نے ان کو اپنی بعثت کا حال بتایا۔ پھر توحید کی دعوت دی، حضرت علیؓ جو اس کیفیت کو سمجھ نہیں سکے، کہنے لگے اچھا میں اپنے والد ابوطالب سے پوچھونگا۔ آنحضرتؐ نے فرمایا، کسی سے پوچھنے کی ضرورت نہیں خود ہی سمجھنے کی کوشش کرو آخر دوسرے دن حضرت علیؓ اسلام لے آئے — لیکن حضرت ابوبکرؓ کے اسلام کی کیفیت اس سے بالکل مختلف ہے، آنحضرتؐ نے گھر سے باہر مخلص دوستوں میں جب منصب نبوت پر سرفراز کئے جانے کا ذکر فرمایا تو حضرت ابوبکرؓ نے بغیر کچھ پوچھے ہوئے سب سے پہلے ہاتھ میں ہاتھ دیدیا اور مسلمان ہو گئے۔ اس کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ وہ تیس سال سے آنحضرتؐ کی زندگی کا بغور مطالعہ کر رہے تھے، ان کے مخصوص احباب اور محرمان راز میں داخل تھے، یہاں تک کہ مکہ سے باہر تجارتی سفروں میں بھی وہ آنحضرتؐ کے ساتھ رہا کرتے تھے، درحقیقت طویل قربت، دوستی اور خلوص نے ان کا آئینۂ دل اتنا صاف کر دیا تھا کہ وہ نبوت کے خط و خال اور آثار بہت قریب سے دیکھ رہے تھے، بس یہی وجہ ہے کہ قبول اسلام میں انہیں دیر نہیں لگی۔

کتاب کے شروع میں حضرت ابوبکرؓ کے تذکرہ میں آپ تفصیلات پڑھ چکے ہیں، جن سے اس موقعہ پر یہ اندازہ لگا لینا کچھ مشکل نہیں کہ حضرت ابوبکرؓ نے اسلام لانے کے بعد بھی اس نئی تحریک کی تفصیلات پوچھنے کے سلسلہ میں آنحضرتؐ سے کوئی سوال نہیں کیا بلکہ قبول اسلام کے بعد

تبلیغ کی طرف متوجہ ہو گئے، حضرت عثمانؓ، حضرت زبیرؓ، حضرت عبدالرحمٰنؓ حضرت طلحہؓ، حضرت سعد، حضرت ابو عبیدہؓ، اور حضرت عثمان بن مظعونؓ یہ سب وہ حضرات ہیں جو حضرت ابو بکرؓ کی کوششوں سے مسلمان ہوئے، مکہ میں ایک چھوٹی سی مسجد بنائی اور دعوت و تبلیغ کے ساتھ عبادت الٰہی میں معروف رہنے لگے۔ مندرجہ بالا گفتگو سے یہ مقصود نہیں ہے کہ حضرت علیؓ کے مرتبہ کو گھٹایا جائے، اسے کون گھٹا سکتا ہے جسے خدا نے بڑھایا ہو۔ غرض صرف یہ ہے کہ حقائق واضح کر دیئے جائیں تاکہ قبول اسلام اور تبلیغ اسلام کے سلسلہ میں حضرت ابو بکرؓ کی کوششیں اور ان کا مقام و مرتبہ مسلمانوں کی نظروں سے اوجھل نہ ہونے پائے۔

(مسلم، سیرت ابن ہشام، تاریخ الخلفاء، ازالۃ الخفاء، خلفائے راشدین)

دعوت و تبلیغ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نبوت ملنے کے بعد تیرہ سال کے قریب مکہ میں رہے، یہ زمانہ آنحضرتؐ اور مسلمانوں کے لئے انتہائی مصائب و آلام اور آزمائش و امتحان کا تھا۔ ابتداء کے ۳ سال آپؐ نے بڑی خاموشی سے گذارے، اس زمانہ میں اسلام کی تبلیغ ان ہی لوگوں کو کی گئی جو آپؐ سے قرب رکھتے تھے اور جن کے دلوں میں حق کے قبول کرنے کی استعداد پہلے سے موجود تھی، حضرت خدیجہؓ، حضرت علیؓ، حضرت صدیقؓ اور ان کی کوششوں سے اسلام لانے والے سب اسی ۳ سالہ دور سے

تعلق رکھتے ہیں۔ جن کا تذکرہ اس سے پہلے کی جلد تاریخ مصطفیٰ میں تفصیل سے کیا جا چکا ہے۔

خاموش تبلیغ کے ۳ سال گذرنے کے بعد چوتھے سال میں علانیہ تبلیغ کا حکم ہوا اور فرمایا گیا کہ سب سے پہلے اپنے رشتہ داروں کو اسلام کی طرف بلائیے۔ وانذر عشیرتک الاقربین اور اپنے قریبی عزیزوں کو عذاب الٰہی سے ڈرائیے۔ آنحضرتؐ اس حکم کے بعد کوہ صفا پر گئے، یا آل غالب کہکر لوگوں کو آواز دی۔ بالکل نئی اور انوکھی آواز تھی۔ بہت جلدی کنبے اور قبیلے کے لوگوں کی بھیڑ لگ گئی مگر داعی حق کی اس آواز پر جو اللہ کی طرف بلانے کے لئے بلند کی گئی تھی کسی نے کان نہیں دھرے، پتھر پھینکے، گالیاں دیں اور برا بھلا کہتے ہوئے سب رخصت ہو گئے۔

آنحضرتؐ نے چند ہی دن بعد حضرت علیؓ سے فرمایا ـــــ گھر پر لوگوں کی دعوت کا انتظام کرو حضرت علیؓ جن کی عمر پندرہ برس کی تھی مصروف دعوت ہو گئے، کھانے کا انتظام کیا گیا، رشتہ داروں کو بلاوا بھیجا گیا، چالیس سے زیادہ آدمیوں نے شرکت کی۔ حاضرین میں حضرت حمزہؓ، حضرت عباسؓ، حضرت ابوطالب اور ابولہب وغیرہ سبھی شریک تھے۔

آنحضرتؐ اور حضرت علیؓ نے سب کو بڑے اخلاق سے کھانا کھلایا اور جب سب کھا چکے تو آنحضرتؐ نے کھڑے ہو کر ارشاد فرمایا ـــــ
"اے عبدالمطلب کی اولاد! میں وہ چیز تمہارے لئے لیکر آیا ہوں جو تم کو دین و دنیا کی بہترین نعمتوں سے مالا مال کر دے گی، کیا کوئی ہے

جو اس بارگراں کے اٹھانے میں میرا ہاتھ بٹائے اور اس شرط پر میرا معاون ومددگار کہلائے ــــــ؟

سب خاموش تھے کسی نے کوئی جواب نہیں دیا، حضرت علیؓ اُٹھے اور کہنے لگے، "میں کم عمر بھی ہوں اور بیمار بھی ہوں مگر اس کے باوجود آپ کا ساتھ دونگا اور آپ کی ہر ممکن مدد کرونگا۔"

آنحضرتؐ نے فرمایا، اچھا تم بیٹھو اور پھر دوبارہ اور سہ بارہ آپ نے لوگوں سے وہی خطاب فرمایا مگر ہر دفعہ لوگ خاموش رہے اور ہر دفعہ حضرت علیؓ اٹھ اٹھ کر اپنی حمایت ورفاقت کا اعلان کرتے رہے اور تیسری مرتبہ ایسی جاں بازی سے پیش کش کی کہ آنحضرتؐ نے ارشاد فرمایا "بس تم ہی میرے بھائی اور وارث ہو۔ حضرت علیؓ کے جواب نے کچھ لوگوں کو متحیر کردیا، کچھ لوگ ہنستے اور مذاق اڑاتے ہوئے چل دیئے، مگر آنحضرتؐ نے کسی بات کی پروا نہیں کی، علانیہ تبلیغ فرمانے لگے۔

جیسے جیسے تبلیغ بڑھتی جاتی تھی ویسے ویسے مخالفت میں اضافہ ہوتا چلا جاتا تھا، یہاں تک کہ ہر گلی کوچہ میں آوازے کسے جانے لگے، مذاق اڑایا جانے لگا اور ہر ممکن کوشش کی جانے لگی کہ اسلام کی آواز کو دبا دیا جائے۔

آنحضرتؐ نے ۱۳ سال اسی جدوجہد میں نکال دیئے، مخالفین کے شدائد کو بڑے صبر سے برداشت کیا، ایک مرتبہ مکہ چھوڑ کر طائف تشریف لے گئے مگر وہاں بھی دشمنوں نے بیٹھنے نہیں دیا، ان کے کان بھی اسلام کے پیغام سے مانوس نہ ہوسکے، آخر آپ واپس مکہ آئے

اور سلسلۂ تبلیغ کو قرب وجوار کے لوگوں میں پھیلانے لگے۔

حضرت علیؓ ان مصائب میں آخر تک شریک رہے، اہل مکہ نے بائیکاٹ کیا، ہر قسم کے تعلقات اور باہمی امداد وتعاون کے تمام سلسلے توڑ لئے، مسلمان شعب ابی طالب میں محصور ہو گئے مگر انتہائی مصائب کے باوجود حضرت علیؓ نے ساتھ نہیں چھوڑا، یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ ابو طالب بھی اس بائیکاٹ میں آنحضرتؐ کے ہمراہ تھے۔ (طبری، مسند امام احمد)

ہجرت مدینہ

مکہ کی زمین باوجود اپنی وسعت کے مسلمانوں کے لئے تنگ ہونے لگی، ۱۳ سال کی تبلیغ اسلام نے ان کو مسلمانوں کے خلاف ایسا برافروختہ کیا کہ وہ ستانے، مارنے اور بائیکاٹ کرنے کی حد سے آگے بڑھ کر مسلمانوں کی زندگی کو ختم کرنے کے لئے ہاتھ دھو کر پیچھے پڑ گئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے جاں نثاروں کی تکالیف اور ان پر ڈھائے جانے والے مظالم کا بے پناہ سلسلہ دیکھ کر بے چین ہو گئے اور ان کو اجازت دے دی کہ وہ حبشہ اور مدینہ کو ہجرت کر جائیں، مسلمان جس طرح ہو سکا چھپتے چھپاتے مکہ کو خیر باد کہنے لگے، دشمنوں کی آتش غضب اور بھڑک اٹھی اور ان کو یہ غم کھانے لگا کہ اسلام مکہ سے باہر پہنچ کر کسی منظم تشکل کی صورت اختیار نہ کر لے، یہاں تک کہ حبشہ اور مدینہ میں ہجرت کرنے والے مسلمانوں کو جو سکون حاصل ہوا

اس نے کافروں کے غیض و غضب کو اس درجہ بڑھا دیا کہ وہ آنحضرتؐ کی جان کے دشمن بن گئے۔ آخر ایک دن جمع ہو کر آپس میں آنحضرتؐ کے قتل کے لئے عہد و پیمان کئے اور طے کیا کہ آج رات کاشانۂ نبوت کو گھیر کر آنحضرتؐ کی حیات طیبہ کا خاتمہ کر دیں۔

مگر یہ کیسے ہو سکتا تھا آفتاب نبوت کا غروب کرنا ان کے بس کی بات نہیں تھی، وہ کاشانۂ نبوت کی جانب بڑھنا ہی چاہتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیبؐ کو ان کے ناپاک ارادوں سے آگاہ کر دیا اور فرمایا، اے میرے محبوب آپ مدینہ کی سمت ہجرت کر جائیے، آنحضرتؐ نے باشارۂ الٰہی حضرت علیؓ کو اپنے بستر پر سلایا، اپنی چادر ان کو اوڑھائی اور اہل مکہ کی امانتیں ان کے سپرد فرمائیں، اور ارشاد فرمایا میں جا رہا ہوں، تم یہ امانتیں ان کے مالکوں کے حوالہ کر کے مدینہ آجانا۔

حضرت علیؓ جن کی عمر اس وقت ۲۲ برس کے قریب تھی بڑے سکون سے بستر رسول پر لیٹ گئے۔ کافروں نے رات کی تاریکی بڑھتے ہی کاشانۂ نبوت کو گھیر لیا اور اندر گھس کر آنحضرتؐ کی زندگی کو ختم کرنے کے لئے وقت اور موقعہ کا انتظار کرنے لگے، نصف شب کے بعد حضرت جبریلؑ نے آنحضرتؐ سے فرمایا، یا رسول اللہ تشریف لے جائیے، آپؐ سورۂ یٰسین کی آیات تلاوت کرتے ہوئے باہر نکلے، اللہ تعالیٰ نے کافروں کی بینائی سلب کر لی اور آنحضرتؐ بڑے اطمینان سے حضرت ابوبکر صدیقؓ کے گھر پہنچ گئے۔

مشرکین مکہ کو صبح کے قریب احساس ہوا اور وہ بڑی گھبراہٹ میں اپنے ناپاک خیال کو لئے گھر کے اندر داخل ہوئے مگر یہ دیکھ کر ان کے اوسان خطا ہو گئے کہ محمد رسول اللہؐ کی جگہ ابوطالب کا نوجوان بیٹا شیر خدا علی مرتضیٰ بڑے سکون و وقار سے بستر رسولؐ پر آرام کر رہا ہے، مشرکین عالم غضب میں آپے سے باہر ہو گئے، ان کی پوری اسکیم خاک میں مل چکی تھی، ابوجہل نے علیؓ کی چادر پکڑ کر کھینچی، برا بھلا کہا اور پھر غصے میں بھرے دانتوں سے ہونٹوں کو چباتے گھر سے باہر آ گئے اور آنحضرتؐ کی تلاش میں دیوانوں کی طرح دوڑ بھاگ کرنے لگے۔ حضرت علیؓ نے دو دن میں امانتوں کو ان کے مالکوں کے حوالہ کیا، آنحضرتؐ سے علیحدگی کی ایک ایک گھڑی بھاری ہو رہی تھی، تیسرے دن رات کے وقت مکہ پر الوداعی نظریں ڈالتے ہوئے جانب مدینہ روانہ ہو گئے۔

آنحضرتؐ کو قبا میں پہنچے ۳ دن ہوئے تھے کہ ایک دن حضرات کو دیکھا کہ علیؓ سواری بڑھائے چلے آ رہے ہیں، آنحضرتؐ نے فرط مسرت سے آگے بڑھ کر علیؓ کو سینہ سے لگا لیا، پیشانی چومی اور ہاتھوں سے ان کے جسم اور کپڑوں سے گرد و غبار کو صاف کرنے لگے۔

آنحضرتؐ نے قبا میں ایک مسجد تعمیر فرمائی، حضرت علیؓ نے پتھر اٹھانے اور کام کرنے میں آنحضرتؐ کا ہاتھ بٹایا اور سب مسلمانوں کے ساتھ مل کر کام کیا، آنحضرتؐ ۱۶ ربیع الاول کو جمعہ کے دن قبا سے مدینہ تشریف لائے اور حضرت ابو ایوب انصاری کے مہمان بنے، حضرت علیؓ آنحضرتؐ کے ساتھ تھے۔

(ابن سعد، طبری، حیات مرتضیٰ)

مسجد مواخاۃ اور شادی

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ طیبہ آنے کے کچھ عرصہ بعد مہاجرین و انصار میں بھائی چارہ کی تقریب منعقد کی۔ یہ رشتۂ اخوت جسے تاریخ میں عہد مواخات کہتے ہیں کچھ اس شان سے کرایا گیا کہ انصار و مہاجر آپس میں حقیقی بھائی بن گئے۔ آنحضرتؐ نے ہر مہاجر کو کسی انصار کا بھائی بنا دیا مگر حضرت علیؓ کو کسی کا بھائی نہیں بنایا، حضرت علیؓ نے خدمت عالیؐ میں عرض کیا، یا رسول اللہ! آپ نے مجھے کسی کا بھائی نہیں بنایا، آنحضرتؐ مسکراتے ہوئے اٹھے، حضرت علیؓ کو سینہ سے لگا کر فرمایا، یا علی انت اخی فی الدنیا والآخرۃ۔ اے علی تم دنیا اور آخرت میں میرے بھائی ہو، حضرت علیؓ کو دربار رسالتؐ سے یہ شرف ایسا حاصل ہوا تھا کہ جس پر تمام صحابہ رشک کرتے تھے۔

رشتۂ مواخات سے فارغ ہو کر آنحضرتؐ نے مدینہ طیبہ میں مسجد نبویؐ کی بنیاد رکھی، صحابہ کرامؓ بڑی عقیدت اور جوش کے ساتھ آنحضرتؐ کے ساتھ مصروف تعمیر تھے حضرت علیؓ پتھر اٹھا اٹھا کر لا رہے تھے اور زبان سے کہتے جا رہے تھے۔

"جو مسجد تعمیر کرتا ہے اور اس مشقت کو کھڑے بیٹھے برداشت کرتا ہے، اور جو کام سے جی چراتا ہے اور گرد و غبار سے گھبراتا ہے وہ دونوں کسی طرح برابر نہیں ہو سکتے ہیں۔"

اسی زمانہ میں آنحضرتؐ نے مدینہ کے یہود اور قرب وجوار کے قبائل سے اتحاد کا معاہدہ کیا تاکہ سیاسی اعتبار سے مسلمانوں کو مدینہ میں سکون حاصل ہو، حضرت علیؓ دیگر اصحاب کی طرح ان کاموں اور مشوروں میں برابر شریک رہے۔

ہجرت کے دوسرے سال ذی الحجہ کے مہینہ میں آنحضرتؐ نے حضرت فاطمہؓ کی شادی حضرت علیؓ سے کی، حضرت فاطمہؓ ہجرت کے پہلے ماہ میں مکہ سے مدینہ آگئیں تھیں، ان کے ہمراہ ان کی حقیقی بہن ام کلثومؓ اور آنحضرتؐ کی زوجہ محترمہ حضرت سودہؓ اور حضرت عائشہ بنت ابوبکرؓ صدیقؓ بھی آئیں تھیں۔

حضرت فاطمہؓ کی شادی کے سلسلہ میں مورخین کا بیان ہے کہ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ نے بھی پیغام دیئے تھے مگر آنحضرتؐ نے ان پیغاموں کو یہ کہکر مسترد کر دیا کہ ابھی میرا ارادہ نہیں ہے، حضرت علیؓ نے شادی کے اخراجات زرہ فروخت کر کے پورے کیئے، حضرت عثمانؓ نے چار سو اسی درہم میں زرہ خریدی تھی۔ حضرت بلالؓ عطر اور خوشبو بازار سے لائے تھے، آنحضرتؐ نے خود نکاح پڑھایا اور اپنے وضو کا بچا ہوا پانی دونوں پر چھڑکا اور ان کے حق میں دعائے خیر فرمائی۔

ایک روایت یہ بھی ہے کہ نکاح کے دس ماہ بعد رخصتی عمل میں آئی حضرت علیؓ جو آنحضرتؐ کے ساتھ رہتے تھے رخصتی کے وقت حارثؓ بن نعمانؓ کے مکان میں کرایہ پر چلے گئے، آنحضرتؐ نے دونوں کو رخصت کیا اور محبت سے زندگی گذارنے کی نصیحت فرمائی، جہیز میں آنحضرتؐ

نے ایک چار پائی، ایک بستر ایک چادر دو چکیاں اور ایک پانی کی مشک عنایت فرمائی تھی، حضرت فاطمہؓ نے اسی مختصر سامان میں زندگی گذاری اور مزید سامان کے لئے حضرت علیؓ سے کبھی فرمائش نہیں کی، حضرت علیؓ نے زرہ کی بچی ہوئی رقم سے ولیمہ کا انتظام کیا، حاضرین کے سامنے جَو کی روٹی، شوربہ، پنیر اور کھجور پیش کی گئی اس زمانہ میں یہ سب سے اچھا کھانا سمجھا جاتا تھا۔

آنحضرتؐ نے جناب ام سلمہؓ سے فرمایا "اگر علیؓ نہ ہوتے تو فاطمہؓ کے لئے شوہر نہ ملتا۔ آنحضرتؐ کو حضرت فاطمہؓ غیر معمولی محبت تھی، آپ چاہتے تھے کہ فاطمہؓ کے لئے جو شوہر منتخب کیا جائے وہ جملہ اوصاف کا حامل ہو اور دین و دنیا میں افضل ترین انسان ہو، شادی کے وقت حضرت فاطمہؓ ۱۴ سال اور حضرت علیؓ ۲۳ سال کی عمر سے تجاوز کر چکے تھے۔ (ابن سعد، اصابہ، خلفائے راشدین)

غزوات و حج!

ہجرت کے بعد سب سے پہلا معرکہ غزوۂ بدر ہے، یہ ہجرت کے دوسرے برس ۱۷ رمضان کو بدر کے میدان میں واقع ہوا تھا، آنحضرتؐ تین سو تیرہ فدائیوں کی جماعت کے ساتھ ۱۳ سو مشرکین مکہ کے مقابلہ کے لئے مدینہ سے روانہ ہوئے، آنحضرتؐ کے ساتھ دو سیاہ رنگ کے علم تھے جس میں ایک حضرت علیؓ بلند کئے ہوئے تھے۔

بدر کے قریب آنحضرتؐ نے حضرت علیؓ سے فرمایا کہ اپنے ساتھ چند مجاہدین کو لیکر دشمنوں کی نقل و حرکت کا پتہ چلاؤ اور مقابلہ کے لیئے کسی مناسب جگہ کا انتخاب کرو۔ حضرت علیؓ نے اہم مقامات پر قبضہ کرلیا، دونوں طرف سے صفیں آراستہ ہوگئیں، آنحضرتؐ نے فضائل جہاد بیان فرمائے، حضرت علیؓ تلوار لیئے برابر میں کھڑے رہے۔

مشرکین مکہ کی طرف سے عتبہ، شیبہ اور ولید میدان میں آئے، مسلمانوں سے مقابل طلب کیا، مدینہ کے تین انصاریوں نے آگے بڑھ کر لڑنا چاہا مگر مشرکین نے یہ کہہ کر لڑنے سے انکار کردیا کہ ہم کسانوں سے لڑنا اپنی توہین سمجھتے ہیں لہذا ہماری ٹکر کے لوگ آئیں، آنحضرتؐ نے اپنے خاندان کے تین ناموروں کی طرف دیکھا، پھر کیا تھا حضرت علیؓ حضرت حمزہؓ اور حضرت عبیدہؓ میدان میں کود پڑے، حضرت علیؓ بجلی کی طرح بڑھے اور اپنے مقابل ولید کو دیکھتے ہی دیکھتے دو ٹکڑے کردیا، گھوم کر دیکھا تو شیبہ عبیدہ پر وار کر رہا ہے آپ نے ادھر بھی توجہ کی اور ایک ہی وار میں شیبہ کو زمین کا پیوند بنادیا۔

مشرکین عالم غضب میں مسلمانوں پر ٹوٹ پڑے، مجاہدین نے شیر خدا کی معیت میں صفیں کی صفیں صاف کردیں، میدان میں گھمسان کی معرکہ آرائی ہورہی تھی، مجاہدین کے نعرے گونج رہے تھے اور علیؓ کی للکار نے دشمنوں کے اوسان خطا کر رکھے تھے، ابوسفیان نے تھوڑی دیر تو مقابلہ کیا اور اس کے بعد یہ خیال کرکے کہ اگر تھوڑی دیر اور رہے تو ایک بھی زندہ نہیں بچے گا، ابوسفیان کے پیر اکھڑ گئے مسلمان

ستر قیدی اور مال غنیمت لے کر مدینہ واپس آ گئے، ستر لاشیں میدان جنگ میں پڑی رہ گئیں ـــــــ

دوسرا معرکہ غزوہ احد ہے، شوال ۳ھ میں واقع ہوا۔ ۷ سو مسلمانوں نے ۳ ہزار کفار سے دل کھول کر مقابلہ کیا مگر عقبی دستہ کی غلطی اور نافرمانی سے جنگ کا نقشہ پلٹ گیا، مشرکین نے اس موقعہ کو غنیمت سمجھا اور بری طرح مسلمانوں پر ٹوٹ پڑے، آنحضرتؐ اس جنگ میں زخمی ہوئے، دندان مبارک شہید ہوا چہرۂ انور سے کافی خون بہا، پیچھے ہٹتے ہوئے ایک غار میں گر پڑے، مشرکین چاہتے تھے کہ آگے بڑھ کر رشتہ حیاتؐ کو منقطع کر دیں مگر حضرت مصعب ابن عمیرؓ چٹان کی طرح جم گئے، اسقدر لڑے کہ اسی موقعہ پر شہید ہو گئے، حضرت علیؓ نے بڑھ کر علم اٹھا لیا، ابوسعد بن ابی طلحہ نے چاہا کہ علیؓ کا خاتمہ کر دے مگر حضرت علیؓ نے ایسی تلوار ماری کہ زمین پر آ رہا۔

ابوسفیان نے میدان جنگ سے جاتے ہوئے کہا، اب جاتے ہیں اور آئندہ سال پھر مقابلہ کریں گے، حضرت علیؓ آنحضرتؐ کو سہارا دے کر قریب کی پہاڑی پر لے گئے، ڈھال میں پانی بھر لائے اور حضرت فاطمہؓ کی مدد سے زخم کو دھویا اور چٹائی کی راکھ اس میں بھر کر خون کو روکا۔ اس معرکہ میں مسلمانوں کو بہت نقصان اٹھانا پڑا بہت سے لوگ شہید ہوئے، حضرت امیر حمزہؓ نے بھی جام شہادت نوش کیا، ہندہ زوجہ ابوسفیان نے بدر کی آگ کو اس طرح بجھایا کہ حضرت امیر حمزہؓ کے ناک کان کاٹ لئے، دل نکال کر چبا لیا اور

لاش کو بری طرح مسخ کر دیا۔

اس معرکہ میں مسلمانوں کے نقصان کی بڑی وجہ عقبی محافظ دستہ کی غلطی تھی، مال غنیمت کے لالچ نے ان کو اپنی ڈیوٹی سے ایسا غافل کیا کہ جنگ کا نقشہ ہی پلٹ گیا، بہت کم لوگ ثابت قدم رہ سکے، حضرت علیؓ کا استقلال یادگار رہے گا۔

غزوۂ خندق ۵ھ کا اہم معرکہ ہے، یہ جنگ قبیلہ بنو نضیر کی سازش و شرارت سے واقع ہوئی تھی، اس قبیلہ کو آنحضرتؐ نے نقض امن کے جرم میں جلا وطن کر دیا تھا، معرکۂ خندق ذیقعدہ ۵ھ میں ہوا، بیس ہزار سے زیادہ قبائل مکہ والوں کو ساتھ لیکر مدینہ پر چڑھ آئے تھے، کفار کی مزاحمت کو روکنے کے لئے ایک طویل خندق کھودی گئی تھی، کفار کبھی کبھی اس خندق کو عبور کرنے کی کوشش کرتے تھے، جنگ کا سلسلہ بہت دن تک چلتا رہا، ایک مرتبہ عمرو بن عبدود جوش میں آکر خندق میں کود پڑا اور مقابلہ کے لئے آواز دی، حضرت علیؓ آگے بڑھے، عمرو جس کو اپنی بہادری پر بڑا ناز تھا، تلوار لیکر گھوڑے سے کود پڑا، دیر تک حیدر کرارؓ اس کے واروں کو روکتے رہے آخر ایک ایسا وار کیا کہ عمرو کی لاش فرش خاک پر تڑپنے لگی، جو سوار اس کے پیچھے تھے بھاگ کھڑے ہوئے دشمنوں پر حضرت علیؓ کی شجاعت سے ایسی دھاک بیٹھی کہ بیس ہزار کا ٹڈی دل اسطرح بھاگا کہ اپنے ہی گھوڑوں سے اپنے ہی آدمیوں کو کچلتا ہوا نکل گیا۔ جنگ کے خوفناک بادل چھٹ گئے اور حضرت علیؓ فتح کا جھنڈا لہراتے خدمت رسولؐ میں واپس آگئے۔

بنی قریظہ سے آنحضرتؐ نے معاہدہ کیا تھا کہ کسی کا ساتھ نہیں دینگے مگر اس کے باوجود خندق میں انہوں نے قبائل عرب کی مدد کی لہٰذا آنحضرتؐ خندق سے فارغ ہوتے ہی ان کی طرف متوجہ ہوگئے، مدینہ سے چلے تو حضرت علیؓ علم بردار تھے، بنی قریظہ بھاگ چکے تھے، حضرت علیؓ نے ان کے قلعہ پر قبضہ کرلیا اور آنحضرتؐ نے صحن میں کھڑے ہوکر عصر کی نماز ادا فرمائی۔

سنہ ۶ھ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ملی کہ بنو سعد خیبر کے یہودیوں کو بھڑکا رہے ہیں اور ان کی مدد کرنا چاہتے ہیں تاکہ مسلمانوں سے مقابلہ کیا جائے، سرکار دو عالمؐ نے سو مجاہدین کی جماعت پر حضرت علیؓ کو سپہ سالار مقرر کیا اور فرمایا جاؤ بنو سعد کو ان کی شرارت کی سزا دو، حضرت علیؓ شعبان کے مہینہ میں مدینہ سے نکلے اور بہت جلدی بنو سعد کی قوت کو منتشر کردیا، وہ اپنے زعم اور قوت کے باوجود حضرت علیؓ کے مقابلہ کی جرأت نہ کرسکے، حضرت علیؓ ۲ ہزار بکریاں، پانچ سو اونٹ اور بکثرت مال غنیمت لئے فتح کا جھنڈا اڑاتے بارگاہِ رسالتؐ میں واپس آگئے۔

صلح حدیبیہ کا واقعہ بھی سنہ ۶ھ میں پیش آیا، آنحضرتؐ اپنے ایک خواب کے مطابق ۱۴ سو صحابہ کے ساتھ سوئے مکہ زیارت کعبہ کی نیت سے روانہ ہوئے، حدیبیہ پہنچے تو معلوم ہوا کہ مشرکین مکہ میں داخل نہیں ہونے دیں گے، حضرت عثمانؓ کو گفتگو کے لئے بھیجا گیا، پھر یہ مشہور ہوا کہ حضرت عثمانؓ قتل کردیئے گئے، آنحضرتؐ نے مسلمانوں سے حضرت

عثمانؓ کا بدلہ لینے کے لئے مرنے کی بیعت لی، حضرت علیؑ نے بڑے جوش سے بیعت کی، پھر پتہ چلا کہ اطلاع غلط تھی، قریش مکہ نے مصالحت کے لئے سہیل کو بھیجا، شرائطِ صلح طے ہوگئیں تو آنحضرتؐ نے حضرت علیؑ سے فرمایا۔ صلح نامہ لکھو اور اس جملہ سے شروع کرو کہ یہ صلح نامہ محمد الرسول اللہ کی طرف سے ہے، سہیل نے اعتراض کیا کہ محمد الرسول اللہ کی جگہ محمد ابن عبداللہ لکھوائیے، آپ نے حضرت علیؑ سے کہا رسول اللہ کے لفظ کو کاٹ کر ابن عبداللہ لکھ دو، حضرت علیؑ سے ضبط نہیں ہوسکا، جوش کے عالم میں کہنے لگے، خدا کی قسم! میں اس نام کو نہیں کاٹوں گا! آنحضرتؐ بھی متاثر ہوگئے، کاغذ ہاتھ سے لے لیا اور اپنے قلم سے ابن عبداللہ لکھ دیا اور حدیبیہ سے مدینہ واپس آگئے۔

صفر سنہ ۷ھ میں معرکہ خیبر پیش آیا، یہاں کئی قلعے تھے، یہود کی ایک بڑی فوج تھی جو خندق سے بھاگ کر یہاں منظم ہو رہی تھی، یہ جگہ مدینہ سے ۹۰ میل دور تھی، آنحضرتؐ ۱۴ سو مسلمانوں کے ساتھ ان کی سرکوبی کے لئے مدینہ سے روانہ ہوئے، خیبر سے ایک میل اِس طرف پہنچ کر قیام فرمایا، صبح کو نماز فجر کے بعد خیبر کی طرف بڑھے، یہودی شہر چھوڑ کر قلعوں میں بند ہوگئے، مسلمانوں نے تمام چھوٹے چھوٹے قلعے فتح کر لئے مگر قموص کسی سے فتح نہیں ہوسکا، حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ نے بھی قوت آزمائی کی اور جب کوئی کامیاب نہ ہوسکا تو آنحضرتؐ نے فرمایا، کل علم اسلام اسے دوں گا جسے اللہ اور رسول محبوب رکھتے ہیں۔

صبح کو حضرت علیؑ بلائے گئے، آنکھیں دکھ رہی تھیں، کپڑا باندھا ہوا

تھا، آنحضرتؐ نے قریب بلایا اور لعاب دہن آنکھوں میں لگایا معاً آنکھیں اچھی ہوگئیں۔ سرکار دو عالمؐ نے عَلم ہاتھ میں دیا، ذوالفقار کمر سے لگائی، سر پر عمامہ باندھا اور فرمایا جاؤ خدا تمہارے ہاتھ پر فتح دے گا۔

ابن ابی لیلیٰؒ کہتے ہیں کہ جب حضرت علیؓ قلعہ کے قریب پہنچے تو قلعہ کی دیوار پر سے ایک یہودی نے پوچھا، تمہارا کیا نام ہے؟ فرمایا، علی ابن ابی طالب، یہودی نے اپنے آدمیوں سے کہا، میں نے توریت میں پڑھا ہے کہ یہ بہت بڑے بہادر ہیں اور بلا فتح کیے نہیں جائینگے، بہتر ہے کہ ان کے مقابلہ سے باز آؤ اور قلعہ حوالہ کر دو مگر یہودی کے مشورہ کو کسی نے قبول نہیں کیا۔

حضرت علیؓ سرخ قمیص زیب تن کیئے ہوئے تھے آگے بڑھے اور دشمن کو للکارا، ایک شخص یمنی خود پہنے باہر آیا اور کہنے لگا کہ خیبر والے جانتے ہیں کہ میرا نام مرحب ہے اور میں ایک آزمودہ کار بہادر ہوں، فرمایا دنیا جانتی ہے کہ میری ماں نے میرا نام حیدر رکھا ہے اور میں محمد مصطفےٰ کا بھائی ہوں اور اس کے بعد مرحب کی طرف جھپٹے اور ایک ہی وار میں موت کی نیند سلا دیا۔

مرحب کی لاش زمین پر پڑی تھی، علیؓ کی تلوار چمک چمک کر دشمنوں کا خاتمہ کر رہی تھی، میدان جنگ نعرۂ تکبیر سے گونج رہا تھا اور یہودی قلعہ سے چھپ چھپ کر جان بچا رہے تھے، حضرت علیؓ شیر کی طرح بڑھے، قلعہ کے دروازہ پر ایک ایسا ہاتھ مارا کہ بازو ہاتھ میں آگیا، کواڑ زمین پر آرہے، حضرت علیؓ نے ان کو اٹھا کر ایک جانب پھینکدیا اور

مسلمانوں کو لٹے قلعہ میں داخل ہو گئے، صدہا یہودی موت کے گھاٹ اتار دیئے گئے اور بہت سوں کو گرفتار کرکے خدمت رسولؐ میں پیش کر دیا گیا۔

ایک روایت سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت علیؓ نے جاتے ہوئے بارگاہ رسالت میں عرض کیا تھا کہ یارسول اللہؐ کیا میں لشکران کو مسلمان بنالوں، فرمایا، نہیں اسلام پیش کرنا اور اس کے فائدے سمجھانا اگر اس طرح کسی نے اسلام قبول کیا تو وہ تمہارے حق میں بڑی نعمت ہوگا۔

حضرت عمرؓ فرماتے تھے کہ میرے دل میں سردار بننے کی آرزو کبھی پیدا نہیں ہوئی مگر خیبر والے دن تو میں بھی چاہتا تھا کہ یہ اعزاز میرے حصہ میں آئے۔ حضرت علیؓ قلعہ فتح کرکے واپس آئے تو آنحضرتؐ نے پیشانی چومی اور فرمایا، تمہارے اس کارنامہ سے اللہ اور اس کے فرشتے بھی خوش ہو رہے ہیں۔

فتح مکہ کا واقعہ رمضان ۸ھ میں پیش آیا۔ آنحضرتؐ دس ہزار جاں نثاروں کے ساتھ مدینہ سے روانہ ہوئے، مکہ سے ۶ میل اس طرف آنحضرتؐ نے جھنڈے تقسیم کئے، مہاجرین کے علم بردار حضرت علیؓ بنائے گئے جو آنحضرتؐ کی سواری کے آگے فاتحانہ شان سے چل رہے تھے۔ آبادی کے قریب پہنچکر خالد بن ولید سے فرمایا، تم پشت کی طرف سے داخل ہو اور حضرت علیؓ سے فرمایا، تم میرے ہمراہ بلندی کی طرف سے آؤ۔

اچھے اچھے بہادر شہر چھوڑ کر روپوش ہو گئے، ابوسفیان نے حضرت

عباسؓ کی معرفت خدمت رسولؐ میں حاضر ہو کر اسلام قبول کر لیا، انصار کا علم سعد بن عبادہ بلند کئے ہوئے تھے اور بلند آواز سے کہتے جاتے تھے آج شدید جنگ ہو گی آج تو حرم میں بھی خون بہانا جائز ہے، آنحضرتؐ کو ان کی یہ بات پسند نہیں آئی حضرت علیؓ سے فرمایا، ان سے علم لے لو، ایک روایت ہے کہ سعدؓ سے علم لیکر ان کے بیٹے کو دیدیا گیا۔

آنحضرتؐ نخانہ اندار سے بارگاہ الٰہی میں عجز و انکسار سے سر جھکائے مکہ میں داخل ہوئے، کعبہ کے قریب پہنچے حجر اسود کو بوسہ دیا، طواف سے فارغ ہو کر بیت اللہ کے اندر داخل ہوئے اور بتوں کی آلائش کعبے سے صاف کرنے میں مصروف ہو گئے، سب بت اندر اور باہر کے ہٹا دیئے مگر ایک بت اسقدر بلندی پر لگا تھا کہ ہاتھ نہیں جاتا تھا، آپؐ نے حضرت علیؓ کے کاندھوں پر کھڑے ہو کر ہٹانا چاہا مگر حضرت علیؓ آپؐ کا وزن برداشت نہ کر سکے، آخر آپؐ نے حضرت علیؓ کو اپنے کاندھوں پر چڑھایا اور فرمایا، تم اسے گرا دو، حضرت علیؓ نے حکم کی تعمیل کی اور کعبہ بتوں سے پاک ہو گیا۔

بخاری کتاب المغازی کی روایت ہے کہ مدینہ سے روانہ ہوتے وقت آنحضرتؐ کو معلوم ہوا کہ ایک عورت ہمارے ارادہ کی اطلاع دینے مکہ گئی ہے، آپؐ نے حضرت علیؓ، حضرت زبیرؓ اور حضرت مقدادؓ کو روانہ فرمایا کہ وہ اس عورت کو گرفتار کریں، تینوں حضرات تیزی سے چلے اور راستہ ہی میں پکڑ لیا، تلاشی لی تو ایک خط برآمد ہوا جسے آنحضرتؐ کے سامنے پیش کیا گیا، دیکھنے سے معلوم ہوا کہ حاطب بن ابی بلتعہؓ نے

مشرکین مکہ کو آنحضرتؐ کے ارادوں سے مطلع کیا تھا، آنحضرتؐ نے ان سے پوچھا کہ یہ تم نے کیا کیا؟ کہنے لگے یا رسول اللہ! بات صرف اتنی ہے کہ میرے بیوی بچے مکہ میں ہیں، میں نے محض اس لئے ایسا کیا تھا کہ وہ میرے اس سلوک سے متاثر ہو کر بیوی بچوں سے برا سلوک نہ کریں، حضرت عمرؓ کو بہت طیش آیا ممکن تھا کہ وہ تلوار سونت لیتے مگر آنحضرتؐ نے فرمایا، حاطبؓ سچ کہتے ہیں، ان پر ہاتھ نہیں اٹھانا چاہیئے اور یہ بات نہیں بھولنا چاہیئے کہ یہ بدری ہیں اور بدریوں کے گناہ اللہ نے معاف کر دیئے ہیں۔

وہ لوگ جو بے شمار صحابہؓ کو منافق کہتے ہیں ان کو اس روایت سے نصیحت حاصل کرنا چاہیئے اور یہ بات بھی یاد رکھنا چاہیئے

کہ حضرت حاطبؓ وہی

صحابی ہیں جن کو آنحضرتؐ نے عزیز مصر کی طرف اپنا قاصد بنا کر بھیجا تھا۔

فتح الباری کی روایت ہے کہ فتح مکہ کے بعد آنحضرتؐ نے خالد بن ولیدؓ کو بنو جذیمہ میں تبلیغ اسلام کے لئے بھیجا، وہ گئے توحید کی دعوت دی لیکن یہ لوگ قبول اسلام کے تھوڑی دیر بعد صبانا صبانا یعنی ہم بے دین ہو گئے کہنے لگے، خالد بن ولیدؓ کو غصہ آیا اور وہ تلوار لیکر پل پڑے، بہتوں کو قتل کر ڈالا اور بہتوں کو قید کر لیا، آنحضرتؐ کو معلوم ہوا تو بہت افسوس کیا اور حضرت علیؑ کو روانہ فرمایا کہ وہ جا کر معاملے کو ٹھیک کریں، حضرت علیؓ گئے، قیدیوں کو آزاد کیا اور مرنے والوں کا خون بہا ان کے رشتہ داروں کو ادا کیا۔ امیر معاویہ اور ان کی ماں

ہندہ فتح مکہ کے دن مسلمان ہوئے تھے۔

فتح مکہ کے بعد ہی معرکہ حنین پیش آیا، دشمن کے اچانک حملے نے مسلمانوں کو منتشر کردیا حضرت علیؓ تیروں کی بارش میں آنحضرتؐ کی حفاظت فرمارہے تھے، آپ نے دیکھا کہ ایک جوان اونٹ پر سوار آنحضرتؐ پر حملہ کرنا چاہتا ہے، آپ نے آگے بڑھ کر اور زمین پر بیٹھ کر ایسی تلوار ماری کہ اونٹ کے پیر اڑ گئے، جوان گرا اور علیؓ کی تلوار نے اس کا بھی خاتمہ کردیا، تھوڑی دیر میں مسلمانوں نے اپنی پوزیشن سنبھال لی اور دشمن بھاگ کھڑے ہوئے۔

سنہ ۹ میں آنحضرتؐ نے شاہ روم کے حملہ کی اطلاع ملنے پر تبوک جانے کا قصد فرمایا، چونکہ سفر طویل تھا اس لئے آپؐ نے حضرت علیؓ سے فرمایا تم مدینہ میں رہو میری جانشینی اور اہل بیت کی حفاظت کے فرائض انجام دو، بعض لوگوں نے کہنا شروع کیا کہ شاید حضرت علیؓ اب میدان جنگ کے قابل نہیں رہے ہیں اس لئے ان کو عورتوں اور بچوں پر حاکم بنایا جارہا ہے، حضرت علیؓ نے آنحضرتؐ سے شکایت کی کہ یارسول اللہ! لوگ ایسا کہتے ہیں، آپ نے ارشاد فرمایا، یا علیؓ! فکر مت کرو تمہارا رتبہ میرے نزدیک ایسا ہے جیسے حضرت موسیٰؑ کے نزدیک ہارونؑ کا تھا۔

اسی سال حج فرض ہوا، آنحضرت بعض اہم کاموں کی وجہ سے نہیں جاسکے، حضرت ابوبکرؓ کو امیر حج بناکر روانہ فرمایا، اس کے بعد سورۂ براءت نازل ہوئی، آنحضرتؐ نے حضرت علیؓ سے فرمایا تم

مکہ جاؤ اور مجمع عام میں اس سورت کو پڑھ کر سنا دو کیونکہ میری طرف سے سوائے میرے خاندان کے کوئی دوسرا اس کی تبلیغ نہیں کرسکتا ہے، کچھ لوگوں کا خیال تھا کہ حضرت ابوبکرؓ اس کام کو بھی انجام دے دیں گے مگر آپؐ نے اسے نامنظور کر دیا۔ حضرت علیؓ گئے اور آنحضرتؐ کی طرف سے اعلان عام کر دیا کہ اس سال کے بعد کوئی مشرک نہ حج کرسکے گا اور نہ کوئی شخص کعبہ کا برہنہ طواف کرسکے گا اور جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی عہد کر رکھا ہے اسے چاہیئے کہ وہ اس کو پورا کرے اسی زمانہ میں نصارے نجران کے ساتھ مباہلہ کا واقعہ پیش آیا۔ ترمذی میں سعد بن ابی وقاصؓ سے روایت ہے کہ جب آیت مباہلہ نازل ہوئی تو آنحضرتؐ حضرت علیؓ، حضرت فاطمہؓ اور حضرات حسنینؓ کو ساتھ لیکر میدان مباہلہ میں گئے اور فرمایا، الٰہی! یہ میرے اہل بیت ہیں۔

تبوک کی مہم سے فارغ ہو کر آنحضرتؐ نے خالد ابن ولیدؓ کو تبلیغ اسلام کے لئے یمن روانہ فرمایا مگر چھ ماہ گذرنے پر بھی ان کو کوئی کامیابی نہیں ہوئی، آنحضرتؐ نے رمضان سنہ ۱۰ھ میں حضرت علیؓ سے فرمایا تم جاؤ اور یمن کی اس تبلیغی مہم کو کامیاب بناؤ۔ حضرت علیؓ نے عرض کیا، یا رسول اللہ! آپ مجھے ایسی قوم کی طرف بھیج رہے ہیں جن میں مجھ سے زیادہ ذی عمر اور تجربہ کار موجود ہیں، میں کس طرح ان کے مقدمات فیصل کرسکوں گا؟

آنحضرتؐ نے علیؓ کے سینہ پر ہاتھ رکھا اور دعا کی، الٰہی! ان کے دل کو ہدایت کے نور سے بھر دے اور ان کی زبان میں سچائی اور تاثیر

پیدا فرما، پھر اپنے ہاتھ سے عمامہ باندھا اور ایک سیاہ علم ان کے ہاتھ میں دیکر روانہ فرما دیا، حضرت علیؓ کے پہنچنے کی دیر تھی کہ یمن کا نقشہ ہی بدل گیا، جو لوگ چھ مہینہ میں حقیقت اسلام کو نہیں سمجھ سکے تھے وہ حضرت علیؓ کی چند روز کی کوشش سے اسلام کے شیدائی بن گئے اور قبیلۂ ہمدان کل کا کل دامن اسلام سے وابستہ ہو گیا۔

سنہ۱۰ھ میں آنحضرتؐ مدینہ سے حج کو تشریف لے گئے، حضرت علیؓ کو لکھا کہ وہ یمن سے مکہ آجائیں اور قربانی کے جانور ساتھ لیتے آئیں، آنحضرتؐ ۴ ذی الحجہ کو اتوار کے دن مکہ میں داخل ہوئے، بنی ہاشم کے چند نوجوانوں نے شہر کے باہر آپ کا استقبال کیا، ۸ ذی الحجہ کو حضرت علیؓ بھی مکہ میں آگئے، یمن کے مسلمانوں کا ایک قافلہ ساتھ آیا تھا اور قربانی کے جانور ساتھ لایا تھا، آنحضرتؐ حضرت علیؓ کی آمد سے بہت خوش ہوئے، دو دن مکہ میں رہے ۸ تاریخ کو منیٰ گئے، رات کو قیام کیا اور صبح عرفات تشریف لے گئے، واپسی میں رات کو مزدلفہ میں قیام کیا، صبح کو منیٰ آگئے، رمی سے فارغ ہو کر قربانی کا ارادہ کیا، ۱۰۰ اونٹ حضرت علیؓ نے پیش کئے، چند کو آنحضرتؐ نے اپنے ہاتھ سے ذبح کیا اور باقی کے لئے فرمایا، علیؓ ان کو تم ذبح کر دو۔

آنحضرتؐ ۱۴ ذی الحجہ سنہ۱۰ھ کو بدھ کے دن مکہ سے مدینہ کے لئے روانہ ہوئے، راستہ میں غدیر خم پر قیام فرمایا، ایک صحابی بریدہ اسلمیؓ نے آنحضرت سے شکایت کی کہ یمن کے مال خمس میں جو لونڈیاں ملی تھیں ان میں سے ایک لونڈی حضرت علیؓ اپنے تصرف

میں لائے ہیں۔

آنحضرتؐ کو بریدہ اسلمیؓ کی بدگمانی سخت ناگوار ہوئی اور فرمایا، اے بریدہ علیؓ کی طرف سے اپنے دل کو صاف رکھو کیونکہ علیؓ مجھ سے ہیں اور میں علیؓ سے ہوں، پھر مسلمانوں کو متوجہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا،

"اے لوگو! میں بشر ہوں ممکن ہے کہ اللہ کا فرشتہ جلد آجائے اور اس کا پیغام مجھے قبول کرنا پڑے، میں تمہارے پاس دو بھاری چیزیں چھوڑے جاتا ہوں، ایک اللہ کی کتاب جس کے اندر ہدایت و روشنی ہے دوسری چیز میرے اہل بیت ہیں جن کے معاملہ میں میں تم کو اللہ کی یاد دلاتا ہوں، پس دیکھو تم ان کے ساتھ میرے بعد کیا سلوک کرتے ہو! پھر فرمایا، اللہ میرا مولیٰ ہے اور میں ہر مسلمان کا مولیٰ ہوں، پھر حضرت علیؓ کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا، جس کا میں ولی ہوں اس کے یہ بھی ولی ہیں، اے اللہ! جو ان سے دوستی رکھے اس سے تو بھی دوستی رکھنا اور جو ان سے عداوت رکھے اس سے تو بھی عداوت رکھنا۔"

آنحضرتؐ کی اس تقریر سے حضرت علیؓ کی عظمت کا ایسا نقشہ کھنچا کہ ہر طرف سے مسلمان حضرت علیؓ کو مبارک باد دینے لگے، حضرت عمرؓ نے آگے بڑھ کر فرمایا، یا علیؓ! مسلمانوں کے مولیٰ بنائے جانے پر میں آپ کو ہدیہ تبریک پیش کرتا ہوں۔ بریدہ اسلمیؓ کو بڑی ندامت ہوئی اور وہ معافی کے خواستگار ہوئے حضرت علیؓ نے معاف فرما دیا۔

(بخاری، فتح الباری، سیرت ابن ہشام، تاریخ طبری، حیات مرتضیٰ)

علیؓ اور وفاتِ رسولؐ

حضرت علیؓ کو زندگی میں سب سے بڑا صدمہ آنحضرتؐ کی وفات سے پہنچا، اگر غور سے دیکھا جائے تو دلیری اور شجاعت نیز کام کرنے کی قوتیں اسی دن سے مضمحل ہوگئیں، اس کے بعد حضرت فاطمہؓ کی جدائی نے اور بھی دل برداشتہ کر دیا، بیماری اور وفات دونوں میں حضرت علیؓ سایہ کی مانند آنحضرتؐ سے وابستہ رہے ۱۲ ربیع الاول پیر کے دن ۱۱ھ میں آنحضرتؐ کی حالت اتنی متغیر ہوگئی کہ امیدیں منقطع ہوگئیں، آخر دوپہر کے قریب حضرت علیؓ، حضرت فاطمہؓ اور تمام مسلمانوں کو وفات رسولؐ کا صدمۂ جانکاہ برداشت کرنا ہی پڑا، بخاری کی روایت سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت علیؓ کو یہ خیال نہیں تھا کہ آنحضرتؐ داغ مفارقت دے جائیں گے چنانچہ لوگوں نے پوچھا کہ آنحضرتؐ کی طبیعت کیسی ہے؟ فرمایا، اچھی ہے، حضرت عباسؓ نے کہا علیؓ! میں جانتا ہوں کہ عبدالمطلب کی اولاد کا چہرہ موت کے قریب کیسا ہو جاتا ہے، چلو آنحضرتؐ سے پوچھ لیں کہ آپ کے بعد جانشین کون ہوگا؟ حضرت علیؓ نے کہا میں نہیں پوچھونگا اگر آپؐ نے انکار کر دیا تو پھر آئندہ میرے لئے کوئی امید باقی نہیں رہے گی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد تجہیز و تکفین کے جملہ کام حضرت علیؓ اور حضرت عباسؓ کے دونوں صاحبزادوں

نے انجام دیئے، نماز جنازہ شروع ہوئی، پہلے گھر والوں نے یہ سعادت حاصل کی، پھر عورتوں اور بچوں نے نماز پڑھی اس کے بعد تمام مسلمان گروہ در گروہ شریک نماز ہوئے، پورے ایک دن رات نماز جنازہ کا سلسلہ جاری رہا، حضرت طلحہؓ نے قبر کھودی، حضرت علیؓ، حضرت عباسؓ اور ان کے صاحبزادوں نے مل کر کونین کے اس سب سے متبرک خزانہ کو قبر کی آغوش میں اتارا، سب نے چہرۂ انور سے کفن ہٹا کر آخری دیدار کیا، حضرت علیؓ نے فرمایا، میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں آپ کا جسم کتنا نرم اور خوشبودار ہے، حضرت علیؓ نے چہرۂ مبارک پر نظر ڈالی حلقۂ چشم میں پانی کے چند قطرے جمع دیکھے تو زبان سے چوس لئے، لحد کو کچی اینٹوں سے چھپا دیا گیا، مسلمانوں نے مل کر مٹی ڈالی اور حضرت بلال نے آخر میں پانی چھڑکنے کی سعادت حاصل کی، آنحضرتؐ کے غلام حضرت شقران بھی سب کے ساتھ آخری خدمت کی سعادت سے بہرہ اندوز ہو رہے تھے۔

(بخاری، ابن سعد، تاریخ طبری)

حضرت علیؓ اور خلفائے ثلاثہؓ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے فوراً بعد مسلمانوں کو جانشینی کے مسئلہ سے دوچار ہونا پڑا، اس مسئلہ کو چھیڑنے کی ابتداء انصار کی طرف سے ہوئی جن کے سربراہ سعد بن عبادہؓ تھے، دوسرے شخص زبیر بن عوامؓ تھے جو مہاجر تھے اور بنی امیہ سے تعلق رکھتے تھے وہ بھی اس موقعہ پر جانشینی کے مسئلہ میں دلچسپی لے رہے تھے، ان ہر دو کی سرگرمیوں سے مطلع ہو کر حضرت عمرؓ اپنے ساتھ حضرت صدیقؓ اور چند دوسرے نامور مہاجرین کو لئے ہوئے اس اجتماع میں پہنچے جو سقیفہ بنی ساعدہ میں سرگرم بحث تھا۔

انصار خلافت کو اپنا حق سمجھتے تھے اور سعد بن عبادہؓ کو خلیفہ بنانا چاہتے تھے، حضرت زبیرؓ بنی ہاشم کے لئے خلافت کا مطالبہ کر رہے تھے، ان کا یہ مطالبہ درحقیقت اس لئے نہیں تھا کہ وہ علیؓ کو مسند خلافت پر بٹھانا چاہتے تھے بلکہ ان کی غرض اس طرز عمل سے صرف یہ تھی کہ بنی امیہ کے عروج کے لئے راستہ صاف و ہموار کیا جائے، حضرت عمرؓ اس صورت حال کو خوب سمجھتے تھے اور جانتے تھے کہ تمام ہنگامہ آرائی کس غرض سے کی جا رہی ہے، وہ یہ بھی جانتے تھے کہ حضرت علیؓ کا اس سے کوئی تعلق نہیں ہے اور جو لوگ بنی ہاشم کا نام لے رہے ہیں ان کی نظریں کچھ اور دیکھ رہی ہیں۔

بہرحال حضرت عمرؓ نے بہت جلدی سقیفہ کی گرما گرم بحثوں کو دبا لیا، حضرت ابوبکرؓ نے ایک سنجیدہ تقریر کی جس کے بعد حالات اور زیادہ خوشگوار ہو گئے اور پھر اسی حالت میں حضرت عمرؓ نے حضرت ابوبکرؓ کے ہاتھ میں ہاتھ دیدیا۔ اور اس کے بعد ہر طرف سے مسلمان بیعت کرنے لگے۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ نے سوا دو برس خلافت کی اور جب دنیا سے جانے لگے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بنانے کی وصیت کر گئے، مسلمانوں نے بھی ان کی وصیت کو قبول کر لیا اور حضرت عمرؓ مسند خلافت پر رونق افروز ہو گئے۔

حضرت عمرؓ کو خاصہ عرصہ خلافت کے لئے ملا اور وہ بڑے نظم و ضبط کے ساتھ اسلامی حکومت کو چلاتے، پھیلاتے اور مضبوط بناتے رہے، کم و بیش ساڑھے دس برس وہ مسند آرائے خلافت رہے، جب دنیا سے جانے لگے تو کسی کو اپنا جانشین نہیں بنا گئے، لوگوں نے پوچھا اور کوشش کی کہ وہ کسی کو نامزد کر جائیں مگر وہ یہ کہہ کر رخصت ہو گئے کہ حضرت علیؓ حضرت عثمانؓ، حضرت زبیرؓ، حضرت طلحہؓ، حضرت سعدؓ اور حضرت عبدالرحمٰن ابن عوفؓ ان چھ شخصوں میں سے کسی ایک کو منتخب کر لیا جائے مگر عبدالرحمٰن ابن عوفؓ نے اس کی نوبت ہی نہ آنے دی اور انتہائی دانائی سے انتخاب کے مسئلہ کو اختلافات سے بچا کر اپنے ہاتھ میں لے لیا، حضرت ابن عوفؓ جس صورت سے انتخاب خلیفہ کے مسئلہ کو حل کر رہے تھے یا یوں سمجھئے کہ حضرت عثمانؓ کو مسند خلافت

تک لیجانے کے لئے جو راستہ بنا رہے تھے اسے سمجھنے کا کسی کو موقعہ ہی نہیں ملا یہاں تک کہ حضرت عثمانؓ کے خلیفہ منتخب کیے جانے کا اعلان کردیا گیا۔

حضرت عثمان غنیؓ کم وبیش بارہ برس مسند خلافت پر رونق افروز رہے۔ یہ طویل زمانہ قریب قریب پورا کا پورا خلفشار، انتشار اور آپس کی کشیدگیوں اور بے چینیوں میں گذرا جس کی بہت کچھ ذمہ داری حضرت عبدالرحمن ابن عوفؓ پر بھی آتی ہے کہ انہوں نے حضرت عثمانؓ کی بزرگی، نیکی اور آنحضرتؐ سے ان کے قریبی رشتہ کو تو دیکھا لیکن اس بات پر غور نہیں کیا کہ حضرت عثمانؓ کی اقربا نوازی اور خویش پروری کی بدولت ان کے کچھ غیر ذمہ دار رشتہ داروں کو برسر اقتدار آنے کا موقعہ مل جائیگا اور اس وجہ سے ایام جاہلیت کی پرانی رقابتیں پھر زندہ ہو جائیں گی اور جو نتائج مرتب ہوں گے وہ آنے والے خلیفہ کے لئے کس قدر پریشان کن اور ملت اسلامیہ کے لئے کیسے تباہ کن ثابت ہونگے چنانچہ حضرت علیؓ مسند خلافت پر آئے تو بنی امیہ کے چھائے ہوئے اقتدار نے وہ صورت حال پیدا کردی کہ وہ تلواریں جو کبھی مخالفین اسلام پر اٹھا کرتی تھیں، مسلمانوں کے خون سے آلودہ نظر آنے لگیں، جہاں تک تاریخی حقائق کا تعلق ہے میں سمجھتا ہوں کہ اگر حضرت عمرؓ کے بعد حضرت علیؓ کا انتخاب عمل میں آجاتا تو یقیناً ایک بہت بڑے فتنے کا سد باب ہو جاتا اور مسلمانوں کو فتوحات سے ہٹ کر خانہ جنگی میں اپنی بہترین صلاحیتیں برباد نہ کرنا پڑتیں، سچ تو یہ ہے کہ حضرت علیؓ کی خلافت کے ناکام ہونے

کے بڑے اسباب یہی تھے کہ اقتدار سمٹ کر ایک ہی خاندان کے افراد کے ہاتھ میں آ گیا تھا، جس کی وجہ سے حضرت علیؓ کی حکومت محدود ہو کر رہ گئی تھی۔

بہر حال حضرت علیؓ نے خلفائے ثلاثہ کے زمانہ میں ۲۵ سال گذارے اور اس طرح گذارے کہ خلافت خاصہ کی جملہ خصوصیات رکھتے ہوئے بھی وہ تیسرے انتخاب میں بھی خلیفہ نہ ہو سکے مگر یہ حضرت علیؓ ہی کی ذات تھی کہ وہ تھوڑی دیر کے لئے بھی آپے سے باہر نہیں ہوئے، انہوں نے ۲۵ سال کا طویل عرصہ اپنی فطری خاموشی اور زہد کے ساتھ گذار دیا، اگر وہ ان تین موقعوں پر کسی وقت بھی دعوٰے خلافت کے ساتھ میدان میں آ جاتے تو یہ ناممکن نہیں تھا کہ ان کے ساتھ ایک بڑی قوت جمع ہو جاتی مگر ایسا تو وہ اسوقت کرتے جبکہ خلفائے ثلاثہ ان کی نظروں میں نااہل ہوتے، غاصب ہوتے اور ان کی ذات اسلام کے لئے نقصان کا سبب ہوتی۔ وہ شروع سے دیکھ رہے تھے کہ جو حضرات مسند خلافت پر آ رہے ہیں وہ وہی ہستیاں ہیں جن کے متعلق بارہا زبان حق ترجمان سے تعریف و توصیف کے کلمات نکلے ہیں اور جن کی زندگیاں قبول اسلام کے بعد ہر موقعہ پر اسلام کی عظمت و بقا کے لئے وقف رہی ہیں۔

اس کے علاوہ حضرت علیؓ یہ بھی جانتے تھے کہ آنحضرت نے جانشینی کے لئے صراحتاً کسی کا نام نہیں لیا بلکہ اپنے عمل اور ارشادات سے ہمیشہ یہ واضح کرتے رہے کہ نگاہ رسول میں یہ سب ہستیاں

ممتاز اور مسلمانوں کی دینی و دنیادی رہنمائی کی پورے طور پر صلاحیت رکھتی ہیں، یہی وجہ ہے کہ وفات کے قریب حضرت عباسؓ کے کہنے پر آپ نے صاف انکار کر دیا کہ میں آنحضرتؐ سے جانشینی کے متعلق کچھ نہیں پوچھونگا اس لئے کہ اگر آپ نے میرے لئے منع کر دیا تو پھر میں قیامت تک خلیفہ یا جانشین نہیں ہو سکونگا، اس سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت علیؓ بہت پہلے سے محسوس کرتے تھے کہ میرے علاوہ دوسری ہستیاں بھی ہیں جو اپنے علم، تجربے اور ذہانت میں اس کی مستحق ہیں کہ وہ جانشین رسولؐ ہو سکیں۔

ابوسفیان کی اس درخواست پر کہ "علیؓ اگر تم خلافت کے لئے اٹھنا چاہتے ہو تو میں مدینہ کے میدان کو فوجوں سے بھر سکتا ہوں"۔ حضرت علیؓ کا صاف کہدینا کہ ابوسفیان تم ابھی تک منافقت سے باز نہیں آئے ہو، کیا معنیٰ رکھتا ہے، یہی نا کہ جو انتخاب ہوا ہے وہ صحیح ہے اور جسے چنا گیا ہے وہ جانشین ہونے کی اہلیت رکھتا ہے۔ مسئلۂ خلافت کے سلسلہ میں حضرت علیؓ کو خلیفۂ بلا فصل ماننے والے حضرات کو یہ سوچنا چاہیئے کہ جب وہ یہ کہتے ہیں کہ حضرت علیؓ دل سے خلفائے ثلاثہ اور بہت سے صحابہ کو برا جانتے تھے مگر مصلحت وقت اور اپنی کمزوری کے پیش نظر خاموش تھے، تو وہ حضرت علیؓ کی بلند و بالا ذات کو کتنی نیچی سطح پر لے آتے ہیں، کیا ان کے خیال میں حضرت علیؓ کی ذات اسی قسم کی خصوصیات کی حامل تھی کہ وہ دل میں بغض و عناد اور برائی و عداوت کی پرورش کرتے

رہیں اور قول وفعل سے ساتھ رہیں، یہ ظاہرداری اسلام کی نظروں میں کھلی ہوئی منافقت ہے جسے اللہ، رسول اور اس کے بندے و امتی کسی طرح پسند نہیں کر سکتے، علیؑ کی ذات گرامی اس طرز عمل سے پاک اور اپنے مخصوص کردار میں ذات رسالت کی بہترین نمونہ تھی، حق کے سامنے مصلحت کوئی چیز نہیں ہے، خاموشی اور تعاون کے معنی ہی یہ ہیں کہ وہ دل سے ان کو پسند کرتے تھے ورنہ ۲۵ سال میں کبھی تو ان کی زبان کھلی ہوتی اور کبھی تو ان کی حق پسند طبیعت نے حقیقت کا اظہار کیا ہوتا۔

مسئلۂ خلافت کے سلسلہ میں فرقۂ امامیہ کے خیالات پر جب نظر ڈالی جاتی ہے تو اسلام کی عمارت مٹی کا ڈھیر معلوم ہوتی ہے، وہ ہزاروں جاں نثار جن کی جانی و مالی قربانیوں سے تاریخ اسلام کے اوراق بھرے پڑے ہیں، اس فرقہ کے خیال کے مطابق سب منافق تھے، سب نے کسی خاص غرض کے تحت اسلام قبول کیا تھا سوائے معدودے چند حضرات کے گویا آنحضرتؐ کو اپنی ۲۳ سالہ تبلیغ میں صرف اتنی کامیابی ہوئی کہ وہ حضرت علیؓ اور چند دوسرے لوگوں کے علاوہ کسی کو مسلمان نہ بنا سکے بلکہ مذکورہ بالا خیال اور عقیدے کا تجزیہ کیا جائے تو انسان اس نتیجہ پر پہنچتا ہے کہ آنحضرتؐ نے بہت کم لوگوں کو مسلمان بنایا لیکن منافقوں کی ایک بڑی تعداد پیدا کردی، نعوذ باللہ من شرور انفسنا۔

کیا عقل اسے قبول کرتی ہے کہ آنحضرتؐ کی صحبت میں پچاس

سال متواتر رہنے والے لوگ بھی صحیح معنی میں مسلمان اور با ایمان نہیں بن سکے؟ اور اگر کوئی عقل وخرد سے دور اور غلبۂ باطل سے مغلوب ومجبور ایسا فاسد عقیدہ رکھتا ہے تو اسکے پاس ہزار ہا صحابہؓ کے منافق ہونے اور علیؓ کے مومن ہونے کے لئے کون سی نصوص ہیں؟ آنحضرتؐ کی تصدیق کرتے ہیں، مکہ میں دشمنوں کے مصائب سہتے ہیں، مجبور ولاچار ہوکر ترک وطن کرتے ہیں، آنحضرتؐ کے ساتھ غزوات وجہاد میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے ہیں اگر حضرت علیؓ ہر موقعہ پر نظر آتے ہیں تو دوسرے صحابہؓ بھی ان سے پیچھے نہیں ہیں، اگر وہ بستر رسولؐ پر جان کو خطرے میں ڈال کر سوئے تو حضرت صدیقؓ نے جان ہتھیلی پر رکھ کر غار ثور میں راتیں گذاردیں۔

کیا بدر، احد، خندق وخیبر اور فتح مکہ کی کامیابیاں حضرت علیؓ کی وجہ سے ہوئیں؟ دوسرے مسلمانوں کا اس میں حصہ نہیں تھا؟ کیا حضرت علیؓ تنہا ہوتے تو یہ کامیابیاں ہوسکتی تھیں اور اسلام مکہ سے نکل کر دور دراز بستیوں میں پہنچ سکتا تھا۔ کتنا کمزور، کتنا عقل سے بعید اور کسقدر انصاف سے دور ہے یہ خیال۔۔؟

درحقیقت خلفائے ثلاثہؓ سے حضرت علیؓ کی ناراضگی ثابت کرنا تاریخ واحادیث کی بے شمار روایتوں کا منہ چڑانا اور ان کے پڑھنے والوں کی آنکھوں میں دھول جھونکنا ہے، اگر حضرت علیؓ کی خصوصیات یہی تھیں کہ ان کی زبان کچھ کہتی تھی اور ان کا دل کچھ اور سوچتا تھا، وہ ایک طرف تو خلفائے ثلاثہ کی مجلس شوریٰ کے رکن اعظم بھی بنے

ہوئے تھے اور دوسری طرف ان کو غیر اسلامی کردار اور حکومت کا عامل بھی سمجھتے تھے۔ وہ ان کو دل سے برا بھی جانتے تھے اور ان کی غیر موجودگی میں ان کی جگہ قائم مقام کی حیثیت سے کام بھی انجام دیتے تھے، ۲۵ سال کے طویل عرصہ میں انہوں نے ایک مہینہ کے لئے کیا ایک ہفتہ کے لئے بھی مدینہ نہیں چھوڑا اور نہ وہ ترک دنیا کرکے گوشہ گیر بنے، ہر مجلس میں پہنچے، ہر صحبت میں بیٹھے، ہر مشورہ میں شریک و شامل رہے۔ ہمیشہ ساتھ رہے، اٹھے بیٹھے، کھایا پیا اور چلے پھرے مگر بقول شیعان علیؓ کے وہ سمجھتے یہی رہے کہ خلفائے ثلاثہ کا دور غیر اسلامی دور ہے اور ان کی زندگیاں منشائے اسلام کے خلاف ہیں تو میرے خیال میں وہ کوئی دوسرے علیؓ ہونگے، فاطمہؓ کے شوہر، محمدؐ کے بھائی اور داماد اور ابوطالب کے بیٹے نہیں ہونگے۔

حضرت علیؓ خلفائے ثلاثہؓ کو کس درجہ نیک، حق پرست اور حق پر قائم رہنے والا سمجھتے تھے اس کا اندازہ اس خط سے کرنا چاہیے جو آپ نے خلیفہ ہونے کے بعد حضرت امیر معاویہ کو لکھا تھا اور جو علامہ شریف رضی کی جمع کردہ نہج البلاغہ مطبوعہ مصر صفحہ ۱۸۹ میں موجود ہے، حضرت علیؓ فرماتے ہیں۔

"بے شک میری بیعت اس قوم کے لوگوں نے کر لی ہے جس نے حضرت ابوبکر، حضرت عمر اور حضرت عثمان سے بیعت کی تھی، لہٰذا جو لوگ موجود ہیں ان کو اور جو غیر موجود ہیں ان کو نہ تو کوئی اختیار رہے اور نہ کسی فیصلے سے ہٹنے اور تردید

کرنے کا مجاز ہے، بلاشبہ شوریٰ تو مہاجرین و انصار کا حق ہے، یہ لوگ اگر متفق ہو کر کسی کو امام مان لیں تو پھر وہ مسلّم ہے، اب اگر کوئی اس فیصلہ پر طعن کرے یا بدعت کر کے نکل جائے تو اسے اس فیصلے کی طرف واپس لاؤ اور اگر پھر بھی انکار کرے تو اسے قتل کر دو کیونکہ وہ مومنین کے معین کردہ راستے کے خلاف جا رہا ہے۔"

اسی کتاب نہج البلاغہ مطبوعہ مصر صفحہ ۱۶ میں ہے حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ ارشاد فرماتے ہیں۔

"اللہ تعالٰی اپنا انعام نازل فرمائے فلاں پر جس نے کجی کو سیدھا کیا، جس نے امراض نفسانیہ کی دوا کی، جس نے رسولؐ کی سنت کو قائم کیا، بدعت کو دور کیا اور رخصت ہوا اس دنیا سے پاک دامن اور بے عیب، اس نے خلافت کی خوبی کو پایا اور اس کے فسادوں سے پہلے رحلت فرمائی، اللہ کی بخوبی اطاعت کی اور پرہیزگاری کو پورا کیا اور دین کے شاخ در شاخ ہونے سے پہلے اس دنیا سے روانہ ہو گئے۔"

نہج البلاغہ کے ۲۳ ویں خطبہ میں حضرت علیؓ اہل مکہ کے ایمان لانے اور نجات حاصل کرنے کے سلسلہ میں ارشاد فرماتے ہیں۔

"بے شک اللہ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسی حالت میں مبعوث فرمایا کہ کوئی عرب نہ کتاب پڑھتا تھا اور نہ نبوت کا دعویدار تھا، پس انہوں نے لوگوں کو کھینچا تا آنکہ انہیں اپنی

جگہ پر بٹھادیا اور ان کو نجات کے گھر پہنچا دیا۔"

حضرت علیؓ ۹۷ ویں خطبہ میں ارشاد فرماتے ہیں۔

"میں نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابیوں کو دیکھا ہے، میں تم میں سے کسی کو بھی ان جیسا نہیں پاتا ہوں وہ صبح کو دھول میں اٹے ہوتے تھے اور رات کو سجدوں اور قیام کی حالت میں گذارتے تھے، وہ کبھی اپنی پیشانیاں زمین پر رکھتے تھے اور کبھی رخسارے، وہ اپنی آخرت کو یاد کرتے تھے تو معلوم ہوتا تھا کہ انگاروں پر کھڑے ہیں، ان کی آنکھوں کے درمیان لمبے سجدے کرنے کے باعث مینڈھے کے گھٹوں جیسا گھٹا ہوتا تھا، جب اللہ کا ذکر ہوتا تھا تو ان کی آنکھیں آنسو برساتی تھیں یہاں تک کہ گریبان تر ہو جاتے تھے اور عذاب کے خوف اور ثواب کی امید میں ایسے لرزتے اور کپکپاتے تھے جیسے تیز آندھی میں درخت کی حالت ہوتی ہے۔"

حضرت عثمان غنیؓ کے متعلق اہل کوفہ کے نام ایک خط میں بہت سی دوسری باتیں لکھنے کے بعد ارشاد فرماتے ہیں اس خط کو نہج البلاغہ کا پہلا خط کہا گیا ہے۔

"بعد ازاں میں تمہیں حضرت عثمانؓ کے قصہ کی خبر سناتا ہوں تا آنکہ اس کا سننا ایسا ہو جیسے اس کا دیکھنا ــ لوگوں نے ان پر الزام لگائے، میں مہاجرین میں سے وہ شخص

تھا کہ ان کو خوش زیادہ رکھتا تھا اور خفا کم ہوتا تھا۔"

چھٹے خط میں جو امیر معاویہؓ کے نام لکھا گیا تھا، فرماتے ہیں۔

"بیشک میری بیعت ان لوگوں نے کی ہے جنہوں نے ابوبکرؓ، عمرؓ اور عثمانؓ کی بیعت کی تھی اور اس بات پر کی ہے جس بات پر ان سے کی تھی، پس حاضر کو پسند کرنے کا اور غائب کو رد کرنے کا حق نہیں پہنچتا ہے۔"

حضرت ابوبکرؓ کے صاحبزادے محمد ابن ابوبکرؓ کے متعلق اپنے ۳۵ ویں خط میں فرماتے ہیں۔

"بعد ازاں مصر فتح ہوگیا، اور محمد بن ابوبکر اللہ ان پر رحم کرے شہید کر ڈالے گئے۔"

یہ جملہ خطبات و خطوط جنکو درج کیا گیا ہے وہ ہیں جنکو نہج البلاغہ کے علاوہ طبری نے اپنی تاریخ میں، ابو حنیفہ دینوری نے اخبار الطوال میں اور ابو نعیم نے حلیۃ الاولیا میں بھی ذکر کیا ہے۔

اگر کتب تاریخ و سیر کی چھان بین کی جائے تو ایک دو نہیں بے شمار ایسی روایات ملتی ہیں جن سے حضرت علیؓ کی خلفائے ثلاثہ سے دوستی و محبت کا واضح ثبوت ملتا ہے۔

حضرت ابوبکرؓ کی خلافت کے بارے میں ایک مرتبہ مجمع عام میں حضرت علیؓ نے کھڑے ہو کر فرمایا "بے شک آپ سے زیادہ خلافت کا مستحق کوئی نہیں ہے۔"

حضرت ابوبکرؓ نے جب وفات پائی اور مسلمان ان کے غم میں

بے چین ہو رہے تھے تو حضرت علیؓ نے ان کی میت کے پاس کھڑے ہو کر اس شان سے ان کے فضائل بیان کئے کہ لوگوں نے اس کوہ الم کو بڑے سکون سے اٹھا لیا۔ حضرت ابوبکرؓ نے اپنی وفات کے قریب جب حضرت عمرؓ کو خلیفہ بنانے کے لئے حضرت علیؓ سے مشورہ کیا تو آپ نے فرمایا" واللہ میں عمرؓ کے علاوہ کسی دوسرے کی خلافت پر راضی نہیں ہوتا۔" آپ نے فرمایا" قرآن جمع کرنے کا سب سے زیادہ ثواب حضرت ابوبکرؓ کو ملے گا۔"

حضرت عمرؓ نے مسند خلافت سنبھالنے کے بعد جب مجلس شوریٰ کی قائم کی تو پہلا نام حضرت علیؓ کا رکھا، چونکہ پہلی مجلس کے ارکان زیادہ تھے اور سب کو ہر وقت جمع کرنا دشوار تھا اس لئے اسی میں سے چند حضرات کی ایک خاص مجلس بنائی، اس میں بھی پہلا نام حضرت علیؓ کا تھا۔

حضرت عمرؓ نے عراق اور بیت المقدس کا سفر کیا تو حضرت علیؓ کو مدینہ میں اپنا قائم مقام بنایا، آپ ۲ ماہ کے قریب مسند خلافت پر رونق افروز رہے اور خلافت کے جملہ امور کو انجام دیتے رہے، حضرت عمرؓ نے تمام بلاد اسلامیہ میں مفتیوں کا تقرر فرمایا تاکہ غلط مسائل کی روک تھام ہو سکے، حضرت علیؓ کو خاص مدینہ کا مفتی اعظم بنایا گیا، سن ہجری کے سلسلہ میں حضرت علیؓ کی رائے کو ترجیح دی گئی، حضرت عمرؓ نے جب صحابہ کے وظائف مقرر کئے تو پہلا نام حضرت علیؓ کا لکھا گیا۔ زخمی ہو کر شہادت کے قریب پہنچے

تو خلافت کے لیئے کئی نام پیش کئے مگر ساتھ ہی فرمایا، علیؓ کو میں زیادہ مناسب خیال کرتا ہوں۔

حضرت عثمانؓ کی شہادت کے ذکر میں ایک مرتبہ آپ نے فرمایا کہ "جس دن حضرت عثمانؓ شہید ہوئے تھے اس دن میری عقل زائل ہو گئی تھی۔"

پچھلے اوراق میں خلفائے ثلاثہؓ کے تذکروں میں بڑی تفصیل سے حضرت علیؓ کے طرز عمل کو بیان کیا گیا ہے جس سے خلفائےؓ ثلاثہ سے ان کی گہری محبت و مودت کا پتہ چلتا ہے۔ ایسے واضح واقعات اور ایسی روشن روایات کے ہوتے ہوئے یہ کہنا کہ حضرت علیؓ نے جو کچھ کیا اور کہا وہ وقت کی ضرورت اور مصلحت کا تقاضا تھا، حضرت علیؓ سے نادان دوستی اور نام نہاد محبت کی غمازی کرتا ہے۔

کوئی مانے یا نہ مانے یہ حقیقت آفتاب سے زیادہ روشن اور واضح ہے کہ علیؓ کی زندگی محمد مصطفےٰؐ کی پاکیزہ زندگی اور ان کے اخلاق و کردار کی مظہر کامل تھی، ورنہ "میں علیؓ سے ہوں اور علیؓ مجھ سے ہیں" ایک بیکار سی بات ہو کر رہ جاتی ہے۔

ایمان کی بات یہ ہے کہ وقت کے ساتھ بدلنے، ہوا کے ساتھ چلنے اور تقاضوں کے ساتھ ڈھلنے کا تذکرہ حضرت علیؓ کی زندگی کے ساتھ کرنا اور اسے اسلام دوستی کا نام دے کر یہ بیان کرنا کہ وہ خلفائے ثلاثہؓ کے ساتھ صرف اس لیئے تعاون کرتے تھے کہ ان کو اسلام سے محبت تھی، وہ خلافت کو اپنے مفید مشورے صرف اس لیئے

دیتے تھے کہ وہ اسلام کے خیر خواہ تھے اور اس کی عظمت کو گرنے نہیں دینا چاہتے تھے، حضرت علیؓ کے اس مزاج و کردار سے بغاوت ہے جو ان کو نبیؐ اکرم سے ورثہ میں ملا تھا۔

حضرت علیؓ مسند خلافت پر

حضرت عثمان غنیؓ کی شہادت کے بعد حضرت علیؓ مسند خلافت پر رونق افروز ہوئے، مدینہ میں فسادیوں کا زور شور پورے طور پر کم نہیں ہوا تھا، کاش! حضرت عمرؓ کی آرزو پوری ہو جاتی اور حضرت علیؓ تیسرے انتخاب میں خلیفہ منتخب ہو جاتے تو یہ انتشار، فساد اور ٹکراؤ جو امت محمدیہ کو آنکھوں سے دیکھنا پڑا اس کی نوبت نہ آتی، علامہ طبری، کامل ابن اثیر وغیرہ نے بیعت علیؓ کے سلسلہ میں جو روایات حوالۂ قلم کی ہیں اور جن پر دوسری تاریخوں نے اپنی بنیادیں قائم کی ہیں وہ مندرجہ ذیل ہیں۔

علامہ طبری جلد ۵ میں تحریر کرتے ہیں۔

"حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد حضرت علی بازار میں تھے کہ ہفتہ کے دن ۸ ذی الحجہ ۳۵ھ کو لوگوں نے آپ کو گھیر لیا، آپ بنی عمر کے گھر میں داخل ہو گئے اور دروازہ بند کر لیا، آخر حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ کوشش کر کے اندر گئے اور حضرت علیؓ سے بیعت کی۔"

دوسری روایت کامل ابن اثیر جلد ۳ کی ہے کہ

"حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ اور بہت سے مہاجرین و انصار حضرت علیؓ سے بیعت کے لئے اصرار کرنے لگے اور جب حضرت علیؓ نے پس وپیش کیا تو سب نے کہا کہ ہم آپ سے زیادہ کسی کو خلافت کا اہل نہیں جانتے ہیں آپ سابق الاسلام اور آنحضرتؐ کے رشتہ دار بھی ہیں، آخر حضرت علیؓ سب کو مسجد میں لے کر گیے اور اس شان سے مسجد میں داخل ہوئے کہ ازار و عبا اور عمامہ زیب جسم تھا، آپ نے مسجد میں پہنچ کر اپنی کمان کا سہارا لیا اور لوگ بیعت کرنے لگے"

تیسری روایت جسے علامہ طبری اور کامل ابن اثیر نے تھوڑے اختلاف سے بیان کیا ہے یہ ہے کہ

"مدینہ کے لوگ حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد پانچ دن تک پریشان رہے۔ اس عرصہ میں بلوائیوں کا امیر ایک شخص غافقی تھا، لوگوں نے مدینہ کے اہل الرائے کو جمع کیا اور کہا کہ ہم اب تک بغیر خلیفہ کے ہیں۔ اگر آج حضرت علیؓ یا حضرت طلحہؓ یا حضرت زبیرؓ نے بیعت نہیں لی تو ہم تلوار استعمال کریں گے ــــ اس کے بعد لوگوں نے حضرت علیؓ کو گھیر لیا اور بیعت لینے پر اصرار کرنے لگے، حضرت علیؓ پہلے تو انکار کرتے رہے مگر جب

لوگوں نے زیادہ زور دیا تو آمادہ ہو گئے، پہلے حضرت طلحہؓ پھر حضرت زبیرؓ اور اس کے بعد کچھ مسلمانوں نے آپ سے اس بات پر بیعت کرلی کہ آپ اللہ کے حکم کے مطابق سب کے ساتھ سلوک کریں گے، اس کے بعد ۲۵ ذی الحجہ کو مسجد نبوی میں بیعت عام ہوئی اور حضرت علیؓ مسند خلافت پر آگئے۔

مولوی معین الدین ندوی "خلفائے راشدینؓ" میں لکھتے ہیں کہ "۲۱ ذی الحجہ ۳۵ھ دوشنبہ کے دن مسجد نبویؐ میں حضرت علیؓ کے ہاتھ پر بیعت کی گئی"۔ تاج خلافت پہننے کے بعد آپ نے جو پہلا خطبہ دیا اسے ہم طبری جلد ۵ سے یہاں نقل کر رہے ہیں، اس خطبہ کو نہج البلاغہ حصۂ اول میں درج کیا گیا ہے مگر تھوڑے بہت فرق کے ساتھ۔ حضرت علیؓ حمد و نعت کے بعد اپنے اس پہلے خطبہ میں ارشاد فرماتے ہیں۔

"اللہ تعالیٰ نے ہدایت کرنے والی کتاب بھیج دی جس میں خیر و شر کو صاف طور پر بیان کیا گیا ہے، لہٰذا نیکی کو لے لو اور برائی سے منہ موڑ لو، اللہ کے احکام پر عمل کرو یہ عمل تم کو جنت کی طرف لے جائیں گے، اللہ تعالیٰ نے جو چیزیں تمہارے لئے حرام قرار دی ہیں وہ تم کو معلوم ہیں، ایک مسلمان کی حرمت کو تمام حرمتوں پر ترجیح دی ہے اور مسلمانوں کو باہم توحید و خلوص کے رشتوں میں منسلک کردیا ہے، مسلمان وہی ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے

مسلمان محفوظ رہیں مگر یہ کہ کوئی حق بات آجائے مگر مسلمان کو اذیت دینا قطعاً حلال نہیں، اے لوگو موت تمہیں پکار رہی ہے لوگ تمہارے سامنے ہیں اور موت کا وقت تمہارے پیچھے ہے، ہلکے پھلکے ہو کر آگے جانے والوں سے مل جاؤ۔ کیونکہ وہ تمہارے انتظار میں ہیں، اے لوگو! اللہ سے ڈرو، بندوں کے معاملات میں شہروں کے بارے میں کیونکہ تم سے زمینوں اور جانوروں تک کے متعلق سوال کیا جائے گا، بس اللہ کی اطاعت کرو، نیکی دیکھو تو حاصل کر لو، برائی کو چھوڑ دو اور اس وقت کو نہ بھولو جبکہ تم بہت تھوڑے اور کمزور تھے۔

غرض حضرت طلحہؓ حضرت زبیرؓ اور مسلمانوں کی بیعت کے بعد مدینہ کی خلفشاری حالت بڑی حد تک کم ہو گئی اور حضرت علیؓ بحیثیت خلیفہ خلافت کے کاموں کو چلانے اور بے چینی کو دور کرنے کے مسئلہ پر غور کرنے لگے۔ یہاں یہ بات خاص طور پر یاد رکھنا چاہیئے کہ فرقہ امامیہ حضرت زبیرؓ اور حضرت طلحہؓ کو منافقین علیؓ میں شمار کرتے ہیں، مگر یہ نہیں بھولنا چاہیئے کہ حضرت علیؓ کو مسند خلافت پر بٹھانے والے اور سب سے پہلے دست بیعت بڑھانے والے یہی دونوں حضرات تھے جیسا کہ طبری کا بیان ہے، بعد میں جو اختلاف پیدا ہوا اسکی بنیاد مذہب پر نہیں تھی بلکہ وہ وقتی حالات تھے جن کو طول دے کر اس حد تک لے جانا کسی طرح زیب نہیں دیتا۔

حالات بعد خلافت

حضرت علیؓ نے مسند خلافت پر آتے ہی پہلا کام یہ کیا کہ حضرت عثمانؓ کے قاتلوں کا پتہ چلانے کی کوشش کی مگر اس میں کامیابی اس وجہ سے نہیں ہو سکی کہ خود حضرت عثمانؓ کی بیوی جناب نائلہ جو موقعہ پر موجود تھیں، قاتلوں کا نام و نشان نہیں بتا سکیں، محمد ابن ابوبکرؓ پر حضرت علیؓ نے سختی کی تو انہوں نے قسم کھا کر کہا کہ قتل عثمان سے میرا کوئی تعلق نہیں ہے چنانچہ جناب نائلہ نے بھی ان کے بیان کی تصدیق کی، حضرت علیؓ کے لئے ایسے حالات میں سوائے اس کے اور کوئی راستہ نہیں تھا کہ وہ خاموش ہو جائیں اور خاموش تحقیقات کے ذریعہ پتہ لگانے کی کوشش کرتے رہیں، البتہ محمد ابن ابوبکرؓ کے لئے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ چکی تھی کہ وہ حضرت عثمانؓ کے گھر میں داخل ہوئے۔ ان کی ڈاڑھی پکڑی مگر حضرت عثمانؓ کی زبان سے اپنے والد کا نام سنتے ہی فوراً باہر آگئے، ظاہر ہے کہ ایسے حالات میں کسی کو قاتل گردانتا اور اسے قصاص میں تہ تیغ کرنا حضرت علیؓ کس طرح روا رکھ سکتے تھے۔

حضرت علیؓ کا پہلے سے یہ خیال تھا کہ خلافت اسلامیہ کو جس فساد اور انتشار کا سامنا کرنا پڑا ہے اس کی بڑی اور اہم وجہ ان حکام و عمال کی بے اعتدالیاں ہیں جن کو حضرت عثمانؓ نے پورے ملک میں متعین کر رکھا تھا اور سب کے سب ان کے خاندان سے قرب رکھتے تھے، چنانچہ آپ نے یک قلم سب کو معزول

کر دیا اور ان کی جگہ دوسرے لوگ مقرر فرمائے چنانچہ عثمان بن حنیف کو بصرے کا عامل مقرر کیا گیا، حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو یمن کا والی بنایا گیا، عمارہ بن حسانؓ کو کوفہ کی گورنری دی گئی حضرت سہل کو شام کی حکومت کا فرمان دے کر روانہ کیا گیا۔

حضرت سہل شام کے قصد سے چلے اور جب تبوک پہنچے تو ان کو امیر معاویہؓ کے آدمیوں نے آگے بڑھنے سے روک دیا، وہ مجبور ہو کر مدینہ آ گئے اور حضرت علیؓ کو حالات سے مطلع کیا، اس وقت حضرت علیؓ نے محسوس کیا کہ امیر معاویہؓ میری خلافت کے راستہ میں مزاحمت کر رہے ہیں اور حالات کو بگاڑنے پر تلے ہوئے ہیں۔ لہذا حضرت علیؓ نے جناب امیر معاویہؓ کو لکھا کہ "مہاجرین وانصارؓ نے میرے ہاتھ پر بیعت کر لی ہے اس لئے اب تمہارے لئے دو ہی باتیں ہیں یا تو میری بیعت کر دیا جنگ کے لئے تیار ہو جاؤ۔"

حضرت امیر معاویہؓ نے حضرت علیؓ کے خط کے جواب میں ایک سادہ کاغذ بھیج دیا۔ البتہ جو قاصد یہ کاغذ لیکر آیا تھا وہ اتنا زبان آور تھا کہ اس نے مدینہ میں مسلمانوں کے سامنے کھڑے ہو کر کہا

"حضرات! شام میں پچاس ہزار آدمیوں کو میں اس حال میں چھوڑ کر آیا ہوں کہ ان کے سامنے حضرت عثمانؓ کی خون آلودہ قمیص ہے اور ان کی آنکھیں آنسو بہا رہی ہیں اور انہوں نے عہد کر لیا ہے کہ جب تک حضرت عثمانؓ کے خون

کا قصاص نہیں لے لیں گے اسوقت تک تلوار نیام میں
نہیں ڈالیں گے۔"

قاصد خاموش ہوا تو حضرت علیؓ کے آدمی خالد بن زفر عبسی نے جواب میں کہا۔

"تیرا برا ہو! کیا تو مہاجرین و انصار کو شامیوں سے ڈراتا ہے، خدا کی قسم نہ تو عثمانؓ کی قمیص حضرت یوسفؑ کی قمیص ہے اور نہ معاویہ حضرت یعقوبؑ کی طرح غمناک ہے اگر شام میں اس کو طاقت حاصل ہے تو تمکو معلوم ہونا چاہیے کہ اہل عراق کو اس کی کوئی پروا نہیں ہے۔"

اِدھر تو امیر معاویہؓ سے بیعت اور جنگ کے نکتہ پر بات چیت چل رہی تھی اُدھر یہ ہوا کہ حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ نے جب یہ دیکھا کہ حضرت علیؓ قاتلان عثمانؓ سے قصاص لینے میں سرگرمی نہیں دکھا رہے ہیں تو وہ ناراض ہو کر مدینہ روانہ ہو گئے۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ مدینہ میں موجود تھیں، حالات تو پہلے ہی سن چکی تھیں، لیکن جب ان دونوں حضرات سے ملاقات ہوئی اور حضرت عثمانؓ کی دردناک شہادت کی تفصیلات سنیں تو بے حد رنجیدہ ہوئیں اور خلیفہ مظلوم کے قصاص کی بڑے جوش سے تائید کرنے لگیں۔

حضرت علیؓ نے جن حضرات کو مختلف صوبوں کا حاکم و والی

مقرر کر کے روانہ کیا تھا ان میں سے شام اور کوفہ کے گورنر واپس مدینہ آ گئے اور ان کو کوئی کامیابی نہیں ہوئی۔ بصرے میں کچھ لوگوں نے حضرت علیؓ کے مقرر کردہ گورنر کی تائید کی اور کچھ بدستور سابق گورنر کے ساتھ رہے، حضرت ابن عباس یمن پہنچے تو بعض نے ساتھ دیا اور بعض خاموش ہو کر بیٹھ گئے۔ حضرت علیؓ کو ان حالات سے پورا اندازہ ہو گیا کہ اس قضیہ کا فیصلہ بغیر جنگ کے نہیں ہو سکتا ہے، لہٰذا آپ نے مدینہ میں اس کے لئے تیاریاں شروع کر دیں۔

مروان بن حکم جو اس فتنے کا بانی مبانی تھا مکہ میں موجود تھا، اس کے ساتھ امیر معاویہؓ کے بہت سے حامی بھی موجود تھے، ان سب نے حضرت علیؓ کے خلاف خوب آگ لگائی، حضرت عائشہؓ کو بھڑکایا، بصرے اور یمن کے معزول گورنر بھی مکہ آ گئے تھے بھی حضرت عائشہؓ کو بھڑکانے میں خوب حصہ لے رہے تھے، یہاں تک کہ سب نے بہت سی فوج اور روپیہ حضرت عائشہؓ کی خدمت میں پیش کیا اور انہیں اس بات پر آمادہ کر لیا کہ وہ مکہ سے بصرے چلیں اور وہاں سے حضرت طلحہؓ کے حامیوں کو ساتھ لیکر مدینہ جائیں اور پھر قاتلان عثمانؓ کی سرکوبی کی جائے۔

حضرت عائشہؓ مکہ سے چلیں تو کئی ہزار فوج ساتھ میں تھی، جیسے جیسے آگے بڑھتی جاتی تھیں فوج میں اضافہ ہوتا جاتا تھا، راستہ میں جو آب کے چشمہ پر پہنچیں تو کتوں نے بھونکنا شروع کیا، آپ

نے پوچھا یہ کون جگہ ہے کسی نے کہا، حوآب! آپ نے فرمایا میں واپس جاتی ہوں کیونکہ میں نے آنحضرت کو فرماتے سنا ہے کہ میری ایک بیوی جب ناحق پر ہو گی تو حوآب کے کتے بھونکیں گے، مگر مفسدین نے فوراً بات کاٹ دی اور کہا بتانے والے نے غلطی کی ہے یہ حوآب نہیں ہے پھر قسمیں بھی کھائیں اور ہر طرح یقین دلا کر بصرے لے ہی گئے۔ حضرت علیؓ کے مقرر کردہ بصرے کے گورنر عثمان ابن حنیفؓ کو جب حضرت عائشہؓ کے آنے کا علم ہوا تو آپ نے بہت کوشش کی کہ حضرت عائشہؓ واپس چلی جائیں اور مسلمانوں میں کسی ٹکراؤ کی نوبت نہ آئے۔ کئی صلح پسند حضرات نے بیچ میں پڑ کر معاملہ کو سلجھانا چاہا مگر مفسدین نے ایسی چالیں چلیں کہ عثمان ابن حنیفؓ اور حضرت عائشہؓ کی فوج میں ٹکراؤ ہو ہی گیا، حضرت عثمان ابن حنیفؓ گرفتار کر لئے گئے، بصرے پر حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ نے قبضہ کر لیا۔ حضرت عائشہؓ نے ابن حنیفؓ کو رہا کر دیا مگر کئی آدمی قتل عثمانؓ کے شبہ میں قتل کر دیئے گئے، چونکہ یہ قتل صرف شبہ کی بنا پر کیا گیا تھا اس لئے بصرے کے بہت سے لوگ حضرت عائشہؓ کے مخالف ہو گئے۔

حضرت علیؓ مدینہ میں فوج کی تیاری میں مصروف تھے تاکہ امیر معاویہ اور ان کے ہم خیال گورنروں کو بیعت کے سلسلہ میں حکم عدولی کی سزا دیں کہ آپ کو بصرے کے حالات کا علم ہوا تو آپ نے

معززین مدینہ سے مشورہ کیا، معاملہ اتنا نازک تھا کہ لوگ حیران تھے کہ آخر کریں کیا۔ ایک طرف حضرت عائشہؓ، حضرت زبیر و طلحہؓ اور ایک طرف حضرت علیؓ، پھر بھی بہت سے لوگ حضرت علیؓ کا ساتھ دینے پر آمادہ ہو گئے، حضرت علیؓ جب مدینہ سے بصرے کے لئے روانہ ہوئے تو عبداللہ بن سبا اور اس کے ساتھی بھی موقعہ سے فائدہ اٹھانے کے لئے لشکر علیؓ میں شامل ہو گئے۔

حضرت علیؓ کے ساتھ مدینہ سے جو فوج آئی تھی اس کی تعداد ڈیڑھ ہزار کے قریب تھی لہذا آپ نے راستہ سے حضرت امام حسنؓ کو کوفہ روانہ فرمایا تاکہ وہ مزید فوج کا انتظام کر کے بصرے آجائیں۔ حضرت امام حسن کوفہ گئے تو آپ نے دیکھا کہ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ لوگوں کو اس معرکہ سے الگ رہنے کی تلقین کر رہے ہیں، مگر آپ نے کوشش کی اور دس ہزار سے زائد لشکر فراہم کر کے بصرے آگئے۔

(طبری، ابن کثیر، خلفائے راشدین، تاریخ الخلفاء)

جنگ جمل کی آگ

بصرے کے قریب حضرت علیؓ اپنی فوج کے ساتھ خیمہ زن تھے، امام حسنؓ بھی کوفہ سے فوج لیکر یہیں آگئے تھے، حضرت عائشہؓ حضرت زبیرؓ و طلحہؓ اور امیر معاویہؓ کے حامی اور بہت سے شرارت پسند سبائی بغرض فساد ان حضرات کے ساتھ شامل ہوگئے تھے۔ قریب ہی موجود تھے، حضرت علیؓ نے اگرچہ کافی طاقت فراہم کرلی تھی مگر وہ کسی طرح اس بات کو پسند نہیں کرتے تھے کہ ان حضرات سے جنگ کی جائے اور محض ایک غلط فہمی کی وجہ سے مسلمانوں کا خون بہایا جائے اس لئے آپ نے حضرت قعقاعؓ مشہور صحابی رسولؐ کو ان حضرات کے پاس بھیجا تاکہ وہ ان کے خیالات معلوم کریں اور صلح کی کوئی صورت نکالیں۔

حضرت قعقاع ان تینوں حضرات کے پاس گئے اور ان سے اس شدید مخالفت کی وجہ پوچھی، سب نے جواب میں کہا کہ ہم قرآن کریم کے حکم کے مطابق خون عثمان کا قصاص چاہتے ہیں حضرت قعقاع نے بڑی معقول تقریر کی اور فرمایا کہ یہ سب محض غلط فہمی کی بنیاد پر ہو رہا ہے، حضرت علیؓ قاتلان عثمان کو سزا دینا چاہتے ہیں مگر ثبوت مہیا کرنے میں اگر دیر ہو رہی تھی تو آپ حضرات

کر استفار کرنا چاہیئے تھا اتنی جلدی اور عجلت سے کام لیکر میدان میں آجانے سے آپ نے قتل و خون کا ایک نیا دروازہ کھولدیا ہے، کیا آپ کو نہیں معلوم کہ بصرے کے جن لوگوں ...... کو آپ نے صرف شبہ کی بنا پر قتل کرا دیا ہے اس کی وجہ سے آپ سب کے خلاف کس قدر لوگ اٹھ کھڑے ہوئے ہیں، خدارا ہم کو اور خود کو اس سخت آزمائش میں نہ ڈالئے، یہ آزمائش دونوں کے لئے تباہ کن ہوگی، یہ کسی ایک آدمی کا معاملہ نہیں ہے بلکہ پوری امت کا معاملہ ہے، یاد رکھئے آپ قصاص میں لوگوں کو قتل تو کر سکیں گے مگر خلافت اسلامیہ کمزور ہو کر اس نقطہ پر پہنچ جائے گی جہاں اس کا بچانا ناممکن ہو جائے گا۔

حضرت قعقاع بن عمرؓ کی سنجیدہ و فہمیدہ تقریر سے جنگ کے بادل چھٹنے لگے، غلط فہمیاں دور ہونے لگیں، حضرت عائشہؓ، حضرت زبیرؓ اور حضرت طلحہؓ نے کہا کہ اگر حضرت علیؓ کے یہی خیالات ہیں تو آپ ان سے کہدیجئے کہ ہم صلح کے لئے تیار ہیں، حضرت علیؓ کو اس کامیابی کی بے حد مسرت ہوئی اور طے پایا کہ صبح کو دو بدو گفتگو کے بعد صلح نامہ مرتب کیا جائے۔

آپ پڑھ چکے ہیں کہ دونوں طرف کی فوجوں میں فتنہ پرداز موجود تھے، ان کا اس میں سخت نقصان تھا کہ صلح کی جائے، گروہ معاویہؓ گروہ سبائیہ اور وہ بلوائی جو قتل عثمان میں شریک تھے ہرگز نہیں چاہتے تھے کہ صلح ہو، کسی کے پیش نظر امیر معاویہ کا اقتدار و مفاد تھا اور کسی کے سامنے مسلمانوں کا انتشار اور تباہی

یہ فسادی رات بھر مشورے کرتے رہے آخر یہ طے پایا کہ صبح ہونے سے پہلے ہی جنگ چھیڑ دی جائے تاکہ صلح کی کوشش بیکار ہو جائے اور مسلمان ایک دوسرے کا خون بہا کر ہمیشہ کے لیئے ایک دوسرے کے دشمن ہو جائیں۔

آخر فتنہ پردازوں کی چال کامیاب ہو گئی، رات کی تاریکی میں انتہائی پر اسرار طریقہ پر دونوں فوجوں پر حملہ ہو گیا، صبح کے قریب حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ نے جنگ کی وجہ معلوم کی تو کہا گیا کہ حضرت علیؓ کی فوجوں نے رات میں اچانک حملہ کر دیا ہے، حضرت علیؓ نے جب معلوم کیا تو شرارت پسندوں نے کہا کہ طلحہؓ اور زبیرؓ نے رات کے سناٹے میں دھاوا بول دیا ہے، فریقین کے سردار ایک دوسرے کو مورد الزام سمجھ رہے تھے اور افسوس کر رہے تھے، مسلمانوں کا خون پانی کی طرح بہہ رہا تھا مگر حقیقت حال سے فتنہ پردازوں کے سوا کوئی بھی واقف نہیں تھا۔

حضرت عائشہؓ اور حضرت علیؓ کوشاں تھے کہ جنگ رک جائے مگر فتنہ پردازوں نے وہ صورت حال پیدا کر دی تھی کہ کسی کی کوئی کوشش کامیاب نہ ہو سکی اور نہ کوئی حقیقت حال کو جان سکا قلب فوج میں حضرت عائشہؓ کا اونٹ تھا، محمد بن طلحہؓ سواروں کے افسر تھے، عبداللہ بن زبیرؓ پیادہ فوج کی رہنمائی کر رہے تھے، اور حضرت طلحہؓ و زبیرؓ کے ہاتھوں میں پوری فوج کی قیادت تھی۔

دورانِ جنگ میں حضرت علیؓ حضرت زبیرؓ کے قریب آئے اور فرمایا، ابو عبداللہ! کیا تمہیں یاد ہے کہ جب تم نے آنحضرتؐ سے کہا تھا کہ میں علیؓ کو دوست رکھتا ہوں تو آنحضرتؐ نے فرمایا تھا کہ ایک دن تم بلا وجہ ان سے لڑو گے۔ حضرت زبیرؓ یہ بھولی ہوئی بات سنکر لرز گئے۔ بیٹے سے کہا، جان پدر تلوار نیام میں ڈال لو، علیؓ نے وہ بات یاد دلائی کہ تمام جوش ٹھنڈا پڑ گیا، بیٹے نے توجہ نہیں دی، حضرت زبیرؓ میدان جنگ چھوڑ کر ایک طرف چل دیئے، حضرت طلحہؓ کو جب یہ بات معلوم ہوئی تو وہ بھی ان کے پیچھے ہو لئے مگر مروان نے ان کو میدان سے ہٹتے ہوئے دیکھا تو ایک ایسا تیر مارا کہ حضرت طلحہ اسی جگہ جاں بحق ہو گئے۔

حضرت زبیرؓ جب میدان جنگ سے ہٹ کر چل دیئے اور وادی السباع میں جا کر نماز میں مشغول ہوئے تو عمرو بن جرموز سبائی نے پیچھے سے جا کر ایسی تلوار ماری کہ نماز ہی میں شہید ہو گئے، ابن جرموز نے آپ کا سر جسم سے علیحدہ کیا اور حضرت علیؓ کے سامنے پیش کر کے انعام طلب کیا، آپ حضرت زبیر کے سر کو دیکھ کر رو دیئے اور فرمایا، یہی وہ زبیرؓ ہیں جن کی تلوار نے عرصہ تک آنحضرتؐ کی حفاظت کی تھی، اے قاتل زبیرؓ! تجھے دوزخ کی بشارت ہو۔ ابن جرموز نے کہا کہ کیا میری جان نثاری کا یہی صلہ ہے اور یہ کہہ کر تلوار اپنے سینہ میں پیوست کر لی اور جناب علیؓ نے

قاتل زبیرؓ کو جو بشارت سنائی تھی وہ اسی وقت پوری ہو گئی۔

میدان جنگ میں حضرت عائشہؓ اور عبداللہ بن زبیرؓ موجود تھے، حضرت عائشہؓ کی موجودگی نے ان کے آدمیوں میں غیر معمولی جوش پیدا کر دیا تھا، فتنہ پرواز حضرت عائشہؓ کے اونٹ کو نمایاں کر رہے تھے تاکہ فوج میں زیادہ جوش پیدا ہو اور کسی کو کچھ بھی سوچنے اور سمجھنے کا موقعہ نہ ملے، بری طرح مسلمان کٹ کٹ کر گر رہے تھے، حضرت علیؓ نے اس صورت حال کو دیکھا تو سوچا کہ جب تک حضرت عائشہؓ کا اونٹ بیٹھے گا نہیں تلوار چلتی ہی رہے گی لہذا آپ نے ایک شخص کو اشارہ کیا اور اس نے بڑھ کر اونٹ کے پیروں پر ایسی تلوار ماری کہ اونٹ بلبلا کر زمین پر بیٹھ گیا، پھر کیا تھا فوج کے پاؤں اکھڑ گئے اور حضرت علیؓ نے بڑھ کر حضرت عائشہؓ کے اونٹ کو اپنی حفاظت میں لے لیا، حضرت علیؓ کے آدمی بھاگنے والوں کو کاٹ رہے تھے مگر آپ نے فوراً اعلان کیا کہ بھاگنے والوں کا تعاقب نہ کیا جائے، زخمیوں پر گھوڑے نہ دوڑائے جائیں جو ہتھیار پھینک دے وہ محفوظ ہے۔ اس کے بعد حضرت ام المومنینؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے، مزاج پوچھا، دونوں طرف سے غلط فہمی پر اظہار افسوس کیا گیا، حضرت عائشہ چند دن بصرے میں ٹھیریں اس کے بعد حضرت علیؓ نے ان کے بھائی محمد ابن ابو بکرؓ اور ایک فوجی دستہ، کچھ معزز خواتین ساتھ کیں اور آپ کو مدینہ روانہ کر دیا، کئی میل خود

اپنے صاحبزادوں کے ساتھ پہنچانے گئے، حضرت عائشہؓ نے چلتے وقت مسلمانوں سے فرمایا، ہماری باہمی کشمکش غلط فہمی کا نتیجہ تھی ورنہ ہم اور علی ایک ہی ہیں، حضرت علیؓ نے بھی فرمایا، ام المومنین ہم سب کی ماں ہیں، ان کا احترام ہمارا اولین فریضہ ہے حضرت عائشہؓ بصرے سے یکم رجب ۳۶ھ کو مدینہ کے لئے روانہ ہوئیں۔

شہادت حضرت عثمانؓ کے بعد اسلام میں یہ پہلی جنگ تھی جس میں مسلمانوں کی تلواریں مسلمانوں پر اٹھیں، اس جنگ کو جنگ جمل کہنے کی وجہ یہ ہے کہ حضرت عائشہؓ کا اونٹ (جمل) میدان جنگ میں موجود تھا اور اسی کے گرنے پر جنگ کا خاتمہ ہوا۔ حضرت عائشہؓ اور حضرت علیؓ تمام زندگی اس جنگ پر افسوس کرتے رہے، جب بھی جمل کا ذکر آتا تو آنکھیں آنسو بہانے لگتی تھیں۔

(طبری، تطہیر الجنان، ازالۃ الخفا، تاریخ خلفائے راشدین)

معرکۂ صفین

حضرت علیؓ حضرت عائشہؓ کو مدینہ طیبہ رخصت کرنے کے بعد چند روز بصرے میں مقیم رہے، اس کے بعد آپ نے کوفہ کا ارادہ کیا۔ ۱۲ رجب ۳۶ھ دوشنبہ کے دن کوفہ میں تشریف لائے، مسلمانوں نے بڑے جوش سے استقبال کیا اور عرض کیا

کہ حضور والا قصر امارت میں قیام پذیر ہوں مگر آپ نے ان کی درخواست مسترد کر دی اور فرمایا کیا تم کو معلوم نہیں کہ عمر ابن خطاب نے کبھی اپنے لئے اچھے مکان اور محلات پسند نہیں کئے بلکہ وہ ان چیزوں کو ہمیشہ حقارت کی نظر سے دیکھا کرتے تھے، میں ان روایات کو بھلانا نہیں نہیں چاہتا، میرے لئے میدان میں ایک خیمہ کافی ہے بس اسی میں ٹھیروں گا۔

جنگ جمل میں حضرت علیؓ کی کامیابی کے سبب حضرت امیر معاویہؓ نے اپنی مخالفانہ سرگرمیاں بہت تیز کر دیں، انہیں یقین ہو چلا تھا کہ وہ حضرت علیؓ کے مقابلہ پر لڑ کر کسی وقت کامیاب نہیں ہو سکتے، اس لئے تلوار کے ساتھ ساتھ سیاسی تدابیر پر بھی غور کرنا شروع کر دیا۔

جنگ جمل کے بعد انہوں نے پہلا کام یہ کیا کہ حضرت عثمانؓ کی خون آلود قمیص اور ان کی بیوی نائلہ کی کٹی ہوئی انگلیاں، جو خنجر کا وار روکنے میں کٹ گئیں تھیں، ان دونوں چیزوں کو حضرت علیؓ کے خلاف مسلمانوں کو مشتعل کرنے کے لئے پورے ملک شام میں گھمایا گیا، شرجیل بن سمط جو شام میں مذہبی رہنما سمجھے جاتے تھے ان دونوں چیزوں کو لیکر پورے شام میں گھومے، ہر گاؤں اور قصبہ میں گئے، ہر مسجد میں پہنچے اور لوگوں کو اپنے وعظ و نصیحت کے دوران سمجھایا کہ قتل عثمانؓ میں حضرت علیؓ کا ہاتھ ہے اور قاتل ان کے قبضہ میں ہیں اس لئے مظلوم شہید کے خون کا بدلہ لینے کے لئے امیر معاویہؓ کی امداد و حمایت مسلمانوں کا فرض ہے، شرجیل کے اندھا دھند پروپیگنڈے نے پورے ملک میں آگ لگا دی،

شام کے علاوہ عراق اور ایران میں بھی بہت سے لوگوں کو امیر معاویہؓ کے آدمی بہکانے میں کامیاب ہو گئے۔

امیر معاویہؓ نے دوسرا کام یہ کیا کہ مشہور سپہ سالار عمرو بن العاص جن کی سیاست ضرب المثل تھی ان کو حضرت علیؓ کے خلاف کام لینے کے لئے اپنا مشیر خاص مقرر کیا اور ایک تحریر لکھ کر دیدی کہ اگر میں کامیاب ہو گیا اور حکومت علیؓ سے نکل کر میرے ہاتھوں میں آگئی تو میں مصر کی حکومت تم کو دیدونگا۔ عمرو بن عاص کو چونکہ مصر کی گورنری سے ہٹنے کا بڑا غم تھا اس لئے وہ خوش ہو گئے اور حضرت علیؓ کے خلاف انہوں نے بہت بڑی طاقت کو صف آرا کر دیا۔

حضرت علیؓ بھی امیر معاویہؓ اور عمرو بن عاص کی جنگی و سیاسی سرگرمیوں سے غافل نہیں تھے، اگرچہ شام سمٹ کر علیؓ کے خلاف ایک نکتہ پر آگیا تھا مگر کوفہ اور حجاز کی ایک بڑی قوت بھی حضرت علیؓ کے ساتھ تھی، چونکہ امیر معاویہؓ کی سرگرمیاں شام اور عراق کے ملحقات میں جاری تھیں اور ان کے حامیوں کی تعداد بھی زیادہ تر ان ہی علاقوں میں تھی اس لئے حضرت علیؓ نے مناسب سمجھا کہ دارالخلافہ مدینہ کی بجائے کوفہ کو بنایا جائے، ایک وجہ یہ بھی تھی کہ حضرت عثمانؓ کی شہادت کے سلسلہ میں حرم نبویؐ کی جو توہین ہوئی تھی حضرت علیؓ اس کو سخت ناپسند کرتے تھے اور چاہتے تھے کہ مدینہ فتنہ و فساد سے دور رہے لہذا آپ نے کوفہ کو ۳۶ھ میں دارالخلافہ قرار دیا تاکہ امیر معاویہؓ کی مخالفانہ سرگرمیوں اور ان کے غلط

پروپیگنڈے کا ڈٹ کر مقابلہ کیا جائے۔ حضرت علی کا یہ قدم وقتی حالات کے اعتبار سے یقیناً مناسب تھا اور بغیر اس کے امیر معاویہؓ کی لگائی ہوئی آگ پر قابو پانا مشکل تھا مگر اس کے ساتھ ہی دو باتیں ایسی پیدا ہوئیں جن کو ہمیشہ محسوس کیا جائے گا۔ ایک یہ کہ مدینہ طیبہ کو جو سیاسی اہمیت و عظمت حاصل تھی وہ ختم ہوگئی دوسرے یہ کہ حضرت علیؓ مرکز اسلام سے دُور ہوگئے، خلفائے سابقؓ کو مدینہ سے جو وابستگی حاصل تھی اور جو ان کے لئے نہ صرف خیر و برکت اور عظمت و ہیبت کا سبب تھی حضرت علیؓ اسے حاصل نہ کر سکے جو آئندہ ان کے لئے بڑی حد تک نقصان دہ ثابت ہوئی، ہاں یہ ضرور ہوا کہ ملک کا انتظام کرنے اور امیر معاویہؓ کے خلاف محاذ قائم کرنے میں سہولت پیدا ہوگئی۔ درحقیقت کوفہ اور عراق کے جو لوگ حضرت علیؓ کے گرد جمع ہوگئے تھے وہ حضرت علیؓ کے حامی و طرفدار تو ضرور تھے مگر سوجھ بوجھ سے بڑی حد تک محروم تھے، نادان دوستوں کا ایک ہجوم تھا جس نے مدینہ کے مقابلہ میں کوفہ کو چمکانے کے لئے حضرت علیؓ کو کوفہ میں رہنے کا مشورہ دیا اور رسول اللہؐ کے چوتھے جانشین کو مدینہ سے دور ایک گمنام مقام میں ابدی نیند سونا پڑا کاش! وہ بھی مدینہ ہی میں ہوتے اور ہر سال لاکھوں مسلمان دوسرے خلفاء کے ساتھ ان کے مزار پر بھی سلام عقیدت پیش کرتے تو زیادہ اچھا ہوتا۔

بہر حال حضرت علیؓ نے کوفہ کو دارالخلافہ بناتے ہی ملک کے انتظام

کی طرف توجہ فرمائی، ابن عباسؓ کو بصرے کا حاکم مقرر کیا، یزید بن قیس کو مدآئن بھیجا، محمد بن سلیم اصفہان میں متعین کئے گئے، قدامہ بن عجلان ازدی کسکر روانہ کیے گئے، سجستان کو ربعی بن کاس کے حوالہ کیا گیا۔ خراسان میں خلید بن کاس مامور کئے گئے، موصل جزیرہ اور شام کے متصل علاقوں پر اشتر نخعی کو حاکم بنایا گیا۔ مصر میں قیس بن سعد پہلے سے متعین تھے۔

اشتر نخعی نے شام کے کچھ اور علاقوں پر قبضہ کرنے کی کوشش کی مگر امیر معاویہ کے عامل ضحاک بن قیس نے اسے ناکام بنا دیا ہاں یہ ضرور ہوا کہ اشتر نخعی کی وجہ سے شامیوں کو آگے بڑھنے کا موقعہ نہیں ملا امیر معاویہؓ کو سب سے زیادہ خطرہ قیس بن سعد والئ مصر کی طرف سے تھا، اس لئے انہوں نے عمرو بن عاص کی طرح قیس کو بھی اپنے ساتھ ملانے اور توڑنے کی کوشش کی مگر وہ قابو میں نہیں آئے۔ آخر امیر معاویہ نے یہ ترکیب اختیار کی کہ اپنے دربار میں قیس بن سعد کی تعریفیں شروع کر دیں اور یہاں تک مشہور کیا کہ قیس ہمارے آدمی ہیں اور مصر کو شام میں ملانے کے لئے موقعہ کا انتظار کر رہے ہیں اس سے ان کی غرض یہ تھی کہ حضرت علیؓ کو قیس کی طرف سے بدظن کیا جائے اور وہ قیس کو معزول کر کے کسی دوسرے کو مصر کا گورنر بنا دیں، چنانچہ یہی ہوا کہ حضرت علیؓ کے کانوں تک جب یہ آوازیں پہنچیں تو آپ نے قیس کو ہٹا کر محمد بن ابی بکر کو مصر کا حاکم مقرر کر دیا۔ امیر معاویہؓ کو اطمینان ہو گیا کیونکہ محمد بن ابی بکر قیس کی طرح سوجھ بوجھ نہیں رکھتے تھے اور نہ وہ اس کی جرائت کر سکتے

تھے کہ مصر سے نکل کر شام کا رخ کریں۔

امیر معاویہؓ کی قوت بہت بڑھ چکی تھی، وہ بائیس سال سے شام میں قدم جمائے ہوئے تھے، حضرت علیؓ نے جسقدر اموی حکام معزول کیئے تھے وہ سب ان کے گرد جمع ہو گئے تھے، بہت سے قبائل جن کی مالی حالت اچھی نہیں تھی اور جن کو امیر معاویہؓ بہت کچھ دیتے لیتے رہتے تھے سب ان کی حمایت میں سر بکف نظر آ رہے تھے، صحابہ میں عمرو بن عاصؓ، مغیرہ بن شعبہؓ عبید اللہ بن عمرؓ بھی کسی نہ کسی اختلاف کی وجہ سے امیر معاویہؓ کے ساتھ ہو گئے تھے، پھر زیاد بن ابیہ جو نامور مدبر اور حضرت علیؓ کے طرف دار تھے وہ بھی امیر معاویہؓ کے ساتھ ہو گئے اور خون عثمان کا مطالبہ کرنے لگے۔

حضرت علیؓ کو امیر معاویہؓ کا کوئی خوف نہیں تھا مگر وہ اس بات کو پسند نہیں کرتے تھے کہ مسلمانوں کو جنگ کے ہولناک میدان میں ڈالا جائے اور مسلمانوں کی تلواریں اپنے ہی بھائیوں پر اٹھیں، جمل میں جو نقصان پہنچا ▪ ان کے سامنے تھا، اس لئے حضرت علیؓ نے پھر ایک مرتبہ صلح کا قدم بڑھایا اور جریر بن عبداللہؓ کو ایک پیغام دے کر روانہ کیا جس میں حمد و نعت کے بعد لکھا تھا کہ۔

"تم اور تمہارے ساتھ جسقدر مسلمان ہیں سب کو میری بیعت کر لینا چاہیے کیونکہ مہاجرین و انصار نے مجھے خلیفہ منتخب کیا ہے اور ان ہی لوگوں نے حضرت ابو بکرؓ، حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ کو منتخب کیا

تھا، اس لئے کسی کو بھی بیعت سے گریز نہیں کرنا چاہئے ورنہ اسے مجبور کیا جائے گا۔ تم کو چاہیئے کہ انصار و مہاجرین کی اتباع کرو کیونکہ یہی مناسب ہے ورنہ جنگ کے لئے تیار ہو جاؤ۔ میں جانتا ہوں کہ تم نے شہادت عثمان کے واقعہ کو حصول مقصد کا ذریعہ بنایا ہے، اگر واقعی تم قاتلان عثمانؓ سے بدلہ لینا چاہتے ہو تو پہلے میری بیعت کرو پھر اس مقدمہ پر توجہ دو، میں کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کے مطابق فیصلہ کردوں گا اور اگر یہ نہیں کرتے ہو تو یہ سب کچھ دھوکہ اور فریب ہے۔"

حضرت امیر معاویہؓ نے حضرت علیؓ کے خط کو دوستوں اور مشیروں کے سامنے پیش کیا اور سب کے مشورہ سے حضرت علیؓ کو جواب میں لکھا کہ "آپ کی بیعت اور فضیلت سے ہمیں انکار نہیں ہے بشرطیکہ آپ قاتلان عثمان کو ہمارے حوالہ کردیں۔" ابو مسلم یہ خط لیکر گئے، حضرت علیؓ نے پڑھ کر فرمایا، کل صبح جواب دونگا، صبح کو ابو مسلم جب حاضر خدمت ہوئے تو انہوں نے دیکھا کہ دس ہزار مسلمانوں کا مسلح ہجوم حضرت علیؓ کے گرد جمع ہے اور بلند آواز سے کہہ رہا ہے کہ ہم سب حضرت عثمان کے قاتل ہیں۔" اس نعرہ سے حضرت علیؓ کے حامیوں کی غرض یہ تھی کہ اگر امیر معاویہؓ یہ سمجھتے ہیں کہ قاتلان عثمانؓ کو علیؓ نے اپنی پناہ میں لے رکھا ہے اور وہ ان سے قصاص لینے کو پسند نہیں کرتے ہیں تو ان کو معلوم ہونا چاہیئے کہ ہم سب قاتلان عثمان ہیں۔ تم کس کس سے قصاص لوگے۔

ابومسلم کے ہوش اڑ گئے یہ منظر دیکھ کر حضرت علیؓ نے پھر امیر معاویہؓ کو لکھا کہ وہ غلط فہمی کو دور کریں، ضد اچھی نہیں ہوتی ہے، ساتھ ہی عمرو بن عاصؓ کو لکھا کہ حق کو چھوڑ کر دنیا کے پیچھے پڑنا تمہیں زیب نہیں دیتا، قتل عثمانؓ سے میرا کوئی تعلق نہیں ہے، فتنہ انگیزی سے باز آؤ ورنہ تمہاری یہ تمام حرکتیں بغاوت پر محمول کی جائینگی اور وہی سلوک کیا جائے گا جو باغیوں کے ساتھ کیا جاتا ہے۔" مگر زمین کا پیٹ مسلمانوں کے خون سے بھرا نہیں تھا اس لئے امیر معاویہ کی سمجھ میں کوئی بات نہیں آئی اور حضرت علیؓ کو مجبوراً ۳۶ھ کے آخر میں کوفہ سے جانب شام روانہ ہونا پڑا۔ حضرت ابومسعود انصاریؓ کو کوفہ میں اپنا جانشین بنایا اور اسی ہزار سے زائد فوج کو لئے ہوئے صفین کے میدان میں دریائے فرات کے کنارے خیمہ زن ہو گئے۔

امیر معاویہؓ کی فوجیں پہلے ہی آ چکی تھیں، اہم مقامات کے علاوہ فرات پر بھی قبضہ کر لیا تھا تاکہ لشکر علیؓ کو پانی نہ ملنے پائے، حضرت علیؓ نے توجہ دلائی اور فرمایا، پانی بند کرنا انسانیت کے خلاف ہے مگر کون سنتا ہے فغان درویش! آخر لشکر علیؓ کو جب پیاس نے بے چین کیا تو حضرت علیؓ نے حکم دیا کہ آگے بڑھ کر پانی پر قبضہ کر لو مخریع بن ہانی۔ زیاد ابن نضر اور اشتر نخعی افسران فوج حرکت میں آئے، آگے بڑھے تو شامی فوج کی طرف سے ابوالاعور اور عمرو بن عاصؓ نے علویوں کا مقابلہ کیا، اور پیچھے ہٹا سا بھی گر پھر اکھڑ گئے۔ علوی فوج نے فرات پر قبضہ

کر لیا اور شامی پیاس سے تڑپنے لگے مگر ہاشمی سردار کا دل ایسا کہاں تھا جو لوگوں کو پیاس سے تڑپتا دیکھے اور خاموش رہے، فوراً حکم دیا کہ جو شامی پانی لینے آئے اسے روکا نہ جائے۔ اس کے بعد دونوں فوجیں فرات سے سیراب ہونے لگیں۔

کئی مہینے صفین میں دونوں طرف کی فوجیں ایک دوسرے کے مقابل پڑی رہیں۔ اس درمیان میں کچھ نیک دل حضرات نے صلح کی کوشش بھی کی اسی درمیان میں کئی مرتبہ معمولی جھڑپیں بھی ہوئیں، حضرت ابو درؓ اور حضرت ابو امامہ نے انتہائی کوشش کی کہ صلح ہو جائے۔ وہ حضرت علیؓ اور امیر معاویہؓ سے کئی مرتبہ ملے مگر جب انہوں نے دیکھا کہ تلواریں خون کی پیاسی ہیں تو دل برداشتہ ہو کر جنگل میں نکل گئے اور جنگ میں کسی جانب سے کوئی حصہ نہیں لیا محرم کے ختم ہوتے ہی صفر کی ابتدائی تاریخوں میں فریقین پورے جوش اور قوت کے ساتھ ایک دوسرے پر ٹوٹ پڑے، اتنی خون ریز جنگ ہوئی کہ میدان لاشوں سے پٹ گیا۔ مقتولین کو میدان سے ہٹانے کے لئے کبھی تھوڑی دیر کو جنگ رکتی اور پھر شروع ہو جاتی۔ ہزاروں عورتیں بیوہ ہو گئیں بیشتر بچے باپوں سے محروم ہو گئے اور ہزاروں کو بے سہارا رہ جانا پڑا۔ کئی دن معرکہ آرائی جاری رہنے کے بعد بھی فریقین میں کوئی کمزور معلوم نہیں ہوتا تھا، دونوں طرف سے تلواریں اس جوش سے چل رہی تھیں کہ معلوم ہوتا تھا موت ان لوگوں کی محبوب ترین چیز ہے۔ مورخین عرب کا خیال ہے کہ اتنی خوفناک جنگ اس سے قبل دنیا نے نہیں دیکھی تھی۔ کئی دن

حالت میں گذر گئے کہ تلواریں خون برساتی رہیں اور میدان جنگ میں لاشوں کے انبار لگتے رہے جدھر نظر جاتی خون ہی خون اور لاشیں ہی لاشیں۔!

حضرت علیؓ نہیں چاہتے تھے کہ جنگ کا سلسلہ آگے بڑھے اور خون ریزی جاری رہے چنانچہ آپ نے اپنی فوج کو مخاطب کرتے ہوئے ایسی پرجوش تقریر کی کہ فوج علوی میں نئی جان پیدا ہوگئی اور فوراً ہی شامیوں پر اس زور سے حملہ کیا کہ اچھے اچھوں کے پیر اکھڑ گئے، ۱۲ ہزار لشکر جرار حیدر کرار ساتھ لئے اس شان سے بڑھے چلے جارہے تھے کہ امیر معاویہؓ کی فوجیں کائی کی طرح پھٹی چلی جارہی تھیں، کس کی مجال تھی جو علیؓ کو روکتا اور موت کا جام پیتا، اتنا بڑھے کہ امیر معاویہؓ کے خیمہ تک پہنچ گئے اور بلند آواز سے امیر معاویہؓ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ بندۂ خدا خلقِ خدا کا خون کب تک بہتا رہے گا، آؤ ہم تم دو بدو اس جھگڑے کا فیصلہ کرلیں؟

عمرو بن عاصؓ امیر معاویہؓ کے پاس بیٹھے تھے، کہنے لگے، بات تو ٹھیک ہے، جو کچھ ہو مقابلہ پر جانا ضرور چاہئے، امیر معاویہؓ کا چہرہ زرد ہوگیا۔ کہنے لگے، تم جانتے ہو کہ میں مارا جاؤں اور یہ حکومت تمہارے ہاتھ میں آجائے۔ عمرو بن عاصؓ جھینپ گئے اور کہنے لگے اچھا تو پھر میں جاتا ہوں۔ امیر معاویہؓ نے فوراً اجازت دیدی۔ عمرو بن عاصؓ مقابلہ پر آئے۔ کچھ دیر جمے مگر کہاں تک جمتے۔ حضرت علیؓ نے بڑھ کر ایسا وار کیا کہ گھوڑے سے نیچے آرہے اور جب یہ دیکھا کہ

بچنا مشکل ہے تو برہنہ ہو گئے، حضرت علیؓ نے ہاتھ روک لیا اور یہ کہتے ہوئے کہ ننگے کو کیا ماروں" واپس آ گئے۔ مگر اب گھمسان کی جنگ شروع ہو چکی تھی۔ دن بھر اور رات بھر لڑتے رہے۔ ۳۶ گھنٹہ مسلسل ایسی تلوار چلی کہ زمین کا کلیجہ کانپ اٹھا۔

یہ آخری معرکہ تھا جسے لیلۃ الحریر کہا جاتا ہے، اس معرکہ کے بعد امیر معاویہؓ کو اپنی شکست نظر آنے لگی اور انہوں نے گھبرا کر حضرت علیؓ کو لکھا کہ "جنگ بہت طول پکڑ چکی ہے۔ اگر ایسا معلوم ہوتا تو شاید ہم میں سے کوئی بھی اسے پسند نہ کرتا۔ لہٰذا اس تباہ کن جنگ کو ختم کر دینا چاہیئے۔ ہم سب بنی عبد مناف ہیں اور آپس میں کوئی کسی پر فوقیت نہیں رکھتا ہے۔ اس سے مصالحت ہو جانا چاہیئے مگر اس طرح کہ دونوں کی عزت قائم رہے۔"

حضرت علیؓ نے ان کی پیش کش کو ٹھکرا دیا اور صبح کو اس شان و شوکت سے صف آرا ہوئے کہ امیر معاویہؓ کے اوسان خطا ہو گئے۔ وہ اب لڑنا نہیں چاہتے تھے وہ لڑنے میں شکست اور جنگ بند کرنے میں اپنی عزت دیکھ رہے تھے۔ عمرو بن عاصؓ نے جب ان کو پریشان دیکھا تو کہا، گھبرائیے نہیں میں اب ایک ایسی چال چلتا ہوں جس سے یا تو جنگ ختم ہو جائے گی یا پھر علوی فوج میں پھوٹ پڑ جائے گی۔ چنانچہ انہوں نے شامی فوج کو جب میدان میں بھیجا تو حالت یہ تھی کہ امیر معاویہ کی فوج کے کئی سرداروں کے سروں پر قرآن رکھے ہوئے تھے۔ اور

فوج نے بھی قرآن کو نیزوں پر بلند کیا ہوا تھا۔ اشتر نخعی جب حملہ لے لئے آگے بڑھے تو انہوں نے اپنی فوج سے آگے نکل کر بلند آواز سے کہا: "دیکھو یہ اللہ کی کتاب ہمارے اور تمہارے درمیان ہے"۔

قرآن کے دیکھتے ہی اور شامیوں کی بات سنتے ہی فوج علوی میں تذبذب پیدا ہوگیا، حضرت علیؓ، اشتر نخعی سفیان بن ثور، خالد بن معمر سب نے کہا کہ یہ چال ہے، ہمیں اس دھوکے میں نہیں آنا چاہئے مگر عمرو بن عاصؓ کا حربہ کامیاب ہوچکا تھا، یہاں تک کہ علوی فوج کے بعض سردار مثلاً مسعر بن فدکی، زید بن حصین، اور ابن الکوا، یہاں تک کہنے لگے کہ اگر جنگ بند نہ کی گئی تو ہم تمہارا مقابلہ کریں گے، علوی فوج کے ایک اور نامور سردار اشعث بن قیس نے بھی حضرت علیؓ سے کہا کہ میں پہلے کی طرح اب بھی آپ کا جان نثار ہوں، میری رائے ہے کہ قرآن کریم کو ٹھکرانا نہیں چاہیئے آخر حضرت علیؓ نے فوج کو واپس بلا لیا، جنگ بند ہوگئی، اشتر نخعی غصہ میں بھرے ہوئے تھے قریب تھا کہ مسعر وغیرہ پر تلوار سونت لیتے مگر حضرت علیؓ نے معاملہ کو بڑھنے سے روک دیا۔

درحقیقت حضرت علی جنگ جیت چکے تھے، اگر عمرو بن عاصؓ نے یہ چال نہ چلی ہوتی تو بنی امیہ کا جھگڑا ہی طے ہو جاتا مگر خود علیؓ کی فوج میں اتنے منافق موجود تھے کہ انہیں حضرت علیؓ کا اقتدار ایک آنکھ نہیں بھاتا تھا، یہ منافق معاویہؓ کے طرفدار بھی نہیں تھے، ان کی غرض صرف ایک ہی تھی کہ اسلام پر زوال آئے اور مسلمانوں کا شیرازہ بندھنے نہ پائے۔

یہ منافق بظاہر اتنے مطیع اور اطاعت گزار تھے کہ حضرت علیؓ بھی ان کی نیتوں کو نہیں جان سکے۔

بہرحال جنگ فیصلہ کن نکتہ پر پہونچکر ٹھیر گئی، امیر معاویہؓ کی پریشانی دور ہوگئی اور جانبین کی بات چیت کے بعد طے ہوا کہ معاملہ ثالثوں کے حوالہ کر دیا جائے، امیر معاویہ کے ہوا خواہوں نے عمرو بن عاصؓ کو اپنی طرف سے ثالث بنایا اور عراق والوں کی طرف سے اشعث بن قیس نے ابوموسیٰ اشعریؓ کا نام تجویز کیا حضرت علیؓ نے فرمایا اشتر نخعی یا عبداللہ بن عباسؓ کو ثالث بناؤ کیونکہ ابوموسیٰ پر مجھے بھروسہ نہیں ہے اول تو وہ سیدھے آدمی ہیں دوسرے وہ میری مخالفت بھی کر چکے ہیں۔ مگر ابوموسیٰ کا نام پیش کرنے والے چونکہ اسی گروہ کے لوگ تھے جو جنگ بند کرنے کی تائید میں تھے اور جن کا نظریہ ہی یہ تھا کہ علیؓ کو نقصان پہونچے اور مسلمان لڑتے ہی رہیں، ابن عباسؓ اور اشتر دونوں کے نام پر رضامند نہیں ہوئے جب بات بہت بڑھنے لگی تو حضرت علیؓ یہ کہہ کر خاموش ہوگئے کہ جسے دل چاہے بناؤ۔

فریقین معاہدہ ترتیب دینے لگے تو امیر معاویہؓ نے معاہدہ حدیبیہ کی یاد تازہ کردی، کہنے لگے۔ علیؓ کے نام سے امیرالمؤمنین کا لفظ نکال دو اگر میں ان کو امیرالمؤمنین مانتا تو پھر جھگڑا ہی کیا تھا، عمرو بن عاصؓ نے بھی ان کی تائید کی، حضرت علیؓ کے حامیوں نے چاہا کہ یہ لفظ نہ نکالا جائے مگر کاتب حدیبیہ حضرت علیؓ نے فرمایا، خدا کی قسم یہ سنت مصطفےٰ

ہے، لاؤ میں اس سنت پر عمل کروں اور جس طرح حدیبیہ میں آنحضرت ﷺ نے اپنے ہاتھ سے رسول اللہ کا لفظ مٹا دیا تھا میں بھی اپنے ہاتھ سے امیر المؤمنین مٹا دوں۔ پھر کاغذ کاتب کے ہاتھ سے لیکر مٹا دیا، معاہدہ کا مضمون یہ تھا۔

"حضرت علیؓ کی طرف سے ابو موسیٰ اشعریؓ کو اور امیر معاویہؓ کی طرف سے عمرو بن عاصؓ کو ثالث مقرر کیا گیا ہے، یہ دونوں کتاب وسنت کے مطابق فیصلہ کریں گے جو دونوں فریق کے لئے واجب القبول ہوگا، ثالثوں کو چاہیئے کہ وہ کسی طرح کتاب وسنت کو نظر انداز نہ ہونے دیں، ثالثوں کی جان اور ان کا مال محفوظ رہے گا اور اگر فیصلہ خلاف کتاب وسنت ہوا تو اسے قبول نہیں کیا جائے گا اور فریقین کو اختیار ہوگا کہ وہ ملتوی شدہ جنگ جاری کرسکیں۔ فیصلہ کے اعلان تک جنگ بند رہے گی، ثالثوں کو چاہیئے کہ رمضان تک فیصلہ سنا دیں۔"

ربیع الاوّل ۳۷ھ میں معاہدہ پر فریقین کے دستخط ہوئے اور طے پایا کہ فیصلہ شام وعراق کے سرحدی مقام دومۃ الجندل میں سنایا جائے۔ اس معاہدہ کے ہوتے ہی حضرت علیؓ صفین سے کوفہ آنے لگے تو راستہ میں فتنہ پردازوں نے ایک نیا فتنہ کھڑا کردیا۔ جن لوگوں نے جنگ بند کرنے پر زور دیا تھا وہ اب کہنے لگے کہ شامیوں پر حملہ کردینا چاہیئے۔ حضرت علیؓ نے فرمایا۔ فریقین معاہدہ کرچکے ہیں اس لئے میں کسی بدعہدی کو پسند نہیں کرتا جو بھی ہو وہ ہو مگر میں اس کو ہرگز پسند نہیں کرونگا کہ معاہدہ

کر کے توڑ دوں، راستہ بھر اسی قسم کے فتنے اٹھتے رہے مگر حضرت علیؓ نے کسی کی کوئی بات نہیں سنی اور بدستور معاہدہ پر قائم رہے۔ کوفہ کے قریب جب لشکر علیؓ پہونچا تو ۱۲ ہزار آدمیوں کا گروہ حضرت علیؓ کے گروہ سے الگ ہو کر حرورا کی طرف چل دیا۔ اس گروہ میں سب وہی لوگ شامل تھے جو اسلام کے خلاف فتنہ پردازی کو اپنا شعار بنائے ہوئے تھے اور جن کی غرض اسلام، علیؓ اور مسلمانوں میں خانہ جنگی اور انتشار پھیلانا تھا۔ یہ گروہ جب حرورا پہنچا تو ایک جماعت قائم کی اور اس کے بعد علیؓ کے خلاف اپنی سرگرمیاں تیز کر دیں۔

تاریخ اسلام میں اسی گروہ کو جس نے پہلے جنگ بند کرنے کی حمایت کی، پھر معاہدہ کے بعد حملہ کا مشورہ دیا، پھر الگ ہو کر حمورا کی طرف چل دیئے خارجی کہا گیا ہے۔ حضرت علیؓ نے ان کو سمجھانے کے لئے پہلے عبداللہ ابن عباسؓ کو بھیجا، پھر خود گئے اور ان سے بیعت توڑنے اور مخالفت کرنے کی وجہ پوچھی، کہنے لگے آپ نے لڑائی کیوں بند کر دی؟ حضرت علیؓ نے فرمایا، میں نے جو کچھ کیا تمہارے ہی کہنے سے کیا اور اب تم ہی مخالفت کر رہے ہو، اس کے بعد آپ نے ان کو سمجھایا اور ان سے کہا کہ اب جو ہونا تھا وہ ہو گیا، اللہ پر بھروسہ کرنا چاہئے۔ پھر ان کو اپنے ہمراہ لا کر بصرہ میں آباد کر دیا۔

حضرت علیؓ کوفہ میں مقیم تھے، ملک میں ہر طرح امن و امان تھا اور فیصلہ کی مدت پوری ہونے کا انتظار کیا جا رہا تھا، اس درمیان میں

کئی آدمیوں نے حضرت علیؓ سے ملاقات کی اور اس پر زور دیا کہ معاہدہ کو توڑ دیں مگر حضرت علیؓ نے سب کو سمجھا بجھا کر رخصت کر دیا۔

ثالثوں نے اس چھ ماہ میں کئی ملاقاتیں آپس میں کیں، عمرو بن عاصؓ نے حضرت ابوموسیٰ کو طرح طرح سے اس بات پر آمادہ کیا کہ وہ امیر معاویہؓ کو خلیفہ بنانے پر رضامند ہو جائیں مگر حضرت ابوموسیٰؓ نے ان کی اس رائے کو قبول کرنے سے صاف انکار کر دیا۔ آخر عمرو بن عاصؓ نے نے پھر ایک چال چلی اور حضرت ابوموسیٰ سے کہا، اچھا اگر آپ ایسا نہیں کرتے ہیں تو پھر دونوں کو معزول کر دیا جائے اور مسلمانوں کو اختیار دیدیا جائے جائے کہ وہ جس کو پسند کریں خلیفہ چن لیں۔ حضرت ابوموسیٰؓ جیسے سیدھے آدمی عمرو بن عاصؓ کی چال کو مطلق نہیں سمجھ سکے اور یہ خیال کر کے کہ کسی طرح جھگڑا تو ختم ہو، علیؓ تو آہی جائیں گے کیونکہ علیؓ کے مقابلہ میں اہل الرائے معاویہؓ کو کسی طرح ترجیح نہیں دیں گے۔ ابوموسیٰؓ نے عمرو بن عاصؓ کی تجویز قبول کر لی اور فیصلہ کے اعلان کی تاریخ مقرر کر دی گئی، اس کے ساتھ ہی عمرو بن عاصؓ نے حضرت ابوموسیٰؓ کی اس درجہ تعظیم و توقیر کی کہ وہ یہ بالکل ہی بھول گئے کہ عمرو بن عاصؓ کوئی دھوکہ دے رہے ہیں۔ اس گفتگو سے فارغ ہو کر باہر آئے تو عبداللہ بن عباسؓ نے کہا۔ مجھے سخت اندیشہ ہے کہ عمرو نے آپ کو دھوکہ دیا ہے۔ وہ بڑا چالاک اور چال باز ہے، دیکھئے آپ اس کی باتوں میں نہ آجایئے گا۔ حضرت ابوموسیٰؓ نے کہا کہ ہم جس رائے پر متحد ہوئے ہیں اس میں کسی فریب، دھوکے اور اختلاف

کی کوئی گنجائش نہیں ہے مگر عبداللہ بن عباسؓ کو کسی طرح یقین نہیں تھا اور وہ اچھی طرح سمجھ رہے تھے کہ فیصلہ علیؓ کے خلاف ہوگا۔

(ابن ہشام، ابن اثیر، طبری، ازالۃ الخفاء، خلفائے راشدین، حیات مرتضیٰ)

افسوسناک فیصلہ

تاریخ مقررہ پر دومۃ الجندل کی جامع مسجد مسلمانوں سے بھری ہوئی تھی۔ کئی مقتدر صحابہ مثلاً عبداللہ ابن عمرؓ، سعد بن وقاصؓ اور مغیرہ بن شعبہ مجمع میں موجود تھے، حضرت مغیرہؓ نے دونوں ثالثوں سے ملاقات بھی کی اور پھر علانیہ کہا کہ اس تحکیم کا فیصلہ جھگڑے سے خالی نہیں ہوگا۔ فیصلہ سنانے کا وقت آیا تو عمرو بن عاصؓ نے حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کی خدمت میں نہایت ادب سے گزارش کی کہ آپ ہمارے بزرگ و محترم ہیں، میں آپ کی فضیلت کو کبھی نظر انداز نہیں کر سکتا ہوں، میرے لئے یہ کسی طرح مناسب نہیں کہ میں آپ سے پہلے منبر پر قدم رکھوں، اس لئے حضور والا پہلے منبر پر رونق افروز ہوں اور اپنا فیصلہ سنائیں، پھر میں اپنا فیصلہ سنا دونگا۔ حضرت ابوموسیٰ پر عمرو بن عاصؓ کا جادو اس درجہ چل چکا تھا کہ بلا کچھ سوچے اور کہے منبر پہ کھڑے ہوئے اور فرمانے لگے۔

"حمد و ثنا کے بعد صاحبو! ہم اس نازک مسئلہ پر کافی غور کرنے

کے بعد اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ امت مسلمہ کا اتحاد سب سے زیادہ ضروری چیز ہے اور یہ اس وقت تک قائم نہیں ہوسکتا جب تک کہ دونوں کو معزول نہ کر دیا جائے، لہذا ہم علیؓ اور معاویہؓ دونوں کو اتفاق رائے سے معزول کرتے ہیں اور مسلمانوں کو اختیار دیتے ہیں کہ وہ کثرت آراء سے جسے چاہیں اپنا خلیفہ بنالیں۔

مسلمانوں کا اجتماع عظیم اس اعلان کے الفاظ اور عجیب و غریب نوعیت کے فیصلہ پر غور کر ہی رہا تھا کہ عمرو بن عاصؓ منبر پر آئے اور کہنا شروع کیا۔

"صاحبو! آپ نے ابوموسیٰؓ کے فیصلے کو سن لیا ہے، انہوں نے علیؓ کو معزول کر دیا ہے اور میں بھی ان کو معزول کرتا ہوں مگر میں امیر معاویہؓ کو اس منصب پر برقرار رکھتا ہوں کیونکہ وہ حضرت عثمانؓ کے ولی اور ان کے قصاص کے خواہاں اور خلافت کے سب سے زیادہ مستحق ہیں"

حضرت ابوموسیٰؓ کے پیروں کے تلے سے زمین نکل گئی، غصے میں بھرے ہوئے چلا کر کہنے لگے۔ یہ تمہاری غداری اور بے ایمانی ہے، پھر کہا "عمرو تیری حالت اس کتے کی مانند ہے جس پر بوجھ لادو تو ہانپتا رہے اور نہ لادو تو بھی ہانپتا رہے" عمرو بن عاصؓ نے بھی جواب دیا اور کہا۔ مثلک کمثل الحمار یحمل اسفارا۔

شریح بن ہانی اس قدر مشتعل ہوئے کہ عمرو کو کوڑوں سے مارنا شروع کر دیا، عمرو کے آدمی شریح پر ٹوٹ پڑے ہر طرف انتشار، ابتری اور جنگ کی صورت پیدا ہو گئی۔ بڑی مشکل سے حالات پر قابو پایا گیا۔ حضرت ابو موسیٰؓ پر عمرو کی غداری اور اپنی نافہمی کا اتنا اثر ہوا کہ وہ چپکے سے ایک طرف چل دیئے، مکہ پہنچے اور پھر زندگی بھر گوشہ گیری کو نہیں چھوڑا۔

امیر معاویہؓ اس فیصلہ سے بہت خوش تھے، شکست سے بچے، ۲ ماہ تیاری کے لئے ملے اور یہ کہنے کا موقع ملا کہ علیؓ کو ثالثوں نے معزول کر دیا اور مجھے خلیفہ تسلیم کر لیا، چنانچہ اس کے بعد وہ لوگوں سے اپنی خلافت کی بیعت لینے لگے، یہاں تک کہ پورا ملک شام ان کو خلیفہ تسلیم کرنے لگا۔ حضرت علیؓ نے اس فیصلہ کو بڑے صبر و سکون سے سنا، اگر وہ چاہتے تو ہاشمی تلوار عمرو بن عاصؓ کو اس بدعہدی و غداری کی سخت سے سخت سزا دے سکتی تھی مگر وہ خود بھی خاموش رہے اور دوسروں کو بھی صبر کی تلقین کرتے رہے۔ امیر معاویہؓ نے حضرت علیؓ کی خاموشی و نرمی سے بہت فائدہ اٹھایا اور آہستہ آہستہ شام کے علاوہ خلافت اسلامیہ کے اور بہت سے دوسرے مقامات بھی اپنے قبضے میں لے لئے۔

حضرت علیؓ کی فوج پر اس فیصلہ کا بہت برا اثر پڑا، ان کے دل ٹوٹ گئے، ہمتیں پست ہو گئیں اور وہ آئندہ کارروائیوں میں

حصہ لینے سے جی چراتے نظر آنے لگے، امیر معاویہؓ نے یہ صورت دیکھی تو اور زیادہ اپنی خلافت کو منوانے کی سرگرمیاں شروع کر دیں۔

جنگ نہروان

پچھلے صفحات میں لکھا جا چکا ہے کہ ۱۲ ہزار آدمی حضرت علیؓ کی فوج سے علیحدہ ہو کر حروراء میں مقیم ہو گئے تھے اور پھر حضرت علیؓ ان کو منا کر بصرے اور کوفہ لے آئے تھے مگر جیسے ہی دومۃ الجندل کے فیصلہ کا اعلان ہوا اور حضرت علیؓ نے اسے خاموشی سے سن لیا تو یہ فرقہ دوبارہ مشتعل ہو گیا۔

حضرت علیؓ کی بیعت توڑ کر عبد اللہ بن وہب الراسی کے ہاتھ پر بیعت کر لی اور اس کے بعد ہر طرف سے سمٹ کر نہروان میں جمع ہونا شروع کر دیا۔ اس گروہ خوارج کا عقیدہ تھا کہ "معاملات دین میں کسی انسان کو حکم بنانا کفر ہے اور جو اس فیصلہ کو مانے وہ کافر ہے اس سے جہاد کرنا فرض ہے"۔ خارجیوں نے اپنے اس عقیدے کی خوب اشاعت کی اور اس بات کی پوری کوشش کی کہ کوفہ، بصرہ، مدائن اور انبار میں جسقدر لوگ اس عقیدہ اور گروہ سے تعلق رکھتے تھے ان کو اپنے پاس نہروان میں بلا لیا جائے، چنانچہ بہت جلدی نہروان میں ایک بڑی تعداد خارجیوں کی جمع ہو گئی، ان کی دشمنی و عداوت کا یہ حال تھا کہ جو بھی مسلمان ان کو ملتا اور ان کے عقیدے سے اتفاق

نہیں کرتا اسے قتل کر دیتے اور اس کا ساز و سامان لوٹ لیتے، مشہور صحابی حضرت عبداللہ بن خبابؓ کو شہید کر ڈالا، ان کی حاملہ بیوی کو بڑی بے دردی سے مارا اور پیٹ چاک کر ڈالا، قبیلہ طے کی کئی عورتیں ام سنان اور صیداویہ کو دل کھول کر مشق ستم بنایا، حضرت علیؓ نے حارث بن مرّہ کو بھیجا تاکہ وہ صورت حال کا اندازہ لگائیں، ظالموں نے ان کو بھی بیدردی سے قتل کر ڈالا، غرض جو بھی ملتا یا تو اپنا ہم عقیدہ بنا لیتے ورنہ پھر موت کے گھاٹ اتار دیتے۔

حضرت علیؓ شام پر حملہ کی تیاریاں کر رہے تھے لیکن خوارج کی شورش نے ان کی توجہ نہروان کی طرف مبذول کر دی اور آپ کوفہ سے اپنی فوج لیکر نہروان پہنچ گئے۔ کئی دن متواتر آپ نے اپنی عادت کے مطابق خارجیوں کو راہ راست پر لانے کی کوشش کی، حضرت ابوایوب انصاریؓ اور قیس بن سعد بن عبادہؓ کو ان کے پاس بھیجا تاکہ یہ حضرات ان کو اپنی غلطی سمجھنے اور فساد سے باز آنے پر آمادہ کریں مگر ان حضرات کو کوئی کامیابی نہیں ہوئی، واپس آگئے تو حضرت علیؓ نے فوج کو تیار ہونے کا حکم دیدیا میمنہ کے فوجی افسر حجر بن عدیؓ بنائے گئے، میسرہ پر شیث بن ربعی متعین کئے گئے، پیدل فوج کے افسر اعلیٰ حضرت ابو قتادہ انصاریؓ بنائے گئے اور سواروں کے سردار حضرت ابوایوب انصاریؓ کو مقرر کیا گیا۔

دونوں طرف کی فوجیں جب صف آرا ہوئیں تو دو ہزار

قریب خارجی ساتھیوں سے الگ ہو گئے۔ کچھ اپنے گھروں کو چل دیئے اور ہزار سے زائد توبہ کر کے علوی فوج میں شامل ہو گئے۔ عبداللہ بن وہب الراسبی پانچ ہزار کے قریب لشکر جرار لیے ہوئے آگے بڑھا اور حضرت علیؓ کی فوج پر حملہ کر دیا، نعرۂ تکبیر کے جواب میں خارجیوں کا نعرہ لاحکم الا للہ تھا اور وہ بڑی بے جگری سے لڑ رہے تھے مگر حضرت علیؓ کی فوج نے بڑی جلدی منہ پھیر دیا، بہت سے لوگ مارے گئے، کچھ نے تلوار پھینک کر توبہ کر لی اور کچھ لوگ بھاگ کر صحرائے افریقہ کی طرف نکل گئے۔ حضرت علیؓ نے ایک مقتول خارجی کو دیکھا تو بلند آواز سے اللہ اکبر کہا اور پھر فرمایا، واللہ یہی وہ شخص ہے جس کے لئے حضور اکرمؐ نے پیشین گوئی فرمائی تھی، عبداللہ بن وہب کی لاش بھی ایک سمت پڑی بھنک رہی تھی۔ تاریخی شواہد سے پتہ چلتا ہے کہ خارجیوں کی سرگرمیاں عہد عباسیہ تک جاری رہیں، امیر معاویہ اور یزید نے بھی ان سے مقابلہ کیا، عبداللہ بن زبیر اور حجاج سے بھی ان کا مقابلہ ہوا، خارجیوں نے نافع بن ارزق کی قیادت میں ایک مرتبہ ایسی تنظیم کی کہ کرمان، بصرہ طائف، یمن اور حضرموت بھی ان کے قبضے میں آ گئے مگر حجاج نے کئی جگہ ان کو شکست دی اور ان کو دوبارہ عرب و عراق سے بھاگ کر افریقہ میں پناہ لینا پڑی اور پھر خود ہی فنا ہو گئے۔ حضرت علیؓ چاہتے تھے کہ نہروان سے شام کی طرف بڑھیں مگر فوج کے افسر اشعث بن قیس نے کمزوری کا ثبوت دیا، فوج بھی اپنے گھروں کو جانے پر اصرار

کرنے لگی آخر حضرت علیؓ شام پر حملے کے خیال کو ترک کر کے کوفہ واپس تشریف لے آئے اور پھر کبھی شام پر حملہ کا قصد نہیں کر سکے اور اگر کبھی کوشش بھی کی تو فوج کی طرف سے ہمت افزا جواب نہیں ملا۔ نہج البلاغہ کے بعض خطبوں سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علیؓ چاہتے تھے کہ شام پر چڑھائی کر کے امیر معاویہؓ کی زیادتیوں کا جواب دیں مگر شیعان علیؓ اور نام نہاد محبان علیؓ کا حال یہ تھا کہ ان کے دل مردہ ہو چکے تھے، ہمتیں ٹوٹ چکی تھیں اور انہوں نے جس کے ہاتھ پر بیعت کی تھی اس کے حکم سے علانیہ پہلو تہی کر رہے تھے حضرت علیؓ نے بارہا پرجوش تقریریں کیں اور اپنے معرکۃ الآرا خطبوں سے ان کی غیرت ایمانی کو زندہ کرنا چاہا مگر بزدلوں کی ٹولیوں پر کوئی اثر نہیں ہوا۔

امیر معاویہؓ نے شیعان علیؓ کی کمزوری سے خوب فائدہ اٹھایا، کئی فوجی دستے حجاز، عراق اور دوسرے علاقوں کی طرف روانہ کر دیئے چنانچہ نعمان بن بشیر نے اپنے دستہ کی مدد سے عین التمر پر قبضہ کر لیا، سفیان بن عوف ۶ ہزار فوج کے ساتھ آگے بڑھے اور انبار و مدائن کو فتح کر لیا، عبداللہ فزاری نے تیما، ضحاک بن قیس نے واقصہ اور امیر معاویہؓ نے دجلہ کے ساحلی مقامات اپنے قبضے میں لے لیے شیعان علیؓ نے ہر جگہ تلواریں پھینک کر امیر معاویہؓ کی اطاعت قبول کر لی۔

(ابن سعد، طبری، تاریخ الخلفاء، خلفائے راشدین)

مصر و حجاز پر قبضہ

حضرت علیؓ نے مصر کے گورنر قیس بن سعدؓ کو معزول کر کے ان کی جگہ محمد بن ابو بکرؓ کو والی بنا دیا تھا، یہ مصر پہنچے تو اپنی نادانی اور نا تجربہ کاری کی بدولت آس پاس کے لوگوں سے الجھ گئے، امیر معاویہؓ نے حضرت علیؓ کی خاموشی اور شیعان علیؓ کی بزدلی کے پیش نظر مصر پر چڑھائی کر دی، عمرو بن عاصؓ اس مہم کے سربراہ تھے، حضرت علیؓ نے اشتر نخعی کو روانہ کیا تاکہ محمد بن ابو بکرؓ کو تقویت پہنچے، مگر یہ مصر پہنچنے بھی نہیں پائے تھے کہ راستہ ہی میں زہر دے کر ختم کر دیئے گئے، محمد بن ابو بکرؓ نے دو ہزار فوج سے عمرو بن عاصؓ کا مقابلہ کیا مگر ان کی فوج جم نہیں سکی، بہت جلدی بھاگ کھڑی ہوئی اور بہت سے موت کی نیند سلا دیئے گئے، محمد بن ابو بکرؓ بھاگ کر ایک غار میں چھپے مگر بہت جلدی تلاش کر کے گرفتار کر لئے گئے، یہ تجیبا کے رئیس معاویہ بن خدیج نے ان کو اپنے ہاتھ سے قتل کیا اور لاش کو گدھے کی کھال میں لپیٹ کر نظروں کے سامنے جلوا دیا۔

یہ افسوسناک واقعہ ۳۸ھ میں پیش آیا، حضرت علیؓ کوفہ میں تشریف رکھتے تھے مگر شیعان علیؓ کی بزدلی و غداری کی وجہ سے

اپنی آغوش کے پروردہ محمد بن ابوبکرؓ کی کوئی مدد نہ کرسکے، درحقیقت محمد ابن ابوبکرؓ کے ساتھ معاویائی گروہ کا یہ ہولناک برتاؤ اس لئے تھا کہ وہ ان کو حضرت عثمانؓ کے قاتلوں میں سے ایک سمجھتے تھے جیسا کہ پچھلے واقعات سے پتہ چلتا ہے کہ وہ قتل کی نیت سے حضرت عثمانؓ کے گھر میں گھسے تھے، ڈاڑھی پکڑی تھی اور طمانچے مارے تھے، اسی بنیاد پر امیر معاویہؓ کہتے تھے کہ علیؓ نے قاتلان عثمانؓ کو پناہ دے رکھی ہے، حضرت علیؓ بھی اس کیفیت کو جانتے تھے مگر وہ کیا کرتے جبکہ خود حضرت عثمانؓ کی بیوی کا یہ بیان تھا کہ محمد بن ابوبکرؓ قتل کرنے والوں میں موجود نہیں تھے ـــــ بہرحال محمد بن ابوبکرؓ نے حضرت عثمانؓ کے ساتھ جو گستاخی کی تھی اس کی سزا بڑی عبرت خیز تھی۔

مصر کی فتح اور مصریوں کی اطاعت ؎ نیز اسوجہ سے کہ شیعان علیؓ کی ایک بڑی تعداد نے حضرت علیؓ کی نافرمانی شروع کردی تھی، امیر معاویہ کے حوصلے بہت زیادہ بڑھ گئے تھے، ان کی بڑی کوشش یہ تھی کہ حضرت علیؓ کے زیر حکومت جو علاقے ہیں ایک ایک کرکے نکال لئے جائیں، چنانچہ مائن، انبار، عین التمر، تیما اور واقصہ پر قبضہ کرنے کے بعد ان کی نظریں ایران اور بصرے کی طرف اٹھنے لگیں، ان کا خیال تھا کہ ایران اور بصرہ کے بعد علیؓ کی حکومت خود بخود ختم ہوجائے گی مگر عراق و ایران میں ان کو زیادہ کامیابی نہیں ہوسکی کیونکہ باوجود شیعان علیؓ کی بغاوت و بزدلی کے

ایسے بے شمار جان نثار موجود تھے جو جان کی بازی لگا کر میدان میں آ گئے، البتہ یہ ضرور ہوا کہ حضرت علیؓ کے مقبوضہ علاقوں میں امیر معاویہؓ کی فوج کشی اور سیاسی ترکیبوں سے ایسی ابتری پھیل گئی کہ حضرت علیؓ کوفہ سے نکل کر امیر معاویہؓ کے مقابلہ کا کوئی خیال پیدا نہ کرسکے۔ بصرے کو حاصل کرنے کے لئے امیر معاویہؓ نے عبداللہ بن حضرمی کو مامور کیا، عبداللہ اسقدر کامیاب ہوئے کہ تمام بصرے والے ان کے مطیع ہو گئے، حضرت علیؓ کے عامل زیاد کو حدان میں پناہ لینے پر مجبور ہونا پڑا حضرت علیؓ نے عین بن ضبیعہ کو بھیجا تو وہ بھی قتل کر دیئے گئے، اس کے بعد حضرت علیؓ نے جاریہ بن قدامہ کو بھیجا، یہ بڑی بہادری سے لڑے، عبداللہ بن حضرمی کو گھیر کر قتل کر دیا اور اس کی فوج کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر موت کے گھاٹ اتار دیا بصرے والے دوبارہ اطاعت گذار بن گئے اور حضرت علیؓ نے بھی ان کو معاف کر دیا۔ یہی حال کرمان، فارس اور ایران کا تھا سبھی بغاوت کر رہے تھے، حضرت علیؓ نے زیاد بن ابیہ کو بھیجا، وہ گئے اور بڑی قابلیت سے بغاوت کی آگ ٹھنڈی کر دی، عجمیوں نے دوبارہ حضرت علیؓ کی اطاعت قبول کر لی، حضرت علیؓ ان کے ساتھ بڑی نرمی سے پیش آئے، سب کو معاف کر دیا اور ایسا سلوک کیا کہ ان کی گردنیں بار احسان سے جھک گئیں۔

حضرت علیؓ کے اثر و اقتدار کو توڑنے اور اپنی حکومت کو قائم

کرنے کے سلسلے میں حضرت امیر معاویہؓ نے کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی، انہوں نے ملک کے بہترین مدبروں اور بہادروں کو اپنے ساتھ ملا لیا خزانہ کے منہ کھول دیئے، بے شمار دولت قبائل میں لٹائی، اس تمام کوشش کا نتیجہ یہ ضرور نکلا کہ حضرت علیؓ کے مقبوضہ علاقوں میں بے چینی اور بغاوت کی آگ بھڑک اٹھی یہاں تک کہ حجاز کے باشندے بھی خود مختار ہو گئے۔ مکہ اور مدینہ کا انتظام مقامی سرداروں نے اپنے ہاتھ میں لے لیا، حضرت علیؓ کی حکومت صرف عراق و ایران میں محدود ہو کر رہ گئی اور وہ بھی اس طرح کہ بغاوت و فساد کی آگ رہ رہ کر بھڑکتی ہی رہتی تھی۔

امیر معاویہؓ نے چار سال کے عرصہ میں جو غیر معمولی قوت حاصل کر لی تھی اسے دیکھتے ہوئے یہ کوئی مشکل نہیں تھا کہ وہ حضرت علیؓ کے اقتدار کا خاتمہ کر دیتے اور پھر ایسی صورت میں جبکہ حضرت علیؓ کے بہت سے ساتھی کوفی و عراقی ان کا ساتھ چھوڑ کر الگ ہو چکے تھے اور مسلسل بغاوتیں کرتے رہتے تھے مگر شیر خدا کا دبدبہ کچھ ایسا تھا کہ وہ باوجود انتہائی کوشش کے شام اور مصر کے علاوہ کسی جگہ بھی پورے طور پر قدم جمانے میں کامیاب نہ ہو سکے۔

درحقیقت حضرت علیؓ کے وہ ساتھی جو کوفہ اور عراق سے تعلق رکھتے تھے اگر ہمت نہ ہار بیٹھتے اور جنگ سے جی چرانے اور منہ چھپانے پر آمادہ نہ ہو جاتے تو امیر معاویہؓ کو حضرت علیؓ کے مقابلہ میں

قیامت تک کامیابی نہ ہوتی، سچ پوچھو تو امیر معاویہؓ کی کامیابی کا راز ہی یہ ہے کہ شیعان علیؓ کی ایک بڑی تعداد نے حضرت علیؓ کی اطاعت وفرمانبرداری سے منہ موڑ کر ان کو اتنے بڑے میدان میں تنہا چھوڑ دیا۔

تاریخ کا یہ بیان آج بھی شاہد ہے کہ جنگ نہروان سے فارغ ہونے کے بعد حضرت علیؓ نے جب شام کی طرف بڑھنے کا قصد کیا تو اشعث بن قیس نے کہا، امیر المومنین ہمارے ترکش خالی ہو گئے ہیں تلواروں کی دھاریں مڑ گئی ہیں اور نیزوں کے پھل خراب ہو گئے ہیں، اس لئے ہم کو دشمن پر فوج کشی کرنے سے پہلے اسباب وسامان درست کر لینا چاہیئے، حضرت علیؓ نے اشعث کی رائے کے مطابق نخیلہ میں ٹھہر کر لوگوں کو تیاری کا حکم دیا، مگر حال یہ تھا کہ شیعان علیؓ تیار ہونے کی بجائے آہستہ آہستہ دس دس بیس بیس کر کے کوفہ کی طرف کھسکنے لگے، یہاں تک کہ آخر میں کل ایک ہزار کی جمعیت ساتھ رہ گئی، حضرت علیؓ نے جب شیعان علیؓ کی یہ غداری اور بزدلی دیکھی تو مجبوراً ارادہ ترک کر کے کوفہ تشریف لے آئے۔

اگر تاریخی واقعات کو بنظر استقصار دیکھا جائے تو یہ بات پورے طور پر واضح ہو جاتی ہے کہ دومۃ الجندل میں ثالثوں کا فیصلہ سننے کے بعد لا حکم۔ الا اللہ کا نعرہ لگا کر گروہ علیؓ سے الگ ہو کر نہروان میں جمع ہونے والے اور اپنی طاقت کو منظم کرنے والے سب وہی لوگ تھے جن کا تعلق کوفہ، بصرے اور عراق وایران سے تھا اور جن کی نہ بائیں

حضرت علیؓ کا وظیفہ پڑھا کرتی تھیں اور جن کے لئے تاریخ نے اسی مناسبت سے خارجی کا لفظ استعمال کیا ہے، چونکہ ثالثوں نے اپنے فیصلہ میں امیر معاویہؓ کو خلیفہ تسلیم کر لیا تھا اس لئے اس گروہ نے اپنا مفاد اسی میں دیکھا کہ حضرت علیؓ کو چھوڑ کر علیحدہ جماعت بنائیں اور پھر رفتہ رفتہ اپنی حکومت کے قیام کی جدوجہد کریں، چنانچہ اس کے لئے انہوں نے کئی مرتبہ کوششیں کیں۔ کئی مقامات پر قبضہ بھی کر لیا، اپنا علیحدہ عقیدہ بھی وضع کیا اور دستور بھی بنایا۔

(ابن سعد، تاریخ الخلفاء، طبری، حیات مرتضیٰ، تاریخ اسلام)

جامِ شہادت

سنہ ۴۰ھ میں امیر معاویہؓ کو یہ خیال پیدا ہوا کہ مکہ اور مدینہ پر مکمل قبضہ ضروری ہے کیونکہ یہ دونوں مقامات ایسے تھے جہاں اہل علم اور صحابہ کی خاصی تعداد خاموشی کی زندگی گذار رہی تھی، نیز یہ کہ حکومت بنی امیہ کی بنیادیں اسوقت تک مضبوط نہیں ہو سکتیں تھیں جب تک کہ یہ مرکزی مقام قبضہ میں نہ آئیں، اس لئے امیر معاویہؓ نے بسر بن ارطاۃ کو تین ہزار فوج کے ساتھ حجاز کی سمت روانہ کیا۔ بسر بن ارطاۃ نے بڑی آسانی سے ان دونوں مقاموں پر قبضہ کر لیا

اور پھر قوت کے بل بوتے پر مکہ اور مدینہ کے لوگوں سے امیر معاویہؓ کے لئے بیعت کا اقرار کرالیا۔

ابن ارطاۃ نے حجاز سے فارغ ہو کر یمن کا قصد کیا، عبید اللہ بن عباس والی یمن کو جب اس کا علم ہوا تو وہ ابن عبد المدان کو اپنا حاکم مقام بنا کر کوفہ روانہ ہو گئے تا کہ حضرت علیؓ کو حالات سے مطلع کریں اور فوجی امداد حاصل کر کے ابن ارطاۃ کا مقابلہ کریں۔ ابن ارطاۃ نے یمن پہنچتے ہی قتل عام شروع کر دیا، یہاں تک کہ شیعان علیؓ کی ایک بڑی تعداد کو قتل کر کے بھی اس کی تلوار کی پیاس نہیں بجھی تو عبید اللہ بن عباس کے بچوں کو بھی موت کی نیند سلا دیا۔

حضرت علیؓ کو جب ان حالات کا علم ہوا تو آپ نے جامع کوفہ میں کئی پرجوش خطبے دیئے۔ لوگوں کو آمادہ کیا کہ وہ ان مظالم کے تدارک کے لئے بڑھیں، کوفیوں پر آپ کی تقریروں کا بہت اثر ہوا۔ حضرت علیؓ نے جاریہ بن قدامہ اور وہب بن مسعود کو حکم دیا کہ پانچ ہزار فوج کے ساتھ حجاز اور یمن کی طرف بڑھیں اور ابن ارطاۃ کو اس کی زندگی کی سخت سزا دیں مگر ہوا یہ کہ جب چلنے کا وقت آیا تو صرف تین سو آدمی نظر آئے باقی سب روپوش اور فرار ہو گئے، حضرت علیؓ کو یہ حال دیکھ کر سخت صدمہ ہوا اور وہ خاموش گوشۂ مسجد میں مصروف عبادت ہو گئے۔ بعض مخلص افسران نے عرض کیا کہ لوگوں کو جبریہ شریک جنگ کیا جائے اور جو شریک نہ ہو اسے سخت سزا دی جائے مگر یہ

دائے بھی مشورہ کی حد سے آگے نہ بڑھ سکی۔

جنگ نہروان کے بعد خارجیوں کی قوت بظاہر ٹوٹ چکی تھی، ان میں اب اتنی جان نہیں تھی کہ وہ مقابلہ پر آئیں لیکن درپن خانہ ان کی تنظیم بڑھتی جا رہی تھی اور یہ خیال جڑ پکڑتا جا رہا تھا کہ جب تک حضرت علیؓ، امیر معاویہؓ اور عمرو بن عاصؓ موجود ہیں اسوقت تک حکومت و اقتدار ہاتھ میں نہیں آسکتا ہے، چنانچہ سنہ ۴۰ھ میں وہ اس خیال کے تحت مکہ میں جمع ہوئے تاکہ باہمی مشورہ کے بعد کوئی قدم اٹھایا جائے، کئی دن مشورے ہوتے رہے اور آخر کار یہ طے ہوا کہ ان تینوں آدمیوں کو ختم کردیا جائے۔ عبدالرحمن ابن ملجم نے کہا میں علیؓ کے قتل کا ذمہ لیتا ہوں نزال یا برک بن عبداللہ نے امیر معاویہؓ کے مارنے کا وعدہ کیا اور عبداللہ یا عمرو بن بکر نے عمرو بن عاصؓ کو قتل کرنے کا بیڑا اٹھایا۔ یہ تینوں آدمی جب مکہ سے کوفہ، شام اور مصر کی طرف جانے لگے تو ہدایت کی گئی کہ ۱۸ رمضان کو صبح کی نماز میں حملہ کیا جائے تاکہ ایک ہی وقت میں تینوں صاحب اثر و قوت مارے جائیں اور خارجی اقتدار کے لئے راستہ صاف ہو جائے۔

عام طور پر مورخین بیان کرتے ہیں کہ ان تین آدمیوں کے مارنے سے خارجیوں کی غرض یہ تھی کہ اسلامی مملکت کو خانہ جنگیوں سے نجات مل جائے اور مسلمان آپس کی خون ریزی سے محفوظ ہو جائیں میرے خیال میں یہ کہنا کسی طرح درست نہیں ہے، اگر خارجیوں کو

علیؓ اور اسلام سے محبت ہوتی تو وہ خود تلواریں لیکر علیؓ کے مقابلہ پر کیوں آتے اور پھر پچاس سال متواتر اسلامی حکمرانوں سے قوت آزمائی کیوں کرتے رہتے؟ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ جھوٹے محبان علیؓ کا گروہ تھا جو برسوں اسلام کی آڑ لیکر حضرت علیؓ کی اطاعت میں اپنے اقتدار کے خواب دیکھتا رہا اور جب مایوس ہوا تو لا حکم الا اللہ کا نعرہ لگا کر شیعان علیؓ کی صف سے نکل گیا، اس گروہ میں کوفہ، بصرہ، اور ایران کے لوگ شامل تھے اور ان کے دلوں سے اپنی حکومت و قومیت کے زوال کا صدمہ دور نہیں ہوا تھا حضرت عمرؓ کے زمانہ میں ان کی گردنیں جھکی رہیں مگر حضرت عثمانؓ کے آنے پر ان کی ہمتیں بڑھ گئیں، چونکہ بنی امیہ کے متعلق وہ جانتے تھے کہ یہ خود ہاشمیوں کے مقابلہ میں اپنی حکومت کے قیام کی کوشش کر رہے ہیں، ان سے بڑھ کر جلدی کچھ ہاتھ آنے کی امید نہیں ہے اس لئے حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد حضرت علیؓ کے پیچھے ہو لئے اور شیعان علیؓ کے نام سے پکارے جانے لگے۔ اسی امید پر کئی برس ان کے ساتھ رہے اور جب دیکھا کہ حضرت علیؓ کے مقابلہ میں امیر معاویہؓ کا اقتدار تسلیم کیا جا رہا ہے تو الگ ہو کر اپنی تنظیم شروع کر دی، حضرت علیؓ نے مقابلہ کیا، کچھ مارے گئے، کچھ بھاگ کھڑے ہوئے اور کچھ دوبارہ حضرت علیؓ کے ساتھ ہو گئے، بھاگنے والوں نے عراق سے دور رہ کر پھر تنظیم شروع کر دی اور اس نتیجہ پر پہنچے کہ جس طرح بھی ہو تین آدمیوں

کو ختم کر دیا جائے تاکہ مقابلہ کرنے والوں میں کوئی مضبوط قوت باقی نہ رہے۔

جو خوارج حضرت علیؓ کے ساتھ ہو گئے تھے اور بظاہر اپنے خیال سے توبہ کر کے فوج علیؓ میں شامل ہو گئے تھے، انہوں نے سوچا کہ اگر اقتدار ہاتھ نہیں آتا تو کم از کم مسلمانوں میں ایسے اختلافات ہی پیدا کر دیئے جائیں جو ہمیشہ ان کو آپس میں لڑاتے رہیں، اسی مقصد کے تحت انہوں نے امامت و معصومیت کے عقائد وضع کئے، خلفاء ثلاثہؓ کی شان میں گستاخیاں شروع کر دیں اور حضرت علیؓ کو امام برحق کہنا شروع کر دیا اور علیؓ کے خلیفہ بلا فصل ہونے کے عقیدے کو اتنا پھیلایا کہ آج تک ایک گروہ نے تبرّا کو اپنا شعار بنا رکھا ہے۔ یہی گروہ ہے جس نے سب سے پہلے حضرت عثمانؓ کو برا کہنا شروع کیا، پھر حضرت علیؓ کو گالیاں دینے لگے اور آخر میں یہ کیا کہ علیؓ کی تعریف اور خلفائے ثلاثہؓ کی توہین کو اپنا مستقل عقیدہ بنا لیا، یہ تھے ایرانی و سبائی فتنے جن کی سازشوں کی صرف ایک ہی غرض تھی، اپنے مٹے ہوئے اقتدار کی بحالی یا مسلمانوں میں جنگ و جدال اور انتشار ــــــ!

جنگ نہروان کے بعد کسی نے کہا، امیر المومنین! خوارج ہلاک ہو گئے، ارشاد فرمایا: نہیں، خدا کی قسم نہیں، ابھی تو یہ مردوں کے صلبوں اور عورتوں کے رحموں کے اندر نطفہ کی شکل میں موجود ہیں۔ ہر زمانہ میں جب ان کا کوئی سینگ ظاہر ہو گا اسے قطع کر دیا جائے گا، یہاں

تک کہ ان کا آخری طبقہ چوروں اور ڈاکوؤں پر مشتمل ہوگا یعنی نہ مذہب، نہ عقیدہ، نہ اعزاز اور نہ وقار۔ (نہج البلاغہ ارشاد ۹۵)

نہج البلاغہ کے ۶۵ ویں خطبہ سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت علیؓ کو امید تھی کہ یہ لوگ کسی وقت راہ راست پر آئیں گے اور اپنی غلطی کا اعتراف کریں گے، اسی لئے ارشاد فرماتے ہیں کہ :-

"میرے بعد خوارج کو ہلاک مت کرنا، جو حق کا طالب ہو پھر اس سے خطا ہو جائے تو وہ اس شخص کی مانند ہے جس نے باطل کو چاہا اور پھر اسے حاصل بھی کر لیا۔"

شام میں جو لوگ حضرت علیؓ کے مخالف تھے اور آپ کو برا بھلا کہتے تھے ان کے متعلق بھی آپ نے ارشاد فرمایا کہ :-

"اچھا اور بہتر یہی ہے کہ تم ان کو برا مت کہو بلکہ یہ کہو کہ اے اللہ ہمارے اور ان کے خون کو بہنے سے بچا لے، ہمارے اور ان کے مابین جو خرابیاں پیدا ہوگئی ہیں ان کی اصلاح کر دے اور ان کو امر حق کی طرف متوجہ کر دے تاکہ جو حق کو نہیں پہچانتا وہ پہچان جائے اور جو غلط روی اور دشمنی کا حریص ہو اسے اس سے نجات عطا فرما۔" (نہج البلاغہ خطبہ ۲۰۵)

لائق ستائش ہیں وہ مسلمان جن کے خطبے خلفائے راشدین، حضرات عشرہ مبشرہ، حضرت حمزہؓ و عباسؓ، حضرات حسنینؓ، جناب فاطمہؓ ازواج مطہراتؓ، مہاجرین و انصارؓ اور تابعین و اولیائے امت کی

تعریف و توصیف سے بھرے پڑے ہیں، کاش! اصحاب رسولؐ کے خلاف زبان کھولنے والوں کو حضرت علیؓ کے ارشادات سمجھنے کی توفیق ہوتی تو یہ اختلاف امت کے درمیان سے ختم ہو جاتا۔

بہر حال مکہ میں عہد کرنے والے تینوں خارجی تینوں مقتدر حضرات کو ختم کرنے کے لئے اپنی اپنی مہم پر روانہ ہو گئے، ابن ملجم کوفہ آیا تو ایک حسین و جمیل عورت قطام نے قتل علیؓ کے بعد شادی کا وعدہ کرکے اس کے ناپاک ارادہ کو اور مضبوط بنا دیا اور ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ تم سے مہر میں صرف خون علیؓ کو قبول کیا جائے گا۔

عبدالرحمٰن ابن ملجم نے کوفہ میں ایک اور ساتھی پیدا کیا جس کا نام شبیب تھا، دونوں فکر میں رہنے لگے، آخر ۱۸ رمضان سنہ ۴۰ھ کو حضرت علیؓ صبح صادق سے پہلے گھر سے مسجد میں تشریف لائے۔ گھر سے چلتے وقت گھر والوں سے فرمایا "اپنی کمر موت کے لئے مضبوط باندھ لو کیونکہ موت بہت جلد ملاقات کرنے والی ہے، جب وہ آئے تو گھبرانا نہیں!" مسجد میں جو لوگ سو رہے تھے ان میں ابن ملجم اور شبیب بھی تھے آپ نے سب کو نماز کے لئے جگایا اور پھر مصروف عبادت ہو گئے۔

ابن ملجم موقعہ کا منتظر تھا کہ حضرت علیؓ امامت کے لئے محراب میں کھڑے ہوئے اور جب پہلی رکعت کے دوسرے سجدے سے سر اٹھایا تو ابن ملجم نے زہر آلود تلوار کا ایسا کاری وار کیا کہ سر کو توڑ کر چہرہ تک پہنچ گیا، اتنا سخت زخم آیا کہ مصلے پر لیٹ گئے، زبان

مبارک سے ارشاد فرمایا، بسم اللہ وعلی ملۃ رسول اللہ ۔پھر فرمایا منہا خلقنکم وفیہا نعیدکم ومنہا نخرجکم تارۃ اخریٰ ابن ملجم کو مسلمانوں نے اپنی گرفت میں لے لیا، حضرت علیؓ کی حالت اتنی متغیر ہوئی کہ آپ نے حضرات حسنینؓ کو ضروری نصیحتیں فرمائیں، محمد ابن حنفیہؒ کے ساتھ حسن سلوک کی تاکید کی، جندب بن عبداللہ نے پوچھا، امیرالمومنین! کیا ہم لوگ آپ کے بعد امام حسنؓ کے ہاتھ پہ بیعت کرلیں؟ ارشاد فرمایا اسے تم خود طے کرنا، میں اس کے متعلق کچھ کہنا نہیں چاہتا پھر قاتل کے متعلق فرمایا جب تک میں زندہ ہوں قاتل سے کوئی انتقام نہ لیا جائے اور قصاص لینے میں نرمی سے کام لیا جائے۔

مسجد سے گھر میں لائے گئے، دو دن اسی حالت میں گذر گئے رمضان المبارک کی ۲۱ ویں رات کو آپ کلمہ شہادت پڑھ رہے تھے کہ اچانک آفتاب علم غروب ہوگیا، نبوت کی خلافت کے آخری خلیفہ راشد، نبیؐ کے مزاج داں ان کی زندگی کے مظہر کامل دنیا سے تشریف لے گئے۔

صاحبزادوں نے عبداللہ ابن جعفرؓ کی مدد سے غسل دیا، امام حسنؓ نے نماز جنازہ پڑھائی اور سب نے مل کر ظہر سے پہلے نجف اشرف میں سپرد خاک کر دیا۔ رمضان کی ۲۱ تاریخ ۴۰ھ اور منگل کا دن تھا۔

حضرت علیؓ کے مدفن کے سلسلہ میں مورخین میں کافی اختلاف

پایا جاتا ہے، بعض کہتے ہیں کہ کوفہ کی مسجد میں دفن کئے گئے، بعض نے کہا ہے کہ مکان ہی میں دفن کئے گئے اور کچھ کہتے ہیں کہ کوفہ کے مشہور قبرستان غرّی میں حوالۂ زمین کئے گئے، لیکن اکثریت اس طرف گئی ہے کہ آپ نجف اشرف میں دفن کئے گئے۔

دوسرے دن ابن ملجم کو حضرت امام حسنؓ کی خدمت میں پیش کیا گیا، آپ نے وصیت کے مطابق ایک ہی وار میں اسے قتل کر دیا۔

نزال نے شام میں امیر معاویہؓ پر حملہ کیا مگر وار اوچھا پڑا اور وہ بچ گئے، نزال کو اسی وقت لوگوں نے پکڑ کر قتل کر دیا۔ عمرو بن بکر نے مصر میں عمرو بن عاصؓ کو قتل کرنے کے لئے مسجد میں قدم رکھا اور جب قتل کر چکا تو پتہ چلا کہ عمرو بن عاصؓ کی جگہ دوسرا شخص نماز پڑھا رہا تھا اور وہ بیماری کی وجہ سے آج مسجد میں نہیں آسکے تھے، اس قاتل کو بھی گرفتار کر کے قتل کر دیا گیا۔

(تاریخ الخلفا، طبری، ابن اثیر، خلفائے راشدین)

حالات و کارنامے

آخری خلیفۂ راشد امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جب مسند خلافت پر قدم رکھا تو مسلمانوں میں تین قسم کے لوگ موجود تھے، وہ صحابہ کرامؓ جو فساد، بغاوت اور حضرت عثمانؓ کی شہادت سے دل برداشتہ ہو کر خاموش اور گوشہ گیر ہو گئے تھے، کچھ مکہ چلے گئے تھے اور کچھ مدینہ ہی میں مصروف عبادت تھے۔ یہ غیر جانبدار حضرات تھے۔ دوسرا گروہ وہ تھا جو حضرت علیؓ کا حامی، طرفدار اور ان کی خلافت کا خواہاں اور شیعان علیؓ کے نام سے موسوم ہوا، اس گروہ میں بڑی تعداد ان لوگوں کی تھی جو فساد کے بانی، بغاوت کے علم بردار اور حضرت عثمانؓ کے قتل سے ملوث تھے مگر حضرت علیؓ کو باوجود تحقیقات کے یہ نہیں معلوم ہو سکا کہ وہ کونسے ہاتھ ہیں جن کی تلواریں حضرت عثمانؓ پر اٹھیں اور ان کی شہادت کا سبب بنیں، اسی لئے آپ کسی کو سزا نہیں دے سکے، قاتلان عثمانؓ کا معاملہ اتنا پردۂ راز میں رہا کہ خود حضرت عثمانؓ کی بیوی جو موقعہ پر موجود تھیں یہ بتانے سے قاصر رہیں کہ کس کی تلوار اٹھی اور کس نے امیر المومنین حضرت عثمانؓ کی زندگی کا خاتمہ کیا، ایسی حالت میں نہ تو کسی کو سزا دی جا سکتی تھی، اور نہ حضرت علیؓ شیعان علیؓ سے کسی کو قتل کا مجرم سمجھ کر الگ ہی کر سکتے تھے۔ اِس

گروہ کا فائدہ اسی میں تھا کہ حضرت علیؓ سے عقیدت کا اظہار کرتا رہے اور ان کے ساتھ لگا رہے۔

تیسرا گروہ حضرت امیر معاویہؓ کے ہواخواہوں کا تھا، یہ بہت منظم مضبوط اور پورے ملک میں پھیلا ہوا تھا، اس گروہ کو خیال تھا کہ حضرت عثمانؓ کو قتل کرنے والے حضرت علیؓ کے گروہ میں موجود ہیں، حضرت علیؓ کو ان کا علم ہے اور وہ دانستہ قصاص لینے سے گریز کر رہے ہیں، امیر معاویہؓ نے اس خیالؓ کو یقین کی حد تک پہنچایا اور شہادت حضرت عثمانؓ کو اتنا اچھالا کہ پورے ملک میں فساد و عناد کے شعلے بھڑک اٹھے اور مسلمانوں کی تلواریں مسلمانوں کے مقابلہ پر نیام سے باہر آنے لگیں۔

اس صورت حال کو زیادہ سنگین بنانے اور نمایاں کرنے میں امیر معاویہؓ کی غرض یہ تھی کہ خلافت راشدہ کو ختم کر کے حکومت بنی امیہ کی بنیاد ڈالی جائے اور اقتدار سمٹ کر صرف امویوں کے ہاتھ میں آجائے، یہ ان کی خاندانی اور قدیمی آرزو تھی۔

حضرت علیؓ نے ایسے حالات میں مسند خلافت کو سنبھالا اور باوجود انتہائی نامساعد صورت حال کے آپ نے اپنے کردار، اخلاق اور آنحضرتؐ سے ورثہ میں ملی ہوئی پاکیزہ طرز زندگی سے خلافت راشدہ کی روح کو ٹھیس نہیں لگنے دی، نبوت کی خلافت کے جوہروں کو تلوار کی جھنکار کے درمیان اس شان سے باقی رکھا کہ علیؓ کے علاوہ کوئی

بھی اس نازک منزل میں یہ کامیابی حاصل نہیں کر سکتا تھا۔

کون کہہ سکتا ہے کہ ایسے حالات میں جبکہ امیر معاویہؓ جیسے مدبر و مدمغ اور عمرو بن عاصؓ جیسے سیاست داں اور مرد میدان ایک طرف ہوں اور ان کے اشارہ پر ایک بڑی قوت میدان میں کودنے کے لئے آمادہ و تیار کھڑی ہو، دوسری سمت حال یہ ہو کہ شیعان علیؓ میں اکثریت ایسے غداروں کی ہو جن کی نظریں مسلمانوں میں خون ریزی و انتشار دیکھنے کی متمنی ہوں، جو عبداللہ بن سبا کی چلائی ہوئی ناپاک تحریک کے زیر اثر مسلمانوں میں مذہبی اختلافات کو مضبوط و وسیع کرنے کے سلسلہ میں خود ساختہ عقائد پھیلانے میں مصروف ہوں، حضرت علیؓ کو نہ صرف وصی رسول اللہ بلکہ نبیوں سے بھی بلند و بالا یہاں تک کہ خدا کہنے سے بھی گریز نہ کر رہے ہوں، اسی گروہ نے جمل کی آگ کو ہوا دی، اسی گروہ نے معرکہ صفین میں منہ موڑا۔ واقعہ تحکیم میں لا حکم الا اللہ کا نعرہ لگایا، یہی گروہ نہروان میں جمع ہوا اور علیؓ کے خلاف تلوار اٹھائی۔ اسی گروہ نے امامت و معصومیت کے عقیدہ کو وضع کیا اور مسلمانوں میں مذہبی اختلافات کی گرہ کو اتنا پیچیدہ اور مضبوط بنایا کہ حضرت علیؓ کی انتہائی کوشش وسعی کے باوجود حیات اسلامیہ کے اوراق پریشاں کی شیرازہ بندی نہ ہو سکی، وہ کون تھا جو دین پر آنچ نہ آنے دیتا؟ یہ صرف حضرت علیؓ ہی کی ذات تھی جس نے جان دیدی مگر دین کو ضائع نہیں ہونے دیا، سیاسی عروج و عظمت کو

آفتاب کو ڈھلتے ہوئے دیکھتے رہے مگر دین کے اصول بگڑنے نہیں دیئے۔

ایسے حالات میں جبکہ سیاسی اعتبار سے آپ کے لئے اطمینان کا ایک سانس لینا بھی مشکل تھا، مذہب کو مسخ ہونے سے بچانا رسول اکرمؐ کے آخری جانشین کا وہ کارنامہ ہے جس کی مثال نہیں مل سکے گی، ایران و آرمینیا میں جب نو مسلم عیسائیوں اور پارسیوں نے اسلام سے منہ موڑنا شروع کیا تو آپ حالات کی پروا کیئے بغیر ان کی سرکوبی کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے، خارجیوں اور سبائیوں نے حصول مقصد کی خاطر جب آپ کی برائی اور بڑائی میں حدود سے تجاوز کیا، کچھ لوگ بہت بڑھانے لگے اور کچھ لوگوں نے گرانے کی کوشش کی تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ کچھ لوگ اس بنا پر دوزخ میں ڈالے جائیں گے کہ وہ مجھے میرے مقام و مرتبہ سے بہت آگے بڑھا دیں گے اور کچھ دوزخ میں اس لئے جائیں گے کہ وہ مجھے گرانے کی کوشش کریں گے۔

حضرت علیؓ کی مذہبی خدمات میں یمن میں اسلام کی اشاعت و تبلیغ ایک بڑا کارنامہ ہے، اگرچہ آپ دور رسالتؐ ہی میں مذہبی خدمات پر مامور کر دیئے گئے تھے مگر خلیفہ ہونے کے بعد آخر وقت تک اس اہم فریضہ کی ادائیگی سے ایک آن کیلئے بھی خاموشی اختیار نہیں کی۔

درحقیقت حضرت علیؓ اپنے پیشرو خلفاء کے نقش قدم پر چلے

چاہتے تھے اور اس بات کو سخت ناپسند کرتے تھے کہ اس نو ورا اس قائم شدہ نظام میں بلا ضرورت کوئی تبدیلی کی جائے، چنانچہ کتاب الخراج میں امام ابو یوسف نے اس واقعہ کو بیان کیا ہے کہ نجران کے وہ یہودی جن کو حضرت عمرؓ نے جلا وطن کر دیا تھا اور جو پھر اپنے وطن میں واپس آنا چاہتے تھے مگر حضرت علیؓ نے یہ کہہ کر ان کی درخواست کو رد کر دیا کہ حضرت عمرؓ سے زیادہ کون اچھی رائے قائم کر سکتا ہے۔ آپ نے جسقدر بھی تبدیلیاں کیں یا کسی قسم کے قدم اٹھانے کی ضرورت محسوس کی ہمیشہ حضرات خلفاء کے طرز عمل کو سامنے رکھا۔

حضرت علیؓ جب کسی کو عامل کے عہدہ پر مقرر فرماتے تو پہلے اس کے اخلاق و اعمال کو پورے طور پر دیکھ لیتے، پھر اسے عہدہ تفویض کرتے وقت بہت سی نصیحتیں فرماتے، یہی خلفائے ثلاثہ کا دستور تھا۔

حضرت کعب بن مالکؓ کو عراق کی جانب روانہ کرتے ہوئے فرمایا۔ عراق کے ہر ضلع میں پہنچو اور حکام کے حالات کا پورے طور پر جائزہ لو اور غور سے دیکھو کہ ان کی سیرت و اعمال کیا ہیں۔

ایک مرتبہ عبداللہ بن عباسؓ نے بصرے کے بیت المال سے ایک بڑی رقم اپنی ذات پر صرف کر لی۔ آپ نے ایسا سخت جواب طلب کیا کہ وہ خوف کی وجہ سے مکہ چلے گئے۔ اسی طرح مصقلہ نے بیت المال کی رقم سے پانچ سو لونڈی غلام خرید کر آزاد کر دیئے۔ آپ نے اتنا سخت مطالبہ کیا کہ مصقلہ کو بھاگ کر امیر معاویہؓ کے پاس پناہ

حضرت علی نے باوجود شدید مصروفیات کے زیاد بن حفصہ اور معقل بن قیس کو ان کی سرکوبی کے لئے روانہ کیا، ذمیوں نے دوبارہ اطاعت قبول کر لی اور خارجی پہاڑوں کے تاریک غاروں میں روپوش ہو گئے۔

کرمان و فارس کے مجوسیوں نے سر اٹھایا، خراج ادا کرنے سے انکار کر دیا۔ حضرت علیؓ کے محصلوں اور کارکنوں کو نکلنے پر مجبور کر دیا، حضرت علیؓ نے زیاد بن ابیہ کو مامور کیا۔ بغاوت کی آگ زیاد کی کوششوں سے ٹھنڈی پڑ گئی اور لوگ اطاعت گذار بن کر خراج ادا کرنے پر آمادہ ہو گئے۔

فتوحات کے سلسلہ میں بھی حضرت علیؓ نے کئی اہم قدم اٹھائے چنانچہ فتوح البلدان کے بیان سے پتہ چلتا ہے کہ آپ نے کچھ مسلمانوں کے ایک فوجی دستے کو ہندوستان پر چڑھائی کا حکم دیا، چنانچہ ۳۸ھ میں پہلی مرتبہ مسلمان فوجوں نے بمبئی کے اطراف میں کوکن پر حملہ کیا، مسلمانوں کا ارادہ تھا کہ وہ بمبئی اور سندھ کو مملکت اسلامیہ میں شامل کر لیں مگر حالات نے ساتھ نہیں دیا۔

(تاریخ طبری، ابن اثیر، کتاب الخراج، ابوداؤد)

علم و نظر

جس ذات گرامی نے آغوش رسالتؐ میں پرورش پائی ہو اور زبان رسالتؐ سے قرآن کریم سنا، سیکھا اور سمجھا ہو اس کے علم و نظر کا کون احاطہ کر سکتا ہے؟ انا مدینۃ العلم وعلی بابھا: آپ ہی کے لئے زبان

رسالتؐ سے ارشاد ہوا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ صحابہ کرامؓ میں آپ کو غیر معمولی بصیرت حاصل تھی۔ خود حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ میں آنحضرتؐ کی خدمت میں دو مرتبہ رات دِن میں حاضری دیا کرتا تھا اور آپ سے علم و حکمت کی باتیں سیکھا کرتا تھا۔

آپ نے کم عمری ہی میں لکھنا پڑھنا سیکھ لیا تھا، آنحضرتؐ جس وقت مبعوث ہوئے تو آپ باوجود کم عمر ہونے کے لکھ بھی سکتے تھے اور پڑھ بھی سکتے تھے، چنانچہ نزول قرآن کے بعد آنحضرتؐ اکثر آیات کے لکھنے کا آپ کو حکم دیتے تھے، آنحضرت کے وہ خطوط جو کسی کی طرف روانہ کیے جاتے تھے اکثر آپ ہی لکھا کرتے تھے۔ معاہدوں میں حدیبیہ کا صلح نامہ بہت مشہور ہے۔

علوم اسلامیہ میں آپ کی معلومات کا اندازہ اس روایت سے کیا جا سکتا ہے کہ ایک مرتبہ شریح بن ہانیؓ نے حضرت عائشہؓ سے موزوں پر مسح کرنے کے متعلق ایک مسئلہ پوچھا تو آپ نے فرمایا، یہ بات تم حضرت علیؓ سے پوچھو وہ بتائیں گے کیونکہ وہ آنحضرتؐ کے ساتھ سفر و حضر ہر جگہ رہا کرتے تھے۔

قرآن کریم حضرت علیؓ نے حیات رسولؐ ہی میں حفظ کر لیا تھا اور ساتھ ہی اس کی ایک ایک آیت کے شان نزول سے بھی پورے طور پر واقف تھے، ایک مرتبہ آپ نے خود فرمایا کہ میں قرآن کریم کی ہر آیت کے متعلق یہ بتا سکتا ہوں کہ یہ کب، کہاں اور کس لئے نازل ہوئی۔ قرآن

کریم میں ان کی بصیرت کا حال یہ تھا کہ صحابہ کرامؓ میں کوئی بھی اس وصف میں ان کا ہم پلہ نہیں تھا۔ البتہ آپ کے بعد لوگوں کی نظریں حضرت ابن عباسؓ کی طرف اٹھا کرتی تھیں۔ حضرت علیؓ نے قرآن کریم کی تمام سورتوں کو نزول کے حساب سے ترتیب دیا تھا، چنانچہ ابن الندیم نے کتاب الفہرست میں اس کو نقل کیا ہے۔

قرآن کریم سے مسائل کے استنباط میں آپ کی مہارت بے مثل تھی۔ ایک مرتبہ حضرت عمرؓ نے مجنونہ اور اس عورت کو جس نے چھ مہینے میں وضع حمل کیا ہو رجم کا حکم دیا، حضرت علیؓ نے حضرت عمرؓ سے فرمایا، اللہ تعالٰے فرماتا ہے وحمله وفصاله ثلاثون شهرًا۔ آخر تک اور خدا نے مجنون سے قلم اٹھالیا ہے، اس کے بعد ہی حضرت عمرؓ فرمایا کرتے تھے لولا علی لهلك عمرؓ اگر حضرت علیؓ نہ ہوتے تو عمرؓ ہلاک ہو جاتا۔

یہ جرأت صرف حضرت علیؓ کو حاصل تھی کہ وہ خطبہ کے دوران فرمادیا کرتے تھے کہ پوچھو کتاب اللہ سے جو کچھ پوچھنا چاہو، واللہ کوئی ایسی آیت نہیں جسے میں نہ جانتا ہوں کہ وہ رات میں نازل ہوئی یا دن میں۔ میدان میں اتری یا پہاڑ پر۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے تھے کہ خدا کی قسم علم کے نو حصے علیؓ کو ملے ہیں اور صرف ایک حصے میں دوسرے لوگ شریک ہیں۔

خود حضرت علیؓ اپنے ایک خطبہ میں ارشاد فرماتے ہیں، راہ نجات

کتاب خدا ہی ہے۔ اسی کے وسیلہ سے تم سنتے اور دیکھتے ہو، اس کے بعض حصے بعض حصوں کے ترجمان ہیں، قرآنی احکام الٰہی د معارف میں کوئی اختلاف نہیں رکھتا اور اپنے پیرو کو خدا سے جدا ہونے نہیں دیتا ــــ ایک دُوسرے خطبہ میں فرماتے ہیں، یاد رکھو! اس قرآن میں مستقبل کا علم ہے، ماضی کا تذکرہ ہے، تمہارے امراض کا علاج اور تمہاری درمیانی ترتیب و تنظیم ہے۔

مسئلہ تحکیم میں جب شیعانِ علیؓ سے ایک گروہ نکل بھاگا اور خارجی کہلایا تو آپ نے تمام علماء وحفاظ کو جمع کر کے ارشاد فرمایا کہ لاحکم الا اللہ کا نعرہ لگانے والے یہ نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ نے شوہر اور بیوی کے اختلاف کے وقت حکم بنانے کی اجازت دی ہے اور ارشاد فرمایا ہے کہ وان خفتم شقاق بینھما فابعثوا حکما من اھلہ وحکما من اھلھا چہ جائیکہ امت رسول میں اختلاف کے وقت حکم بنانے پر ناراضگی کا اظہار کیا جائے کیا تمام امت محمدیہ اللہ کی نظر میں ایک مرد اور ایک عورت سے بھی کم درجہ رکھتی ہے؟

غرض آیات کی تفسیر د تاویل اور علم ناسخ ومنسوخ میں آپ کو جس درجہ عبور حاصل تھا وہ کسی اور کو نہیں تھا۔ آپ ان واعظین کو کبھی وعظ کی اجازت نہیں دیتے تھے جو علوم قرآن سے پورے طور پر واقف نہ ہوں ایک مرتبہ بعض معتقدین نے آپ سے پوچھا کہ کیا قرآن کے سوا بھی آپ کے پاس کوئی علم ہے؟ آپ نے فرمایا، قسم ہے اس ذات کی جو دانہ کو پھاڑ کر

درخت اگتا ہے، قرآن کے سوا میرے پاس کوئی علم نہیں ہے مگر فہم قرآن کی دولت اللہ جس کو چاہتا ہے دیتا ہے۔

علم حدیث میں اگرچہ آپ کی روایات خلفائے ثلاثہؓ سے زیادہ پائی جاتی ہیں لیکن احتیاط کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ آپ کو ساٹھ برس سے زیادہ اس دنیا میں رہنے کا موقعہ ملا مگر صحیحین میں صرف انتالیس روایتیں آپ کی پائی جاتی ہیں۔

آپ سے زیادہ ارشادات نبویؐ کا جاننے والا کون ہو سکتا تھا؟ بخاری و مسلم کے علاوہ آپ کی ۵۸۰ روایتیں مختلف کتب احادیث میں پائی جاتی ہیں، شاہ ولی اللہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ آنحضرتؐ کے حلیۂ مبارک، عبادت و نوافل کے متعلق سب سے زیادہ آپؓ ہی کی حدیثیں پائی جاتی ہیں اس لئے کہ آپ ہر وقت آنحضرتؐ کے ساتھ رہا کرتے تھے مگر اس کے باوجود ایک موقعہ پر حدیثوں کے بارے میں ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے ارشاد فرمایا۔

جو حدیثیں لوگوں کے درمیان شائع ہیں ان میں صحیح و غلط ہر قسم کی ہیں بلاشبہ آنحضرتؐ کے زمانہ میں بعض لوگوں نے آپ کی طرف جھوٹی روایتیں منسوب کی تھیں اور آپؐ نے اپنے خطبہ میں ارشاد فرمایا تھا کہ ـــــ جو جان بوجھ کر مجھ پر جھوٹ بولے یعنی کوئی غلط بات میری طرف منسوب کر دے تو اسے اپنا ٹھکانہ دوزخ میں بنا لینا چاہیئے۔"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ آپ نے حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضرت عمرؓ، حضرت مقدادؓ اور حضرت فاطمہؓ سے بھی روایتیں کی ہیں۔ صحابہ کرام اور تابعین عظام میں آپ سے روایت کرنے والوں کی بڑی تعداد پائی جاتی ہے۔

صحابہ کرامؓ میں جن حضرات نے احادیث کو لکھنے کا شرف حاصل کیا تھا ان میں حضرت علیؓ کا نام سرِ فہرست ہے اور یہ وہی احادیث ہیں جن کو آپ نے آنحضرتؐ سے سن کر لکھ لیا تھا اور اسی تحریر کو اپنی تلوار کی نیام میں رکھ لیا تھا اور اسے آپ صحیفہ کہتے تھے۔ بخاری کتاب العلم کی روایت سے پتہ چلتا ہے کہ یہ سب احادیث فقہی مسائل سے تعلق رکھتی تھیں۔

آپ سے روایت کرنے والے صحابہ میں عبداللہ بن مسعودؓ، ابوہریرہؓ، ابوسعید خدریؓ، عبداللہ بن عباسؓ، عبداللہ بن عمرؓ، عبداللہ بن زبیرؓ، براء بن عازبؓ، زید بن ارقمؓ اور صہیب رومیؓ ——— تابعین میں علقمہ بن قیسؒ، شریح بن ہانیؒ، عامر بن شراحیلؒ، عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰؒ، نافع بن جبیرؒ، ابوبردہ ابن ابی موسیٰؒ، شعبیؒ کے نام بہت مشہور ہیں اور علم فقہ میں حضرت علیؓ کی وسعت نظر کے لئے یہ کہہ دینا ہی بہت کافی ہے کہ حضرت عائشہؓ اور حضرت عمرؓ جیسے جلیل القدر حضرات بھی بعض اوقات آپ سے مسائل پوچھنے پر مجبور ہوتے تھے، بڑے دقیق اور پیچیدہ مسائل آپ آسانی سے حل کر دیا کرتے تھے، یہ ملکہ خدا داد تھا جس کا اعتراف سبھی کو کرنا پڑتا تھا۔

حضرت عثمان غنیؓ کو بحیثیت داماد ہونے کے اتنا ہی قرب حاصل تھا جتنا کہ حضرت علیؓ کو مگر مسائل کے معاملہ میں وہ بھی حضرت علیؓ کے فیصلہ کو قبول کرتے تھے، ایک مرتبہ حج کے زمانہ میں شکار کے گوشت کو کھانے کی بحث چھڑی جبکہ کسی شخص نے پکا ہوا گوشت پیش کیا تھا، حضرت عثمانؓ کا خیال تھا کہ حالت احرام میں دوسرے کا کیا ہوا شکار کھانا درست ہے حضرت علیؓ سے پوچھا گیا تو آپ نے آنحضرتؐ کا عمل اس کے خلاف بیان کیا اور ساتھ ہی کئی آدمیوں نے شہادت بھی دی حضرت عثمانؓ نے اپنا خیال بدل دیا اور لوگوں کو منع کیا کہ وہ دوسرے کے ہاتھ کا شکار کھلانے سے بھی پرہیز کریں۔

قرآن و حدیث سے مسائل کے استنباط اور فقہ میں ان کی نکتہ رسی صرف دوستوں ہی میں نہیں بلکہ ان کے مخالفین میں بھی مسلم تھی، حضرت امیر معاویہؓ بھی مشکل مسائل میں آپ ہی کی طرف رجوع کیا کرتے تھے۔ اگر فقہ حنفی کی بنیاد پر نظر ڈالی جائے تو یہ حقیقت واضح ہے کہ فقہ حنفی کی تمام تر بنیاد حضرت علیؓ اور حضرت ابن مسعودؓ کے ارشادات اور فیصلوں سے تعلق رکھتی ہے، امام محمد باقرؒ اور امام جعفر صادقؒ سے امام ابو حنیفہؒ کا علوم اسلامیہ میں استفادہ کوئی غیر معروف بات نہیں ہے۔

مسائل فقہ میں حضرت علیؓ کی دقیقہ سنجی اور وسعت نظر کی بڑی وجہ یہ تھی کہ آپ ہر بات آنحضرتؐ سے دریافت کر لیا کرتے تھے۔ وہ مسائل جن میں آپ کچھ حجاب محسوس کرتے تھے دوسروں کے ذریعہ معلوم

کرا لیا کرتے تھے چنانچہ صحیح بخاری میں یہ روایت ہے کہ مذی کے ناقض وضو ہونے کا مسئلہ آپ نے ایک دوسرے شخص کے ذریعہ آنحضرتؐ سے دریافت کرایا تھا، خود آنحضرتؐ کی یہ عادت شریفہ تھی کہ اگر حضرت علیؓ کچھ نہیں بھی پوچھتے تھے تو آنحضرتؐ خود ہی بہت سی باتیں آپ کو بتاتے رہتے تھے۔

حضرت شیخ سہروردی عوارف المعارف میں عبداللہ بن حسن سے روایت کرتے ہیں کہ جب آیت "وتعیھا اذن واعیة" نازل ہوئی یعنی یاد رکھیں گے اس کو یاد رکھنے والے کان، تو آنحضرتؐ نے حضرت علیؓ کو بلا کر فرمایا، اے علی! میں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی ہے کہ تمہارا کان ہو۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں اس کے بعد پھر میں کبھی کچھ نہیں بھولا، جو بھی سن لیتا تھا یاد ہو جاتا تھا۔

حضرت علیؓ کی علمی و نظری وجاہت کا اندازہ ان جملوں سے ہوتا ہے جو آنحضرت اور صحابہ کرامؓ آپ کے متعلق فرمایا کرتے تھے، اقضاھم علیؓ آنحضرتؐ کا ارشاد کون نظر انداز کر سکتا ہے؟ حضرت عمرؓ فرمایا کرتے تھے، اقضانا علیؓ واقرأنا ابی یعنی فیصلہ کے لئے علیؓ اور قرأت کے لئے ابی بہت بڑا درجہ رکھتے ہیں۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلویؒ نے ازالۃ الخفاء میں بہت سے واقعات درج کئے ہیں جن کے پڑھنے سے حضرت علیؓ کے فیصلہ کی صلاحیتوں کا اندازہ ہوتا ہے، اسی لئے آنحضرتؐ کی

جوہر شناس نظروں نے اہل یمن کے لئے حضرت علیؓ کو عہدۂ قضاء پر مامور فرمایا تھا۔

یمن میں حضرت علیؓ جو فیصلے کیا کرتے تھے وہ آنحضرتؐ کو بھی معلوم ہوا کرتے تھے، آپ مسکراتے اور فرماتے علیؓ نے جو فیصلہ کیا ہے میری نظر میں بھی اس کے علاوہ کوئی دوسرا فیصلہ نہیں ہے۔ آنحضرتؐ نے حضرت علیؓ کو فصل مقدمات کی باقاعدہ تعلیم دی تھی اور اس کے اصول آپ کے ذہن نشین کر دئے تھے، ایک مرتبہ ارشاد فرمایا۔ علیؓ! فیصلہ کرنے سے پہلے دونوں آدمیوں کے بیان کو سن لیا کرو، صرف ایک آدمی کا بیان سننا کافی نہیں ہے۔

حضرت علیؓ کی عادت تھی کہ فیصلہ کرنے سے پہلے اہل معاملہ اور گواہوں سے سوالات بھی کیا کرتے تھے تاکہ حقائق پورے طور پر سامنے آجائیں، ایک مرتبہ ایک شخص کو چوری کے الزام میں پکڑ کر آپ کے سامنے پیش کیا گیا، دو گواہ بھی لائے گئے جو چوری کی شہادت دے رہے تھے، آپ نے گواہوں سے فرمایا، اگر تمہاری شہادت جھوٹی ثابت ہوئی تو ایسی سخت سزا دونگا کہ ہمیشہ یاد رکھو گے، یہ فرما کر دوسرے کام میں مصروف ہو گئے، تھوڑی دیر کے بعد نظر اٹھا کر دیکھا تو دونوں گواہ بھاگ چکے تھے، آپ نے ملزم کو چھوڑ دیا۔

حضرت علیؓ کے بعض فیصلے بڑے دلچسپ ہوتے تھے، ایک کسی نے ایک شخص کے خلاف دعویٰ کیا اور کہا کہ میں نے خواب میں

اس شخص کو اپنی ماں کے ساتھ ہم بستر ہوتے ہوئے دیکھا ہے، آپ نے فرمایا۔ اچھا اس خوابی ملزم کو دھوپ میں کھڑا کرو اور اس کے جسم کا جو سایہ زمین پر پڑے اس پر سو درے مارو۔

حضرت علیؓ کے فیصلوں کے متعلق مولوی معین الدین صاحب ندوی لکھتے ہیں کہ "حضرت علیؓ کے فیصلے اہل علم نے تحریری صورت میں مدون کر لئے تھے، مگر اس عہد میں اختلاف آراء اور فرقہ آرائی کا زمانہ شروع ہو چکا تھا، اس لئے ان میں تحریف بھی ہونے لگی، چنانچہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے سامنے جب ان فیصلوں کا مجموعہ پیش کیا گیا تو اس میں کے ایک حصہ کو انہوں نے جعلی بتلایا، اور فرمایا کہ عقل و ہوش کی سلامتی کے ساتھ علی کبھی ایسا فیصلہ نہیں کر سکتے تھے۔"

تقریر و خطابت حضرت علیؓ کا خاص فن تھا۔ ان کی ہر تقریر برجستہ اور فی البدیہہ ہوا کرتی تھی، نہج البلاغہ آپ کے خطبات کا مشہور مجموعہ ہے، جس کے جامع شریف رضی متوفی ۴۰۶ھ ہیں مگر اس مجموعہ کی اہمیت اس لئے ختم ہو جاتی ہے کہ بہت سے خطبات ایسے ہیں جن میں خلفائے ثلاثہ اور دوسرے صحابہؓ کی شان میں نہایت ناروا جملے استعمال کئے گئے ہیں اور جن کو علانیہ حضرت علیؓ کی طرف منسوب کیا گیا ہے، کوئی صاحب ایمان و اسلام حضرت علیؓ کے لئے یہ گمان بھی نہیں کر سکتا کہ ان حضرات کے لئے جن کی شان میں قرآن اور صاحب قرآن رطب اللسان ہیں، ایسے گرے ہوئے اور اخلاق و شائستگی سے ہٹے

ہوئے الفاظ استعمال کریں گے۔ نہج البلاغہ کی یہی وہ عجیب و غریب خصوصیت ہے جس کو دیکھتے ہوئے محدثین و علماء نے اسے شریف رضی کی کوششوں کا نتیجہ قرار دیا ہے۔ مگر خدا کی یہ قدرت دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے کہ جس نہج البلاغہ میں خلفائے ثلاثہؓ اور دیگر صحابہؓ کی شان میں نازیبا الفاظ پائے جاتے ہیں اسی نہج البلاغہ میں حضرات ثلاثہؓ اور صحابہ کی مدح وثنا اور تعریف و توصیف بھی نظر آتی ہے جسے دیکھ کر اہل نظر بڑی آسانی سے حضرت علیؓ کے ارشادات اور شریف رضی کے شاملات کا اندازہ لگا لیتے ہیں۔

علامہ ذہبی میزان الاعتدال جلد ۲ میں اور ابن حجر عسقلانی لسان المیزان میں نہج البلاغہ کے متعلق اپنی رائے ظاہر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ جس نے شریف رضی کی کتاب نہج البلاغہ کا مطالعہ کیا ہے اسے یقین ہے کہ وہ حضرت علیؓ کے نام پر بنائی گئی ہے کیونکہ اس میں کھلی کھلی گالیاں ہیں اور توہین ہے حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ کی اور اس میں ایسا تناقض، رکیک باتیں اور عبارتیں ہیں کہ جسے قریشی صحابہؓ کے طرز گفتگو کا علم ہے وہ یقین کرے گا اس کا بڑا حصہ باطل اور غلط ہے"۔

زور تقریر اور حسن خطابت کا اندازہ مندرجہ ذیل خطبہ سے کرنا چاہیئے جو آپ نے شیعان علیؓ کی بزدلی کو دیکھتے ہوئے ۳۹ھ میں کوفہ کی جامع مسجد میں دیا تھا۔

"قسم ہے اس ذات کی کہ جس کے ہاتھ میں میری جان ہے

تم سردی و گرمی سے نہیں بھاگتے ہو بلکہ تلوار سے جی چراتے ہو اے مردو! نہیں بلکہ مرد کی تصویرو! اور اے بچوں اور عورتوں کی سی عقل اور سمجھ رکھنے والو! خدا کی قسم میں پسند کرتا ہوں کہ خدا تمہاری جماعت سے مجھے نکال لے جائے اور مجھے موت دے کر اپنی رحمت نصیب کرے۔ کاش! تم سے میری جان پہچان نہ ہوتی، خدا کی قسم تم نے میرا سینہ غیظ و غضب سے بھر دیا ہے، تم نے مجھے دو تلخیوں کے گھونٹ پلائے ہیں اور عصیان و نافرمانی کر کے میری رائے کو برباد کر دیا ہے۔"

ایک مرتبہ باعزت موت کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

"اس ہستی کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں پسر ابو طالب کی جان ہے کہ مجھ پر تلوار کی ہزار چوٹیں بستر پہ ایڑیاں رگڑ کر مرجانے سے زیادہ بہتر ہیں۔"

ایک مرتبہ حضرت عثمانؓ سے بات چیت کرتے ہوئے فرمایا۔

"میں آپ کو خدا کی قسم دیتا ہوں کہ آپ اس امت کے امام مقتول نہ بنئے، کیونکہ رسول اللہؐ نے فرمایا ہے کہ اس امت میں جو امام قتل کیا جائے اس کے اثر سے خون ریزی اور خانہ جنگی کی راہ قیامت تک کے لئے کھل جائے گی، امور مشتبہ ہو جائیں گے اور تباہ کاری پھیل جائے گی، حق اور باطل کا امتیاز اٹھ جائے گا، اس تباہ کاری کے دور میں یہ فتنوں

کو ایک دوسرے پر ڈالیں گے اور اس میں گتھ کر رہ جائیں گے، پس آپ اس کہن سالی اور سال خوردگی کے عالم میں مردان کے لئے ایسا کھلونا نہ بن جائیے کہ جہاں چاہے اٹھائے پھرے"۔

غرض تقریر و خطابت کے میدان میں حضرت علیؓ فرد واحد کی حیثیت رکھتے تھے، صحابہ کرامؓ میں یہ ملکہ کسی دوسرے کو حاصل نہیں تھا، چھوٹے چھوٹے جملوں میں فصاحت و بلاغت کے دریا موجزن معلوم ہوتے تھے، وہ لوگ جو آپ کی بات سننا نہیں چاہتے تھے اور آپ کا ساتھ چھوڑ کر بصرے اور نہروان میں اپنی علیحدہ تنظیم میں مصروف تھے وہ بھی ایک مرتبہ آپ کی تقریر سے اتنے متاثر ہوئے کہ تلواریں پھینک کر دوبارہ مطیع ہو گئے۔

قرآن و حدیث اور اس زمانہ کے دیگر علوم و فنون کے ساتھ آپ کو علم نحو میں بھی بڑا دخل اور علم تھا، ایک مرتبہ ایک شخص کو دیکھا کہ وہ قرآن کریم کی تلاوت کے دوران غلطیاں کر رہا ہے۔ آپ نے اسی وقت ابو الاسود کو علم نحو سے متعلق کچھ بنیادی اصول سمجھائے اور اس فن کی تدوین کا حکم دیا تاکہ اعراب میں غلطی کا امکان باقی نہ رہے۔

حضرت علیؓ کے ذوق شاعری پر بھی مورخین نے بہت کچھ روشنی ڈالی ہے، یہاں تک کہ ایک پورا دیوان حضرت علیؓ کے نام سے منسوب کیا جاتا ہے اور جسے مدارس اسلامیہ عربیہ کے علماء طلباء بڑے شوق

سے پڑھتے اور دوسروں کو پڑھاتے اور سمجھاتے ہیں مگر زبان کی کمزوری دیکھنے کے بعد دل نہیں چاہتا کہ افصح العرب سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کی طرف اس کی نسبت کو برقرار رکھا جائے، ایسی حالت میں ظاہر ہے کہ "دیوان علیؓ" کی حیثیت ایسی ہی رہ جاتی ہے جیسے اہل علم کی نظروں میں نہج البلاغہ کی، اس کا یہ مطلب نہیں کہ حضرت علیؓ اس فن سے ناواقف تھے، نہیں بلکہ آپ کا مذاق شاعری بہت ہی ستھرا اور پاکیزہ تھا اور جس کے نمونے کتب احادیث میں کہیں کہیں پائے جاتے ہیں۔

(طبقات ابن سعد، مسلم، تاریخ الخلفاء، ازالۃ الخفا، خلفائے راشدین)

مقام ومرتبہ

قرآن کریم میں اگرچہ خلفائے ثلاثہؓ کی طرح حضرت علیؓ کا نام بھی کہیں نہیں لیا گیا ہے لیکن وہ تمام آیات جو مومنین اولین اور مہاجرین سابقین کی تعریف، توصیف میں نازل ہوئی ہیں سب میں حضرت علیؓ شریک وشامل ہیں ــــ حضرت سعد بن وقاصؓ فرماتے ہیں کہ جب آیت قل تعالوا ندع ابناء نا وابناء کم۔ نازل ہوئی تو آنحضرتؐ نے حضرت علیؓ، حضرت فاطمہؓ اور حضرات حسنینؓ کو بلایا اور فرمایا۔ اے اللہ یہ میرے اہل ہیں۔

سیر خلفائے راشدین

حضرت ام سلمہؓ اور حضرت انس بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی کہ انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اہل البیت، تو آنحضرتؐ نے اسوقت بھی ان ہی حضرات کو آواز دی اور بلایا۔ حضرت ابن عباسؓ اسی آیت کے سلسلہ میں فرماتے ہیں کہ آنحضرتؐ نے حضرت علیؓ، حضرت فاطمہؓ اور حضرات حسنینؓ کو اپنی چادر میں لے کر اس آیت کو تلاوت کیا۔ حضرت علیؓ آیت انما انت منذر ولکل قوم ھاد کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ رسول اکرمؐ منذر تھے اور میں ہادی ہوں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بے شمار ارشادات ہیں جن سے حضرت علیؓ کی فضیلت اور ان کے مقام و مرتبہ کا اندازہ ہوتا ہے۔ بہت سی روایات پچھلے اوراق میں بیان کی جا چکی ہیں منجملہ ان کے چند یہ بھی ہیں۔　　(ابن عساکر، ابن جریر)

حضرت زید بن ارقمؓ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرتؐ نے ارشاد فرمایا۔ انا من علی وعلی منی اللھم وال من والاہ وعاد من عاداہ۔ میں علیؓ سے ہوں اور علی مجھ سے ہیں، اے اللہ! جو ان سے محبت کرے اس سے تو محبت فرما اور جو ان سے عداوت رکھے اس سے تو عداوت رکھ۔ حضرت اسماء بنت عمیسؓ کہتی ہیں کہ آنحضرتؐ نے حضرت علیؓ سے فرمایا۔ انت منی بمنزلۃ ھارون من موسٰی۔ یا علیؓ تم میرے لئے ایسے ہو جیسے ہارون موسٰی کے لئے تھے۔

(ترمذی، مشکوٰۃ، مسند امام احمد)

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ آنحضرتؐ نے فرمایا، میرے پاس سردار عرب کو بلاؤ۔ میں نے کہا کیا آپ سید العرب نہیں ہیں؟ آپ نے فرمایا۔ میں بنی آدم کا سردار ہوں اور علیؓ سید العرب ہیں۔

حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرتؐ نے ارشاد فرمایا کہ حضرت علیؓ کے چہرہ کی طرف دیکھنا عبادت ہے۔

حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ طائف کے دن آنحضرتؐ نے حضرت علیؓ سے دیر تک باتیں کیں، لوگوں نے کہا، یا رسول اللہ! آج آپ نے اپنے چچازاد بھائی سے بہت دیر تک باتیں کیں، فرمایا، میں نے نہیں بلکہ اللہ نے کیں۔

حضرت ام عطیہؓ کہتی ہیں کہ آنحضرتؐ نے حضرت علیؓ کو ایک لشکر کے ہمراہ روانہ کیا، جب چلے گئے تو حضور اکرمؐ نے ہاتھ اٹھا کر دعا فرمائی، اے اللہ! جب تک علیؓ واپس نہ آجائیں مجھے موت نہ دینا۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ کی طرف سے مسئلہ خلافت اور باغ فدک کے سلسلہ میں بعض لوگوں نے حضرت علیؓ اور حضرت فاطمہؓ کو بدگمان کر دیا تھا مگر حضرت صدیقؓ جس ادب و احترام سے پیش آئے اس نے ان حضرات کے دل صاف کر دیئے تھے، حضرت ابوبکر صدیقؓ نے مسند خلافت پر قدم رکھا تو حضرت علیؓ موجود نہیں تھے، آپ نے بلایا تو اسی وقت تشریف لائے اور مجمع عام میں اپنی بیعت کا

اعلان کیا، حضرت فاطمہؓ جب بیمار ہوئیں تو حضرت ابوبکر صدیقؓ اکثر مزاج پرسی کے لئے حاضری دیا کرتے تھے اور جب وہ اس جہان سے سفر کرنے لگیں تو حضرت صدیقؓ نے دل شکنی کی معافی چاہی، حضرت فاطمہؓ نے اپنا دل صاف ہونے کا یقین دلایا، حضرت ابوبکر صدیقؓ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ واللہ میں اپنے رشتہ داروں سے زیادہ آنحضرتؐ کے رشتہ داروں کو محبوب رکھتا ہوں ـــــ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوا کہ حضرت علی فرماتے ہیں کہ "عمر اہل جنت کے چراغ ہیں" اسی وقت مسلمانوں کو لئے ہوئے حضرت علیؓ کی خدمت میں پہنچے اور دریافت کیا، حضرت علیؓ نے فرمایا، ہاں میں نے سنا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو چراغ اہل جنت فرمایا ہے، حضرت عمرؓ نے عرض کیا۔ یا علیؓ اس حدیث کو اپنے ہاتھ سے ایک کاغذ پر لکھ دیجئے، حضرت علیؓ نے پوری حدیث لکھ کر دیدی، حضرت عمرؓ نے یہ فرمان عالیشان ہاتھ میں لے لیا اور پھر اولاد کو وصیت فرمائی کہ جب میں مرجاؤں تو یہ کاغذ میرے کفن میں رکھ دینا، چنانچہ جب آپ شہید ہوئے تو اس وصیت کے مطابق یہ تحریر شدہ حدیث آپ کے کفن میں رکھدی گئی۔ (بیہقی، ترمذی)

حضرت عمرؓ نے بحثیت خلیفہ ارشاد فرمایا کہ حضرت علیؓ کی موجودگی میں کوئی شخص مسجد میں فتویٰ نہ دیا کرے۔ ایک مرتبہ آپ نے اللہ تعالیٰ سے درخواست کی کہ اے میرے رب! میں تیری پناہ

مانگتا ہوں اس قوم میں زندہ رہنے سے جس میں علیؓ نہ ہوں۔۔۔۔
حضرت عثمان غنیؓ کے گھر کو جب باغیوں نے ہر طرف سے گھیر لیا، یہاں تک کہ آپ پر دانہ بھی گھر میں داخل ہونے پر پابندی لگ گئی حضرت عثمانؓ نے حضرت علیؓ کو بلایا، آپ تشریف لے گئے، باغیوں نے گھر میں جانے سے روکا تو اپنا عمامہ اتار کر گھر میں پھینک دیا تاکہ وہ اندازہ کرلیں کہ حالات کس درجہ نازک ہو رہے ہیں۔ حضرت علیؓ نے جب دیکھا کہ خطرہ بڑھتا جاتا ہے تو آپ نے اپنے صاحبزادوں کو کھڑا کر دیا کہ وہ نگرانی اور پہرہ داری کریں۔
حضرت عائشہؓ نے عاشورہ کے دن روزہ رکھنے کے فتوے کو سنکر فرمایا، علیؓ سنت نبوی کے بہت بڑے جاننے والے ہیں،
حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا حضرت علیؓ کے علم و نظر کی اس درجہ معترف تھیں کہ جب ان سے کوئی مسئلہ پوچھا جاتا تھا تو اکثر اوقات فرمادیا کرتی تھیں عَلِيًّا فَاسْئَلْهُ علیؓ سے پوچھو۔
حضرت ابو سعید خدریؓ فرماتے تھے کہ ہمارے نزدیک منافق کی پہچان یہ تھی کہ وہ علیؓ سے بغض رکھتا ہو۔
حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی۔ ان الذین آمنوا وعملوا الصلحت اولٰئک ھم خیر البریہ، تو اس وقت آنحضرتؐ کے پاس بہت سے صحابہ بیٹھے ہوئے تھے، تھوڑی دیر کے بعد حضرت علیؓ تشریف لائے تو صحابہ کرامؓ نے ان کو دیکھ کر کہنا

شروع کیا قَدْ جَاءَ خَیْرُ الْبَرِیَّۃِ۔ وہ خیر البریہ تشریف لے آئے۔ (ابن عساکر)

استیعاب میں ہے کہ ام المومنین حضرت عائشہؓ کو جب حضرت علیؓ کی شہادت کی اطلاع ہوئی تو ایک ٹھنڈی آہ بھر کر فرمایا تَصْنَعُ الْعَرَبُ مَا تَشَاءُ فَلَیْسَ لَهَا اَحَدٌ یَنْهٰی۔ اب اہل عرب کا جو دل چاہے وہ کریں کیونکہ کوئی روکنے والا نہیں رہا۔

حضرت عمار بن یاسرؓ کہتے ہیں کہ آنحضرتؐ نے حضرت علیؓ سے فرمایا کہ دو سب سے زیادہ شقی اور بدبخت ہیں ایک وہ آدمی جس نے حضرت صالحؑ کی اونٹنی کی کونچیں کاٹیں اور دوسرا وہ آدمی جو تمہارے سر پر تلوار کا وار کرے گا اور تمہاری ریش خون سے تر ہو جائے گی۔

حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ آنحضرتؐ نے ارشاد فرمایا کہ جنت تین آدمیوں کی مشتاق ہے، ایک حضرت علیؓ ایک حضرت عمارؓ اور ایک حضرت سلمانؓ کی ـــــ حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ میں بیٹھا ہوا تھا کہ حضرت علیؓ خدمت رسولؐ میں حاضر ہوئے آنحضرتؐ نے ان کو دیکھ کر فرمایا، اے انسؓ یہ علیؓ اللہ کی مخلوق پر حجت ہیں۔

حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ آنحضرتؐ نے ارشاد فرمایا کہ شب معراج میں اللہ تعالیٰ نے مجھے حضرت علیؓ کے تین لقب بتائے مومنوں کا سردار، متقیوں کا امام اور سفید ہاتھ منہ والوں کا پیشوا۔ (طبرانی)

حضرت ابو سعید خدریؓ کہتے ہیں کہ آنحضرتؐ نے حضرت علیؓ

سے فرمایا۔ اے علی! میرے اور تمہارے سوا کسی کو جائز نہیں کہ حالت جنابت میں اس مسجد کے اندر آئے۔ (ترمذی)

ابن ابی حمزہؓ کہتے ہیں کہ حضرت امام حسنؓ نے حضرت علیؓ کی شہادت کے بعد اپنے خطبہ میں ارشاد فرمایا۔ اے اہل عراق کل رات جسے شہید کیا گیا اپنے رب کے پاس پہنچ گیا، وہ ایسا تھا کہ جس سے پہلے کسی نے نیکی میں سبقت نہیں کی اور جس کے بعد کوئی اسے نہیں پہنچ سکے گا۔ اے لوگو! جب آنحضرتؐ ان کو فوج کا سردار بنا کر روانہ فرماتے تھے تو ان کی داہنی طرف جبرئیلؑ اور بائیں طرف میکائیل ہوتے تھے جب تک وہ فتح یاب نہیں ہوتے تھے۔ (ابن جریر)

حضرت امیر معاویہؓ نے حضرت علیؓ کی شہادت کے بعد کہا۔ ذَهَبَ الْفِقْهُ وَالْحِكْمَةُ بِمَوْتِ عَلِيِّ ابْنِ أَبِي طَالِبٍ، علیؓ کی شہادت سے فقہ اور حکمت رخصت ہو گئے۔ (استیعاب)

حضرت امام احمد ابن حنبلؒ فرماتے ہیں کہ آنحضرتؐ کے کسی صحابی کی فضیلت میں اتنی حدیثیں نہیں وارد ہوئیں جتنی کہ حضرت علیؓ کی شان میں پائی جاتی ہیں۔ حضرت عباسؓ فرماتے ہیں، نزلت فی علی ثلث مائة اٰیة۔ حضرت علیؓ کے حق میں ۳ سو آیات نازل ہوئیں۔

(تاریخ الخلفاء)

اخلاق و عادات

حضرت علیؑ کی زندگی، اخلاق و عادات اور سیرت و کردار میں مزاج نبیؐ کا بہت ہی پاکیزہ نمونہ تھی، یہ خصوصیت صرف آخری خلیفہ راشد حضرت علیؑ کو حاصل تھی کہ وہ آغوش رسالت میں پل کر سیرت مصطفےٰ کے حامل و آئینہ دار بنے تھے۔

اسلام سے قبل اور اسلام کے بعد زندگی کے کسی دور میں ان سے کوئی کام خلاف مزاج الٰہی نہیں ہوا۔ جو گناہ عرب کی گھٹی میں پڑے ہوئے تھے ان سے وہ کبھی آشنا نہیں ہوئے، فقر و زہد، سادگی اور ایثار آپ کی ذات پر ختم ہو گئے، قناعت و توکل کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ آنحضرتؐ نے جناب فاطمہؑ کو جو سامان جہیز میں دیا تھا اس میں وہ کوئی اضافہ نہ کر سکے۔ عالم غربت میں کبھی دامن صبر و شکر ہاتھ سے نہیں چھوٹا۔

ہفتوں گھر میں آگ نہیں جلتی، بکری کی کھال بچھانے کے لئے اور ایک معمولی چادر اوڑھنے کے لئے، کبھی شدت بھوک میں پیٹ سے پتھر باندھ لیا کرتے تھے، ایک مرتبہ بھوک کے عالم میں ایک ضعیفہ کے کھیت پہنچے۔ کنوئیں سے کھیت کو پانی دیتے رہے، اجرت میں کچھ کھجوریں ملیں، آنحضرتؐ کے پاس لائے۔ اور ساتھ بیٹھ کر کھائیں۔

ایامِ خلافت کا زمانہ اس سادگی سے گذار دیا کہ نہ تو دروازہ پر کوئی دربان بٹھایا اور نہ مکان میں ساز و سامان کے ڈھیر لگائے بیت المال سے بہت قلیل رقم اپنے ذاتی اخراجات کے لئے لیتے تھے، دسترخوان پر اتنا سادہ کھانا ہوتا تھا کہ ہفتوں گوشت نظر نہیں آتا تھا، کوفہ میں لوگوں نے ہرچند چاہا کہ قصرِ خلافت میں قیام کریں مگر آپ نے یہ کہہ کر لوگوں کی درخواست مسترد کردی کہ حضرت عمرؓ نے کبھی محلات کو پسند نہیں کیا۔

گھر کے کاموں کے لئے اور اپنی ذات کے کاموں کے لئے کبھی کوئی خادم نہیں رکھا، مسند نشین ہوتے ہوئے بھی جبکہ خداموں اور خدمت گاروں کی کوئی کمی نہیں تھی گھر کے اور باہر کے کام زیادہ تر اپنے ہاتھ ہی سے انجام دے لیا کرتے تھے۔ حضرت فاطمہؓ کی زندگی میں اور ان کے بعد بھی سادگی اور صبر و شکر کا یہ عالم تھا کہ دسترخوان پر جو کچھ آجاتا وہی نوش فرمالیا کرتے تھے، نہ کبھی موٹے اور پھٹے لباس کو ٹھکرایا اور نہ کبھی کسی کھانے کی چیز کو برا کہا۔ ایک مرتبہ ایک ساتھی نے کہا، امیر المومنین! آپ کے دسترخوان پر نہ تو لذیذ غذائیں ہوتی ہیں اور نہ پرندوں کا گوشت ہوتا ہے؟ فرمایا۔ اے ابن زریر مسلمانوں کے خلیفہ کے لئے صرف دو پیالے کھانے کے کافی ہیں ایک اپنے اور بچوں کے لئے اور دوسرا مہمان اور خلق خدا کے لئے۔

فقر و زہد، سادگی اور مسکینی کے ساتھ ذوق عبادت ان کا امتیازی

وصف تھا، حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میری معلومات میں حضرت علیؓ سب سے بڑے عبادت گذار اور روزہ رکھنے والے تھے، حضرت زبیر ابن سعید قریشیؓ کہتے ہیں کہ میں نے کسی ہاشمی کو حضرت علیؓ سے زیادہ عبادت کرنے والا نہیں دیکھا۔ مفسرین نے قرآن کریم کی تفسیر میں فرمایا ہے کہ والذین معه سے مراد حضرت ابو بکر صدیقؓ کی ذات ہے، اشداء علی الکفار سے فاروق اعظمؓ، رحماء بینھم سے حضرت عثمان غنیؓ اور رُکَّعًا سُجَّدًا سے حضرت علیؓ مراد ہیں، اور یبتغون فضلا من اللہ و رضوانا میں دوسرے تمام اصحاب رسولؐ داخل اور شامل ہیں۔

آنحضرتؐ نے آپ سے اور حضرت فاطمہؓ سے فرمایا تھا کہ ہر نماز کے بعد ۳۳ بار سبحان اللہ، ۳۳ بار الحمد للہ اور ۳۴ بار اللہ اکبر پڑھ لیا کرو۔ ایک مرتبہ آپ نے خود فرمایا کہ آنحضرتؐ کا بتایا ہوا یہ وظیفہ میں نے کبھی نہیں چھوڑا، ایک صاحب نے پوچھا کہ معرکہ صفین میں بھی؟ فرمایا۔ ہاں صفین کی رات میں بھی۔ آنحضرتؐ کے جملہ اصحاب عبادت کے شائق تھے مگر حضرت علیؓ کو عبادت سے جو گہرا شغف تھا اور جو انہماک آپ کے قیام و سجود میں ہوا کرتا تھا وہ آپ ہی کا حصہ تھا ــــ سادگی و سخاوت کا یہ عالم تھا کہ مزدوری کرنے میں بھی ان کو کوئی تکلیف نہیں تھا مگر اس کے باوجود محنت کی کمائی اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہوئے خوشی محسوس کرتے تھے، ایک مرتبہ رات بھر مزدوری کرنے کے بعد گھر تشریف لائے، مزدوری کے

جو گھر میں دیئے، پکنے کا انتظام ہو رہا تھا کہ ایک سائل نے آواز دی، آپ نے تہائی دیدیا، پھر دوسرے نے آواز دی تو آپ نے تہائی دیدیا، پھر تیسرے نے آواز دی آپ نے بقیہ وہ بھی دیدیا، اللہ تعالٰی نے رسول اکرمؐ کے پاس حضرت جبریل کو یہ آیت دیکر بھیجا۔

ویطعمون الطعام علی حبہ مسکینا ویتیما واسیرا۔ یعنی وہ لوگ جو اللہ کی محبت میں مسکین، یتیم اور قیدی کو کھانا کھلاتے ہیں، اس واقعہ کو بخاری مناقب علی میں بیان کیا گیا ہے۔

مزاج میں تواضع، انکسار اور عاجزی اس درجہ پائی جاتی تھی کہ مسجد نبویؐ میں فرش خاک پر بے تکلف سو جایا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ آنحضرتؐ مسجد میں آپ کو تلاش کرتے ہوئے داخل ہوئے تو دیکھا کہ علیؓ زمین پر سو رہے ہیں جسم مٹی سے بھر گیا ہے، آنحضرتؐ پاس بیٹھ گئے، جسم سے مٹی کو صاف کرتے ہوئے فرمایا۔ اجلس یا ابا تراب، لے مٹی والے اٹھئے، اس دن سے ابو تراب مشہور ہوئے، کبھی کوئی ابو تراب کہہ کر مخاطب کرتا تو بہت خوش ہوتے اور اس لقب کو بے انتہا پسند فرماتے، یہاں تک کہ ہونٹوں پر ہنسی آجایا کرتی تھی۔

شجاعت میں ان کا کوئی ہمسر و حریف نہیں تھا، بدر سے حنین تک اور جمل سے صفین تک جہاں بھی دیکھتے ان کی دھاک بیٹھی ہوئی تھی، کسی کی جرأت ان کے مقابل آنے کی نہ ہوتی تھی، بدر کے میدان میں بے مثال شجاعت، احد میں استقلال، خندق میں دلیری،

خیبر میں جرأت وہمت حنین میں جان نثاری کی مثالیں جو آپ نے پیش کیں وہ آپ ہی کے ساتھ مخصوص تھیں، ولید، شیبہ اور کفار کے علم بردار طلحہ جن کی شجاعت پر کفار بدر کو ناز تھا، مقابل آئے تو آپ نے بڑی دلیری سے مقابلہ کیا اور جب وہ کٹ کر گرے تو آنحضرت نے فرطِ مسرت سے نعرۂ تکبیر بلند کیا۔

جذبۂ رحم اور حسنِ سلوک دشمنوں کے مقابل بھی کم نہیں ہوتا تھا، عمرو بن عاصؓ لڑتے ہوئے سواری سے گرے اور برہنہ ہو گئے، آپ نے تلوار روک لی، ایسی حالت میں مارنا آپ کے نزدیک بہادری اور حسن جنگ کے خلاف تھا۔ جنگ جمل میں جب مخالفین نے بھاگنا شروع کیا تو فرمایا، جانے دو کوئی ان کا تعاقب مت کرے۔ صفین میں پانی پر قبضہ ہونے کے باوجود حکم دیدیا کہ مخالفین کو بھی پانی لینے سے روکا نہ جائے۔

ابن جرموز نے جمل میں حضرت زبیرؓ کا سر کاٹ کر آپ کی خدمت میں پیش کیا تا کہ انعام حاصل کرے، آپ نے نظر ڈالی اور رونے لگے، پھر زبیرؓ کی تلوار دیکھ کر فرمایا۔ لوگو! یہ وہی تلوار ہے جس نے بارہا رسول اللہؐ کے چہرے سے پریشانی کے بادل ہٹائے ہیں مستدرک کی روایت ہے کہ حضرت علیؓ نے فرمایا۔ صفیہ کے فرزند کے قاتل ابن جرموز کو دوزخ کی بشارت سنا دو، میں نے آنحضرتؐ کو فرماتے سنا ہے کہ ہر نبی کے حواری ہوتے ہیں اور میرا حواری زبیرؓ ہے۔

تاریخ خلفاء ۱۔ یہ واشہ ۶۲

اپنے قاتل ابن ملجم کے لئے وصیت کرتے ہوئے فرمایا، اس سے سخت انتقام مت لینا، جسم، چہرہ اور ناک کان مت بگاڑنا، اچھا کھانا کھلاؤ اور آرام دہ بستر پر سلاؤ۔

خلفائے ثلاثہؓ سے آپ نے کبھی اختلاف نہیں کیا، ہمیشہ ان کا احترام کیا اور ان کے مراتب کے معترف رہے، بعض لوگوں نے چاہا بھی کہ اختلاف ہو مگر آپ نے یہ کہہ کر کہ باوجود مسلمان ہونے کے تم میں منافقت کی بو ابھی تک باقی ہے، خاموش کر دیا۔ حضرت صدیق اور حضرت فاروق کے مشیروں میں پہلا نام آپ ہی کا تھا نازک موقعوں پر آپ کی رائے خلافت اسلامیہ کے لئے جس درجہ مفید ثابت ہوئی اس کا ذکر پچھلے اوراق میں گذر چکا ہے۔

حضرت عمرؓ کو آپ کی رائے پر اس درجہ اعتماد تھا کہ وہ اپنی رائے بھی آپ کی رائے کے سامنے نظر انداز کر دیتے تھے، حضرت عمرؓ معرکہ نہاوند میں سپہ سالار بن کر جانا چاہتے تھے مگر حضرت علیؓ نے منع کیا تو سواری سے اتر آئے۔ غرض شیخینؓ کی خلافت کو کامیاب بنانے میں حضرت علیؓ کا بہت بڑا ہاتھ تھا، حضرت عثمانؓ کو ہمیشہ مفید مشورے دیتے رہے اور کوتاہیوں پر ٹوکتے رہے، اگر آپ کے مشوروں کو نظر انداز نہ کیا جاتا تو جو فساد اور بغاوت کی آگ مدینہ میں بھڑکی نہ بھڑکتی مگر اللہ جو چاہتا ہے اسے کون بدل سکتا ہے۔

عدل وانصاف آپ کے دور کی نمایاں خصوصیات ہیں۔ عدالتیں خلیفہ ورعایا میں کوئی فرق نہیں کرتی تھیں۔ ایک مرتبہ آپ کی زرہ گم ہوگئی، ایک نصرانی کے پاس دیکھی مگر یہ نہیں کیا کہ اس سے چھین لیں یا یہ معلوم کریں کہ تمہارے پاس کہاں سے آئی، قاضی کی عدالت میں دعویٰ کیا اور خود تشریف لے گئے۔ عدالت نے آپ سے ثبوت مانگا تو آپ نے اپنے صاحبزادے امام حسنؓ کو پیش کیا، عدالت نے بیٹے کی شہادت قبول نہیں کی اور مقدمہ خارج کر دیا، نصرانی بہت متاثر ہوا اور کہنے لگا یہ تو نبیوں کا انصاف ہے۔ اس کے بعد داخل اسلام ہوگیا۔

حاضر جوابی اور حسن ظرافت کا اندازہ اس واقعہ سے کرنا چاہئے کہ ایک مرتبہ حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ تینوں ایک ساتھ جا رہے تھے، حضرت علیؓ درمیان میں تھے، قد دونوں حضرات سے چھوٹا تھا۔ حضرت عمرؓ نے مزاحاً فرمایا، یا علیؓ آپ ہم دونوں کے درمیان ایسے معلوم ہوتے ہیں جیسے لفظ "لنا" کے بیچ میں "نون"؟ آپ نے فوراً جواب دیا اور فرمایا، ٹھیک ہے مگر آپ کو یہ بھی سوچنا چاہئے کہ اگر میں درمیان سے نکل جاؤں تو آپ دونوں حضرات صرف "لا" رہ جاتے ہیں"۔

حضرت امیر معاویہؓ اگرچہ سیاسی اعتبار سے حضرت علیؓ کے مخالف تھے مگر ان کی پاکیزہ زندگی، اخلاق وعادات اور حسن عمل کا ان کو بھی اعتراف تھا، وہ لوگوں سے حضرت علیؓ کی زندگی کے حالات سنا کرتے

تھے اور اس سے ان کی غرض اپنے لئے اخلاقی راہیں تلاش کرنا ہوتی تھی۔ چنانچہ ایک مرتبہ حضرت علیؓ کے قدیم رفیق اور ساتھی حضرت ضرار بن ضمرہؓ سے انہوں نے فرمائش کی کہ وہ حضرت علیؓ کے اخلاق و سیرت کو بیان کریں، جناب ضرار نے بڑے اصرار کے بعد جو نقشہ کھینچا، انسانی تاریخ اس کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے، فرماتے ہیں:

بڑے بلند نظر بڑے عالی ہمت، بڑے طاقتور، بچی تُلی گفتگو فرماتے، حق و انصاف کے مطابق فیصلہ کرتے زبان و دہن سے علم کا چشمہ ابلتا تھا اور ہر ہر ادا سے حکمت ٹپکتی تھی۔ دنیا اور بہار دنیا سے وحشت تھی، رات اور رات کی تاریکی میں خوش رہا کرتے تھے۔ آنکھیں پرآب، ہر وقت فکر و غم میں ڈوبے ہوئے، رفتار زمانہ پر متعجب نفس سے ہر وقت مخاطب، کپڑا وہ مرغوب تھا جو موٹا اور معمولی ہو، غذا وہ جو سادہ اور غریبانہ ہو، کوئی امتیازی نشان پسند نہیں کرتے تھے، جماعت کے ایک فرد معلوم ہوتے تھے، ہم سوال کرتے تو جواب دیتے، ہم حاضر خدمت ہوتے تو سلام اور مزاج پرسی میں پہل کرتے، ہم مدعو کرتے تو دعوت قبول فرماتے لیکن اس قرب و مساوات کے باوجود رعب کا یہ عالم تھا کہ بات کرنے کی ہمت نہ ہوتی اور سلسلۂ سخن کا آغاز کرنا مشکل ہوتا۔ اگر کبھی مسکراتے تو دانت موتی کی لڑی معلوم ہوتے دین داروں کی عزت اور مسکین سے محبت کرتے تھے کسی طاقتور یا دولتمند کی یہ مجال نہ تھی کہ وہ ان سے غلط فیصلہ کروالے یا ان سے کوئی رعایت حاصل کرلے، کمزور ان کے عدل و انصاف پر بھروسہ کرتے تھے میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں نے ان کو ایک رات ایسی حالت میں دیکھا کہ رات نے اپنی ظلمت کے پردے ڈال دیئے تھے اور ستارے ڈھل چلے

تھے، آپ اپنی مسجد کے محراب میں کھڑے تھے۔ ڈاڑھی مٹھی میں تھی، اس طرح تڑپ رہے تھے جیسے سانپ نے ڈس لیا ہو اس طرح رو رہے تھے جیسے دل پر کوئی چوٹ لگی ہو، جو کچھ فرمایا۔ اس کے الفاظ اس وقت بھی میرے کانوں میں گونج رہے ہیں۔ اے دنیا اے دنیا! کیا تو میرا امتحان لینے چلی ہے اور مجھے بہکانے کی ہمت کر رہی ہے۔ مایوس ہو جا! کسی اور کو فریب دے! میں نے تو تجھے ایسی تین طلاقیں دی ہیں جن کے بعد رجعت کا کوئی سوال نہیں۔ تیری عمر کوتاہ تیرا عیش بے حقیقت، تیرا خطرہ زبردست ہائے زاد راہ کس قدر کم ہے، سفر کتنا طویل اور راستہ کتنا وحشت ناک ہے۔

یہ ہے وہ نمایاں اور ممتاز کردار جو آخری خلیفۂ راشد حضرت علیؓ نے پیش کیا اور بتایا کہ ہم ہی وہ لوگ ہیں جن کی طرف میراث رسولؐ منتقل ہوئی ہے۔

(ترمذی، مسند ابن حنبل، ابن سعد، صفۃ الصفوۃ ابن جوزی)

تعلیمات و ارشادات

صفحہ ہستی پر بے شمار حکومتیں آئیں، بنیں اور بگڑیں مگر خلفائے راشدین کا پاکیزہ دور دنیا میں پہلی اور آخری مرتبہ آیا، تاریخ و حدیث کی کتابیں آپ کی تعلیمات سے بھری پڑی ہیں، اللہ کے ان برگزیدہ بندوں اور رسولؐ کے ان مخلص سچے اور صحیح جانشینوں نے مسند خلافت کو زینت دیتے ہوئے جو حکومتی و عوامی نقش و نگار چھوڑے اس کا مفصل تذکرہ آپ پڑھ چکے ہیں حضرت علیؓ کی تعلیمات و ارشادات کا ایک اجمالی خاکہ یہاں ملاحظہ کیجیے۔

حضرت علیؓ نے دوران خلافت میں اپنی فوج، اپنے ماننے والوں اور اپنے گھر والوں کو جو ہدایات دیں اور ان کو اخلاق و اعمال کے جن زیوروں سے آراستہ کرنے کے لئے جو وعظ و نصیحت اور تلقین وہدایت فرمائی وہ تعلیمات نبویؐ کا حسین خلاصہ ہے جسے اختیار کئے بغیر کوئی شخص معراج سعادت پہ فائز نہیں ہو سکتا آپ نے ارشاد فرمایا" میں اپنے ماننے والوں کو اللہ سے ڈرنے اور اس کی اطاعت کرنے کا حکم دیتا ہوں، کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کے بغیر کوئی کامیابی حاصل نہیں ہو سکتی ہے، دل سے شبہات کو نکال دو اور نفس کی وہ قوتیں جو سرکشی پہ آمادہ کرتی ہیں ان کو توڑ دو۔ جو اللہ کی نصرت وعزت چاہتے ہیں، اللہ ان کی عزت کو برقرار رکھتا ہے۔ عمل صالح تمہارے نزدیک محبوب ترین ذخیرہ ہونا چاہیے، اپنی خواہشات پر قابو رکھو اور جو چیزیں حلال نہیں ہیں ان سے باز رہو جس طرح تم چاہتے ہو کہ اللہ تعالیٰ تمہاری خطاؤں کو معاف کردے اسی طرح تم کو چاہیئے کہ تم لوگوں کی خطائیں معاف کرتے رہو اور ان سے درگذر کرتے رہو۔

یاد رکھو اس دنیا میں ایک پر دوسرا نگراں موجود ہے اور اللہ سب کا نگراں وحاکم ہے جس نے تم کو دوسروں پر حاکم و نگراں بنایا ہے، کسی کو معاف کرکے شرمندہ مت ہو اور کسی کو سزا دے کے خوش مت ہو، اپنی امارت وحکومت پر غرور مت کرو، اس سے قلب فاسد اور دین کمزور ہوتا ہے۔ اللہ ہر جبار کو ذلیل اور متکبر کو خوار کر دیتا ہے۔ اگر تم نے اپنے نفس، اپنے اقارب اور عام لوگوں سے بھلائی کرنے سے گریز کیا تو ظالم ٹھہروگے،

جو شخص اللہ کے بندوں پر ظلم کرتا ہے اللہ اس کا مخالف بن جاتا ہے، جب تک ظالم ظلم سے نہ رکے اس سے جنگ کرتے رہو کیونکہ ظلم نعمت کو بدل کر عذاب کے قریب کر دیتا ہے، عام لوگوں کی رضا مندی خواص کی ناراضگی کو بے اثر بنا دیتی ہے۔ عامۃ الناس دین کا ستون اور قیام نظام کا سبب ہوتے ہیں لہذا تم کو ان ہی کی زیادہ فکر ہونا چاہیئے۔ جو چغل خوری کرتا ہے اسے قریب مت آنے دو، لوگوں کے وہ عیوب جو تمہاری نظر سے پوشیدہ ہیں ان کو تلاش مت کرو۔ تم ظاہری حالات کی اصلاح کرو، پوشیدہ کی اصلاح اللہ تعالیٰ کرے گا۔ لوگوں کے دلوں سے حسد و کینہ نکالتے رہو، عداوت کے اسباب کو دور کرتے رہو، اپنے مشورہ میں اس بخیل کو شریک مت کرو جو فقیر ہونے کا خوف دلائے، اور نہ بزدل سے مشورہ کرو جو کمزور بنائے، اور نہ حریص ولالچی کو شریک مشورہ کرو جو حرص وطمع کو تمہاری نگاہوں میں زینت دینے کی کوشش کرے۔

جو شخص خدا کے فضل وکرم اور اس کی قدرت وقوت پر یقین نہیں رکھتا وہ بری باتوں کا شکار ہوتا ہے، یاد رکھو زیادہ تعریف کبر وغرور سے قریب کر دیتی ہے۔ نیک وبد کو برابر مت سمجھو، خوشامدی سے دور رہو حسن ظن سے زندگی کو آراستہ کرو۔

اس طریقہ اور سنت کو مت بھلاؤ جس پر اس امت کے اگلے لوگ عمل کرتے رہے ہیں، کوئی ایسا طریقہ ایجاد نہ کرو جو سنن قدیمہ کو نقصان پہنچائے ورنہ اس کے توڑنے کا وبال تمہاری گردن پر ہوگا۔

آپ کے حکمت و موعظت سے بھرے ارشادات میں حسب ذیل کلمات بڑی اہمیت رکھتے ہیں۔

(۱) لوگ سو رہے ہیں جب مریں گے اس وقت بیدار ہونگے۔
(۲) اللہ کے سوا کسی سے امید نہ رکھو اور گناہوں کے سوا کسی چیز کا خوف مت کرو۔
(۳) جس نے اپنے آپ کو پہچان لیا اس نے اپنے رب کو پہچان لیا۔
(۴) جس کی زبان میٹھی اس کے دوست بہت! احسان زبان کو قطع کرتا ہے۔
(۵) ہر انسان اپنی زبان کے نیچے چھپا ہوا ہے، دشمن پر قابو پاؤ تو قصور معاف کرو۔
(۶) دل کے پوشیدہ خیالات زبان کی جنبش اور چہرے سے ظاہر ہو جاتے ہیں۔
(۷) علم ادنیٰ کو اعلیٰ اور جہل اعلیٰ کو ادنیٰ بنا دیتا ہے۔ ایمان کی علامت یہ ہے کہ جہاں سچ بولنے سے نقصان کا اندیشہ ہو وہاں بھی سچ بولو۔ توحید و سنت دین کے دو ستون ہیں۔ اور ہدایت کی دو مشعلیں ہیں۔

علماؤ اہل عقل کی صحبت کو فراموش مت کرو، رشتۂ اتحاد و اخوت کو قائم کئے بغیر اصلاح نہیں ہو سکتی ہے، سب کے ساتھ بقدر مراتب سلوک کرو۔ محتاج و ساکین کا خیال رکھو اللہ تعالےٰ نے سب کے حقوق اپنی کتاب میں محفوظ کر دیئے ہیں اور یہی سنت نبویؐ ہے۔

ایسے شخص کو فوج کا افسر مقرر کرو جو اللہ، رسول اور خلیفہ سے خلوص رکھتا ہو۔ صاف باطن صاحب علم و عقل، اور اللہ کے غریب بندوں پر مہربان ہو، افسران فوج کو چاہئے کہ وہ اپنی فوج کی اس طرح دیکھ بھال کریں جس طرح ماں باپ اولاد کی کرتے ہیں، بڑے امور کے ساتھ چھوٹے

امور کی بھی فکر رکھو۔

مزاج میں استقلال اور عاقبت کی بھلائی سے غافل نہ رہو، اگر غلطی ہو جائے تو عذر کو نفس کی ریاضت تصور کرو، اس سے لوگوں کے شبہات بھی دور ہو نگے اور تم کو بھی تقویت حاصل ہوگی، صلح خدا کو پسند ہے اسے رد نہ کرو، اپنا وعدہ پورا کرو تا کہ یہ بوجھ تمہاری گردن سے دور ہو، جس بات کا ذمہ لے لو اسے مت بھولو، جو عہد کرو اس میں خیانت نہ کرو، دشمن کے ساتھ بھی دھوکہ مت کرو۔

خونریزی کے قریب مت جاؤ، ناجائز خون ریزی سے قوت کمزور ہوتی ہے، یاد رکھو حکومت کا غرور بھی تم کو مقتول کے وارثوں کو حق دیت دینے سے نہ روکے۔ احسان جتانے سے نیکی برباد ہوتی ہے اور اسے بڑھا چڑھا کر بیان کرنے سے نورِ حق سلب ہوتا ہے۔

یاد رکھو، اللہ کے نزدیک بڑے عذاب کی بات یہ ہے کہ تم کہو کچھ اور کرو کچھ۔ کَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ۔

جلد بازی اچھی نہیں، سستی سے نقصان پہنچتا ہے، جب اچھائی کے پہلو سامنے ہوں تو پھر کام میں دیر نہیں کرنا چاہیئے۔

اسلاف کی یاد مت بھلانا، ان کے اچھے اصول، پیغمبر کی سیرت، کتاب خدا کے احکام ہمیشہ پیش نظر رہیں، لوگوں سے وہی بات کہو جو سمجھ سکتے ہوں کیا تم یہ پسند کرتے ہو کہ اللہ یا اللہ کا رسول جھٹلایا جائے۔

ایک مرتبہ ارشاد فرمایا۔ جب تم سے آنحضرت ؐ کی کوئی حدیث بیان

کی جائے تو اس کے وہ معنی سمجھو جو زیادہ قرین ہدایت اور زیادہ بہتر ہوں۔
آپ نے فرمایا۔ جہاد جنت کے دروازوں میں سے ایک دروازہ ہے جس نے اس کو چھوڑا خدا اس کو ذلت کا لباس پہناتا ہے۔

مال کو اس امید پر مت روک رکھو کہ جب گراں ہوگا تو فروخت کریں گے، تمہاری ترازو اور باٹ ٹھیک اور صحیح ہونا چاہئیں۔

وفات کے قریب حضرت امام حسنؓ سے فرمایا۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمدؐ اللہ کے رسول اور پیارے بندے ہیں، اللہ نے ان کو اپنی رسالت کے لئے چن لیا۔ پھر فرمایا۔ گناہوں پر رونا، نماز وقت پر ادا کرنا زکوۃ مستحق کو دینا، پڑوسی سے اچھا سلوک مہمان کی عزت، کمزوروں پر رحم۔ مساکین سے محبت تواضع عبادت ہے، موت اور زہد کو یاد رکھو، بازاروں میں مت بیٹھو، بیوقوف سے بحث مت کرو۔ ہر حال میں خدا کی یاد کرتے رہو، روزہ بدن کی زکوۃ ہے، جب کھانا کھانے لگو تو پہلے صدقہ دیدو، عزیزوں اور رشتہ داروں سے محبت کرو اور حسب مراتب ان کا احترام کرو۔ ایسے لوگوں کی صحبت میں رہو جہاں ذکر خدا ہوتا ہو۔ خوف خدا خلوت وجلوت کی حالت میں رہنا چاہئے۔ ایک صاحب نے عرض کیا کہ ہم پر کسی کو خلیفہ مقرر کر دیجئے، جواب میں فرمایا ہم نے بھی آنحضرتؐ سے یہی کہا تھا تو فرمایا کہ "اللہ بہتر جانتا ہے کہ تم میں کون بہتر ہے اور وہ تمہارے بہتر کو تم پر مقرر فرمادے گا" پس اللہ نے ہم میں بہتر ابو بکرؓ کو جانا اور مقرر فرمادیا۔ (نور الابصار۔ نہج البلاغہ، طبری، ابن اثیر وغیرہ)

ازواج و اولاد

حضرت علیؓ کی پہلی شادی حضرت فاطمہؓ کے ساتھ ہوئی۔ اولاد میں امام حسنؓ، امام حسینؓ، محسنؓ اور لڑکیوں میں زینبؓ اور ام کلثومؓ پیدا ہوئیں، محسنؓ نے کم عمری میں انتقال کیا، زینبؓ حضرت عبداللہ بن جعفرؓ کے نکاح میں آئیں مگر اولاد کا سلسلہ نہیں چلا، ام کلثومؓ حضرت عمرؓ کے نکاح میں آئیں۔ حضرت علیؓ نے حضرت فاطمہؓ کی وفات کے بعد مندرجہ ذیل شادیاں کیں۔ امّ البنین بنت حزام۔ ان سے عباس، جعفر، عبداللہ اور عثمان پیدا ہوئے اور سب نے امام حسینؓ کے ساتھ کربلا میں شہادت پائی لیلیٰ بنت مسعود۔ ان سے عبداللہ اور ابوبکر پیدا ہوئے اور کربلا میں شہید ہوئے۔ اسماء بنت عمیس۔ یہ پہلے حضرت جعفر طیار کے نکاح میں تھیں، پھر حضرت ابوبکر کے نکاح میں آئیں، اس کے بعد حضرت علیؓ نے نکاح کیا، محمد ابن ابوبکر ان ہی کے ساتھ آئے تھے، ان سے دو بچے محمد اصغر اور یحییٰ پیدا ہوئے۔

امّ حبیب بنت ربیعہ۔ ان سے عمر اور رقیہ پیدا ہوئیں، عمرؓ نے لمبی عمر پائی۔ امامہ بنت ابی العاص، ان سے محمد اوسط پیدا ہوئے۔ خولہ بنت جعفر۔ محمد بن حنیفہ ان سے پیدا ہوئے اور بڑا نام حاصل کیا۔ ام سعید بنت عروہ۔ ان سے ام الحسن اور رملہ پیدا ہوئیں۔ نویں بیوی کا نام محیاۃ بنت امراء القیس تھا، ان سے ایک لڑکی ہوئی مگر جلدی فوت ہوگئی۔ صرد

تین بچوں سے سلسلۂ نسل آگے چلا جن کے نام یہ ہیں۔ امام حسنؓ، امام حسینؓ محمد بن حنفیہؒ کچھ لوگ حضرت ام کلثوم بنت فاطمہؓ کے نکاح کی حضرت عمرؓ کے ساتھ تردید کرتے ہیں مگر یہ صحیح نہیں ہے۔ تمام مورخوں نے تفصیل سے لکھا ہے چنانچہ مولانا شبلی لکھتے ہیں کہ "علامہ طبری نے تاریخ کبیر میں، ابن حبان نے کتاب الثقات میں، ابن قتیبہ نے معارف میں، ابن اثیر نے کامل میں تصریح کے ساتھ لکھا ہے کہ ام کلثوم بنت فاطمہ زہرا حضرت عمرؓ کی زوجہ تھیں۔" اس کے علاوہ بخاری میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے ایک مرتبہ عورتوں کو چادریں تقسیم کیں، ایک باقی رہ گئی تو ایک شخص نے کہا، یا امیرالمومنین ہم چاہتے ہیں کہ یہ چادر آپ اپنی بیوی ام کلثوم کو دیدیجئے جو رسول اللہ کی بیٹی ہیں۔ اسی طرح اسد الغابہ میں بڑی تفصیل سے حضرت ام کلثومؓ کے نکاح کا حال موجود ہے، ان سے حضرت عمرؓ کا نکاح ۱۷ھ میں ہوا تھا۔ حضرت فاطمہؓ نے ۳ رمضان ۱۱ھ میں وفات پائی۔

حلیہ مبارک

درمیانی قد، چوڑا سینہ، جسم گٹھا ہوا، رنگ گندمی، آنکھیں بڑی، چہرہ خوبصورت و شاداب، ریش مبارک گھنی، بڑی اور چوڑی، سینہ بالوں سے بھرا ہوا، سر پہ بال نہیں رکھتے تھے، صرف ایک مرتبہ گیسو رکھائے اور ایک ہی دفعہ مہندی کا استعمال کیا، آخر عمر میں ریش و سر دونوں سفید تھے۔

لباس میں عمامہ بہت پسند تھا اور اسے عربوں کا تاج فرمایا کرتے تھے، کبھی سفید ٹوپی بھی استعمال کرتے تھے، کرتہ، تہبند، چادر اور عمامہ مخصوص لباس تھا۔ اکثر پیوند لگا پہنتے تھے، دکھاوے اور نمائش کو سخت معیوب سمجھتے تھے، سیدھے ہاتھ میں انگوٹھی رہتی تھی اور اس پر "للہ الملک" لکھا ہوتا تھا۔ سردی و گرمی کا کوئی اثر آپ پر نہیں ہوتا تھا، گرمیوں میں موٹا لباس اور سردیوں

میں ہلکا لباس آپ کے لئے برابر تھا۔

وَلِلّٰہِ الْحَمْدُ اَوَّلًا وَّاٰخِرًا وَّالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی

رَسُوْلِہٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ کَثِیْرًا کَثِیْرًا

لُغات

مِفتاحُ اللُّغات عربی اُردو ڈکشنری مع ضرب الامثال ومحاورات مجلد ۰۰—۱۰

لُغات القرآن عربی اُردو لُغاتِ قرآن مجلد ۵۰—۷

اصُول تفسیر

فوزالکبیر فی اصُول تفسیر فارسی مع عربی اُردو مجلد شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ ۰۰—۸

التحریر فی اصُول تفسیر اُردو کامل مجلد مولانا محمد مالک ۰۰—۶

احادیثِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

صحیح بُخاری شریف مُترجم عربی مع اُردو کامل تین جلد مجلد ۰۰—۴۵

تجرید صحیح بخاری شریف اُردو کامل مجلد ۰۰—۸

صحیح مسلم شریف مترجم عربی مع اردو کامل تین جلد مجلد ۰۰—۴۴

سُنن ابُوداؤد شریف مُترجم عربی مع اُردو کامل تین جلد مجلد ۰۰—۳۶

مِشکوٰۃ شریف مُترجم عربی مع اُردو کامل تین جلد مجلد ۰۰—۲۴

اِنتخاب صحاح سِتّہ مُترجم عربی مع اُردو کامل مجلد ۰۰—۵

مُوطّا امام محمدؒ مُترجم عربی مع اُردو کامل مجلد ۰۰—۸

مُسند امام اعظمؒ مُترجم عربی مع اُردو کامل مجلد ۰۰—۸

کتابُ الآثار مُترجم عربی مع اُردو کامل مجلد ۰۰—۸

ریاضُ الصّالحین مُترجم عربی مع اُردو کامل دُو جلد مجلد ۰۰—۲۰

سنن دارمی شریف اردو کامل مجلد ۰۰—۸

موضوعاتِ کبیر مُترجم عربی مع اُردو کامل مجلد ۰۰—۸

کتابُ الاخلاق مُترجم عربی مع اُردو کامل مجلد ۵۰—۲

کتابُ المعاشرت اُردو مجلد	۲۵—۲	کتابُ الصّلوٰۃ اُردو	۶۰—۰
کتابُ الطّہارۃ اُردو	۶۰—۰	کتابُ الزکوٰۃ اُردو	۶۰—۰
کتابُ الایمان اُردو	۶۰—۰	کتاب الجہاد اردو	۶۰—۰

سیر و سوانح

ازالۃ الخفاء اردو کامل دو جلد مجلد	شاہ ولی اللہؒ	۲۰—۰۰
امامتِ عظمیٰ اردو مجلد	علامہ سید رشید رضاؒ	۲—۵۰
احکامِ سلطانیہ اردو مجلد	علامہ ابوالحسن ماوردی	۶—۰۰
ہماری شہنشاہی اردو مجلد	محمد عطاء اللہ	۲—۵۰
مجالس المومنین مجلد	محمد عطاء اللہ	۳—۰۰
تاریخ انبیاء مجلد	مولانا قاری احمد	۵—۲۵
تاریخ مصطفیٰ مجلد	مولانا قاری احمد	۶—۰۰
تاریخ خلفائے راشدینؓ مجلد	مولانا قاری احمد	۶—۰۰
رحمتِ دو عالم مجلد	مولانا قاری احمد	۲—۰۰
تاریخ حبیب الہٰ	مفتی عنایت احمدؒ	۲—۰۰
شہدائے اسلام مجلد	مولانا اخلاق حسین	۲—۰۰
شہادتِ حسینؓ مجلد	مفتی انتظام اللہ شہابی	۱—۵۰
حکایاتِ صحابہؓ مجلد	مولانا محمد زکریا	۲—۵۰
تذکرہ اولیاء ہند و پاکستان مجلد	مفتی ولی حسن	۲—۰۰
نیک بیبیاں (الصالحات)	مولانا اصغر حسینؒ	۰—۷۵
مومناتؓ مجلد	مولانا عبدالقیوم ندوی	۱—۵۰
تاریخ قرآن مجلد	مولانا عبدالقیوم ندوی	۲—۰۰
اعجاز القرآن	علامہ شبیر احمد عثمانیؒ	۰—۷۵
مشاہداتِ حرمین مجلد	مولانا قاری احمد	۲—۵۰
ذکر الشہادتین اردو ۱—۰۰	صبر ایوب علیہ السلام	۰—۲۵

فقہ وعقائد

عقد الجید مترجم عربی مع اردو مجلد	شاہ ولی اللہؒ	۲—۲۵
سعیدی بہشتی زیور مکمل مدلل کاغذ گلیز مجلد	علامہ تھانویؒ	۱۲—۰۰
سعیدی بہشتی زیور مکمل مدلل کاغذ رف مجلد	علامہ تھانویؒ	۱۰—۰۰
بہشتی زیور حصہ ۱ مع ضمیمہ مسمّٰی بہ بہشتی جوہر	علامہ تھانویؒ	۰—۶۰
فتاوی عبد الحیؒ اردو کامل مبوب مجلد	مولانا عبد الحیؒ	[illegible]—۰۰
فتاوی رشیدیہ کامل مبوب مجلد	مولانا رشید احمد گنگوہیؒ	۸—۰۰
احسن الفتاوی کامل مبوب مجلد	مولانا رشید احمد لدھیانوی	۱۲—۰۰
الحیلۃ الناجزہ مجلد (مسائل نکاح وطلاق)	علامہ تھانویؒ	۳—۷۵
مفید الوارثین مجلد (قانون وراثت)	مولانا اصغر حسینؒ	۳—۷۵
صفائی معاملات	علامہ تھانویؒ	۰—۵۰
آداب المساجد	مفتی محمد شفیع	۰—۵۰
تقویۃ الایمان	مولانا اسمٰعیل شہیدؒ	۰—۷۵
المہند علی المفند (عقائد علمائے دیوبند)	مولانا خلیل احمد	۰—۷۵
فاتحہ کا صحیح طریقہ	مولانا قاضی سید اسمٰعیل	۱—۰۰
حقوق الاسلام	علامہ تھانویؒ	۰—۲۰
مفتاح الجنۃ		۰—۵۵
راہ نجات		۰—۵۵

خلاصۃ الفقہ	۱—۰۰
خلاصۃ النکاح	۰—۲۰

تصوف

فیوض الحرمین مترجم عربی مع اردو مجلد	شاہ ولی اللہؒ	۴—۵۰
خیر کثیر مترجم عربی مع اردو مجلد	شاہ ولی اللہؒ	۶—۰۰
منہاج العابدین اردو مجلد	امام غزالیؒ	۶—۰۰
تبلیغ دین اردو مجلد	امام غزالیؒ	۳—۰۰

فضائل و مواعظ

تبلیغی چالیس سبق	مولانا سعید الدین	۰—۳۰
چھ باتیں	شاہ محمد الیاسؒ	۰—۳۷
فضائل تبلیغ	مولانا محمد زکریا	۰—۳۷
فضائل قرآن	مولانا محمد زکریا	۱—۰۰
فضائل نماز	مولانا محمد زکریا	۱—۰۰
فضائل رمضان	مولانا محمد زکریا	۰—۷۵
فضائل حج مجلد	مولانا محمد زکریا	۳—۷۵
فضائل ذکر مجلد	مولانا محمد زکریا	۳—۰۰
فضائل صدقات حصہ اوّل مجلد	مولانا محمد زکریا	۴—۵۰
فضائل صدقات حصہ دوم مجلد	مولانا محمد زکریا	۴—۵۰

وعظ بے نظیر	۱—۵۰	میلاد گوہر	۰—۶۶
ظہور قدسی	۰—۶۰	مولود دلپذیر	۰—۵۰
شکوہ جواب شکوہ	۰—۲۵	مولود سعیدی	۰—۳۷

تعلیم و اصولِ تعلیم

سعیدی رہنمائے خطاطی عربی، اردو۔ (فن خوشخطی)، منشی عبد المجید دہلوی		۰—۷۵
آداب تحریر (اردو خط و کتابت)	محمد زکریا مائل	۱—۰۰
معلم عربی کامل تین حصے	مولانا اقبال الدین	۳—۰۰
فارسی بول چال کامل	مولانا اقبال الدین	۲—۵۰
نسیمہ کشیدہ کاری	نسیمہ نازلی	۳—۰۰

مدارسِ عربیہ میں داخلِ نصاب کتابوں کا قابلِ قدر ذخیرہ

بترتیب حروف تہجی

عربی صرف	ابوابُ الصرف	۱/۵۰	اصول فقہ	حسامی مع شرح نامی	۵/۲۵
اصول فقہ	اصول الشاشی عربی	۳/۰۰	اصول فقہ	حسامی مع شرح نظامی	۵/۲۵
منطق	المنطق اردو	۰/۳۷	منطق	حمداللہ ٹونکی شرح سلم	۶/۰۰
منطق	انوار العلوم شرح اردو سلم العلوم	۳/۰۰	فقہ	خلاصہ کیدانی	۰/۲۵
منطق	ایساغوجی	۰/۲۵	فن بلاغت	دروس البلاغت مع شرح اردو مفتاح المعانی	۳/۰۰
عربی نحو	ایضاح العوامل شرح اردو شرح مأۃ عامل	۲/۰۰	عربی صرف	دستور المبتدی	۱/۰۰
عربی نحو	ایضاح المطالب شرح اردو کافیہ	۳/۰۰	عربی ادب	دیوان حضرت علیؓ	۲/۲۵
منطق	بدیع المیزان	۱/۵۰	عربی ادب	دیوان متنبی	۴/۰۰
فارسی ادب	بوستان محشّٰی	۴/۰۰	عربی ادب	روضۃ الادب	۱/۲۵
فارسی ادب	پنج کتاب فارسی مجلد	۱/۰۰	عربی صرف	زنجانی	۰/۵۰
عربی صرف	پنج گنج مع زبدہ	۱/۰۰	عربی ادب	سبعہ معلقہ مترجم	۱/۰۰
فارسی ادب	پندنامہ شیخ عطار	۰/۵۰	اصول فقہ	السبیل الاقوم ترجمہ مسلم الثبوت	۱/۵۰
فارسی ادب	تحفۂ نصائح فارسی مجلد	۱/۰۰	فرائض و میراث	سراجی کلاں	۲/۰۰
حدیث	ترمذی شریف عربی	۲۵/۰۰	فارسی ادب	سکندر نامہ بری	۵/۲۵
فن بلاغت	تلخیص المفتاح	۱/۲۵	منطق	شرح تہذیب	۲/۰۰
تفسیر	تفسیر بیضاوی عربی درسی	۷/۵۰	عقائد و کلام	شرح عقائد نسفی	۳/۳۷
اصول حدیث	تقریر ترمذی عربی	۲/۰۰	عقائد و کلام	شرح فقہ اکبر	۴/۰۰
فارسی صرف	تیسیر المبتدی	۰/۵۰	عربی نحو	شرح مأۃ عامل فارسی	۱/۰۰
منطق	تیسیر المنطق	۰/۳۷	فقہ	شرح وقایہ اولین	۱۶/۵۰
تجوید	جمال القرآن	۰/۳۷	فرائض و میراث	شریفیہ شرح سراجی	۳/۷۵
عربی صرف و نحو	جملہ صرف یعنی جنگ صرف	۴/۵۰	حدیث	شمائل ترمذی عربی	۱/۵۰
فارسی صرف	چہل سبق	۰/۳۷	فارسی صرف	صرف بہائی مجدول	۰/۳۰

عربی صرف	صرف میر	۰-۵۰
منطق	صغریٰ مترجم مع شرح اردو	۰-۳۰
فارسی صرف	صفوۃ المصادر آمدن نامہ فارسی	۰-۱۸
عربی صرف	عزیز المبتدی ترجمہ میزان الصرف	۰-۵۰
عربی صرف	علم الصیغہ	۱-۵۰
عربی صرف	فصول اکبری	۲-۲۵
تجوید	فوائد مکیہ	۰-۳۷
منطق	قاضی مبارک	۱۰-۰۰
فقہ	قدوری مع تنقیح الضروری	۴-۰۰
منطق	قطبی	۳-۵۰
عربی ادب	قلیوبی	۳-۷۵
منطق	کبریٰ مترجم اردو	۰-۶۰
فارسی ادب	کریما جلی قلم	۰-۰۹
فارسی ادب	کریما مترجم	۰-۱۸
اصول فقہ	کشف المبہم شرح مسلم الثبوت	۴-۵۰
فقہ	کنز الدقائق کلاں	۱۲-۰۰
فارسی ادب	گلستاں مع فرہنگ	۲-۵۰
فقہ	مالابدمنہ فارسی	۲-۲۵
سندھی ادب	مجموعہ مدحیات سندھی	۱-۲۵
منطق	مجموعہ منطق	۲-۲۵
فن بلاغت	مختصر المعانی	۱۰-۰۰
عربی صرف	مراح الارواح	۱-۵۰
منطق	مرقات مع مراۃ	۱-۰۰
اصول فقہ	مسلم الثبوت	۱-۲۵
حدیث	مشکوٰۃ شریف عربی	۱۸-۰۰
عربی نحو	مصباح التہذیب مع اردو شرح تہذیب	۳-۵۰

اصول فقہ	مصباح الحواشی شرح اردو اصول الشاشی	[illegible]
عربی نحو	مصباح النحو شرح اردو ہدایۃ النحو	[illegible]
فارسی صرف	مصدر فیوض	[illegible]
فن بلاغت	مطول شرح تلخیص	۰۰
عربی ادب	مقامات حریری	[illegible]
منطق	ملا حسن شرح سلم	۰۰
فقہ	منیۃ المصلی	[illegible]
فلسفہ	میبذی محشی	۵۰
فلسفہ	میبذی عین القضاۃ	[illegible]
عربی صرف	میزان الصرف ومنشعب	۵۰
منطق	میزان المنطق مترجم اردو	۶۰
فارسی صرف	میزان فارسی	۰۹
عربی نحو	نحو میر	۰۰
اصول حدیث	نخبۃ الفکر مع نزہۃ النظر	[illegible]
تجوید	نزہۃ القاری	۲۰
عربی ادب	نفحۃ العرب	۰۰
عربی ادب	نفحۃ الیمن	۵۰
اصول فقہ	نور الانوار مع سوال وجواب	۵۰
فقہ	نور الایضاح کلاں	۰۰
سندھی ادب	نور نامہ سندھی مجلد	۲۵
عربی نحو	ہدایۃ النحو	۵۰
فقہ	ہدایہ اولین	۰۰
فقہ	ہدایہ آخرین	۰۰

ہر قسم کی دینی مذہبی علمی و ادبی کتب ہم سے بکفایت طلب

إِنَّ هَٰذَا لَهُوَ الْقَصَصُ الْحَقُّ

56

تاریخ مسلمانانِ عالم

جلد سوم

تاریخ خلفائے راشدین رضوان اللہ علیہم

از

مولانا قاری احمد

ناشر

قرآن محل

مقابل مولوی مسافر خانہ، کراچی